جلد 43 • شمارہ 02 • فروری 2015 • زرِ سالانہ 700 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 60 روپے •

خط و کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200 • فون (021) 35895313 فیکس (021) 35802551 E-mail:jdpgroup@hotmail.com

مدیرِ اعلیٰ

عذرا رسول

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

عزیزانِ من… اسلام علیکم!

کئی عشروں سے اس ادارے سے مسلسل لکھی اور قلبی وابستگی کے بعد معروف قلم کار، فلم ساز اور ہدایت کار جناب علی سفیان آفاقی 27 جنوری کی شام خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ربّ العالمین ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے… ادارے کے جملہ اراکین مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ماہنامہ سرگزشت کے صفحات پر مرحوم کی قلمی الف لیلہ ایک یادگار کا درجہ رکھتی ہے جسے قارئین کی غیر معمولی پسند کی سند حاصل تھی۔ اب وہ باب تمام ہوا۔ مارچ میں مرحوم کی آخری تحریر شائع ہوگی۔ وہ گئے اور ایک روز سب ہی کو جانا ہے۔

جانے والے اپنی طبعی عمر پوری کر کے جاتے ہیں تو ان کو مٹی دے کر دل کو قرار آ جاتا ہے لیکن ملک بھر میں دہشت و بربریت کا جو بازار گرم ہے… بچے، بوڑھے اور جوان جس طرح خون میں نہلائے جا رہے ہیں، وہ پوری قوم اور اس کی اشرافیہ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ قانون سازی کی حد تک مثالی اتحاد سامنے آ گیا، دہشت گردوں کی سرکوبی کے عملی اطلاق پر کچھ الگ الگ آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ ہم من حیث القوم ایک ایسے موڑ پر آ گئے ہیں جہاں ریاست کی بقا کے لیے اتحاد و اتفاق ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہم سب یہ اُمید ہی کر سکتے ہیں کہ اب حریفانہ چشمک کو بھول کر سب قومی اور سیاسی قوتیں یہ بات سمجھ لیں گی۔ اس مرحلے پر جس نے چشم پوشی سے کام لیا، آنے والا وقت اسے معاف نہیں کرے گا۔ اس خوش اُمیدی کے ساتھ چلتے ہیں اپنی محفل میں جہاں رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔

میانوالی سے **احسان سحر** کی سحر انگیز باتیں ’’خوش رہنا اور دوسروں کو خوش رکھنا ضرور ہے۔ مسکراہٹ تب ہی خوب صورت نظر آتی ہے جب وہ آپ کے چہرے پر نظر آتی ہے ورنہ مسکراہٹ تو ایسی چھپی ہوئی ہوتی ہے جو نہ تو نظر آتی ہے اور نہ تو محسوس ہوتی ہے۔ خوشبو تو محسوس ہوتی ہے نظر نہیں آتی تو اس لیے مسکراہٹ کو ہمیشہ اپنے چہرے کا حصہ بنائے رکھیں۔ میرے چہرے پر بھی مسکراہٹ رہتی ہے اور یہ گہری اس وقت ہوتی ہے جب جاسوسی ہاتھ آتا ہے۔ ٹائٹل سے آغاز کیا جو نئے آنے والے سال کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ محفل شگفتہ شگفتہ میں حاضری دی۔ نئی تمناؤں اور نئے جذبوں کے ساتھ ادارے والوں کا مختصر نامہ پڑھا۔ امید ہی جینے کا سہارا ہے اور ہم بھی اسی پر جی رہے ہیں اور دنیا بھی اسی پر قائم ہے۔ بلقیس خان نئے سال کے آغاز میں ہی نمایاں مقام پر فائز رہیں، مبارک ہو۔ ماریہ خان اس دفعہ بھرپور جوبن پر نظر آئیں۔ ڈیئر جہاں پیار نہیں ہوتا وہاں نفرت بھی نہیں ہونی چاہیے یہ ہمارا اپنا گھر ہے۔ زویا اعجاز نے بھی ہر چیز پر مکمل کر تبصرہ کیا۔ بھئی سیدھی سی بات ہے ہم میں ادبی ذوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں صرف کہانیاں پڑھنے اور ان پر کھل کر تبصرہ کرنے میں ہی مزہ آتا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہاں ہاتھ ذرا ہولا رکھنا پڑتا ہے ورنہ ہم تو دو صفحات ہی کہانی پر بھی پانچ کی تشریح کر سکتے ہیں۔ ہمایوں بردار، کبیر بھائی کو تو مانا کہ وہ شادی کے بعد سکڑ سمٹ گئے ہیں پر آپ کیوں پہلے سے گاجر کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ملک رحمت کی رحمتیں بھی پہلی بار جاسوسی پر برسیں اور خوب برسیں۔ باقی سب دوستوں کو سلام جن کے ہم نام نہ لکھ سکے۔ سالِ نو کی پہلی بہار سے آغاز کیا اور یہ بات حقیقت بھی ہے کہ غیر ممالک کے ادیب ایسے بھی رہے اور ہیں جنہوں نے ادب میں اپنا آپ منوایا۔ مایا جال مکمل کر کے بھی اس کا اثر ذہن پر حاوی رہا۔ کیا واقعات تھے بھی ایسی … سنسنی اور سسپنس فل سچویشن کہ کھو کر رہ جاتے تھے۔ مراد مختصر مگر اچھی کاوش رہی۔ دوستی میں شک اور محبت میں شک ہمیشہ ہی دلوں میں دراڑ ڈالتا ہے اور جب دلوں میں دراڑیں پیدا ہو جائیں تو سامنے کوئی بھی ہو اچھا نہیں لگتا۔ بونس، کافی کڑے اور غیر یقینی حالات کا مقابلہ ہمیشہ ہی حوصلے والے ہی کر پاتے ہیں۔ اوبرن نے بھی آخر ثابت کر دکھایا۔ سچی لگن اور بھرپور محنت کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ ایوریٹ آخر اپنے انجام کو پہنچا۔ ذمے داری نے آخر رہی دکھایا۔ انسان کے اندر ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ غم بھی، خوشی بھی، نفرت بھی، محبت، مسکراہٹ بھی، آنسو بھی، ذمے داری بھی اور غیر ذمے داری بھی، اچھا بھی اور برا بھی لیکن انسان بہت کم چیزیں اپنے اندر سے باہر لاتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کو باہر آنے دیا جائے تو انسان ایک مکمل انسان ہو جاتا ہے۔ بات بھی سیکھنے اور عمل کرنے کی ہے۔ آوارہ گرد ہر قسط میں ایکشن، لڑائی اور تیز رفتاری کی جانب گامزن ایک نئے اور دلچسپ واقعات جنم لیتی جا رہی ہے۔ کافی وسیع اور دلچسپ بنا لیا ہے ڈاکٹر صاحب نے کہانی کو۔ گول مال ایسا گروہ جو نہایت ہی صفائی سے اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ آخر کب تک، چلنے والا رکتا ضرور ہے۔ بھاگنے والا تھکتا ضرور ہے۔ آخر یہ گروہ بھی قانون کے اندھے اور لمبے ہاتھوں کا شکار بن ہی گیا۔ آسمان تک کافی حیرت انگیز اور عجیب لگی۔ اس ماہ کی مختصر اسٹوریز میں اسٹوری آف متحدہ برادری کا انصاف رہی۔ یہودیوں کی وحشت اور بربریت کا منہ بولتا ثبوت جس کی مثال ڈاکٹر ایڈورڈ اور اسمتھ تھے۔ ایلڈر کا کردار اچھا رہا، جاتے جاتے اپنی بھاگ دوڑ سے ڈاکٹر ایڈورڈ اور اسمتھ کو اپنے منطقی انجام تک پہنچا گئے۔ پہلا رنگ زنداں شکن کافی عرصے بعد غلام قادر صاحب نظر آئے۔ جو دیکھنے میں نرم اور حقیر سے نظر آتے ہیں وہی اکثر گلے کا طوق بن جاتے ہیں۔ عورت بظاہر تو ایک کمزور محبت کا امین نظر آنے والا اشرافیہ ہے لیکن جب انتقام پر آئے تو چٹانوں کو بھی ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔ دوسرا رنگ، شامی اور تیمور کا رنگ کافی بور اور بے مزہ رہا۔ ایک چور کی مدد کر کے شامی نے کافی مایوس کیا۔‘‘

لاہور سے **زویا اعجاز** کے قلم کی جادوگری ’’سالِ نو کی آمد ہمیشہ ہی قلبِ بشر میں کچھ نئی امنگیں اور امیدیں پیدا کرتی ہے مگر سانحۂ پشاور سے 2015ء آہوں سسکیوں کی بازگشت میں طلوع ہوا۔ ایسی ہی ایک افسردہ سی برفیلی شام میں جاسوسی ہاتھ میں آیا۔ تراشی ہوئی چٹان کا منفرد

انداز بہترین تھا۔ صنفِ نازک پرستان سے آئی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ مگر ان کی قمیص کا بیک گلا کسی اناڑی درزی کے ہاتھ کی کرامت لگا۔ وحشی انداز میں دانت نکوستے انکل کسی فلاپ ٹوتھ پیسٹ کے برانڈ ایمبسڈر لگ رہے تھے۔ اداریہ سو فیصد ہمارا دلی ترجمان تھا۔ ننھی کلیوں کا یوں بربریت سے شکار سقوطِ ڈھاکا کے بعد ایک اور نہ مٹنے والا زخم ہے۔ چیئرپرسن بلقیس خان کا تبصرہ کچھ تشنگی لیے ہوئے تھا۔ باقی یہ ان کی سمجھ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ کاکاجی کو کس تناظر میں لیتی ہیں۔ اسلام آباد سے ماریہ خان کا تبصرہ پوری محفل کی جان تھا، ویلڈن۔ محی الدین اشفاق! یہ فیصلہ اپنے رسک پر کیجیے گا۔ نوال، مثال، فائزہ گلزار اور گل نیلی کا شکریہ۔ ملک رحمت کی پہلی انٹری بڑی دھماکے دار تھی۔ امید ہے اس دھماکے کی گونج میں اب وہ کہیں کھو نہ جائیں۔ صفدر معاویہ کی صحت کے لیے نیک تمنائیں۔ سید اکبر شاہ! کوئی بات نہیں بچے، ایسی چھوٹی موٹی غلطیاں نہ کریں تو نیا نے کیسے کہلائیں؟ نادر سیال پردے میں رہنے دو پردہ نہ اٹھاؤ۔ وڈے شاہ جی! انفرادیت آپ کے قلم اور سوچ کا خاصہ ہے۔ بہت عمدہ تبصرہ تھا۔ عبدالجبار رومی انصاری! ہمت کرے انسان تو کیا نہیں ہو سکتا؟ افتخار حسین اعوان! آپ کی تابعداری بجا لیکن بہنیں کبھی بھائیوں کو حکم نہیں دیا کرتیں۔ اس بار انکل سیانے کی کمی تھی محفل میں۔ مغربی تراجم میں امجد رئیس کا قلم کافی نکھرتا جا رہا ہے۔ مافیا کے ناقابلِ رسائی وسائل اور جرائم کی دنیا میں قلابازیاں کھاتے بقیہ آئندہ ماہ کا ٹیگ دیکھ کر یہ حالت تھی گویا کشمش کھاتے ہوئے کوئی کڑوا بادام دانتوں تلے آ گیا ہو۔ برف زاروں کی منظر کشی بہت پیاری تھی۔ پہلے رنگ میں غلام قادر کا نام دیکھ کر بہت جوش تھا لیکن کمزور پلاٹ پر غیر منطقی کہانی پڑھ کر ہم کچھ ایسے شاکڈ تھے جیسے اسٹیڈیم میں موجود تماشائیوں کو کسی اسٹار بیٹسمین کو صفر پر آؤٹ ہوتے دیکھ کر سانپ سونگھ جائے۔ زنداں شکن کافی امید شکن ثابت ہوئی۔ کاشف زبیر کی شامتِ اعمال میں ایڈونچر، تھرل سب لوازمات تھے لیکن شامی اور تیمور کی مشہور زمانہ بے ساختہ بونگیاں بڑی مس کیں ہم نے۔ بہر حال عمدہ پلاٹ، لاجیکل ایکشن اور پختہ کردار نگاری کی بدولت یہ رنگ پہلے رنگ سے بازی لے گیا۔ ”آوارہ گرد“ میں دھواں دھار ایکشن اور جواری میں اموات کا سیزن چل رہا ہے۔ اسپیکٹرم کی آمد نے ہمارا آغاز میں کیا گیا تبصرہ درست ثابت کر دیا کہ ناول جلد ہی بین الاقوامی تناظر اختیار کرے گا۔ شارٹ اسٹوریز میں مریم کے خان نمبرون رہیں۔ بھیگے اور تمدنی طور پر تاریک لندن کی منظر نگاری نے کیا خوب سماں باندھے رکھا۔ یہودیت ازل ہی سے سازشوں اور خونریزی سے بقا پاتی آئی ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ پر شک شروع ہی سے کنفرم تھا۔ افسردہ اختتام کے ساتھ یہ کہانی ناقابلِ فراموش ہے۔ منظر امام کی محبت کا مارا بچھڑی محبتوں، تشنہ آرزوؤں اور ادھورے ملن کی زبردست داستان۔ عورت قرنوں سے مجبوری، روایات اور مصلحتوں کی چکی میں پس کر اپنے حصے کی وفا ہار جایا کرتی ہے۔ گول مال نے بہت دماغ گھمایا۔ بے جوڑ شادیوں کا شاخسانہ زر خریدے مغربی ازدواجیات اور حفظِ ماتقدم نے جسی بے راہ رو معاشرے کی قلعی کھول دی۔ آسمان تک اور یونس بھی اچھی تھیں۔ جمی ویل میں احساسِ ذمے داری کی مثبت بیداری اور چنگل کے طریقۂ واردات نے کافی متاثر کیا۔ کترنوں میں دانیال باحلیم کے شگوفے بہترین تھے۔“

رحیم یار خان سے مظہر سلیم کے قلم کی روانی ”جنوری کا جاسوسی یکم جنوری کو ہاتھ میں آتے ہی ہم نے دلی طمانیت اور سرشاری محسوس کی جو ایک بچہ من پسند کھلونا ملنے پر محسوس کرتا ہو گا۔ سرورق کو ہم نے ایک آرٹسٹ کی نظر سے دیکھا تو کئی پہلو تشنہ محسوس ہوئے، تاہم ذاکر صاحب کی کاوش پر نکتہ چینی کی تاب ہم میں کہاں؟ بہر حال مجموعی طور پر سرورق اچھا لگا بالخصوص دوشیزہ کا گردن گھما کر دیکھنے کا انداز دل لبھانے والا تھا۔ فہرست پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور دندناتے ہوئے محفل نکتہ چینی میں پہنچے تو آپ کے اداریے نے ہمارے قدم روک دیے، آہ۔۔۔ سانحہ پشاور ایک ایسا سانحہ جس نے بہت دن تک ہمیں سکتے کی کیفیت میں رکھا۔ ہم چشمِ تصور سے اس وقت بھی پھولوں کے لاشے دیکھ رہے ہیں، ہماری سماعتیں اس وقت بھی کسی اجڑی ماں کے بین اور صداؤں سے بوجھل ہیں۔ اداریہ پڑھ کر ہم نے دل پر لگے زخموں کے ٹانکے ادھڑتے محسوس کیے، عجیب بے بسی کی کیفیت میں ہم نے خطوط کی طرف توجہ دی۔ پہلا خط بلقیس خان کا تھا جنہوں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی کہ کاظمی صاحب متوجہ ہو جائیں، پر کاظمی صاحب تو اپنے آفس میں فائلوں سے نبرد آزما تھے، دوسرا خط ماریہ خان کا تھا، جنہوں نے ہمیں بھاری بھرکم ضخیم کتابیں اٹھائے دیکھا اور ان کے بقول کے وہ ہماری اردو دانی سے کنفیوز ہو گئیں، بتائیں بھلا ہم غالب کے زمانے کے ہیں؟ ہمایوں سعید ہم چٹھی ذرا سیاں جی کے نام بذریعہ میل بھیجتے ہیں لیکن ہم رف انداز میں پہلے قلم سے کاغذ پر لکھتے ہیں، تا کہ املا کی غلطیاں نہ ہوں۔ اس بار تمام احباب نے ہمارے تبصرے کو سراہا ہم شکر گزار ہیں۔ باقی تبصرہ نگاروں میں سید شکیل حسین کاظمی، ثریا اعجاز اور افتخار اعوان نے اچھا لکھا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے امجد رئیس کی مایا جال پڑھی، لہولہان لمحوں میں پروان چڑھتی خاموش رومان کی ایسی پُراسرار داستان جس نے ہمیں اردگرد کے ماحول سے بیگانہ کیے رکھا، دوسرے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔ جواری احمد اقبال صاحب کی ایسی تحریر جو ہم ترجیحی بنیادوں پر پڑھتے تھے لیکن اب کہانی کا جمود بے رغبتی کا باعث بن رہا ہے۔ سرورق کے رنگوں میں پہلا رنگ ادارے کے پرانے قلم کار غلام قادر نے زنداں شکن کے عنوان سے لکھا، مجموعی طور پر کہانی اچھی لگی تاہم کئی واقعات تشنگی کا باعث بنے، دوسرا رنگ شامتِ اعمال کاشف زبیر کی ایسی تحریر جس نے ہمیں تا دیر اپنے سحر میں جکڑے رکھا، شامی اور تیمور فل ایکشن میں نظر آئے۔ آوارہ گرد ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔“

خانیوال سے محمد صفدر معاویہ کی کراچی سے آمد ”جنوری 2015ء کا جاسوسی چھ تاریخ کو طاہر نیوز ایجنسی سے خریدا۔ خانیوال سے پڑھنا شروع کیا اور کراچی تک ٹرین میں پڑھتا آیا۔ جی ہاں سات تاریخ بروز بدھ آپ کے خوب صورت شہر کراچی میں واقع پی اے ایف بیس مسرور میں پہنچ گئے پھر ایک اور جھٹکا لگا کہ ہم پنجاب میں بارش کی طرح برستی دھند چھوڑ کر آئے لیکن یہاں پر گرمی ہے اور پنکھے فل اسپیڈ سے چلا کر سونا پڑتا ہے (ایسے شہر میں اس طرح تو ہوتا ہے) سرورق کو ایک خوب صورت ماڈل، حسین آنکھیں، دلآویز چہرے اور اس کی قمیص پر ایک غصہ ور چہرہ اور ساتھ 2015ء کے ساتھ لٹکے شامی کو خوبصورت رنگ دیا گیا۔ اپنی محفل میں پہنچے جہاں بلقیس خان خوب صورت الفاظ کے ساتھ موجود تھیں۔ ماریہ خان بھی اچھا تبصرہ لے کر حاضر

ہوئیں۔ محی الدین اشفاق اور احسان سحر بھی اپنے تبصروں کے ساتھ موجود تھے۔ جہلم سے نوال اور مثال کی جسارت اچھی لگی ویلکم ٹو دی جاسوسی۔ زویا اعجاز بھی بہترین تبصرے کے ساتھ جاسوسی کے صفحات پر براجمان ہیں۔ ہمایوں سعید بھائی بھی چٹکلے چھوڑتے ہوئے جلوہ افروز ہیں۔ ملک رحمت کی زحمت بھی اچھی لگی۔ سید شکیل عبد لجبار، رومی انصاری اور افتخار حسین اعوان بھی بیسٹ تبصروں کے ساتھ موجود ہیں۔ باقی سب کے تبصرے بھی بیسٹ تھے۔ کہانیوں میں امجد رئیس مایا جال مغرب کی دنیا سے اچھی اسٹوری لائے ہیں۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ مراد، سلیم انور کی مختصر صفحات پر لکھی گئی اچھی کہانی تھی۔ بونس میں اوبرن نے مشکل میں پڑ کے نہ صرف خود کو بحال کروایا بلکہ قتل اور ڈکیتی کا مجرم بھی پکڑوایا۔ ڈستے دار میں جمی نے آخرکار ڈستے دار بن کر دکھایا، نہ صرف گھر والوں کے کام آیا بلکہ اپنی محبت کو بھی پالیا۔ آوارہ گرد میں شہزی جس جمبوجیٹ کی اسپیڈ سے جارہا ہے، مزہ آگیا۔ گول مال میں کائٹ نے مجرموں کو پکڑ لیا اور اگلے دن آخری دونوں لڑکیوں کو بھی پکڑے گا اور اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ گھومے گا بھی۔ آسمان تک گزارے لائق تھی۔ جواری میں فرید ایک سے نکل کر دوسری مصیبت میں پڑتا جارہا ہے۔ اب پتا نہیں سکندر کہاں غائب ہوگیا۔ سرورق کا پہلا رنگ کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ پایا۔ شامتِ اعمال میں تو مزہ آگیا کیا ایڈونچر تھا۔ برادری کا انصاف، حفظِ ماتقدم، محبت کا مارا اور چنگل بھی اچھی کہانیاں تھیں۔''

کراچی سے الیلیٰ کی دلی خوش خبری ''آخرکار تبدیلی آہی گئی اور وہ بھی اتنی خوشگوار و دلفریب تبدیلی۔ جی ہاں اپنے جاسوسی ڈائجسٹ میں سرورق سے آخری صفحے تک خوب صورتی ہی خوب صورتی، سرورق لاجواب، کہانیوں کی ترتیب و تفصیل نہایت عمدہ، الغرض ادارے کی بھرپور توجہ اور محنت کا منہ بولتا ثبوت جنوری 2015ء کا جاسوسی ڈائجسٹ (آپ نے کچھ زیادہ ڈونگرے نہیں برسا دیے؟ بہرحال نوازش!) پہلا تبصرہ پڑھ کر ایسا محسوس ہوا زنانہ لباس میں مردانہ آواز، جی بلقیس خان، ماریہ خان کا جاسوسی ڈائجسٹ پڑھنے کا دلفریب انداز و ماحول پسند آیا۔ محی الدین اشفاق سیدھی اور ستھری بات، لو بھائی نوال اور مثال خاندان میں اک اوچھی ہوگئی، اب خوش۔ زویا اعجاز آپ گواجی گاں ہیں یا وی آئی پی، پہلے یہ فیصلہ کرلیں۔ ہمایوں سعید آپ واقعی طاہرہ گلزار کے اپنے تھے۔ طاہرہ جی کے پاس تو اپنوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ملک رحمت یہ زحمت کیوں کی آپ نے۔ عبدالجبار رومی۔۔۔ اور انصاری یہ کیا تضاد ہے بھائی۔ برادر افتخار آپ کشمیر آنے کی کھلی دعوت ہم عوام کو نہیں حکومت کو دیں تو فائدہ ہوگا۔ سید شکیل صاحب آپ اور شیکسپیئر کاش شیکسپیئر پر سیب کے بجائے پورا درخت گر جاتا تو آج فزکس اتنی مشکل نہ ہوتی۔ ہارون صاحب آپ پہلے بات کی تصدیق کیا کریں پھر اپنے تبصروں میں تذکرہ کیا کریں۔ سرائیکی ضلع راجن پور میں گل، بہت کھلتے ہیں شاید۔ مایا جال سے ابتدا کی۔ امجد رئیس صاحب نے واقعی نئے سال کا تحفہ دیا۔ بیسٹ جی۔ سلیم انور کی مراد واقعی چونکا دینے والی کہانی تھی۔ مزہ ایسی ہی کہانیوں میں آتا ہے جس میں اچانک کوئی نئی بات سامنے آئے۔ زنداں شکن میں غلام قادر صاحب نے واقعی لاجواب تحریر پیش کی۔ شامتِ اعمال، کاشف زبیر ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہیں، کہانی بہت متاثر کن تھی۔ دو مارچ 2015ء میں ہم جنتی کٹیگری یعنی شادی شدہ لوگوں میں شمار کیے جائیں گے۔'' (مبارک ہو۔ منہ کب میٹھا ہوگا؟)

واہ کینٹ سے بلقیس خان کی استدعا ''جنوری کے شمارے کا سرورق ذاکر صاحب کے حسنِ فن کا نمونہ ہے۔ سانحہ پشاور یہ میرا اپنا غم ہے میرے گھر کی بات ہے۔ یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ سرفہرست آؤں گی حالانکہ بہترین تبصرے عموماً لکھے ہوتے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں۔ میں کوہستان کے میرا ین میر کو نہیں جانتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں چھٹی کا کی ہوں یا جو ساتھی لکھتے ہیں یہ ہمارا پہلا محلہ ہے وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ایک چھچھورے کو آئینہ دکھایا تھا اب چھچھوندر کی باری ہے، تم پریشان نہ ہونا۔ قدرت اللہ نیازی ایک تو آپ کا نام اپنے نام کی طرح وزنی ہے اور دوسرے آپ غیر حاضر رہنے لگے ہو۔ اب کہانیوں پر بات ہوجائے۔ انتہائی مہذب، قانون پسند، اعلیٰ انصاف اور نسلی برتری کی دعوے دار قوم کے مکروہ چہرے سے نقاب نوچتی برادری کا انصاف مریم کے خان کی طرف سے سالِ نو کا بہترین تحفہ تھی۔ طوائف کسی بھی معاشرے کا سب سے مظلوم طبقہ ہے اور اس کی عالی ہمت اپنا عالی مرتبت شہزادے سے کئی درجے بہتر نکلی۔ ایلڈر کے لیے کیا لکھوں؟ ایسے لوگ دنیا میں اتنے کم کیوں ہیں؟ دوسری من چاہی تحریر آصف ملک کی ڈستے دار تھی۔ جمی ویل کو مال کی قدر پر قدرت نے کامیابی عطا کی۔ تیسری دل پسند امجد رئیس کی مایا جال تھی۔ تھوڑی مشکل مگر جاسوسی کے مزاج پر پورا اترتی ہوئی سنسنی خیز تحریر تھی اور آخر میں جاری ہے دیکھ کر کوفت ہوئی۔ مراد، بونس، زر خرید عمدہ تحریریں تھیں۔ حفظ ماتقدم میر کو سوا سیر جبکہ گول مال، آسمان تک اور محبت کا مارا گزارے لائق تھیں۔ آخری رنگ کاشف زبیر کا خوب جما۔ شاہ ان اور تیمور لنگ آؤٹ۔ ڈاکٹر صاحب کی آوارہ گرد میں شہزی وزیر جان کا بیٹا نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ کا لئیق شاہ سے کیا رشتہ ہے یہ آئندہ اقساط میں واضح ہوجائے گا۔ جواری کے نادر شاہ کا انجام قریب لگتا ہے لیکن نورین ابھی تک منظر سے ہٹی ہوئی ہے۔ آخر میں گزارش ہے کہ میری بہن بیمار ہے قارئینِ کرام ان کے لیے دعا کریں۔''

عرفان راجہ گوجر خان راولپنڈی سے لکھتے ہیں۔ ''جنوری 2015ء کے شمارے میں سرورق کا چہرہ تو بیوٹی پارلر کا کمال ہے جبکہ گردن ظاہر کررہی ہے عمر کا سورج مغرب کی طرف محوِ سفر ہے۔ باقی صنفِ وجاہت سے منسلک دو افراد جاسوسی کے روایتی انداز میں نظر آئے۔ محفل کا ابتدائیہ موجودہ حالات پر مبنی تھا۔ بلقیس خان کا انداز پسند آیا۔ ماریہ خان کا شاعرانہ تبصرہ بھی منفرد تھا۔ محی الدین اشفاق اور احسان سحر بھی رنگ جماتے نظر آئے۔ شاداب گل، ماہ تاب گل اور زویا اعجاز بھی محفل میں اپنی آرا پیش کرتی نظر آئیں۔ ہمایوں سعید اور ملک رحمت اپنے کبیر عباسی کو چھیڑتے نظر آئے۔ شکیل کاظمی کا تبصرہ بھی بھرپور تھا۔ بشریٰ افضل بھی مختصر نویسی کے ساتھ موجود تھیں اور افتخار حسین، تصویر العین، انعم ریاض، ماہا ایمان، شوکت شہریار، عبادت کاظمی اور طاہرہ گلزار کی کمی محسوس ہوئی۔ حاضری دیں جلدی سے سب۔ آوارہ گرد نویں قسط بھی تیز رفتاری سے مزین رہی۔ یاور اور اسپیکٹرم کے ٹکراؤ سے کہانی دلچسپ موڑ اختیار کر گئی ہے۔ جواری اختتام کی طرف گامزن ہے۔ نادر شاہ اور خاور کا معرکہ متوقع ہے بہرحال جواری کے صفحات پر طاہر جاوید مغل کے شاہکار کا انتظار ہے۔ زنداں شکن میں پرانے مصنف غلام قادر نے ایک لڑکی کو بہادری کا مظاہرہ کرتے دکھایا لیکن کہانی مختصر ہونے سے تشنگی باقی رہ

گئی۔ ابتدائی صفحات اس مرتبہ امجد رئیس کے شاہکار مایا جال سے پُررونق تھے۔ پال مارچ کی گمشدگی، جینی اور مارک کی تگ ودو، فریک کی تحقیقات اور سنسنی خیز ایکشن سے بھرپور کہانی کے دوسرے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔''

ماریہ جہانگیر، کبیر والہ سے لکھتی ہیں ''جاسوسی سے میرا تعلق تقریباً تین سال پرانا ہے۔ اس سے پہلے چاچو اور ماموں سے مانگ کر پڑھا کرتی تھی لیکن خط لکھنے کی جسارت پہلی بار کر رہی ہوں چونکہ میں آج کل فارغ ہوں لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ سے آدھی ملاقات کرلی جائے۔ درحقیقت للکار ہی میری جاسوسی ڈائجسٹ سے وابستگی کا اصل سبب ہے۔ میں نے صرف اسی کہانی کی وجہ سے باقاعدگی سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ جس ماہ للکار نے ساتھ چھوڑا، میں نے اس ماہ کا ڈائجسٹ مزید پڑھا ہی نہیں کیونکہ بقول ناصر کاظمی۔

وہ شہر میں تھا تو اس کے لیے اوروں سے بھی ملنا پڑتا تھا

خیر اب للکار کی کمی آوارہ گرد کے ذریعے کچھ کچھ پوری ہو رہی ہے۔ جواری بھی اچھی جا رہی ہے اور باقی سلسلے بھی اچھے ہیں چونکہ میرا خط لکھنے کا پہلا تجربہ ہے لہٰذا مجھے صحیح طریقہ کار معلوم نہیں ہے لیکن اگر آپ محفل میں جگہ دے کر شکریے کا موقع دیں گے تو عنایت ہوگی اور ہاں انکل جی مجھے شاعری سے بہت لگاؤ ہے لہٰذا آپ جاسوسی میں شاعری کا بھی کوئی سلسلہ شروع کیجیے۔'' (اس کے لیے ہم پاکیزہ شائع کرتے ہیں آپ وہاں طبع آزمائی فرمائیں)

ڈیرہ اسماعیل خان سے سید عبادت کاظمی کی شمولیت ''نئے سال کا جگمگاتا ہوا شمارہ سات تاریخ کو ہمارے ہاتھوں میں آیا اور ہم نے قلم اٹھالیا کہ پھر کہیں نام بلیک لسٹ میں نہ آجائے۔ سال نو کا پہلا سرورق بہت شاندار تھا۔ حسینہ کا پیچھے کی طرف مڑ کے دیکھنا کسی اپنے کی یاد دلا گیا، ساتھ میں غالباً ہمایوں صاحب کو وہ پیانی سیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیر سالِ نو کا سرورق دل کے تار چھیڑ گیا۔ بلقیس خان نے میدان فتح کر کے پرچم لہرا دیا وکٹری اسٹینڈ پر۔ بشریٰ طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ ماریہ خان کا تبصرہ چھا تھا۔ سید محی الدین تم تو میرے اپنے سید بھائی ہو یاد رکھا کرو۔ ماہ تاب گل آپ کی غیر حاضری نوٹ کی ہم نے مگر آپ نے ہمیں بھلا دیا؟ زویا اعجاز دنیا کے دستور کو جاسوسی کے دستور نہ بنائیں تو اچھا ہے۔ کیا آپ دو ماہ جاسوسی نہ پڑھیں تو کیا آپ بھول جائیں گی جاسوسی کو۔ نادر بھائی آپ کی ای کی ڈیتھ کا افسوس ہوا اللہ جنت نصیب کریں۔ سید شکیل کاظمی آپ کا تبصرہ پڑھے بغیر ادھورا لگتا ہے۔ رومی انصاری بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ بشریٰ افضل اچھی لگی آپ کی آمد۔ دلنشین بلوچ آئی مگر بلیک لسٹ میں؟ تفسیر عباس کہاں ہو بھائی؟ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ سب سے پہلے آوارہ گرد پڑھی۔ وزیر خان اور میڈم کا کوئی رشتہ لگتا ہے آپس میں۔ خانم کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ ثریا کی اچانک آمد حیران کر گئی۔ جواری معذرت کے ساتھ بور کر رہا ہے۔ عرصے بعد شاہی اور تیمور کی انٹری نے خوش کر دیا۔ مشن کامیاب رہا۔ ابتدائی کہانی اچھی تھی۔ مجھے سب سے زیادہ منظر امام کی محبت کا مارا نے متاثر کیا۔ واقعی محبت انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔''

محمد ہمایوں سعید کی بنوں سے حاضری ''جاسوسی نئے سال کے تیسرے دن یوں ملا جیسے بنجارے کو گھر۔ کافی دنوں کی اداسی کی کثافت کم ہوتی محسوس ہوئی۔ اداریے میں انکل نے پشاور واقعے کا ذکر کر کے زخم ہرے کر دیے۔ انسانیت کے نام پہ ان وحشیوں کی درندگی دیکھ کے انسانیت جی بھر کے شرمندہ ہوئی ہوگی۔ کاش سیاستدانوں سے زبردستی منظور کرائے گئے آرمی کورٹس ان درندوں کو وہ عبرت ناک سزائیں دیں کہ ان ماؤں کے دلوں کو کچھ سکون ملے۔ (انشاءاللہ، ایسا ہی ہوگا) ایک افسوس ناک خبر ہے کہ فیس بکی دوستیوں کی وجہ سے چٹکی نکتہ چینی میں سے نکتہ نکل گیا ہے۔ بس چینی ہی چینی رہ گئی ہے۔ چونکہ اب رواداری میں سب کی واہ واہ کرنی پڑتی ہے اور سارے تبصرے معمولی سے ہو گئے ہیں۔ بلقیس خان، آپ نے سرعام مجھ پہ قربان ہو کہ ثابت کر دیا کہ آپ بہادر پٹھان ہیں۔ ماریہ خان آپ کا ہمارے مزاج آشنا ہونے کا افسوس ہمیں بھی افسردہ کر گیا۔ لیکن یہ اچھی بات نہیں کہ آپ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان سے ہماری داستانیں سنتی ہیں، سنی سنائی غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ (تو فیس بک پر پوری لکھا آپ خود سنا دیں) ماہ تاب گل جی ہم آگ کے دریا میں ڈوب کے جانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ فائزہ گلزار آپ نے دلکش اور پُرکشش ہمیں کہا یا ہمارے تبصرے کو؟ کاظمی صاحب نے تبصرہ روٹین سے منفرد لکھنے کی کامیاب کوشش کی اور یوں اپنے تبصرے پہ تین لفظ وصول کرنے کا خطرہ بھی ٹال گئے۔ بشریٰ افضل کا تبصرہ ہمیشہ الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ جو پہلے آفریدی کی طرح جارحانہ کھیلتی تھی نہ جانے اب کیسے مصباح بن گئی ہے؟ افتخار برادر دل چھوٹا نہ کریں ہم آپ کو بھی تبصرہ نہ لکھنے کے گُر سکھاتے ہیں بغیر فیس کے۔ ملک رحمت آپ اتنا شرمندہ مت ہوں۔ کون سا کسی سے ادھار مانگا ہے کبیر بھائی کی چٹکیاں ہی تو لی ہیں۔ وہ ہیں ہی ایسے کہ محلے کے بچے بھی یہی کام کرتے تھے اسی لیے انہوں نے انکل سیانے رکھ لیے۔ زویا اعجاز صاحبہ چونکہ اس بار مہمانِ خصوصی نہیں تھیں۔ اسی لیے بہت آہستہ آہستہ آنے کے باوجود انہیں محفل کے درمیان میں نمٹایا گیا اور شیخ رشید جتنا وقت ملا خطاب کا۔ (خطوط پڑھتے اور ایڈٹ کرتے ہوئے ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ جو پہلے ہاتھ آگیا، وہ پڑھ لیا گیا۔ شاید اب آپ لوگ کسی تبصرہ نگار کو تنقید کا ہدف نہیں بنائیں گے) کاشف زبیر نئے سال کے گفٹ سمیت حاضر ہوئے، شاہی اور تیمور کے ساتھ۔ جو ہمیشہ کی طرح گھومنے جاتے ہیں اور ہمیشہ کی طرح مشکل میں پھنس جاتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح فدا ہونے کو بیار لڑکی اور ہمیشہ کی طرح اس مصیبت سے زندہ سلامت نکل آنے والے شاہی اینڈ تیمور۔ بس نواب صاحب کے ہاتھوں گوشمالی نہ ہو سکی اس بار۔ سرورق کی پہلی کہانی ناول تین سین پر مشتمل تھی۔ جس کا نہ سر سمجھ آیا نہ پیر، نہ مقصد۔ کتنے سنسنی خیز اور جاندار ہوا کرتے تھے سرورق کے رنگ۔ منفرد کہانیاں درآمد کرنے والے امجد رئیس نے اس دفعہ بھی متاثر کیا۔ مایا جال انتہائی تیز رفتار اور جان لیوا سسپنس کی حامل کہانی یادگار رہی۔ منظر امام کی محبت کا مارا جاسوسی کے مزاج کی کہانی تو ہرگز نہیں تھی۔ یہ تو سیدھی سادی لو اسٹوری تھی۔ جنگل میں انشورنس کمپنی نے جیر اللہ کو قابو کرنے کا شاندار پلان بنایا۔ واقعی ہر شہ زور کی کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ زر خرید میں محبت کے مارے ڈیوڈ پہ بہت رحم آیا۔ ذمے داری میں جمی کا اچھا کردار اور احساس ذمے

داری جیسی خوبیاں متاثر کن تھیں۔"

عبدالغفار زاہد ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں "سرد ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ، شدید سردی میں تعلیمی مصروفیات سے وقت نکال کر جب میں جاسوسی خریدنے گیا تو وہاں سے دو گھنٹے انتظار کرنے کا مایوس کن جواب ملا۔ دو گھنٹے تک سڑکیں ناپتے جب دوبارہ گئے تو آخر کو جاسوسی کے درشن ہو ہی گئے۔ سرورق ہمیشہ کی طرح اچھا ہی لگا۔ کہانیوں پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد احوال میں اس امید، یقین کے ساتھ جھانکا کہ میرا پہلا خط پرانا رشتہ، جاسوسی کے لیے پرانا پیار ضرور شامل احوال ہوگا پر اپنا نام بلیک لسٹ میں دیکھ کر کافی مایوسی ہوئی۔ نئی منگوں کے ساتھ کہانیوں پر تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ یوں تو سارا ہی ڈائجسٹ بہت اچھی کہانیوں سے مزین ہوتا ہے میں قسط وار اور مغربی کہانیاں بہت شوق و ذوق سے پڑھتا ہوں۔ کہانیوں میں نمبر ایک پر مغربی طرز کی کہانی امجد رئیس کے قلم سے مایا جال لگی۔ کہانی نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ سلیم انور کی مراد، آصف ملک کی ذمے دار، مریم کے خان کی برادری کا انصاف اور مختار آزاد کی گول مال جسٹ آف دی سلتھ تھیں۔ قسط وار کہانیاں بھی اچھی جارہی ہیں۔"

سرگودھا سے اسد عباس کا انتباہ "5 جنوری کی دھند آلود شام کو جاسوسی کا دیدار نصیب ہوا۔ ٹائٹل پر انکا سیا نے مری کے پہاڑوں پر مستیاں کرتے نظر آئے۔ شاید ٹائٹل والی حسینہ کی بے رخی دیکھ کر خودکشی کا ارادہ کیا تھا۔ (لاحول... کیسی باتیں کرتے ہیں؟) خطوط کی محفل میں حاضری دی۔ پہلا تبصرہ بلقیس خان کا تھا۔ ماریا خان شاید احمد اقبال کے ہیرو سے متاثر ہو کر کافی پینے لگ گئی ہیں، بقول شاعر

میں نے "پی" کر دیکھی ہے
"کافی" کڑوی ہوتی ہے

اچھا تبصرہ تھا۔ ماہتاب گل زیادہ تر دوسروں کے تبصروں پر ہی تبصرہ کرتی رہیں۔ زویا اعجاز، ہمایوں سعید خان، شکیل کاظمی، بشریٰ افضل اور افتخار حسین اعوان کے تبصرے اچھے لگے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے کاشف زبیر کی شامتِ اعمال کو دعوت دی۔ پرانا موضوع مگر نئے انداز کے ساتھ۔ متاثر کن تحریر تھی۔ تاہم نوشی کی کمی محسوس ہوئی۔ واپس پہلے صفحات کا رخ کیا۔ مایا جال ابھی تک کہانی تشنہ ہی ہے۔ تاہم امید ہے کہ دوسرے حصے میں یہ ایک شاہکار ناول ثابت ہوگا۔ برادری کا انصاف، یہودیوں کی مکاریوں پر مبنی ایک نہایت ہی عمدہ تحریر تھی۔ تھوڑی سی الجھن ہوئی، گروپ کی تمام لڑکیوں کے نام ملتے جلتے تھے۔ گول مال کائٹ کی خوش قسمتی رہی، تفریح کے ساتھ ساتھ تمام مجرم بھی اس کے ہاتھ لگ گئے۔ جواری کی قسط اس بار کچھ خاص متاثر نہیں کر سکی۔ شاید احمد اقبال صاحب کی خود بھی دلچسپی کم ہوگئی ہے۔ چنگل میں جیرالڈ عورت کے چکر میں پھنس کر مارا گیا۔ کہانی کا انجام توقع سے ذرا مختلف تھا۔ سرورق کا پہلا رنگ غلام قادر صاحب کے نام رہا۔ کہانی کچھ مختصر تھی تاہم اپنا اثر چھوڑ گئی۔ غلام قادر صاحب سے گزارش ہے کہ آپ لمبے عرصے بعد آئے ہیں۔ اب کی بار اتنی لمبی غیر حاضری مت کیجیے گا۔"

ڈیرہ اسماعیل خان سے رزاق شاہد کوہلر کی ای میل "آداب عرض! چبھی نکتہ چینی میں میری یہ اولین شرکت ہے تاہم جاسوسی و سسپنس ڈائجسٹ کا ایک مدت سے قاری ہوں اگر سچ پوچھیں تو اب ان دونوں موقر جرائد کا وہ مزہ نہیں رہا جو کبھی ان کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ سالِ نو کا تازہ شمارہ دیکھا تو سرورق خوش نما لگا مگر سرورق کی اولین پیشکش زنداں شکن پڑھ کر سارا جوش و خروش صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر التماس کرتا ہوں کہ پلیز نئے رائٹرز کو موقع دیں۔" (بہت کوشش کی جاتی ہے لیکن نئے مصنفین پلاٹ کے بجائے دھواں دھار مار دھاڑ، بازاری زبان اور اخباری خبروں پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ نئے ناموں کی اچھی کہانیاں بھی گاہے بگاہے آتی ہیں جو شائع ہوتی ہیں)

کراچی سے ایم کے احساس کے جذبات "جنوری کے سرورق کو غور سے دیکھنے پر یوں محسوس ہوا جیسے حسینہ عالم پچھلے سال کی ہماری بے بسی پر مسکرا رہی ہو، ہم حسینۂ عالم سے نظریں چراتے ہوئے پہنچے چبھی نکتہ چینی میں جہاں ہارون بیرس، افتخار اعوان، ملک رحمت اور بھی کچھ دوستوں نے مجھے یاد رکھا اور میرے تبصرہ کو پسند کیا۔ آپ لوگوں کا شکریہ۔ اب چلتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ عبدالرب بھٹی کی آوارہ گرد بہت ہی تیز جارہی ہے، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر وزیر جان شہزی کا والد ہے تو پھر اس نے شہزی کو مارنے کا حکم کیوں کر دیا۔ جواری کے لیے دل سے دعا ہے کہ جلد سے جلد ختم ہو جائے، فضول مکالموں اور بے مصرف طوالت نے کہانی کا رنگ ہی اڑا کر رکھ دیا ہے۔ منظر امام کی محبت کا مارا ایک بہترین اسٹوری تھی، غزالہ نے زمان کے نام کو ہمیشہ کے لیے خود سے جوڑ کر اپنی محبت کو امر کر دیا۔ کاشف زبیر کی شامتِ اعمال میں شامی اور تیمور پھر ایک نیا ایڈونچر لیے نظر آئے۔ غلام قادر کی تحریر بھی بہت شاندار تھی، معاشرتی ناہمواریوں میں ستارہ نے جس طرح اپنا حق حاصل کیا، وہ قانونی طور پر تو قابلِ گرفت ہے مگر ظلم سہنا بھی ظلم کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ جمال دستی کی چنگل کچھ خاص نہیں لگی۔ بابر نعیم کی تحریر آسمان تک مغربی معاشرے کی عکاسی کرتی ہوئی واقعی ناقابلِ فہم کہانی تھی۔ آخر میں مغل صاحب سے درخواست ہے کہ جاسوسی میں جلد سے جلد اپنی نئی اسٹوری کے ساتھ جلوہ گر ہوں۔ آپ کا بہت انتظار ہے ہمیں۔"

جام پور سے عثمان راشد کا عزم "جاسوسی نو تاریخ کو ملا، دیر آئے درست آئے، جاسوسی لائے اور صاحب مطالعہ ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے میلادِ مصطفیٰ کا جشن منایا، سبحان اللہ مگر اس دل دہلا دینے والے واقعے کی خبر نے رلا دیا۔ معصوم بچوں کی جانوں کی ان کو فکر نہ ہوئی، کوئی ظالم بھی کبھی ترس کھا جاتا ہے۔ کہانیوں میں آئے تو مراد سے شروع کیا۔ اسٹوری خوب ہے۔ یونس نے چھکے چھڑا دیے۔ زر خرید نے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ دل کو رُلا دینے والی کہانی محبت کا مارا لگی۔ چنگل نے سبق دیا کہ حسینوں سے بچو۔ حفظِ ماتقدم نے دماغ کے اسکریو ڈھیلے کر دیے۔ آسمان تک میں ڈاکٹر ٹوکسٹ کے

ٹوئسٹ پر خوب دل آ گیا۔ زنداں شکن میں محبت جھلکی۔ خوب محبت کی ہے۔ شامت اعمال نے دیوانہ کر دیا۔ شامی کے علاوہ یاسر خوب رہا۔ اس کی سوچ نرالی تھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام کہانیاں بھی خوب تھیں۔ سرورق اس دفعہ زیادہ جاذبیت والا نہیں تھا۔ امید ہے کہ یہ خط آپ تک پہنچے اور اسے آپ ڈائجسٹ میں جگہ دیں۔ پہلی بار کوشش کی ہے۔ آگے اور محنت کریں گے۔'' (خط میں اپنا نام لکھنا بھول گئے، لفافے پر ہی نام پڑھنے میں آیا ہے)

کراچی سے ادریس احمد خان کی پسندیدگی ''جنوری 2015ء کا جاسوسی 2 جنوری کو مل گیا جو ذاکر صاحب کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اہلِ وطن اور آپ کو اور تمام قارئین جاسوسی کو نئے سال کی پُرخلوص مبارک باد۔ محفل میں نئے و پرانے سب دوستوں کی شرکت بھرپور تھی۔ آوارہ گرد کامیابی سے جاری ہے اور شہزادہ ہمت سے نئے نئے معرکے سر کر رہا ہے۔ دلچسپی برقرار ہے۔ جواری بھی چل رہی ہے۔ تیسری کہانی امجد رئیس کی مایا جال تھی۔ ایک عمدہ تحریر بھی ٹکراؤ آخر میں بازی ہے دیکھ کر تشنگی رہی۔ مراد میں بھی لطف آیا۔ مراد کسی کی جان لے کر برآئی۔ یونس بھی اچھی تحریر تھی۔ گول مال بھی اچھی لگی۔ آسمان تک بھی دلچسپ تحریر تھی جس میں سگے بھائیوں نے اپنے بھائی کی دولت کی ہوس میں اسے زندگی سے محروم کر دیا۔ برادری کا انصاف، یہودیوں کے نسلی تعصب کی مکمل تصویر نظر آئی۔ حفظِ ماتقدم میں ایملی نے بے وفا شوہر سے بڑا بھیانک انتقام لیا اور اسے موت سے ہمکنار کر دیا۔ محبت کا مارا میں محبت ناکام رہی، یہ محبت کا المیہ ہے۔ آخری صفحات کی دونوں کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ زنداں شکن میں جب نادرہ کا استحصال ہوا تو وہ ایسا کردار بن گئی کہ اس نے بدمعاشوں کو بھی مات دے دی۔ شامتِ اعمال تو بہت اچھی لگی جو کاشف زبیر کی جانی پہچانی تحریر تھی۔ کاشف زبیر کی تحریر میں جادو ہے، ایک تسلسل ہوتا ہے اور وہ بلاوجہ لمبی تمہیدوں سے کام نہیں لیتے اور کہانی کا انجام بھی اچھے انداز میں کرتے ہیں۔''

پشاور سے طاہرہ گلزار کی جوابی کارروائی ''جنوری 2015ء کے جاسوسی کا سرورق بہت زبردست لگا۔ یہ خوب صورت سی پری آنکھوں میں اچھے دنوں کی امید لے کر پیچھے 2014ء کو خدا حافظ کہہ رہی ہے۔ پاکستان کا دشمن غصے میں دانت کاٹ رہا ہے اور بے چارے عوام اچھی امید کی رسی سے 2015ء کے پہاڑ کو سر کرنے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ پاکستان کے عوام کی مشکلات ختم کرے اور پاکستان دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ انکل آپ کراچی میں بیٹھے ہیں اور ؟ میں دیکھیے کہ ہم سے صرف 20 منٹ کے فاصلے پر یہ وحشیانہ ظلم ہوا۔ ہماری آرمی اب جو قدم اٹھا رہی ہے کاش یہ 10 سال پہلے اٹھا لیتے چلو دیر آئے درست آئے۔ ماریہ خان آپ کی طرح ناصر ملک میرے بھی فیورٹ ہیں۔ ادارے والے واقعی ان سے لکھوا کے ہم سب پر احسان کریں۔ (اب وہ خود ہی لکھنے پر راضی نہیں تو کیا کریں؟) محی الدین اشفاق بھائی دکھی بھی اپنے ہی کرتے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی احسان سحر کا تبصرہ بھی زبردست رہا۔ نئی تبصرہ نگار نوال اور مثال ویلکم ڈیئر۔ شکریہ ماہ تاب گل آخر آپ نے بھی میری تعریف کر ہی لی۔ زویا اعجاز میں بھی یہی مانتی ہوں کہ ہم سب پہلے مسلمان پھر پاکستانی اور پھر پٹھان یا پنجابی ہیں لیکن میرے شکوے خود ساختہ نہیں تھے اور نہ میں وہمی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مجھے کوئی وہم نہیں، آپ کا تبصرہ ہمیشہ لاجواب ہوتا ہے۔ فائزہ گلزار آپ سر پر دوپٹا ڈال کے میرا تبصرہ پڑھا کریں تو سر سے نہیں گزرے گا۔ ویلکم میرا این میر آتے رہیے گا۔ محمد صفدر معاویہ! بھائی آپ کے حادثے کا سن کے دل بہت دکھی ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت یاب کرے آمین، مردان کے ہارون جبریل کا تبصرہ بھی اچھا رہا۔ نادر سیال میرا خط پسند کرنے کا شکریہ، بے شک ان باقی لوگوں کو بھی دو نا۔ بھائی آپ کا تبصرہ بھی لاجواب ہوتا ہے۔ سب سے پہلے عبدالرب بھٹی کی تحریر آوارہ گرد پڑھی، بھٹی صاحب تعارف کے محتاج نہیں۔ باپ بیٹے کی انوکھی ملاقات، باپ نے بیٹے کو شوٹ کرنے کا حکم دیا اور خود پاور کے ہاتھوں گرفتار۔ نئی دریافت ثریا، اب آئے گا ایکشن کا مزہ اور شہزی مقابلہ کرتے کرتے ایک بار پھر مشکل میں پڑ گیا۔ احمد اقبال صاحب کی تحریر جواری میں حویلی پر حملہ، انور اور سلیم اختر ایک بار پھر فیلے پتر کی طرح اغوا ہو گئے۔ نادر شاہ کی ایک بار پھر انٹری، اس بار کی قسط اچھی لگی۔ اس بار مریم کے خان ایک بہت ہی زبردست کہانی لے کر حاضر ہوئیں۔ مغربی معاشرے کی عکاسی کرنے والی تحریر برادری کا انصاف۔ یہ یہودی اور برطانیہ بہت ہی خبیث قوم ہیں۔ ویلڈن مریم کے۔ خان۔ سرورق کی دوسری کہانی شامتِ اعمال میرے فیورٹ رائٹر کاشف زبیر کی تھی۔ اس بار بھی شامی اینڈ تیمور کا ایک زبردست ایڈونچر سامنے آیا۔ کاشف بھائی! 3 جنوری کو آپ کی سالگرہ تھی، آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ سرورق کی پہلی کہانی زنداں شکن غلام قادر کی شاندار تحریر، ستارہ نے ان مردوں کے معاشرے میں ہی اپنا حق لیا اور آخر میں عزت کی زندگی پائی لیکن ہر عورت ستارہ جیسی خوش قسمت نہیں ہوتی۔''

مالاکنڈ سے صبا گل کی تنقید و اعتراض ''کافی عرصے بعد اگر اجازت ہو تو آپ کے قیمتی صفحات پر اپنے خیالات تحریر کر دوں؟ امید ہے کہ آپ سمیت کسی قاری نے میری کمی محسوس نہ کی ہوگی۔ (بالکل کی ہے، یہ بدگمانی کیوں؟) شکایت کسی سے نہیں۔ سب خوش رہیں اپنے خرچ پر۔ بلقیس خان نے اچھا لکھا۔ ماریہ خان کا خط بھی زبردست تھا۔ زویا جی خوب لکھا آپ نے وی آئی پیز کے حوالے سے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ملک رحمت صاحب نے کیا ہی اچھا تجزیہ پیش کیا ہے سرورق سے متعلق۔ بھیا یہ بھی قانونِ پاکستان کی طرح محض خانہ پُری ہے۔ شکیل کاظمی صاحب! ساری دنیا گھوم کے، دیکھ کے، پڑھ کے اور سن کے آؤں، دلچسپی اور مٹھاس آپ کے خط میں ہی ملتی ہے، یہ چاپلوسی نہیں۔ دیگر میں احسان سحر، ہمایوں رومیو اور افتخار حسین کے خطوط پسند آئے۔ سب سے پہلے اپنی نہایت ہی پسندیدہ کہانی جواری پر اک نظر..... انور کی ماں کی موت نے سارا سیٹ اپ خراب کر دیا۔ اگر اقبال صاحب انور کی شادی کو بے جا طوالت نہ دیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ آنجہانی شاہینہ ہی کیا کم تھی کہ اب روزینہ عرف روبی کے تیور بھی بدلتے نظر آ رہے ہیں۔ کم از کم مجھے تو یہی لگ رہا ہے۔ خاور صاحب بھی غیر محسوس انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کہانی بالکل پسند نہیں آئی، اس لیے اگلی قسط کے انتظار کا کوئی شوق نہیں۔ آوارہ گرد کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہم نے کچھ کہہ دیا تو بہت سے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ بہرحال، کہانی میں زیادہ کچھ ان نیچرل سا لگ رہا ہے۔ بالخصوص مرکزی کریکٹر۔ چھوٹی کہانیوں میں محبت کا مارا پسند آئی۔ رنگوں میں کوئی ایک بھی کہانی ڈھنگ کی نہیں تھی۔ پہلا رنگ پھر بھی گزارہ کر گیا لیکن کاشف زبیر صاحب نے اس دفعہ بکواس ہی لکھا۔ کہانی میں 99 پرسنٹ اناڑی پن تھا۔ تو کنسٹس، باقی کہانیاں زیرِ مطالعہ ہیں۔ خدارا قینچی میرے خط پر نہ چلائیں۔'' (اب تو خوش ہیں)

ہری پور سے محمد قاسم رحمان کا شکوہ ''جاسوسی 3 تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل ڈاکٹر انکل کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ماریہ خان بارش میں جاسوسی پڑھنے کا مجھے بھی بہت مزہ آتا ہے۔ محی الدین اشفاق صاحب ادارہ ہمیشہ سے سماجی و معاشرتی مسائل کی نشاندہی کرتا ہے لیکن کیا ہم ان مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں سوچیے گا۔ ویسے بھی قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔ محمد مندر معاویہ آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ میانوالی سے ملک رحمت موسٹ ویلکم ان جاسوسی۔ آپ کا پہلا تبصرہ بہت مزے کا تھا۔ نوال اور مثال، فائزہ گلزار خوش آمدید۔ افتخار حسین، سید شگفتہ حسین، ہمایوں سعید اور زویا اعجاز کے تبصرے فنٹاسٹک تھے۔ ویسے آپ کو ایک بات بتاتا چلوں کہ 10 فروری کو میری برتھ ڈے ہے اور میں ستر برس کا ہینڈسم مرد بن جاؤں گا۔ (دونوں کی مبارک باد، سالگرہ اور ہینڈسم مرد بننے کی) کہانیوں کی ابتدا حسبِ معمول حسبِ روایت آوارہ گرد سے کی۔ شہزی کی مار دھاڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ ثریا کی صورت میں شہزی کو ایک اور ہمدرول گیا۔ ویسے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس اسٹوری کی کوئی کہانی نہیں ہے۔ بس ایکشن ایکشن اور پھر ایکشن۔ سرورق کی پہلی کہانی زنداں شکن بہت چھوٹی تھی اور اگر ستارہ کے ماں باپ گزر گئے تھے تو بھی اس کو طوائف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ ایورج اسٹوری ثابت ہوئی۔ کاشف زبیر نے شامی اور تیمور سے ملاقات کروائی۔ شامی اور تیمور کے کردار بہت مزے کے ہیں۔ محبت کا مارا میں غزالہ نے شادی کرلی اور زمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا، حیرت ہوئی۔ حفظِ ماتقدم زبردست تحریر تھی۔ ایملی نے اپنے دوسرے بوائے فرینڈ جوائے کو خود ہی سزا دے ڈالی۔ زرِ خریدہ میں مجھے پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ یہ سارا ڈراما سیلیا نے ہی رچایا ہے۔ مراد نے فل انٹرٹین کیا لیکن اختتام میں کورے وائٹ نے ڈیوڈ کو مار کر حیران کر دیا۔ اگر کورے وائٹ نے ڈیوڈ کو مارنا ہی تھا تو اس کی مدد نہ کرتا۔ باقی کہانیاں زیرِ مطالعہ ہیں۔ مجھے آپ سے ایک شکوہ ہے جو یقیناً آپ جانتے ہیں۔'' (نہیں، ہم بالکل نہیں جانتے)

ہری پور ہزارہ سے محبوب عباسی کا حکم ''نئے سال کا شمارہ خوش قسمتی سے 4 جنوری کو ہی دستیاب ہو گیا۔ پہلی بار کسی چھٹی والے دن جاسوسی کی دستیابی پر ہم حیران ہی تھے کہ سخت سردی میں ایک اجنبی ملنگ نما آدمی کو 2015ء کا پہاڑ سر کرتے دیکھا تو حوصلے کی داد دیے بنا نہ رہ سکے۔ بھائی جان شاید صنفِ نازک کو متاثر کرنے کی سعی کر رہے تھے اور قیاس ہے کہ کامیاب رہے ہوں گے۔ کیونکہ اس بات کا اندازہ ہمیں نیچے موجود اس کے رقیب روسیاہ کے تاثرات سے ہوا۔ محفلِ یاراں نال بہاراں میں تشریف لے گئے۔ جہاں واہ کینٹ سے بلقیس خان موجود تھیں۔ جن کے نامۂ اعمال سوری احوال نامے سمجھنا اتنا ہی مشکل ثابت ہوا جتنا میرا کی انگلش یا چودھری صاحب کی اردو سمجھنا۔ باقی دوستوں کے تبصرے بھی شاندار، مزیدار اور لازوال تھے۔ سب کو اپنے اپنے تبصرے پر مبارک باد۔ کہانیوں میں سب سے پہلے شامت اعمال شروع کی 'جانے پہچانے کرداروں پر مشتمل کاشف زبیر کا نئے سال کا گفٹ مگر شامی، تیمور کی اصل نوک جھوک کی کمی تھی۔ اس کے بعد نمبر آیا آوارہ گرد کا۔ اس مرتبہ بھی ایکشن، تھرل، سسپنس اور سنسنی خیزی کی ایک لمحے کو بھی نہیں محسوس ہوئی۔ شہزاد ایک سپر ہیرو کا کردار نبھا رہا ہے۔ جواری بھی اب تیز ٹیمپو پر چل پڑی ہے۔ جتنی تیزی سے کرداروں کا اضافہ ہوا تھا، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے اس میں کمی آئی ہے۔ لگتا ہے احمد اقبال صاحب جلدی ختم کر دے رہے ہیں۔ جمال دستی کی تحریر حسبِ سابق تھی۔ یعنی تاریخ نے پھر اپنے آپ کو دہرایا اور ایک مختصر مگر پُراثر تحریر قارئین کے عین ذوق کے مطابق پیش کردی۔ مریم کے خان کی کہانی برادری کا انصاف شروع کی تو پتا ہی نہ چلا کب ختم ہو گئی۔ کہانی ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ سرورق کی پہلی کہانی زنداں شکن جس کو جناب غلام قادر نے تحریر فرمایا۔ جاسوسی کے سرورق کے ساتھ ایک مذاق معلوم ہوا۔ معذرت کے ساتھ مگر سرورق کے اس رنگ کو پڑھنے کے بعد باقی رسالے سے دل اس قدر اچاٹ ہوا کہ کوئی کہانی پڑھی ہی نہیں گئی اور اب خط بھی صرف اس کہانی کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے لکھا ہے اگر زیادہ تنقید شائع نہیں ہو سکتی تو پھر خط ایڈٹ کرنے کے بجائے اس کو شائع ہی نہ کیا جائے۔ اگر خط لگے تو پھر بغیر ایڈیٹنگ کے۔'' (آپ قارئین کے الفاظ و تحریر ہمارے لیے قابلِ احترام ہوتے ہیں۔۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ تنقید و توصیف کرنا آپ کا حق ہے تو ہم بھی اپنے حصے کا کچھ حق رکھتے ہوں گے؟)

جھنگ سٹی سے محمد مرتضیٰ احتشام کی پہلی جسارت ''امید ہے کہ آپ کی محفل میں اس نذرانۂ خلوص کو تھوڑی سی جگہ مل جائے گی۔ عرصہ دراز سے دلِ ناداں کی خواہش تھی کہ جاسوسی ڈائجسٹ کی اپنائیت بھری محفل میں حاضری دی جائے۔ مگر ہمتِ قلم کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ بلقیس خان فرام واہ کینٹ کو دل سے مبارک باد۔ شاداب گل اور ماہتاب گل کی گل کاریاں بہت پسند آئیں۔ زویا اعجاز صاحبہ کا تبصرہ بہت زبردست تھا۔ ہارون صابر جو میرے دوست بھی ہیں جانی بھی ہیں ان کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد ٹائٹل پر نظر دوڑائی۔ خاتون کو شاید نئے سال کی آمد پر کسی کا انتظار تھا۔ ان کو ادھر ہی چھوڑ کر کہانیوں کی طرف بڑھے۔ مایا جال امجد رئیس صاحب کی بہت ہی دلچسپ کہانی تھی، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ مراد کہانی کے بارے میں اتنا کہوں گا کہ اسے شائع کرنے سے بہتر تھا کہ آپ..... خطوط کے صفحات بڑھا دیتے۔ (کیوں بھئی؟) بونس کہانی بہت مزیدار تھی۔ اوبرن نے بڑی کوشش کر کے اپنے اوپر لگے الزامات سے اپنے آپ کو بری کروایا۔ ذمے داری کہانی ایک ایسے جوان کی کہانی جسے گھر کے کام کاج سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر جب گھر کی ذمے داریاں سنبھالیں تو بڑے احسن طریقے سے اسے سرانجام دیا۔ آوارہ گرد سلسلے وار کہانی بہت ہی تیز رفتار کہانی، ایکشن سے بھرپور لگی۔ باقی کہانیاں بھی مناسب تھیں۔ سرورق کے رنگوں میں کوئی خاص رنگ نظر نہیں آیا۔ پھر بھی پڑھ ڈالے۔ آخر میں امید کرتا ہوں کہ میری اس پہلی کاوش کو ضرور شائع کیا جائے گا۔''

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر عمران فاروق، جھنگ۔ کاشف عبید کاوش، بنگرام۔ بارث کچھ، علی پور جتوئی۔ سید اکبر شاہ اوگی، مانسہرہ۔ مرزا عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔ ابنِ ساغر۔ بے قرار عرف بے قراری، نامعلوم۔

مافیا کی ہوشیاریاں اور تباہ کاریاں... جہاں بہتا لہو پانی اور زر کی حکمرانی ہے... اول تا آخر خون... خوف... بے کنار تجسس اور پیہم کروٹ بدلتے پیچ و خم... ہر موڑ پر ایک نیا پیچ، سوال اوپر سوال، موڑ در موڑ ہوس زر میں اندھے اور خونی کرداروں نے ایک ایسا جال بچھایا جس کی بھول بھلیوں میں وہ زہرہ جمال و خوش خصال یوں گم ہوئی کہ سچ کی تلاش میں نڈھال ہوگئی... درد و غم اور خون آشام چیرہ دستیوں نے اسے گھائل کردیا... انتظار و اسرار کی جاں کنی کے اس جان لیوا کھیل میں اس کے دل کی بات محتاج بیان رہی... اس کا پیار بھی تاب غم آزماتا رہا... لیکن پندار حسن کو ٹھیس نہ پہنچائی۔ لہولہان لمحوں میں پروان چڑھتی خاموش رومان کی یہ پُراسرار داستان جہاں جواب کی امید میں ہر موڑ پر ایک نیا سوال ابھر آتا ہے... انٹرنیشنل بیسٹ سیلر گلین میڈ کی پُرتجسس تخلیق جو قدم قدم پر سلجھتی اور الجھتی ہوئی الجھنوں میں قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے...

مغرب کے خزانوں سے قارئین کے لیے نئے سال کا ایک پُرفسوں تحفہ

ٹیورن۔

مارک کی آنکھ کسی نسوانی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے خود کو اسپتال کے بستر پر پایا۔ بظاہر یہ ایک نجی کمرا تھا۔ ایک نرس اس پر جھکی ہوئی تکیہ ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک عمر رسیدہ شخص سفید کوٹ نما لباس میں کھڑا تھا۔ وہ اٹالین میں تیز تیز لہجے میں نرس سے گفتگو کر رہا تھا۔

اچانک مارک کی نظر جیک پر پڑی جو دروازے میں کھڑا تھا۔

”کیا ہوا تھا؟“ مارک کی آواز میں کمزوری تھی۔

جیک قریب آگیا۔ ”بعد میں وضاحت کروں گا۔ ابھی تمہیں میڈیکل اٹینشن کی ضرورت ہے۔“

”کم اسٹا تم کیسے ہو؟“

”وہ پوچھ رہی ہے، کیا حال ہے؟“ جیک نے ترجمہ کیا۔

”سر میں چھوٹے چھوٹے دھماکے ہو رہے ہیں۔ کان میں باجے بج رہے ہیں۔ ذہن صاف نہیں ہے۔“ مارک نے کہا۔ تاہم اس کی نظر بدستور جیک پر تھی۔

ڈاکٹر نے ٹارچ کی مدد سے مارک کی آنکھوں کی پتلیوں کا جائزہ لیا،

نبض چیک کی اور اسٹیتھو اسکوپ استعمال کرنے کے بعد اٹالین میں پھر نرس کے ساتھ گٹ پٹ کرنے لگا پھر اس نے جیک سے کچھ کہا۔

''اس کا کہنا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' جیک نے بتایا اور ڈاکٹر کو دیکھا۔ ''گرازی ڈوتور۔'' جیک نے کہا۔

''سمجھ رہا ہوں، ٹوٹی پھوٹی جانتا ہوں۔۔۔ یہ مجھے ''پریگو'' (حاملہ) سمجھ رہے ہیں۔'' مارک نے منہ بنایا۔ ''ویسے حقیقی کنڈیشن کیسی ہے؟''

''ڈاکٹر کے مطابق چھوٹے موٹے زخم ہیں اور خراشیں ہیں۔ ایکسرے میں کوئی سنگین نقصان دکھائی نہیں دیا۔'' جیک نے کہا۔ ''تمہیں کیا یاد ہے؟''

''زوردار دھماکا ہوا تھا۔ میری کار نے آگ پکڑ لی تھی۔۔۔ پھر یہاں آنکھ کھلی۔'' مارک نے کہا۔ ''تاہم میں نہیں سمجھتا کہ چند گھنٹے سے زیادہ یہاں رکوں گا۔''

ڈاکٹر اور نرس جا چکے تھے۔

''وہاں کیا ہوا اور کیوں ہوا؟'' مارک نے سوال کیا۔

''دھماکے نے HQ بلڈنگ کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ چھ اموات ہوئی ہیں جن میں پانچ پولیس کے آدمی ہیں۔ ایک درجن سے زیادہ شدید زخمی ہیں۔ ریڈیو رپورٹ کے مطابق زیر زمین پارکنگ میں فیول اسٹوریج ٹینک پھٹا ہے۔ یہ ابھی اندازہ ہے۔ فارنسک ٹیم کی چھان بین کے بعد ہی کوئی بات یقین سے کہی جا سکتی ہے۔ میری ذاتی رائے میں یہ بم تھا۔'' جیک نے اختصار سے بتایا۔

''بم؟''

''بلاسٹ اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ قصداً تخریب کاری کی گئی ہے جس نے کی ہے، وہ کیس کی تفتیش روکنا چاہتا ہے۔ تفتیش تو ہوگی لیکن نتیجہ نکلنے کے امکانات معدوم نظر آتے ہیں۔ باڈی، ایوی ڈینس اور دیگر متعلقہ اشیا عمارت میں تھیں اور وہاں اب کچھ نہیں ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' مارک نے اعتراض کیا۔ ''کون تفتیش میں حائل ہو رہا ہے؟''

جیک کے چہرے پر تفکرات کا سایہ تھا۔ ''فی الوقت ہمیں جینفر کی فکر کرنی چاہیے۔ تاہم تفتیش ہم دونوں کے مفاد میں نہیں ہے۔''

''ہم دونوں کون؟''

''موسکایا اور سی آئی اے۔'' جیک نے جواب دیا۔

''بظاہر موسکایا پچاس ملین گنوا چکی ہے۔ ان کی ترجیح ہے کہ بات ان کی شناخت تک نہ پہنچ جائے۔''

''دھماکے سے پہلے جینفر میری نظروں میں تھی۔'' مارک نے ساری بات بتائی۔

''نسان کا نمبر؟''

''میری جیکٹ کی جیب میں ہے۔''

جیک نے نمبر برآمد کر لیا۔ ''اور کچھ؟''

مارک نے فرینک میکال کے بارے میں بتایا۔

''یہ باتیں میرے علم میں ہیں۔ اس کا بیٹا ''فرکا پاس'' پر حادثے میں مارا گیا تھا۔'' جیک نے بتایا۔ ''لیکن مجھے حادثے والی بات پر شک ہے۔''

''ایک اور بات۔'' مارک نے اضافہ کیا۔ ''جینفر کا ٹویوٹا والا حادثہ بھی حادثہ معلوم نہیں ہوتا۔ کسی نے اس کی گاڑی کے بریک ٹیمپر کیے تھے۔''

جیک کے تاثرات میں دھندلی اداسی نظر آئی۔

''ہم نے اسے کال کی تھی، کئی بار۔۔۔ اگر وہ جواب دیتی تو ہمیں کم از کم اس کی لوکیشن کا اندازہ ہو جاتا۔ تاہم اس کا سیل فون آف ہے۔ ہم کوشش کرتے رہیں گے کہ کب وہ فون آن کرتی ہے۔''

مارک نے سنجیدہ آمیز طنز کے ساتھ کہا۔ ''تمہارے دونوں ایجنٹس نے میرے ساتھ رابطہ کیوں منقطع کیا؟''

جیک اچانک براہِ راست سوال سے لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا گیا۔ ''ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔'' عجلت میں اس نے بھونڈا جواز پیش کیا۔ مارک اسے گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔

''مذاق مت کرو۔'' مارک نے ہاتھ ہلا کر اس کا جواب مسترد کر دیا۔

''انہوں نے ریڈیو پر تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے۔ پہاڑی علاقوں میں۔۔۔ اور اگر موسم بھی خراب ہو تو رابطہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گاڑی ملنے تک تو وہ تمہیں کھو چکے تھے۔ پھر بروف ہوٹل سے انہیں کلیو ملا اور وہ HQ بلڈنگ تک پہنچ گئے۔ تمہیں بچانے والے وہی دونوں تھے۔'' جیک نے قدرے تفصیل کا مظاہرہ کیا۔

''جیک، وقت آ گیا ہے کہ تم پوری طرح کھل جاؤ۔''

''مارک، میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا۔'' جیک کھڑا ہو گیا۔ ''اس دوران میں مجھے دیکھنا ہے کہ یہ فرینک میکال کی حقیقت کیا ہے؟''

''رک جاؤ، جیک۔''

لیکن جیک باہر نکل چکا تھا۔

☆☆☆

دونوں برگ ہٹ کے بعد چرچ پہنچے۔ چرچ ڈھلوان نما پہاڑی پر تھا۔ نیچے نشانی کے طور پر ایک بورڈ پر مونسر و لکھا تھا۔

بارش کا آغاز ہو رہا تھا۔ فرینک نے چرچ کے آہنی گیٹ پر موجود پرانے طرز کی دروازے کی گھنٹی بجائی۔ دو بار گھنٹی بجانے کے بعد کوئی شخص گیٹ پر نمودار ہوا۔ یہ ایک جوان راہب تھا۔ نارنج اور چھتری اس کے ہمراہ تھیں۔

دونوں فریق ایک دوسرے کی بات سمجھنے، سمجھانے میں ناکام رہے۔ نوجوان پلٹ کر اندرونی سمت چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ انہیں رکنے کا اشارہ کر گیا تھا۔

وہ واپس آیا تو ایک باریش عمر رسیدہ راہب اس کے ہمراہ تھا۔

''کیا تم انگریزی جانتے ہو؟'' فرینک نے سوال دہرایا۔

''یس، میرا نام فادر انجلو کونراڈ ہے۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''کوئی یہاں کا انچارج ہوگا، ہمیں اس سے ملنا ہے۔''

''ایبٹ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔'' فادر کونراڈ نے گیٹ کے باہر نسان پر نظر ڈالی۔ ''تم راستہ بھول گئے ہو یا گاڑی کے ساتھ مسئلہ ہے؟''

''نہیں، ہمیں اندر آنے دیا جائے تاکہ ہم وضاحت کر سکیں۔'' فرینک نے سر اٹھا کر بادلوں کو دیکھا۔

''معذرت خواہ ہوں۔ دیر ہو گئی ہے۔ ہم اپنے معمولات جلد بند کر دیتے ہیں۔ تم لوگ کل آسکتے ہو۔'' فادر کونراڈ کا جواب غیر متوقع تھا۔ جینی کو مداخلت کرنی پڑی۔

''فادر، پلیز۔ یہ بہت اہم ہے۔ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ پلیز انکار نہ کریں۔ موسم بھی خراب ہوتا جا رہا ہے۔'' جینی نے ملتجیانہ انداز میں اصرار کیا۔

فادر ہمدردی اور تجسس کے ملے جلے احساسات کے ساتھ بارش میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر لباس میں سے چابیوں کا گچھا برآمد کیا۔

فادر کی رہنمائی میں وہ آگے بڑھتے رہے۔ بارش کی حدود سے نکلنے کے بعد فادر کے ہاتھ میں ایک آئل لیمپ نظر آنے لگا تھا۔

اٹالین زبان میں اس نے موسم کے بارے میں کچھ کہا پھر بولا۔ ''بجلی اور فون کا نظام موسم نے غارت کر کے رکھ دیا ہے۔'' وہ ان دونوں کو اپنے چھوٹے سے آفس میں لے آیا۔

''تم کہہ رہی تھیں کہ یہ کوئی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے جینی کو دیکھا۔

''میرا نام جینفر مارچ ہے اور یہ فرینک میکال ہیں۔'' جینی نے پہلے تعارف کرایا۔ فادر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ جینی نے اختصار کے ساتھ برف سے دریافت ہونے والی اجنبی باڈی کے بارے میں بتایا۔

فادر نے شانے اچکائے۔ ''یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہاں اس قسم کے واقعات وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی خاص بات ہے اور اٹالین پولیس تفتیش کر رہی ہے تو تم دونوں کا اس سے کیا تعلق بنتا ہے... تم لوگ امریکن معلوم ہوتے ہو؟''

فرینک نے اپنا کارڈ نکال کر میز پر رکھ دیا اور بتایا کہ جس لڑکے نے مذکورہ باڈی دریافت کی تھی، وہ میرا بیٹا تھا جسے بعد میں قتل کر دیا گیا۔ فرینک نے زیورچ ایکسپریس سے معلوم کردہ اطلاعات بھی سمجھائیں اور کہا کہ وہ تمام امور تفصیل سے بتائے گا۔ ابھی وہ دونوں یہ جاننا چاہ رہے ہیں کہ دو سال قبل جو شخص برف میں دفن ہوا تھا اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا، جو اس لڑکی کا باپ تھا۔ جس کا اب تک کوئی پتا نہیں ہے۔ ہمیں اس کی تلاش ہے۔ یہ اپنے باپ اور میں اپنے بیٹے کی وجہ سے یہاں نظر آ رہا ہوں۔

''میرا خیال ہے کہ برفانی حادثے سے بچنے کے بعد میرے والد یقیناً یہاں آئے ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد ہمارے لیے باعثِ تشکر ہو گی۔'' جینی نے نرم اور میٹھی آواز میں درخواست کی۔

''ٹھیک ہے۔'' فادر نے سر ہلایا۔ ''تاہم میں بات کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکا۔ تمہارے والد کا کیا نام تھا؟''

''پال مارچ۔'' جینی نے پُرامید نظروں سے فادر کو دیکھا۔

''ہم ریکارڈ تو رکھتے ہیں۔ لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہر وزیٹر کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ نیز ریکارڈ تہ خانے میں ہے۔ شاید کل میں کچھ کر سکوں۔'' فادر نے جواب دیا۔

جینی بے قرار تھی۔ اس نے منت سماجت کر کے بہرحال فادر کو قائل کر ہی لیا کہ وہ اسی وقت ریکارڈ دیکھ کر بتا دے۔ اس دوران میں فرینک خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ

بڑے میاں کو جینی ہی متاثر کر سکتی ہے۔
بالآخر فادر کو نرا ڈیم آمادہ ہو گیا۔

☆☆☆

جب وہ تینوں تہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے تو نوجوان راہب بھی ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کے دستے والا ایک پول تھا جس میں کئی لالٹین جھول رہی تھیں۔ فادر کا منہ بنا ہوا تھا۔ جینی متواتر اسے رام کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فادر کی توجہ بٹانے کے لیے وہ ادھر اُدھر کی باتیں بھی کر رہی تھی۔ اس کی میٹھی، سریلی آواز کم از کم نوجوان راہب کو ضرور متاثر کر گئی۔ فادر اس کو برادر پاؤلو کے نام سے مخاطب کر رہا تھا۔

فرینک نے متواتر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ تاہم وہ دل ہی دل میں، کام کی باتیں نوٹ کر رہا تھا۔ کیونکہ جینی اور فادر کی گفتگو میں فادر نے کئی ایک حیرت انگیز باتیں آشکار کی تھیں جن میں، تاریخی حقائق، چرچ کی قدامت اور وجہ تشکیل... فادر کے چہرے کا تکدر معدوم ہو گیا تھا۔ فرینک کو یہ بھی پتا چلا کہ قدیم زمانے میں یہ چرچ نہیں تھا اور دو مرتبہ برفانی طوفان سے تباہ ہوا تھا۔ یہاں سے فرار ہونے کے لیے ایک چور راستہ بھی تھا... وہ تہ خانے کی وسعت پر حیران تھا۔

جینی تو تر کے ساتھ فادر کی معلومات، خدمات اور وابستگی کے ضمن میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔ فرینک، گلیوں، کمروں اور راہداریوں کو ذہن میں بٹھا رہا تھا۔

اچانک فادر انہیں ایک دور افتادہ کمرے میں لے آیا۔ جینی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہاں انسانی ڈھانچے، ہڈیاں، کھوپڑیاں وغیرہ موجود تھیں۔ بعض انسانی کھوپڑیوں پر بال بھی نظر آ رہے تھے۔ چاروں طرف عجیب سی بو تھی۔

فادر نے، بتایا کہ یہ باقیات پچھلے اور قدیم راہبوں کی تھیں۔ جنہیں ان کی وصیت کے مطابق یہاں رکھا گیا تھا۔ انہوں نے زندگی یہاں بتائی اور بعد از مرگ بھی یہیں رہنا چاہتے تھے۔ فادر نے جذباتی ہو کر خفیہ سرنگ بھی دکھا دی۔

جینی خوف زدہ اور حیران تھی۔ اگر وہ یہاں رہنا چاہتے تھے تو ان کو یہیں پر دفن کیا جا سکتا تھا؟ لیکن اس نے فادر سے یہ سوال نہیں کیا۔ وہ جلدی اس خوفناک کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی۔

پھر وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں رجسٹر، لیجر، جنرل، کاغذات، اور بکسوں کا ڈھیر لگا تھا۔

جینی اور فرینک سمجھ گئے کہ یہی ان کی منزل ہے۔

فادر اٹالین میں نوجوان راہب سے ''ٹک ٹاک'' کر رہا تھا جبکہ فرینک چور راستے کی خفیہ سرنگ کا راستہ ذہن نشین کر رہا تھا۔ جس کی تاریخ فادر نے نپولین کے وقت کی بتائی تھی۔ جب فرانسیسی افواج نے اس خطے پر حملہ کیا تھا۔

فادر، جینی کی طرف پلٹا۔ ''تم نے کہا تھا کہ یہ حادثہ دو سال پیشتر ہوا تھا۔ مہینا کون سا تھا؟''

''اپریل، اپریل کا دوسرا ہفتہ۔ تاریخ پندرہ کے اردگرد ہوگی۔'' جینی نے فوراً جواب دیا۔

فادر ایک بار پھر نوجوان سے ''ٹک ٹاک، ٹوپ کٹاک'' میں مگن ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے ایک لیمپ اپنے ساتھ رکھتے ہوئے جینی اور فرینک کو واپسی کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

مارک صبح ساڑھے سات بجے بیدار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی پڑا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر کا درد غائب تھا لیکن ذہنی حالت ایسی تھی جیسے وہ نشے میں ہو۔ اس نے اٹھ کر لاکر سے کپڑے نکال کر تبدیل کیے۔ اسے جینی کا خیال شدت سے ستا رہا تھا۔ وہ جوتے پہن رہا تھا جب جیک نے دروازہ کھولا۔

''کہاں کے ارادے ہیں، مارک؟''

''جیک، مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں نہیں رک سکتا۔''

''لیکن کہاں؟''

''یہاں سے نکل کر سوچوں گا۔ جینفر کا پتا چلا؟''

جیک نے گہری سانس لے کر دروازہ بند کر دیا۔ ''نہیں لیکن فرینک میکال کے بارے میں چند اطلاعات ہیں۔ وہ منگل کے روز سوئٹزر لینڈ پہنچا تھا۔ آنے کا مقصد اپنے بیٹے چک میکال کی شناخت تھا۔ وہ نیویارک پولیس ڈپارٹمنٹ میں سراغ رسانی کے فرائض انجام دے چکا ہے۔''

''میرے لیے یہ نئی معلومات ہیں۔'' مارک نے کہا۔

''اور یہ کہ جینفر کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''فرینک اس کے ہمراہ ہے۔'' جیک نے کہا۔

''فرینک پر اتنا بھروسا کیوں؟''

''کیا کریں۔ امید ہے کم از کم جینفر تنہا تو نہیں۔''

''امید رکھی جا سکتی ہے۔ فرینک کے بارے میں تمہاری جو رائے ہے، اس میں بہت زیادہ جان بھی نہیں

ہے۔تم نے HQ بلڈنگ کی تباہی کے ساتھ وکٹر اور اس کی بیوی کے قتل کی خبر بھی سنائی تھی جسے خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اتنی خوفناک اور بے دھڑک وارداتوں کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ ایک منظم اور خوفناک کھیل ہے۔ نیز کھلاڑی پروفیشنل ہیں جن کے ہاتھ لمبے ہیں۔ لہٰذا میں جینفر کو اب بھی خطرے میں محسوس کرتا ہوں۔ جب سے پال مارچ کی باڈی دریافت ہوئی ہے، تب سے ایک طوفان بپا ہو گیا ہے۔ خون پھر پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ آخر ایسا کیا راز ہے کہ سویا ہوا آتش فشاں لاوا اگلنے لگا ہے۔ میں خود جینفر کو تلاش کروں گا۔ علاوہ ازیں تمہیں مجھے ہر بات بتانی پڑے گی۔ میں اندھیرے میں کام نہیں کر سکتا۔ یہ ایک پُراسرار اور گہری سازش ہے۔ تم مسلسل مجھ سے متعدد باتیں چھپا رہے ہو۔"

مارک برافروختہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ہم جینفر تک نہیں پہنچ پا رہے تو تم کیا کر لو گے؟ نیز معاملے کی خفیہ نوعیت کے بارے میں، میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" جیک کا انداز مدافعانہ تھا۔

"تمہارے سیکرٹ مشن کی ایسی کی تیسی... اور تم فرینک کے بارے میں اتنے پُراعتماد کیوں نظر آ رہے ہو؟"

"کیونکہ اس کا تعلق پولیس سے رہا ہے۔"

"اور میرا تعلق تو اخبار فروشی سے ہے؟" مارک بھڑک اٹھا۔

"تم اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرو گے۔"

"کون روکے گا؟" مارک نے اٹھ کر جیک کی جیکٹ کا کالر پکڑ لیا۔ "ٹھیک ہے میں جینفر کی کہانی اخبارات کو دے دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ فرنٹ پیج اسٹوری ثابت ہوگی اور بہت سے رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا۔" مارک نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

جیک کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز بکھر گئی۔

مارک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "تو پھر روک لو۔"

جیک نے ہتھیار ڈال دیے۔ "او کے، تم جیت گئے۔"

مارک تھم گیا۔ اس کا منہ دروازے کی جانب تھا۔ وہ زیرِلب مسکرا رہا تھا۔

"میں "اوپر" بات کرلوں پھر جس حد تک جا سکا، اتنا تمہیں بتا دوں گا۔"

☆☆☆

متعلقہ رجسٹر، نوجوان راہب نے فادر کونراڈ کے آفس میں پہنچا دیا تھا۔ اس میں جو کوائف درج تھے، ان کی زبان جینفر اور فرینک کے لیے نامانوس تھی۔ فادر نے جلد ہی پندرہ اپریل کی تاریخ ڈھونڈ لی۔

"نہیں، کچھ نہیں۔" فادر کا جواب سن کر جینی کا دل ڈوب گیا۔

"پندرہ تاریخ کے آس پاس صفحات پر کوئی انٹری نہیں ہے۔" جینی کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

فادر نے اوراق پلٹنے شروع کیے۔ ایک جگہ وہ رک گیا۔ "بیس تاریخ میں ایک انٹری ہے۔"

جینی کی امید نے انگڑائی لی۔

فرینک نے سوال کیا۔ "کیا نام ہے؟"

فادر کی شکن آلود پیشانی پر مزید لکیروں کا اضافہ ہو گیا۔ وہ خاموش تھا۔

"کیا بات ہے؟" جینی کی آواز میں بے قراری تھی۔

"مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایک اجنبی یہاں پہنچا تھا۔ یہ مندرجات پیڈرو نے لکھے تھے۔" ایک مسافر کل شام پہنچا ہے۔ وہ ہائیکنگ کے لیے نکلا تھا اور راستہ بھٹک گیا۔ اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

فادر کونراڈ نے خلا میں دیکھا۔ "مجھے یاد آ گیا ہے۔ اس آدمی کا چہرہ اور پیر فراسٹ بائٹ سے متاثر تھے۔"

جینی کا بدن لرز اٹھا۔ "اور؟"

"اور وہ بھوکا تھا۔ اس کی حالت کافی خستہ تھی۔ ہم نے مقامی ڈاکٹر کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے منع کر دیا۔ ایبٹ نے اس کی عارضی مرہم پٹی کی تھی اور اسے اسپتال جانے کا مشورہ دیا تھا۔

"اس کی عمر کیا تھی؟"

"درمیانی عمر کا آدمی تھا۔"

"اس نے نام بتایا تھا؟"

"اگر بتایا تھا تو مجھے یاد نہیں اور یہاں لکھا بھی نہیں ہے۔" فادر نے جواب دیا۔

"وہ سوئس تھا یا اٹالین؟"

"وہ غیر ملکی تھا۔ انگریزی بول رہا تھا۔"

جینی نے کانپتے ہاتھوں سے بیگ کھولا اور پال مارچ کی تصویر نکالی۔

"کک... کیا وہ ایسا تھا؟"

فادر نے غور سے تصویر دیکھی۔ "محسوس تو ہوتا ہے

لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"اپنے بارے میں اس نے کوئی اور بات کی تھی؟"

فادر نے جرنل کے مندرجات پر نظر دوڑائی۔ "وہ آدمی دو دن بعد، اپریل 22 کو چلا گیا تھا۔ ایبٹ نے خود اسے ریلوے اسٹیشن پہنچایا تھا۔ ریلوے اسٹیشن کا سن کر جینی چونک اٹھی۔

وکٹر نے بھی شواہد کے ساتھ ریلوے کے ٹکٹوں کے دو ٹکڑے دکھائے تھے۔

"وہ کہاں جارہا تھا؟" پے در پے سوالات نے فادر کو بیزار کردیا تھا۔

اس کا مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔" اس نے رجسٹر بند کردیا۔ بعدازاں وہ انہیں لے کر اندرونی سمت چل پڑا۔ نوجوان ساتھ تھا۔ بارش طوفان میں بدل چکی تھی۔

"آج رات تم دونوں کہاں ٹھہرو گے؟" فادر نے سوال کیا۔

"ہم نے سوچا تھا کہ 'وارزو' میں کوئی جگہ ڈھونڈیں گے۔" فرینک نے جواب دیا۔

"یہاں ایک آدھ ہوٹل ہی ہے۔ یہ کام اب تم کل ہی کرسکو گے۔ بہتر ہے کہ رات مہمان خانے میں گزارلو۔"

"فادر! ہم آپ کے تعاون کے حد سے زیادہ مشکور ہیں۔" جینی نے تہ دل سے کہا۔

"برادر ہاؤلو تمہیں کمرے دکھادے گا۔"

اچانک جینی کے ذہن میں خیال چمکا۔ "فادر! کیا آپ علاقے میں کسی ایسی پہاڑی سے واقف ہیں جو 'ایڈل ویز' کہلاتی ہے۔" جینی نے ایک سلپ نکالی جس پر اس نے لکھا تھا: ایچ دوگل، برگ ایڈل ویز 705۔

فادر نے سلپ کا معائنہ کیا۔ "یہ کیا ہے؟"

"یہ نوٹ برف میں سے نکلنے والی باڈی کے کپڑوں میں تھا۔"

فادر نے اپنی ٹھوڑی کھجائی۔ "ویزن بارن کی سوئس سائڈ پر 'دوگل' ایک عام نام ہے۔ خصوصاً برگ اسٹیشن کے اردگرد۔ (برگ، جرمن زبان میں پہاڑی کو کہتے ہیں) اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔" فادر نے سلپ واپس کردی۔

نوجوان ہاؤلو دونوں کو کمرے دکھا کر اور ضروری باتیں بتا کر چلا گیا۔

"یہ وزٹ مکمل طور پر ضائع نہیں ہوا۔" فرینک نے ابتدا کی۔ "ہمیں، چند کلیو، مدھم ہی سہی، بہرحال مل گئے ہیں۔"

"یعنی؟"

"کوئی آدمی انہی تاریخوں میں یہاں آیا تھا۔ وہ برفانی طوفان سے بھی گزرا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو بلانے سے کیوں منع کیا۔ وہ یہاں سے ٹلاتو ٹرین سے سفر کیا۔ وکٹر نے بھی ہمیں ٹرین کے ٹکٹ کے ٹکڑے دکھائے تھے۔ تصویر دیکھ کر فادر نے جو کچھ کہا۔ غالب امکان ہے کہ یہاں پہنچنے والا شخص پال مارچ تھا۔ غالباً وہ 'برگ' کی سمت گیا تھا۔"

"لیکن یہ نامکمل اشارے ہیں۔" جینی نے کہا۔

"تاہم حوصلہ افزا ہیں۔ سچ کی تلاش میں ہمیں 'دوگل' کو ڈھونڈنا ہے اور اس کے لیے 'برگ' تک جانا پڑے گا۔" فرینک نے اگلے قدم کے بارے میں بتایا۔

"اب تم آرام کرو۔"

"میں تمہارے تعاون کی دل سے قدر کرتی ہوں، بہت شکریہ۔" جینی نے اظہارِ تشکر کیا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں۔ شاید ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ ضرورت پڑے تو کال کردینا۔ سو جاؤ۔" فرینک دروازہ بند کرکے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد جینی کو مارک اور بابی کا خیال آیا۔ اس نے سیل فون نکال کر آن کیا۔ لیکن اس کی بیٹری ڈاؤن کے قریب تھی۔ اس نے ارادہ کل پر ملتوی کرکے فون دوبارہ آف کردیا۔

☆☆☆

ٹورن۔

"یو ایس نیشنل سیکیورٹی کو طویل المدتی سنگین ترین خطرہ کون سا ہے؟" جیک نے سوال کیا۔

دونوں اسپتال کے کمرے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"تم بتاؤ۔" مارک نے کہا۔ "دہشت گردی؟"

جیک نے نفی میں سر ہلایا۔ "منظم جرائم (آرگنائزڈ کرائم)... 'رشین آرگنائزڈ کرائم' سرفہرست ہے۔ میرا مطلب ہے 'ریڈ مافیا'۔ سی آئی اے کی جمع تفریق کے مطابق گزشتہ چند برسوں میں 'ریڈ مافیا' نے دنیا کے ایک وسیع خطے میں پچاس بلین ڈالرز کا ہیر پھیر کیا ہے۔ ان کے سامنے 'اٹالین مافیا'... 'یوائے اسکوائنس' ایک جتھا بن کر رہ گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ اس کا پال مارچ سے کیا تعلق بنتا ہے؟" مارک نے اعتراض جڑا۔

''اسی طرف آرہا ہوں۔ ریڈ مافیا، رئیل اسٹیٹ، اسٹاکس، شیئرز اور دیگر قانونی کاروبار میں ملوث ہے۔ ان قانونی کاروبار کی آڑ میں مافیا منی لانڈرنگ کرتی ہے اور مختلف کاروبار پر اجارہ داری قائم کرتی ہے۔ مافیا کی سب سے زیادہ سرمایہ کاری امریکا کے اندر ہے۔''

''میں سمجھا... لیکن پال مارچ؟''

''پال، پرائم انٹرنیشنل سیکیورٹیز میں کام کرتا تھا۔ پرائم کمپنی کو ایک سال قبل بند کر دیا گیا۔ اس سے قبل وہ ایک قانونی انویسٹ منٹ بینک تھا۔ سوائے اس کے کہ کمپنی ریڈ مافیا کی ملکیت تھی۔ براہِ راست نہیں، بلکہ ''کے مین آئی لینڈ'' کی ایک ''شیل کمپنی'' کے ذریعے جو بڑی بڑی غیر قانونی رقوم کو دھو دھلا کر کمپنی کے لیے پاک صاف کرتی تھی... یہ ایک بین الاقوامی آپریشن کا حصہ تھا۔ جسے مجرموں کا ایک گروپ چلاتا تھا۔

''موسکایا'' فرقہ آف شور کمپنیوں اور بینکوں کی آڑ میں آپریٹ کرتا ہے۔ انہوں نے بیوروکریسی کا ایسا پیچیدہ جال بچھایا ہوا ہے، جو اُن کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ''موسکایا'' والے اپنے ہاتھ صاف رکھتے ہیں اور کام ''چین'' کی دوسری کڑیوں سے کراتے ہیں۔''

''JFK پر مردہ بچے کے پیٹ میں ہیروئن والے کیس پر تم کام کر رہے تھے۔ اسے ماسکو سے اسمگل کیا گیا تھا اور موسکایا فرقہ اس کا ذمّے دار تھا۔ پیسا بنانے کے لیے وہ ہر کام کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ چاہے وہ کتنا ہی گھناؤنا اور مکروہ کیوں نہ ہو۔''

''انہوں نے پرائم انٹرنیشنل کو کیوں بند کیا؟''

''کیونکہ ہم چار برس سے پرائم کے پیچھے تھے اور بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ ہم موسکایا کے خلاف ایک مضبوط کیس بنانے جا رہے تھے۔ ہم نے آپریشن کا نام ''اسپائڈر ویب'' رکھا تھا۔ ہم نے فون ٹیپ کیے۔ غیر قانونی اکاؤنٹس کو ٹریک کیا۔ موسکایا چین کی اہم کڑیوں پر ہماری نظر تھی۔ وہی تمام مروجہ ہتھکنڈے... لیکن حیرت انگیز طور پر ہم منزل سے اب بھی دور تھے پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ کسی اندر کے آدمی کو ساتھ ملایا جائے۔''

''یہاں سے پال مارچ کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ وہ پرائم انٹرنیشنل کے ٹاپ ایگزیکٹو میں شامل تھا۔ وہ ہمیں کمپنی کی خفیہ فائلز تک رسائی دے سکتا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ جانتا تھا کہ پرائم انٹرنیشنل کے اندر کیا ہو رہا تھا؟'' مارک نے سوال کیا۔

''اس کا دعویٰ تو یہ نہیں تھا لیکن ہمیں اندازہ تھا کہ وہ باخبر ہے۔ صرف اسے گھیرنے کا مسئلہ تھا۔ کوئی ایسی آفر یا کمزوری جو اسے ہمارے لیے کام کرنے پر مجبور کر دے...''

''کیا مطلب؟''

''ہم نے پرائم کے ٹاپ ملازمین کا پس منظر چیک کرنا شروع کیا۔ جب پال مارچ کا نمبر آیا تو پتا چلا کہ اس کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں تھا۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ ہم گہرائی میں گئے تو معلوم ہوا کہ اس کا اصل نام ''جوزف ڈیلگاڈو'' تھا۔ دس سال کی عمر میں وہ یتیم ہو گیا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی یتیم خانے میں گزری۔ چوری کے الزام میں ایک آدھ بار وہ بچہ جیل کی سیر بھی کر آیا۔ انیس سال کی عمر میں ایک سال اس نے جیل میں گزارا۔ باہر آتے ہی چاقو کی لڑائی میں اس کے ہاتھوں ایک بندہ مارا گیا۔ لڑائی فونیکس کے ایک بار میں ہوئی تھی۔ پال کا دعویٰ تھا کہ اسے مشتعل کیا گیا تھا۔ بہرحال اسے چار برس کی سزا ہو گئی۔ یہاں سے اس نے تبدیل ہونا شروع کیا۔ قید کا عرصہ اس نے بہتر انداز میں گزارا اور پڑھائی کی جانب توجہ دی۔ باہر نکلنے کے بعد وہ ڈپلوما حاصل کر چکا تھا اور اپنا نام بھی تبدیل کر لیا تھا۔ اس نے خود کو بالکل تبدیل کر لیا تھا۔

''وہ نئے نام کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔ اس نے ملازمت کی اور پڑھائی بھی جاری رکھی۔ ایک وقت آیا کہ اس نے پرائم انٹرنیشنل جوائن کر لی۔ وہ ترقی کرتا رہا۔ آج سے چار سال قبل ''پرائم'' کو ایک شیل کمپنی نے خرید لیا۔ جس کے پیچھے موسکایا فرقے کا ہاتھ تھا۔ ہماری جیسے لاٹری کھل گئی۔ ہم نے اس کے ماضی کے ذریعے اسے بلیک میل کیا۔

''اس کے ماضی کو مٹانے کے علاوہ، ہم نے اسے 1/2 ملین کی آفر کی۔ ساتھ ہی اس کی فیملی کے تحفظ کے لیے ''وٹنس پروٹیکشن'' کی پیشکش کی۔ اس کے عوض اسے امریکا اور کیریبین میں ہمارے لیے ''موسکایا'' کے خلاف کام کرنا تھا۔

''پال کی سب سے اہم ڈیمانڈ یہ تھی کہ ''جوزف ڈیلگاڈو'' کی حیثیت سے اس کے ماضی کا ایک ایک لمحہ مٹا دیا جائے۔ جیسے جوزف ڈیلگاڈو کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہم نے اس کی یہ بات مان لی۔

مارک نے سوچا کہ اسی وجہ سے ''گارڈا'' کو جوزف ڈیلگاڈو کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

جیک نے گہری سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کیا۔
''سال میں کم از کم دو بار پال سوئٹزرلینڈ جاتا تھا۔ جہاں پرائم انٹرنیشنل کے کئی اکاؤنٹ تھے۔ اس کا ٹاسک سادہ تھا۔ اسے اکاؤنٹس بکس کو دیکھنا تھا کہ وہ کس حالت میں ہیں اور اس کی رپورٹ ہمیں دینی تھی۔''
مارک خاموشی سے سنتا رہا۔
''ایک بار جب پال بزنس ٹرپ پر حسب معمول زیورچ جا رہا تھا تو ایک ہفتے قبل ہمیں ٹپ ملی کہ موسکایا نے اٹالین ''ڈرگ ٹریفکرز'' کے ساتھ ایک بڑی ڈیل کا بندوبست کیا تھا۔ بھاری ڈرگ کنسائنمنٹ کے عوض موسکایا نے پچاس ملین ڈالرز ادا کرنے تھے۔ پچاس ملین مخصوص بانڈز، ہیروں اور کرنسی کی شکل میں تھے۔ موسکایا کا ایک ٹاپ اہلکار، جس کا نام ''کارل لازار'' تھا، اسے زیورچ میں یہ ادائیگی کرنی تھی۔ پال نے ہمیں بتایا تھا کہ اسے ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ زیورچ بینک کے سیف ڈپازٹ باکس، جو پرائم کے زیر استعمال تھے، سے بانڈ، کرنسی اور ہیرے نکال کر ''لازار'' کے حوالے کر دے۔ ہم نے زیورچ میں اپنی ٹیم سیٹ کی اور لازار کے پیچھے لگ گئے تاکہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکے۔''
مارک نے سر ہلایا۔
''پال مارچ، زیورچ اترا۔ لازار سے ملا۔ بینک کا وزٹ کیا۔ مطلوبہ اشیا نکال کر اس نے چار بڑے بریف کیس تیار کیے... وہ اور لازار پاپیادہ ہوٹل کی جانب رواں تھے۔ کامیابی ہم سے چند منٹ کے فاصلے پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔'' جیک نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''پھر ایک غیر متوقع موڑ آ گیا۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''وہ دونوں اپنے ہوٹل میں سرے سے گئے ہی نہیں... ابھی ہم ان کے سر پر تھے اور اگلے منٹ وہ غائب ہو چکے تھے۔ ہم اطراف کی سڑکوں کی بھول بھلیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ گئے۔ ہم نے پانچ بلاکس کی ہر اسٹریٹ کو کھنگالا۔ ہم نے ائرپورٹ کی نگرانی کی لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا... پال مارچ اور کارل لازار پچاس ملین کی دولت لے کر غائب ہو گئے۔ یہ حرکت کسی ایک نے کی یا پھر دونوں نے۔ بہرحال ہماری طویل منصوبہ بندی اور سرگرمی کا نتیجہ شرمناک ناکامی کی صورت میں سامنے آیا۔''
مارک کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔ ''پال ایک خطرناک مافیا کے ساتھ دھوکے کا خطرہ کس طرح مول لے سکتا تھا؟''
''تھیوریز ہیں۔ لازار تو تھا ہی گھاگ مجرم۔ مال بہت زیادہ تھا... دوسری جانب میں پال کے مجرمانہ ماضی کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا۔ لازار یا پال میں سے کوئی بھی قانونی رہ گزر سے ملک نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اگر لازار صحیح چل رہا تھا تو اسے گلیشیئر کے ذریعے اٹلی میں داخل ہونا تھا اور موسکایا کے انتظام اور ہدایت کے تحت متحرک رہنا تھا۔ اگر وہ دھوکا دے رہا تھا تب بھی اسے گلیشیئر کا سہارا درکار تھا۔ پال کا کام اتنا تھا کہ ہوٹل میں چاروں بریف کیس لازار کے حوالے کر دے۔ دونوں ایک ساتھ غائب کیونکر ہوئے، یہ ایک اسرار ہے۔
''پھر جو بھی منصوبہ تھا: اسے برفانی طوفان نے تہس نہس کر دیا۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بچ گیا اور دوسرا دفن ہو گیا۔ یہاں بھی ایک اسرار ہے۔ برف سے ملنے والی باڈی پال مارچ کی نہیں تھی لیکن پاسپورٹ اور کپڑے پال مارچ کے تھے۔''
''کیا بکواس ہے؟'' مارک اچھل پڑا۔ ''یہ تصدیق، صرف جینفر کر سکتی ہے۔''
''ہاں، اسی نے کی ہے۔'' جیک بولا۔
''لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' مارک کی آواز میں واضح چبھن تھی۔ وہ بغور جیک کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ''جب جینفر اور فرینک HQ بلڈنگ سے نکلے تو ریسٹورنٹ میں گئے... کوئی ان سے نہیں ملا۔ ذرا دیر بعد عمارت تباہ ہو گئی۔ تب سے وہ دونوں تمہاری پہنچ سے باہر ہیں... پھر تمہیں کس نے بتایا؟'' مارک بے اختیار کھڑا ہو گیا۔
''بیٹھ جاؤ۔ مجھ پر شک مت کرو۔ جب جینفر نے تصدیق کی ہو گی تو اندر اور بھی لوگ ہوں گے۔ فارنسک ایکسپرٹ تو ہو گا ہی... وکٹر بھی ہو گا۔''
''اندر والے سب مارے گئے۔''
''وکٹر دھماکے سے پہلے نکل گیا تھا۔''
''وکٹر کیوں بتائے گا؟'' مارک نے اعتراض کیا۔
''کیوں بتائے گا، کیوں نہیں بتائے گا، اب اس بحث میں پڑنا لاحاصل ہے۔''
''کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''
''وکٹر اور مسز وکٹر کو اسی روز قتل کر دیا گیا تھا۔''
مارک سن ہو کے رہ گیا۔ اسے سماعت کا دھوکا معلوم ہوا۔ ''کیا کہا؟''

"ہاں، وہ مارے جاچکے ہیں۔"

مارک نے سر صوفے سے ٹکادیا اور جسم ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے اعصاب کشیدہ تھے۔ رشین مافیا، موسکایا... موسکایا کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں؟ کتنے وسائل ہیں ان کے کہ سی آئی اے جیسی تنظیم برسوں سے سر پیٹ رہی ہے۔ مارک کا ذہن برق رفتاری سے کام کررہا تھا۔ کہیں "موسکایا" کوئی فرضی کہانی تو نہیں۔ اگر موسکایا حقیقت ہے تو جینی اب تک کیوں بچی ہوئی ہے؟ موسکایا جہاں چاہتے ہیں، گھس جاتے ہیں اور اپنا کام کر کے نکل جاتے ہیں... پھر جینی کی کیا اوقات ہے۔ وہ جب چاہیں اسے مکھی کی طرح مار سکتے ہیں۔ آخری جینی کیوں اب تک بچی ہوئی ہے۔ کیوں بچی ہوئی ہے؟ کیا اس میں کوئی کلیو ہے؟ کیا اسے خاص وقت تک بچایا جارہا ہے؟ کیا اس پر حملے فرضی تھے؟ فرینک کی حقیقت کیا ہے؟

"میرا سوال اپنی جگہ پر ہے؟" مارک نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں تمہاری تسلی کردوں گا، جب چاہو۔"

"ابھی، اسی وقت۔" مارک کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"جینفر کی تصدیق ایک مفروضہ ہے۔"

"کیا بات ہے۔ بہت خوب۔" مارک کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ جسے جیک نے نظرانداز کردیا۔

"ہم مفروضے ایسے ہی قائم نہیں کرتے۔ باڈی دریافت ہونے کے بعد جب ہمیں پتا چلا کہ پاسپورٹ کے مطابق وہ پال مارچ تھا۔ تو ہم نے اور شاید تمام متعلقہ فریقین نے یقین کرلیا۔ تاہم میں نے اندیشہ ہائے دور دراز کے تحت پاسپورٹ کی تصویر حاصل کرلی تھی۔ میرا مطلب ہے اس کی نقل۔ میرے پاس پال مارچ کی تصویر شروع سے موجود ہے۔ میں نے نہایت احتیاط سے دونوں تصاویر کا موازنہ کیا... انسٹرومنٹ بھی استعمال کیے۔ میں شک میں مبتلا ہوگیا اور دونوں تصاویر انٹرپول کو روانہ کردیں۔ وہاں الیکٹرانکلی دونوں تصاویر مس میچ (MIS-MATCH) ثابت ہوئیں۔ تصاویر میں مشابہت تھی لیکن وہ پال کی باڈی نہیں تھی۔ جب میں شک میں پڑگیا تو وہ تو اس کی بیٹی تھی۔ اس نے فوراً تصدیق کردی ہوگی کہ وہ کوئی اور ہے۔ چند نکات اور ہیں جو ہمیں بتا گئے کہ HQ بلڈنگ میں رکھی باڈی پال مارچ کی نہیں ہے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً ہماری طرح موسکایا تک بھی یہ بات پہنچ گئی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر وہ پال مارچ ہی ہوتا تو نہ بلڈنگ تباہ کی جاتی، نہ ہی وکٹر قتل ہوتا۔"

"کیونکہ وہ باڈی یقیناً کارل لازار کی تھی۔ پال یا لازار، تیسرا کوئی امکان نہیں تھا۔ موسکایا اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے رتی بھر رسک نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طویل عرصے سے ہمارے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ اب تم اپنی تفتیش بند کرو۔ لگ رہا ہے کہ جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔" جیک نے اکتاہٹ ظاہر کی۔ "اس طرح ہم کیسے مل کر کام کرسکتے ہیں؟"

مارک نے دل ہی دل میں جیک کی شان میں "گل افشانی" کی۔

"اب یہ نہ پوچھنا کہ ہم نے تصویر کی کاپی کیسے حاصل کی یا موسکایا کو اتنی سرعت سے کیونکر خبر ملی کہ پولیس کے پاس جو باڈی ہے، پال کی نہیں بلکہ لازار کی ہے۔"

"نہیں پوچھوں گا۔ تم نے موسکایا کے جتنے عظیم کارنامے گنوادیے ہیں، اسے دیکھتے ہوئے یہ معمولی بات لگتی ہے۔ انہوں نے اندر کا کوئی بندہ خرید رکھا ہوگا۔" مارک نے کہا۔

اچانک دروازہ کھلا اور ایجنٹ گراہم اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نقشہ تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں جیک سے گفتگو کی۔

"جلدی کرو۔ گاڑی تیار رکھو، میں آتا ہوں۔" جیک کے چہرے پر سرخی نمودار ہوئی۔

"اب کون سا دھماکا ہوا ہے؟" مارک نے ہلکا سا طنز کیا۔

"بات بن رہی ہے۔ جینفر نے اپنا سیل فون چند منٹ کے لیے آن کیا تھا۔ ٹریسنگ بہت مدھم تھی۔ تاہم وہ وارزو کے آس پاس کہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے برگوف ہوٹل میں منیجر سے بات کی تھی۔ اس کا نام ایشن ہے، ایشن دیبر۔ اس کے علم میں نہیں ہے کہ جینفر کہاں گئی ہے، البتہ اس نے یہ بتایا ہے کہ وہی جینفر کو ویزن ہارن پر لے گیا تھا۔ وہاں جینفر نے جن چیزوں میں دلچسپی ظاہر کی تھی، ان میں ایک "کراؤن آف تھارن" بھی ہے۔ یہ چرچ کا نام ہے۔ جو "وارزو" سے ذرا ہٹ کر ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" مارک بڑبڑایا۔

"ایجنٹ گراہم نے نقشے پر جو جگہ دکھائی ہے، چالیس منٹ کی ڈرائیو ہے۔ ہم وہیں جارہے ہیں۔"

"میں بھی ساتھ ہوں۔" مارک نے عندیہ دیا۔

''میرا خیال ہے، تمہیں آرام کے لیے کہا گیا تھا۔''
''بھول جاؤ، میں ساتھ ہوں اور کئی ایک سوالات تمہارے اوپر ادھار ہیں۔جینیفر کو خطرہ کیوں ہے؟ بلکہ اب بڑا سوال یہ ہے کہ وہ اب تک بچی ہوئی کیونکر ہے؟ برف میں پال کی باڈی نہیں تھی تو پال کہاں ہے؟ وغیرہ، وغیرہ۔''

☆☆☆

سیاہ ٹویوٹا سینا ''کراؤن آف تھارن'' کے باہر آ کر رکی۔ اس میں دو آدمی سوار تھے۔ وہاں نسان کو دیکھ کر سیاہ ٹویوٹا سینا ریورس ہو کر درختوں کے جھنڈ میں چلی گئی۔ اس کی ہیڈ لائٹس بند تھیں۔ انجن بھی بند کر دیا گیا۔ دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں چرمی دستانے تھے۔ انہوں نے گہرے رنگ کے رین کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ چہروں پر سیاہ رنگ کے اسکائی ماسک تھے۔ دونوں کار سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ایک سیاہ پوش نے ٹارچ نکال کر گیٹ کے لاک پر مرکوز کر دی۔ دوسرے نے لباس سے چمڑے کا پاؤچ نکالا جس میں مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے چند اوزار اور تار تھے۔ وہ لاک پر جھکا اور ایک منٹ کے اندر اسے کھول ڈالا۔ دونوں اندر چلے گئے۔

اندرونی عمارت کا دروازہ بھاری لکڑی کا تھا۔ چوبی دروازے کا لاک بھی انہوں نے بہ آسانی کھول ڈالا۔ دونوں اب اندرونی عمارت میں تھے۔ کوٹ کے اندر سے اسکارپین مشینی پسٹل نکل آئے۔ جو پتلی بیلٹ کے ذریعے گردن سے لٹکے ہوئے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے ہتھیار چیک کیے پھر چوبی دروازہ بند کر کے بے دھڑک اندر کی سمت چل دیے۔

☆☆☆

فادر کونراڈ کی تاریکی میں آنکھ کھلی۔ پہلا خیال اسے یہی آیا کہ اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ وہ خواب نہیں تھا۔ دو سیاہ پوش اس کے کمرے میں تھے۔ ایک کا ہاتھ اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ دوسرے نے ٹارچ کی روشنی فادر کے خوف زدہ چہرے پر پھینکی۔

فادر نے مچلنا شروع کیا تو چاقو کی دھار اس کے گلے میں چبھنے لگی۔
''حرکت مت کرو۔ ہلے تو آخری بار ہلو گے۔'' پھنکار جیسی سرگوشی ابھری۔ ''منہ بھی بند رکھنا، کھولا تو پھر بند نہیں ہوگا۔''

فادر کا جسم ساکن ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔
فوراً بعد ہاتھ اس کے منہ پر سے ہٹ گیا۔
''جو پوچھوں، جواب دیتے جاؤ۔ جھوٹ بولا تو وہ آخری جھوٹ ہوگا۔'' پھنکار پھر ابھری۔
فادر نے سر ہلایا۔ اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔
''دو مہمان آئے تھے۔ کہاں ہیں؟ کوئی بات مت چھپانا؟''
فادر چپ رہا۔ اس کے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک بدترین صورتِ حال سے دو چار ہو چکا ہے۔
''جواب دو، تیسری بار نہیں پوچھوں گا۔'' سیاہ پوش کی آواز سے زہر ٹپک رہا تھا۔
فادر نے پھنسی پھنسی آواز میں ساری کہانی سنا دی۔
''یہاں اور کتنے افراد ہیں؟''
''میرے علاوہ دو اور ہیں۔ برادر پاؤلو اور برادر فرانکو۔''
''ان کی لوکیشن بتاؤ۔''
''برادر پاؤلو یہاں سے تین دروازے دور ہے۔ برادر فرانکو اگلے کوریڈور کے پہلے کمرے میں ہے۔''
جواب ملتے ہی ہاتھ دوبارہ سختی سے فادر کے منہ پر جم گیا۔ دوسرے سیاہ پاش نے پھرتی اور صفائی سے فادر کا نرخرہ تراش دیا۔

☆☆☆

اچانک جینی کی آنکھ کھل گئی۔ وہی دیرینہ خواب تھا۔ اس مرتبہ کافی دنوں کے بعد دکھائی دیا تھا۔ اسے ادراک تھا کہ باہر طوفان جاری ہے۔
سینے میں دل جنگلی گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ جینی کا بدن پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی حالت ہمیشہ سے زیادہ ابتر تھی۔ خواب تو وہی تھا۔ ہمیشہ کی طرح پھر اس کی حالت اتنی ناگفتہ بہ کیوں ہے؟ قاتل کمرے کے اندر ہے لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔ اس نے ہراساں نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔۔۔ جینی کو مارک کی یاد آئی۔ دفعتاً اس کی سماعت سے مدھم آواز ٹکرائی۔ وہ اچھل پڑی۔ آواز کوریڈور سے آئی تھی۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔
جینی کو بستر سے اٹھنے میں بے حد قوت صرف کرنی پڑی۔ کمرے میں تاریکی کا راج تھا۔ وہ اندازے سے دروازے کی طرف گئی۔ تیسری بار مختلف آواز آئی۔

کھڑکھڑاہٹ سے ملتی جلتی۔۔۔ کوئی دروازے کے ہینڈل پر تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی اور گرتے گرتے بچی۔ اسے لگا کہ بے قابو دھڑکن پسلیاں توڑ دے گی۔

معاً دروازہ کھل گیا۔ مدھم روشنی اندر در آئی۔ چیخنے کے لیے بے اختیار اس کا منہ کھلا جو بھی تھا بہت پھرتیلا تھا۔ کھردرا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔ چیخ حلق میں ہی گھٹ کے رہ گئی۔

سرگوشی ابھری۔ ''کوئی آواز نہیں۔''

جینفر تھی۔ ''خدا کے لیے، جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' فرینک نے ہاتھ جینفر کے منہ پر سے ہٹالیا۔ جینی کی رکی ہوئی سانس بحال ہوگئی۔ فرینک نے ٹارچ نکالی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں مقتول وکٹر کا پسٹل تھا۔

''دروازہ بند کردو۔'' اس نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموشی کا اشارہ کیا۔ جینی نے دیکھا، فرینک کے پیروں میں موزے تھے۔ دونوں جوتے فیتوں کے بل پر گلے میں جھول رہے تھے۔ یقیناً وہ افراتفری میں اس تک پہنچا تھا۔

''کک۔۔۔ کیا ہوا؟''

''جلدی تیاری کرو۔ آواز دھیمی رکھو۔ ہم یہاں سے جارہے ہیں۔''

''کیوں؟''

''دشمن پہنچ گئے ہیں۔۔۔ جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

جینی کے، ہاتھ پیر پھول گئے۔ کیا وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی؟ آج کا خواب کتنا حقیقی تھا۔ کیا یہ آخری خواب تھا؟

اچانک اسے اپنے ناکافی لباس کا خیال آیا۔ فرینک نے اسے تیاری کے لیے کہا تھا اور اس کے لباس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ہمت جمع کر کے متحرک ہوگئی۔ فرینک کی موجودگی سے اسے ڈھارس کا احساس ہوا۔ کیا آج بھی وہ اسے بچالے گا؟ ''دشمن'' کون؟ کیا اس کے گھر کو برباد کرنے والے سفاک قاتل نے خواب کی دنیا سے باہر قدم رکھ دیا ہے؟ وہ سوچتی جارہی تھی اور لباس تبدیل کررہی تھی۔

فرینک دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ جینی اپنا بیگ اور جوتے اٹھا کر اس کے پاس آگئی۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''کسی آواز سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں دیکھنے کے لیے باہر نکلا تو فادر کے کمرے کے قریب مجھے دو مسلح آدمی نظر آئے۔ دونوں کے چہرے سیاہ اسکائی ماسک میں چھپے ہوئے تھے۔ میں بروقت اپنے کمرے میں واپس گھس گیا۔ گن لے کر میں نے دوبارہ جھانکا۔ دونوں غائب تھے۔ میں ننگے پاؤں فادر کے کمرے تک گیا۔ وہ مرچکا تھا۔ تیز دھار آلے سے اس کا گلا کاٹ دیا گیا تھا پھر میں نے برادر پاؤلو کو چیک کیا۔ اسے بھی قتل کردیا گیا تھا۔ یہاں موجود آخری راہب کو دیکھنا بے معنی تھا۔ اس کا انجام دیوار پر لکھا تھا اور ہمارا بھی۔ مہلت کم تھی۔۔۔ میں اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ میں سیدھا یہاں آگیا۔''

جینی کے بدن کی کم ہوتی ہوئی لرزش پھر سے بڑھ گئی۔ ویسی ہی رات تھی۔۔۔ اسے لگا کہ وہ ماضی میں سفر کرتی ہوئی دو سال پیچھے چلی گئی ہے۔ فرق یہ تھا کہ اس مرتبہ قاتل دو تھے اور وہ بھی تنہا نہیں تھی۔

فرینک نے ٹارچ آف کر کے احتیاط سے دروازہ کھول کر جھانکا۔ پھر جینفر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔ فرینک کا رخ تہ خانے کی جانب تھا۔ وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچے تھے کہ عقب میں دو روشن لکیریں لہرائیں۔ یہ ٹارچ کی روشنی تھی۔

''بھاگو۔'' فرینک نے جینفر کو دھکیلا۔ اگلے لمحے وہ سیڑھیوں پر تھے۔ عقب میں بھاگتے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ وہ ننگے پیر تیزی سے سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ تہ خانے میں جانے کے لیے شاہ بلوط کا چوبی دروازہ حائل تھا۔ چابی دیوار کے حلقے میں لٹک رہی تھی۔ جینفر نے چابی حلقے سے نکال کر دروازہ کھولا۔ فرینک برینا ہاتھ میں لیے عقب میں دیکھ رہا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ اندھادھند تاریکی میں گھس گئے۔ جینی خوف اور بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔

''دروازہ اندر سے لاک کردو۔'' فرینک نے ٹارچ روشن کی۔ قدموں کی دھمک بتارہی تھی کہ قاتل سیڑھیوں پر ہیں۔ جینی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرف بڑھے۔ تہ خانہ خاصا وسیع تھا۔ تاہم فرینک کا ذہن صاف تھا۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں تہ خانے کی بھول بھلیوں میں بہ آسانی رواں تھا۔ فاصلے سے گولیوں کی چیخ سنائی دی۔ فرینک سمجھ گیا کہ دروازے کا لاک اڑا دیا گیا ہے۔

وہ سیدھا، بغیر کسی غلطی کے ''موت کے کمرے'' میں جا گھسا۔ جہاں ڈھانچے، ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے ڈھیر لگے تھے۔ بعض ڈھانچے قیمتی لباس میں ماربل سے بنے شیلف میں لٹک رہے تھے۔

جینی نے بہ وقت خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ اندر بھی موت اور باہر بھی موت۔۔۔ بیرونِ عمارت طوفان، اندرونِ

عمارت گھور تاریکی، اور خون میں ڈوبی لاشیں۔۔۔ تہ خانے کا بھیانک منظر، تعاقب میں خونی درندے۔۔۔ جینی کو لگا کہ وہ کسی ہارر مووی کا حصہ ہے۔

وہ یہیں مرے گی اور اس کی ہڈیاں بھی ان ہڈیوں میں شامل ہو جائیں گی۔

ٹارچ کی بیٹری ڈاؤن ہو رہی تھی۔ فرینک ایک سرخی مائل ماربل کے شیلف کی طرف متوجہ تھا۔ جس میں ایک ''شاندار'' قدیم ڈھانچا بیش قیمت لباس میں لٹک رہا تھا۔ پتا نہیں کس طرح ڈھانچے کو صحیح حالت میں رکھا گیا تھا۔ ورنہ اتنے عرصے میں اس کی ہڈیوں کا برادہ بن جانا چاہیے تھے۔ لباس کی شان اور قیمت اس کے طلائی بٹن اور زرگری سے عیاں تھی۔ وقفے وقفے سے صفائی کے ذریعے لباس کی حفاظت کا انتظام رکھا گیا تھا۔ کمرے میں ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی جس میں مختلف کیمیکلز کی بو بھی شامل تھی۔ فرینک کی یادداشت میں فادر کونراڈ کی تقریر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ فادر نے شاہانہ ڈھانچے کا تعارف ''پادرے بونی فیس کے نام سے کرایا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ خود اس کمرے کی زینت بننے کی تیاری پکڑ چکا ہوگا۔

جینی ابکائی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد پادرے بونی فیس کے شیلف نے آواز کے ساتھ اپنا رخ بدل لیا۔ اس عمل کے دوران میں اچانک ''پادرے'' کے استخوانی ہاتھ کی ایک انگلی ٹوٹ گئی۔ شیلف کے عقب میں خفیہ سرنگ بھی نمودار ہو گئی۔ فرینک نے انگلی اٹھا کر ''پادرے'' کے لباس کی جیب میں ڈال دی اور اپنا لائٹر نکالا۔ کیونکہ ٹارچ کی بیٹری نے جواب دے دیا تھا۔

فرینک جینفر کو لے کر سرنگ میں گھس گیا۔ اس نے شیلف کو واپس اصل جگہ پر لانے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ کسی کی رہنمائی کے بغیر تہ خانے کی بھول بھلیوں کو سمجھنا سہل نہیں تھا۔ قاتل ''پادرے بونی فیس'' تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف کر بیٹھیں گے۔ ان کے نزدیک شکار تہ خانے کے پنجرے میں مقید ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک نے سیڑھیوں پر مورچا سنبھال رکھا ہو اور دوسرا انہیں تلاش کرنے پر لگا ہو۔۔۔ محض ٹارچ کی مدد سے تلاش اور دشوار ہو گئی تھی۔ فرینک کا اندازہ تھا کہ وقت صرف ہوگا تو قاتل بیٹری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

سرنگ کی اونچائی کم تھی اور وہ جھک کر آگے بڑھ رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ زمین پر بھی انسانی ہڈیاں پڑی تھیں۔ آگے سرنگ بلند تر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ فرینک لائٹر آن، آف کر کے استعمال کر رہا تھا۔

آخرکار وہ سرنگ کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔ دونوں کے چہرے اتر گئے۔ ان کی سمجھ میں آیا کہ گھٹن زیادہ کیوں تھی۔ اچھا ہوا کہ فرینک نے سرنگ کے اندر آنے کا راستہ بند نہیں کیا تھا۔ سرنگ کا بیرونی بند دہانہ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ یہاں پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔

فرینک نے چند بڑے پتھر اٹھا کر ایک طرف پھینکے۔ اس کی مایوسی غصے میں بدل گئی۔ اندھادھند اس نے پتھر ہٹانے شروع کیے۔ تاہم راستہ نمودار نہ ہوا۔ فرینک نے لائٹر آف کیا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''اب کیا ہوگا؟'' جینفر نے لرزیدہ آواز میں سوال کیا۔

''یہاں تک پہنچے ہیں تو نکلیں گے بھی۔'' وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ چند پتھر ایک طرف کر کے اس نے لائٹر آن کیا اور ہاتھ بلند کر کے بازو کو ادھر اُدھر گھمایا۔ ایک مقام پر شعلے میں جنبش ہوئی۔ فرینک نے لائٹر خلا میں اسی مقام پر رکھا۔ شعلہ آہستہ آہستہ تھرکنے لگا۔ جینی کے چہرے سے ناامیدی نے سرکنا شروع کیا۔

فرینک نے لائٹر اسے پکڑایا اور دونوں ہاتھوں سے مزدوری میں جت گیا۔ ذرا دیر بعد ہوا کی آمد واضح ہو گئی اور سوراخ نمودار ہوا۔ جینی نے ٹمٹماتا لائٹر بجھا دیا اور خود بھی چھوٹے پتھر ہٹانے میں مصروف ہو گئی۔ باہر آسمان پر رہ رہ کر بجلی چمکتی تو انہیں مناسب روشنی میسر آ جاتی۔ بالآخر اتنا راستہ بن گیا کہ وہ رینگ کر نکل جائیں۔۔۔ اس کام میں جو وقت صرف ہوا، اس نے دونوں کے خدشات میں اضافہ کر دیا تھا۔

دس سیکنڈ تک فرینک نے تمام قوتِ سماعت سرنگ کے اندرونی سرے کی جانب لگائی۔ پھر جینفر کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ بریٹا اس کے ہاتھ میں واپس آ گیا تھا۔

یکے بعد دیگرے باہر نکل کر انہوں نے تیزی سے جوتے پہنے اور بھیگتے ہوئے نسان کی تلاش میں دوڑے۔

''دھیان سے۔'' فرینک نے تنبیہ کی۔ وہ جس رخ پر نکلے تھے، وہ مخالف سمت تھی۔ فرینک رک گیا۔ بجلی چمکی تو اس نے چرچ کو دیکھا اور رخ بدل کر گیٹ کی سمت دوڑ پڑا۔ جینفر اس سے چند قدم پیچھے تھی۔

کچھ دیر بعد وہ نسان میں نکلے جا رہے تھے۔ جینفر

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

وہ لوگ ان تک کیسے پہنچے؟ یہ سوال جینی کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اس نے فرینک سے پوچھ ہی لیا۔

''گاڑی میں ''بگ'' چھپایا گیا ہے اور کوئی صورت نہیں۔ یہ کام کہیں بھی کیا گیا ہوگا، ممکن ہے کہ آغاز میں ہی کر دیا گیا ہو۔ جب میں نے نسان چند گھنٹے کے لیے ورکشاپ میں دی تھی۔ اگر ہم ''بگ'' تلاش کرتے ہیں تو اس میں گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔ دوسری طرف نسان کے ساتھ ہم مستقل خطرے میں ہیں۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ جلد از جلد نسان کو چھوڑنا ہے۔ اگلا قدم وارزو ریلوے اسٹیشن سے ''برگ'' کے لیے ٹرین پکڑنی ہے۔''

☆☆☆

مارک اور جیک، اوپل میں وارزو کی سمت گامزن تھے۔ عقبی نشست پر گراہم براجمان تھا۔ بارش تھم گئی تھی۔ تاہم سڑکیں گیلی تھیں، جابجا پانی کھڑا تھا۔

مارک نے پھر سوالیہ کلام چھیڑ دیا۔

''حاصلِ کلام یا کاوش فی الحال ''تھیوری'' کی شکل میں ہے۔'' جیک نے بولنا شروع کیا جس نے بھی پچاس ملین کا خزینہ چرایا ہے وہ خاص مدت کے لیے زیرِ زمین چلا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پلاسٹک سرجری کے بعد اس نے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا ہو۔ لیکن باڈی کی دریافت کے بعد ہلچل مچ گئی۔ مزید یہ کہ جینفر کی غیر متوقع شناخت نے صورتِ حال کو مزید الجھا دیا۔ بعد ازاں جو تباہ کاری ہوئی اور لاشیں گریں یا گرائی گئیں، اس کے بعد پولیس کا رویہ یکسر بدل گیا.... واضح طور پر وہ اندھیرے میں ہیں اور ظاہر ہے کہ اولین ترجیح کے طور پر جینفر کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ دوسری جانب رشین مافیا کا موسکایا کلین (CLAN) بھی اس کے تعاقب میں ہے، اس امید میں کہ پچاس ملین کا کوئی سراغ لگ سکے۔ تیسری جانب اصل مجرم اگر اس بھاگ دوڑ سے باخبر ہے تو وہ بھی نہیں چاہے گا کہ جینفر کے ذریعے موسکایا اپنے مجرم تک پہنچ جائے۔ مختصر یہ کہ جینفر کے لیے سہ طرفہ خطرات ہیں۔ فرینک میکال اس کے ساتھ ہے، بظاہر اس کا مسئلہ چک میکال کی موت ہے اور وہ خوامخواہ خطرناک جال میں الجھ گیا ہے۔ موسکایا خون بہانے میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔''

''ضروری نہیں کہ اصل مجرم زندہ ہو؟'' مارک نے اعتراض کیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ لاش لازار کی ہے۔ اصل مجرم تو وہی ہے... پال مارچ کا معاملہ مشکوک ہے۔ وہ زندہ ہوتا تو دو سال میں کسی نہ کسی طرح جینفر سے رابطے کی کوشش ضرور کرتا... دوسرے یہ بات بھی مشکوک ہے کہ لاش لازار کی ہے۔ ایسا ہوتا تو برفانی قبر سے پوری دولت نہیں تو کچھ حصہ ضرور ملتا...؟''

جیک پُرسوچ انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

''موسکایا کو جینفر سے کلیو ملنے کی امید ہے تو وہ اسے کیوں ہلاک کریں گے؟''

''یہ صرف امید ہی ہے اگر وہ جینفر سے اپنے مطلب کی کوئی بات نہ اگلوا سکے تو وہ بے دریغ اسے ختم کر دیں گے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کچھ جانتی ہے یا نہیں جانتی... البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر اسے کچھ پتا ہے تو موسکایا کو اس کی زبان کھلوانے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اس صورت میں بھی اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ سب سے بڑا خطرہ موسکایا ہی ہے۔''

''عجیب بات ہے۔'' مارک نے اعتراض کیا۔ ''اگر یہ تھیوری صحیح ہے تو گلیشیر پر جینفر کو براہِ راست ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی؟''

''دو باتیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تیسرے فریق یعنی موسکایا کے مجرم کی کارستانی ہو، یا ہماری تھیوری غلط ہو... اگر ہم بہت دور کی کوڑی لائیں تو پھر فرینک موسکایا کا مہرہ ہے جو جینفر کا اعتماد جیت چکا ہے۔ وہ متواتر اس کوشش میں ہو گا کہ جینفر کو پولیس سے دور رکھتے ہوئے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔''

''آخری بات ٹھیک ہے تو اس کا مطلب جینفر درحقیقت موسکایا کی گرفت میں ہے؟''

''بالکل۔ اگر فرینک، موسکایا کا بندہ ہے...''

''الجھن سی الجھن ہے۔ بہت سارے اگر، مگر اور مفروضے ہیں۔'' مارک نے منہ بنایا۔ ''ایک اور مفروضہ بھی شامل کرلو۔''

''کون سا؟'' جیک نے پوچھا۔

''یہی کہ سب کہانیاں ہیں اور فریق صرف ایک ہے۔''

''وہ کون ہے؟''

''وہ تم ہو۔'' مارک نے بے دھڑک انگلی اٹھائی۔

جیک کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ کم از کم ایک منٹ تک

ہنستا رہا۔ مارک سوچ رہا تھا کہ جیک یا تو بہت بڑا اداکار ہے یا پھر وہ خوامخواہ اس سے بدظن ہو رہا ہے۔

جیک کی ہنسی تھمی تو وہ بولا۔ ''چلو یہ مفروضہ بھی شامل کر لیتے ہیں... میں نے تمہیں ڈسک کے بارے میں بتایا تھا۔ اگر پال زندہ ہے اور ہمیں ڈسک مل جاتی ہے تو ہم موسکا یا کو نک اپ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ڈسک میں ''پرائم انٹرنیشنل'' کے سوئس کھاتوں کے نمبرز کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے لیکن اگر یہ خواب پورا ہوتا ہے تو پال طے شدہ 1/2 ملین طلب کرے گا اور تحفظ کے لیے ''وٹنس پروٹیکشن'' کی سہولت مانگے گا... اپنے، جینیفر اور بابی کے لیے۔''

''ہم سب جانتے ہیں کہ جینیفر کو کچھ نہیں معلوم۔'' مارک نے کہا۔ ''یہ بھی ضروری نہیں کہ پال زندہ ہو۔''

''جینیفر جب HQ بلڈنگ، باڈی کی تصدیق کے لیے گئی تھی تو اس نے اجنبی نعش کے ساتھ پاسپورٹ اور اپنے والد کے کپڑے شناخت کیے تھے۔ ہمارے آدمی کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق اسے برف سے نکلنے والے مزید شواہد بھی دکھائے گئے تھے جو کپڑوں اور بیگ سے برآمد ہوئے تھے۔ ہمارا آدمی ان شواہد کی تفصیل بتانے میں ناکام رہا اور عمارت کی تباہی میں مارا گیا۔ ہمیں پتا ہے نہ موسکا یا کو کہ جینیفر نے باڈی کے علاوہ کیا کیا دیکھا... امکان موجود ہے کہ اس نے کوئی ایسی چیز نوٹ کی ہو جو گتھی کو سلجھا سکے۔''

پیشتر اس کے کہ مارک کوئی بات کرتا، جیک کا سیل فون گنگنانے لگا۔

مارک کو ''کالر'' کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن جیک کے چہرے کا تغیر اس کے سامنے تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ جا چکے ہیں؟ او کے، ہم تیس منٹ کے اندر پہنچ رہے ہیں۔ کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا۔ سن رہے ہو۔ کسی شے کو مت چھونا۔''

☆☆☆

جینیفر اور فرینک ٹرین کے درمیانی حصے کے ڈبے کے ایک کمپارٹمنٹ میں تھے۔ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ٹرین کی روانگی کے وقت سیاہ ٹویوٹا وہاں پہنچ چکی تھی۔ چند منٹ کے فرق سے سیاہ ٹویوٹا کی قاتل سواریوں نے ٹرین مس کر دی تھی۔ تاہم وہ دونوں ٹکٹ بوتھ سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ ان کے ''شکار'' کی منزل کون سی ہے۔

''انہوں نے فادر اور ان کے ساتھیوں کو کیوں...؟'' جینی فقرہ مکمل نہ کر سکی لیکن مطلب واضح تھا۔

''انہوں نے پہلے معلومات حاصل کی ہوں گی۔ بہ آسانی فرض کیا جا سکتا ہے کہ فادر نے پوری کہانی سنائی ہو گی۔ وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ رجسٹر کا ذکر بھی آیا ہو گا۔ ہم دونوں کی بات لازماً ہوئی ہو گی۔ دو سال پہلے بیس اپریل کو جو زخمی آدمی یہاں پہنچا تھا۔ فادر اور دیگر راہب اس کے بھی گواہ تھے۔ لہٰذا ان کو جان سے ہاتھ دھونے ہی تھے۔ میں نے پہلے بھی قیاس ظاہر کیا تھا کہ اس پُراسرار کیس کے پُراسرار مجرم ہر ایک گواہ، شواہد اور علامت مٹانے کے درپے معلوم ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم دونوں بھی خطرے میں ہیں... یقیناً وہ ہمارے تعاقب میں ہی وہاں پہنچے تھے۔''

''ان کے وسائل اور پھرتیاں ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں؟'' جینی کی آواز میں ہراس کی جھلک نمایاں تھی۔

''ہاں، یہ خارج از امکان نہیں ہے۔''

فرینک دروازے کی جانب بڑھا تو جینی کے ذہن میں خوف نے سر اٹھایا۔ ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

''واش روم، کیا تمہیں جانا ہے؟''

''نہیں۔'' فرینک کی موجودگی اسے سہارا دیتی تھی۔ فرینک نے اس کی سراسیمگی کو محسوس کر لیا۔

''گھبراؤ نہیں، میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ دروازہ بند رکھنا، او کے؟''

جینی نے سر ہلایا اور نشست پر بیٹھ گئی۔ فرینک نے دروازہ کھول کر کوریڈور کی دونوں سمتوں میں نظر ڈالی اور نکل گیا۔

جینی کے تصور میں چرچ کے دہشت ناک مناظر گھومنے لگے۔ اسے پھر مارک اور بابی کا خیال آیا۔ جینی نے بیگ میں فون تلاش کیا اور اس پر انکشاف ہوا کہ وہ سیل فون کہیں گرا چکی ہے۔ غالب امکان تھا کہ وہ چرچ میں کہیں گرا ہے یا پھر خفیہ سرنگ میں۔

فرینک جلد واپس آ گیا۔ اب اس کا حلیہ کافی بہتر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے واش روم اور ڈائننگ کار کی نشاندہی کی اور کافی کے بارے میں پوچھا۔

''میں پہلے واش روم ہو آؤں۔'' جینی نے اپنے ابتر حلیے کا جائزہ لیا۔

☆☆☆

واش روم میں اس نے اپنا چہرہ اور لباس درست کیا۔ پانی سے لباس کے داغ دھبے حتی الامکان دور کیے۔

جینی باہر نکلی تو کوریڈور کے سرے پر اسے دو آدمی دکھائی دیے۔ اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ غور اور تصدیق کا وقت نہیں تھا۔ اولین خیال جرچ کے سنگ دل قاتلوں کا تھا۔ ایک بھورے بالوں والا تھا۔ اس کی آنکھ کے نیچے زخم کا لمبا نشان تھا۔ دوسرا پستہ قد اور گنجا تھا۔ ان کے چہروں پر لکھا تھا کہ وہ کس قماش کے آدمی ہیں۔ ٹرین کی اسپیڈ میں فرق پڑا۔ وہ ایک سرنگ میں داخل ہو رہی تھی۔

جینی چیخ مار کر اندھا دھند دوڑی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے عقب میں دوڑتے قدم کی دھمک سنی اور ایک کمپارٹمنٹ میں گھس گئی۔ جہاں طلبا کا رش تھا۔ وہ چلاتی ہوئی راستہ بنا رہی تھی۔ دونوں آدمی اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔

جینی کی واحد امید فرینک تھا۔ کم از کم وہ مسلح تو تھا۔ وہ پھر کوریڈور میں نکل گئی۔ اس کا کمپارٹمنٹ بیس قدم دور تھا۔ قاتل دس گز کے فاصلے پر تھے۔ وہ حلق پھاڑ کر فرینک کو آوازیں دے رہی تھی۔

دروازہ کھول کر وہ اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچی۔ قاتل سر پر تھے۔ وہ سکتے کے عالم میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے خالی کمپارٹمنٹ کو گھور رہی تھی۔ فرینک وہاں نہیں تھا۔

☆☆☆

کہر آلود شام تھی۔

وہ ایک دور افتادہ فارم تھا۔ قریبی گاؤں بھی کوئی تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ شخص تنہا رہائش پذیر تھا۔ اس کے ساتھی دو ''ڈوبرمین'' (کتے) تھے۔ وہ باڑے میں گائے کا دودھ دوہنے میں مصروف تھا۔ ڈوبرمین اس کے قدموں میں لوٹ رہے تھے۔

وہ کام سے فارغ ہو کر اٹھا تو دونوں ڈوبرمین ساتھ ساتھ تھے۔ دودھ کے برتن اس نے کچن میں رکھے۔ اس کی جسامت اچھی تھی۔ اس نے جیکٹ اور سبز رنگ کے ربر بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر موسم و سفر کے سرد و گرم کے نمایاں اثرات تھے۔ علامات بتا رہی تھیں کہ وہ کسی برفانی علاقے میں فراسٹ بائٹ کا شکار ہو چکا ہے۔

پلاسٹک سرجن کی کاوشوں کے باوجود اس کی ناک کا ایک نتھنا غائب تھا۔ بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں غائب تھیں۔ اس نے پردوں کی جھریوں سے باہر جھانکا۔ پھر میز کی جانب گیا جہاں ایک دوربین اور اخبار پڑا تھا۔

اس نے دوربین اٹھائی۔ واپس کھڑکی پر آ کر اس نے دوربین مرکزی سڑک پر مرکوز کر دی۔ وہاں کسی آدمی یا کار کا نام و نشان نہ تھا۔

جب سے ویزن بارن پر زیر برف ''باڈی'' دریافت ہوئی تھی۔ تب سے اس کے روز و شب خوف کے زیر سایہ گزر رہے تھے۔ تین دن قبل اس نے ایک کار دیکھی تھی جو کئی بار فارم کے آس پاس دکھائی دی تھی۔ اس نے دوربین رکھ کر پسٹل نکالا اور اسے چیک کرنے لگا۔ بعد ازاں اس نے دونوں کتوں کے نام لیے۔ ڈوبرمین اس کے ساتھ ہی لگے رہتے تھے۔ اس نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کے خونخوار جبڑے ایک اشارے پر کسی کو بھی چیر پھاڑ سکتے تھے۔ اس کے کہنے پر ڈوبرمین فرنٹ پورچ میں جا بیٹھے۔

کچن کے قریب وڈیو/ٹی وی سیکیورٹی اسکرین موجود تھی جس کا کنکشن دو کیمروں کے ساتھ تھا جو فارم ہاؤس کے سامنے اور عقبی حصوں کو مانیٹر کرتے تھے۔ اس نے اسکرین آن کر کے بیرونی مناظر کا جائزہ لیا۔ مطمئن ہونے کے بعد پسٹل اس نے واپس جیب میں رکھ لیا۔ ''باڈی'' کی دریافت کے بعد اس کا راز خطرے میں پڑ گیا تھا لیکن وہ کسی بن بلائے مہمان کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

☆☆☆

نیویارک۔

''گاردا'' لانگ بیچ پولیس ڈپارٹمنٹ کے دفاتر میں موجود تھا۔ پرائم انٹرنیشنل سیکیورٹیز کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اس نے انٹرنیٹ کو تادیر کھنگالا تھا۔ تاہم کوئی نئی خاص بات معلوم کرنے میں ناکام رہا۔۔۔ کمپنی بند ہو چکی تھی۔ بہرحال اسے ایک کلیو مل گیا کہ کمپنی کا فارمر وائس پریذیڈنٹ فریڈرک کریمر اب مین ہٹن انویسٹمنٹ بینک میں ملازم ہے۔ کریمر بینک کے سیکیورٹیز کے شعبے میں متعین تھا۔

گاردا نے نمبر تلاش کر کے فون ملایا۔ فون کریمر کی سیکریٹری نے وصول کیا۔ گاردا نے اپنا تعارف کرایا۔ کچھ دیر بعد وہ کریمر سے مصروف گفتگو تھا۔ اس نے کریمر کو پال مارچ کا اشارہ دیا۔

''کیا یہ بات چیت آفیشل ہے؟'' کریمر نے سوال کیا۔

''نہیں۔ دو سال قبل پال غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت میں اس کیس پر کام کر رہا تھا۔''

''ہاں، وہ بڑا المناک واقعہ تھا۔ پال اپنے کام میں ماہر تھا اور اسٹاف کے لیے باعث تکریم۔''

کریمر نے کہا۔'' تاہم مجھے اس کے ساتھ کام کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ غالباً ایک سال کام کیا ہوگا اس لیے میں اس کو بہت زیادہ نہیں جانتا تھا۔''

''کمپنی کو کیوں بند کیا گیا؟'' گاردا نے سوال کیا۔

''میں کوئی خیال پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ کام اچھا چل رہا تھا۔ یقیناً مالکان کے پاس کوئی معقول وجہ ہو گی۔''

''تم مالکان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''کوئی شیل کمپنی تھی، 'کے مین' کی۔''

''کچھ وضاحت کر سکتے ہو؟''

''کے مین والی شیل کمپنی کو کوئی اور کمپنی اون کرتی تھی۔ جبکہ اس کمپنی کے اونر کا اونر کوئی اور تھا۔ یہ ایک پیچ دار ''کارپوریٹ اونرشپ اسٹرکچر'' کی قسم ہے جس کا مقصد گمنامی، ٹیکس چوری وغیرہ ہوتا ہے۔'' کریمر خاموش ہوگیا۔

''او کے، خبر یہ ہے کہ پال مارچ کی باڈی، سوئس، اٹالین بارڈر پر زیرِ برف گلیشیئر پر سے دریافت ہو چکی ہے۔''

''ہم... مجھے خبر نہیں تھی۔ حیرت انگیز۔'' کریمر کے چہرے پر حیرانگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ فون پر یہ حیرانگی گاردا نہ دیکھ سکا۔

''میں ''کیس'' پر واپس آنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کچھ سوالات ہیں شاید تم مدد کر سکو۔''

''معذرت خواہ ہوں مسٹر گاردا، میں پہلے ہی جو جانتا تھا، وہ بتا چکا ہوں۔ گڈ ڈے۔'' لائن بے جان ہوگئی۔

☆☆☆

اٹلی۔

لاشوں کی تعداد تین تھی۔ دو کے گلے کٹے ہوئے تھے جبکہ معلوم ہوتا تھا کہ تیسرے نے پھندا لگا کر خودکشی کی تھی۔

''تینوں راہب ہیں۔'' ایجنٹ فیلوز نے بتایا۔ اس کے ہاتھ میں الیکٹرک ٹارچ تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا اور ہر طرف ویرانی تھی۔

''جینفر اور میکال غائب ہیں۔'' جیک نے کہا۔

''ہاں، دو کمروں کے شواہد بتاتے ہیں کہ وہ وہاں ٹھہرے تھے۔''

''چلو، دکھاؤ اور جلدی۔''

''انٹرسٹنگ۔'' مارک نے تبصرہ کیا۔'' دو سال پہلے مارچ کے گھر میں جو کچھ ہوا، اسے یہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ پال، مارچ فیملی کو قتل کر کے نکل گیا۔ تھیوری کمزور اس لیے پڑ گئی کہ جینفر بچ گئی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق قاتل نے اس پر مجرمانہ حملے کی کوشش کی تھی۔

''دوسری بار جینفر کو گلیشیئر پر نشانہ بنایا گیا۔ وہ کامیاب ہو جاتا تو حادثہ ہی معلوم ہوتا۔ جیک میکال کی ہلاکت کو بھی پولیس حادثہ سمجھتی رہی جبکہ کیپٹن ڈکنز اور اس کی بیوی کی واردات میں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ ڈکنز نے بیوی کو قتل کر کے خود کو گولی مار کے ہلاک کر لیا۔ اب یہاں بھی یہی صورتِ حال ہے۔ جیسے ایک راہب نے دیوانگی کے عالم میں اپنے ساتھیوں کو قتل کیا پھر خودکشی کر لی۔'' مارک نے تجزیہ پیش کیا۔

''ٹھیک کہتے ہو۔'' جیک بولا۔

''یعنی ایک بات عیاں ہے کہ یہ ساری کارستانی ایک ہی گروہ کی ہے۔ وارداتوں کا انداز یکساں ہے اور شاید وہ گروہ/تنظیم یا فرقہ ''موسکایا'' ہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''ایک اور اہم بات۔'' مارک نے نکات اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''جینفر پر کل تین حملے ہوئے اور وہ تینوں بار بچ گئی۔ نہ وہ پولیس میں ہے، نہ ہی اسے اس قسم کے حالات و معاملات سے نمٹنے کا کوئی تجربہ ہے... ایسا کیوں اور کیسے؟''

''قسمت، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کی اور ہماری بھی خوبیٔ قسمت۔'' جیک نے جواب دیا۔

''صرف قسمت؟''

''تم کیا کہو گے؟''

''ایک بار... دو بار... تین بار... اگر یہ قسمت ہے تو ''گولڈن لک'' ہے۔'' مارک نے بتایا۔ ''ایک بار چلتا ہے، تین بار ہضم نہیں ہوتا۔''

''گولڈن گرل۔ گولڈن لک... اور کوئی توجیہہ نہیں ہے جب تک متبادل توجیہہ سامنے نہ آئے۔'' جیک نے کہا۔

''ویسے تم نے دور کی کوڑیاں لانا شروع کر دی ہیں۔''

''تو کیا کروں۔ اگر اسے قسمت مان لیا جائے تو مزید کتنی دیر چلے گی۔ مطلب یہ کہ اگر یہ قسمت ہے تو وہ جلد ہی ماری جانے والی ہے۔ موسکایا حقیقت ہے تو سی آئی اے ہر مرتبہ دو قدم پیچھے کیوں رہ جاتی ہے؟''

''بدقسمتی۔'' جیک نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

''بہت خوب۔ تو پھر بھاگ دوڑ بند کرو۔ تم لوگ بدقسمت ہو اور وہ خوش قسمت۔ لہٰذا صحیح سلامت خود ہی واپس آ جائے گی۔'' مارک نے کھلا طنز کیا۔

''مارک تمہارا غصہ اور تشویش بجا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد کامیاب ہوں گے اور تمہارے تمام سوالات حل ہو جائیں گے۔ ہمیں ایک ہی کامیابی ملے اور وہی آخری اور فیصلہ کن ہوگی۔ قبل اس کے پولیس پہنچے، یہاں سے نکلو۔ گراہم تم فیلوز کے ساتھ ہوگے اور مارک میرے ساتھ جائے گا۔''

☆☆☆

نصف گھنٹے بعد نیلی نسان وارز ورریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر مل گئی۔ مارک نے لائسنس پلیٹ پہچان لی۔ نسان کی چابیاں اگنیشن میں تھیں۔ محسوس ہوتا تھا کہ گاڑی کو لاوارث چھوڑ دیا گیا تھا۔ گراہم ٹارچ لے کر گاڑی کے نیچے گھسا ہوا تھا۔

''یعنی اب انہیں گاڑی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ریل گاڑی کی ضرورت ہے۔'' مارک نے قدرے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن کو دیکھا۔

''اچھے جارہے ہو۔'' جیک نے ستائش کی۔ ''زیادہ وقت نہیں گزرا۔ ٹکٹ ایشو کرنے والا یقیناً جوڑے کو بھولا نہیں ہوگا۔ دونوں امریکن ہیں... میں معلوم کر کے آتا ہوں۔'' جیک اسٹیشن کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہو؟'' مارک، گراہم کے قریب ہو گیا۔ وہ کوئی ننھی سی شے لے کر نسان کے نیچے سے نکل رہا تھا۔

مارک نے اس کی کھلی ہتھیلی کو دیکھا۔ ''بگ؟''

''ہاں، ہماری طرح کوئی اور بھی ان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' گراہم نے کہا۔

''اور ہم پھر دو قدم پیچھے ہیں۔'' مارک بڑبڑایا۔ وہ لوگ جیک کا انتظار کرنے لگے۔ جیک مثبت خبر لے کر آیا تھا۔

''وہ دونوں ''برگ'' کی سمت گئے ہیں۔''

☆☆☆

جینی نے چند لمحے ضائع کیے اور بعدازاں پلٹ کر پھر کوریڈور میں بھاگی۔ قاتل بس چند قدم دور تھے۔ مایوسی کا اندھیرا ذہن میں اترنے لگا۔ اس نے سر جھٹکا اور اندھادھند پوری قوت سے دوڑ پڑی۔ اس کا ذہن خالی تھا۔ یہ خیال بھی نہیں آیا کہ قاتل بہ آسانی اسے گولی مار سکتے تھے... وہ متواتر چیخ رہی تھی۔ شاید فرینک کہیں سے آجائے لیکن امید بر نہ آئی۔ وہ ریل ڈبے کے سرے پر تھی۔ وہ بلا سوچے سمجھے ایک کھلے کمپارٹمنٹ میں گھس گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی نظر کھلی کھڑکی پر پڑی۔ ذہن نے کہا کود جاؤ لیکن ٹرین برق رفتاری سے ابھی تک سرنگ میں دوڑ رہی تھی۔ اس کی حالت دہشت زدہ ہرنی کی طرح تھی، دماغ ماؤف تھا۔ مہلت ختم ہوگئی تھی۔

تین سیکنڈ بعد گنجا قاتل نمودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مشینی پسٹل تھا۔ خوف و دہشت نے جینی کو مفلوج کر دیا تھا۔ پستہ قد گنجے نے اسے بے بس چڑیا کی طرح دبوچ لیا۔ اس کے مکروہ لمس نے جینی کو پھر بیدار کر دیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ ردعمل کے طور پر اسے تھپڑ کھانا پڑا پھر پستہ قد گنجے نے اسے گلے سے دبوچ کر کھلی کھڑکی سے لگا دیا۔

جینی سمجھ گئی کہ وہ اسے گولی نہیں مارے گا بلکہ کھڑکی سے باہر پھینکے گا۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔ ایک بار پھر مدد کے لیے اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ گنجے کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا تو اس کی چیخ بھی گھٹ گئی۔

جینی نے اندھوں کی طرح اپنا بیگ کھول کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ کوئی سخت چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی۔ یہ بال پین تھا۔ اس نے ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ قوت جمع کی اور گنجے کے چہرے پر وار کیا۔ بال پوائنٹ اس کی آنکھ میں جا گھسا۔

گنجے کی کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ بلند ہوئی۔ جینی آزاد ہوگئی۔ قاتل کے ہاتھ سے مشینی پسٹل گر گیا تھا۔ وہ خود بھی لڑکھڑا کر گرا اور ایک ہاتھ سے بال پین باہر کھینچا... ساتھ ہی خون کی پچکاری اچھلی۔ وہ لوٹ پوٹ ہوگیا۔ اتفاق سے وہ دروازے میں گرا تھا۔ جینی نے پھلانگ کر باہر نکلنا چاہا لیکن گنجے نے اس حالت میں بھی اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی۔

جینی کی نظر مشینی پسٹل پر پڑی، وہ ہاتھوں کے بل پر نیچے گئی اور لیٹ کر مہلک ہتھیار پر قبضہ کر لیا پھر ٹانگ کو بل دے کر زخمی قاتل کی گرفت سے چھڑایا۔ جینی کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سیکنڈ کے دسویں حصے میں فادر کی لہولہو لاش اس کے تصور میں ابھری۔ جینی نے بلا تامل ٹریگر دبایا۔ مشینی پسٹل کی تڑتڑاہٹ گونجی۔ بیشتر گولیاں خالی گئیں۔

تاہم پھر بھی دو گولیوں نے اس کا دایاں شانہ ادھیڑ ڈالا۔ وہ چیختا ہوا دروازے کے باہر جا پڑا... اسی وقت فرینک برہنہ ہاتھ میں لیے بگولے کی طرح گنجے کو پھلانگتا ہوا اندر داخل ہوا اور پسٹل جینفر کے ہاتھ سے لے لیا۔

جینی کٹی پتنگ کی طرح فرینک کی بانہوں میں جا گری۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ ابھی تک دوسرے قاتل کو بھولی ہوئی تھی۔ فرینک اسے دلاسا دے رہا تھا۔

''فرینک... مم... میں... میں نے اسے مار

دیا؟"

"ٹھیک کیا ورنہ وہ تمہیں مار دیتا۔ پتا نہیں مرا بھی ہے یا زندہ ہے۔ خود کو سنبھالو... شاباش حوصلہ کرو۔"

"تم... کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں کافی کے لیے گیا تھا، چلو آؤ۔" فرینک نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

جینی نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر گنجے کا ساتھی بھی فرش چاٹ رہا تھا۔

"کیا وہ مر گیا؟"

"پتا نہیں۔ البتہ میں نے بریٹا سے اس کا سر اچھی طرح ٹھونک دیا تھا۔" فرینک نے دونوں کے ہتھیار جمع کیے۔ میگزین الگ کر کے بریچ ایمونیشن سے خالی کر دیے۔ پھر ناکارہ مشینی پسٹل کھڑکی سے باہر اچھال کر ہاتھ جھاڑے۔

تب ہی جینفر نے نوٹ کیا کہ فرینک کے چہرے پر خون آلود خراشیں پڑی تھیں اور ایک آنکھ کے نیچے زخم تھا۔

"یہ... یہ کیسے...؟" جینی کی آواز میں تاسف تھا۔

"ہوتا ہے معمولی بات ہے۔ گنجے کا ساتھی جسامت کے برعکس خاصا سخت جان تھا۔ یہ دونوں وہی ہیں جو چرچ تک پہنچے تھے۔"

"ان کی پھرتیاں ناقابلِ یقین ہیں۔ دونوں یہاں تک اتنی جلدی پہنچے کیسے؟"

"اس پر پھر بات کریں گے۔ نکلنے کی تیاری کرو۔ ہمیں اسٹیشن سے پہلے اترنا ہوگا۔ ٹرین سرنگ سے نکل گئی ہے۔ ہم کھڑکی سے کودیں گے۔ میں لیور کھینچ کر آتا ہوں۔"

ایمرجنسی اسٹاپ لیور کے استعمال کے بعد ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی۔

☆☆☆

وہ لوگ برگ مارکیٹ اسکوائر میں تھے۔ قصبہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"اس وقت کچھ نہیں کیا جاسکتا۔" جیک نے کہا۔ فی الحال چند گھنٹے ہمیں آرام کرنا ضروری ہے۔" وہ واکس ویگن میں تھے۔ جیک نے گراہم کو ہوٹل کی تلاش پر مامور کیا تھا۔

☆☆☆

دونوں ریلوے ٹریک کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔ "برگ" کی حدود کے قریب انہیں ایک کیب مل گئی جس نے انہیں ایمبیسڈر ہوٹل تک پہنچا دیا۔

انہوں نے دو متوازی کمروں کی خواہش ظاہر کی۔ دونوں کے حلیے مشکوک تھے۔ نہ کوئی سامان تھا۔ وقت بھی نصف شب کا تھا۔ ریسپشنسٹ کی آنکھوں میں شک کی جھلک تھی۔ اس نے ریزرویشن کے بارے میں سوال کیا۔

جواب نفی میں ملا۔ "ہماری کار قصبے کے باہر خراب ہو گئی تھی۔" فرینک نے کریڈٹ کارڈ نکالا۔

"دو ملحقہ کمرے دستیاب نہیں ہیں۔" استقبالیہ کلرک نے معذرت کی۔ "تین سو چھ اور تین سو نو مل سکتے ہیں دونوں میں تین کمروں کا فاصلہ ہے۔"

جینی اور فرینک نے رجسٹریشن کارڈ بھرے۔ کلرک نے بغور ان کے پاسپورٹ چیک کیے۔ نیز اس نے فرینک کے کریڈٹ کارڈ کی نقل بھی رکھ لی۔ پھر دو عدد ڈور کارڈ ان کے حوالے کیے۔

جینی اکیلے کمرے میں رکنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ خاصی خوف زدہ ہو چکی تھی۔

"جینفر تم اتنی کمزور نہیں ہو۔ ٹرین میں تم نے استطاعت سے بڑھ کر حالات کا مقابلہ کیا تھا۔ مضبوط رہو... صبح ہم "دوگل" کو تلاش کریں گے۔"

فرینک نے اسے حوصلہ دیا اور اگلے قدم کے بارے میں بتایا۔

☆☆☆

جینی اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی برگ کی روشنیوں کو تک رہی تھی۔ گزرے ہوئے پے در پے خوفناک واقعات نے اس کی توانائی نچوڑ لی تھی۔ اس کا ذہن پریشان تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دونوں رات کے اس پہر کوئی سرگرمی دکھانے کے قابل نہیں تھے۔ کھڑکی میں کھڑے کھڑے اس کے دماغ میں ایک خیال رینگا۔

فرینک نے اسے کمرے تک محدود رہنے کی تاکید کی تھی لیکن اس نے نائٹ اسٹینڈ سے کارڈ اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ ہوٹل برگ ریلوے اسٹیشن سے قریب تھا۔ چاروں امریکنز کے ہاتھوں میں ایک ایک بیگ تھا۔ نائٹ پورٹر نے گیسٹ رجسٹریشن کارڈ بھروا کر انہیں چار سنگل روم الاٹ کر دیے۔

جیک نے اس سے اکیلے میں کچھ بات کی اور اسے بھاری ٹپ سے نوازا۔ بعدازاں وہ اپنے ساتھیوں کی جانب آیا۔ "اپنے اپنے بیگ کمروں میں چھوڑ کر دو منٹ

محبتوں کے حسین رنگ فروری 2015ء کے پاکیزہ کے سنگ
کراچی
ماہنامہ
پاکیزہ
نگہت سیما اور رفاقت جاوید کے قلمی ہنر کے شاہکار ناول نئی اقساط کے ہمراہ
نایاب جیلانی کے فن کا عروج ..... ترک وفا کا بھرپور اختتام
زاھدہ پروین کے قلم سے محبتوں سے گندھا منی ناول ..... جنگل کا پھول
اسماقادری کی متاثر کن آمد ... ایک بھرپور مکمل ناول کے ساتھ
عظمیٰ آفاق سعید کے پرلطف سفر نامے کا مزید احوال
شمع ھدایت کے سلسلے میں
اختر شجاعت کا لکھا پرعقیدت اور
روح پرور مضمون ذکر قرب الٰھی
اس کے علاوہ
ان مایہ ناز قلم کاروں کی تازہ ترین تحریریں پڑھیے جن میں ناھید سلطانہ اختر،
عالیہ حرا، سیما سراج، رضوانہ پرنس، غزالہ جلیل راؤ و دیگر شامل ہیں
اس کے ساتھ ساتھ مستقل متنوع سلسلوں کا دلکش اور دلربا امتزاج صرف آپ کی اعلیٰ ذوقی کی نذر

کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ۔'' اس نے مختصر میٹنگ کی خواہش کا اظہار کیا۔
مارک نے اپنے کمرے کا لاک کھولا تو اس کا ارادہ تھا کہ گاردا سے بات کرے اور بابی کی خیریت بھی معلوم کرے۔ اس نے حساب لگایا کہ اس وقت نیویارک میں شام کے ساڑھے سات بج رہے ہوں گے۔ مارک کے علم میں تھا کہ گاردا گھر پہنچنے سے قبل بار میں ضرور رکے گا۔ اس نے جیک سے میٹنگ کے بعد کال کرنے کا فیصلہ کیا۔
کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ گراہم اور فیلوز مارک سے پہلے ہی جیک کے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔
''میرا اندازہ ہے کہ انہیں ٹرانسپورٹ کی ضرورت پڑے گی۔'' اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ صبح کے آغاز میں وہ کار ہائر کریں گے۔ نائٹ پورٹر نے بتایا ہے کہ ٹاؤن میں معقول کار ہائر آفس ایک ہے اور وہ ہے ''ہرٹز''۔ تو ہمیں ابتدا بھی وہیں سے کرنی ہے۔ مارک تم آفس کھلنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جانا۔ میں اسٹیشن پر رہوں گا۔ گراہم ہوٹلوں میں فون کرے گا۔ فیلوز بسوں کے اڈے پر ہوگا۔ علاوہ ازیں میں ہیڈ آفس فون کرکے پچاس میل کے دائرے میں تمام ہوٹلوں کی بکنگ ریکارڈ کا ڈیٹا بیس حاصل کروں گا۔ ہم اپنے ٹارگٹ سے بہت قریب ہیں اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھیں گے۔ کوئی سوال؟'' وہ چپ ہو گیا۔ خاموشی۔
''گڈ!'' جیک پھر بولا۔ ''پورٹر کو میں نے چھ بجے کی کال کی ہدایت کی ہے۔ یعنی آرام کے لیے ہمارے پاس چار گھنٹے ہیں۔''

☆☆☆

مارک انڈر گارمنٹس میں بستر پر بیٹھا تھا۔ اس نے گاردا کے گھر پر کال کی تھی۔ وہ ابھی تک باہر تھا۔ آنسرنگ مشین پر اس نے پیغام میں اپنے ہوٹل کا نام کمرا نمبر بتا کر کال بیک کا پیغام چھوڑ دیا۔
پھر وہ کھڑکی کے پاس آگیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جینی کہیں آس پاس ہے۔ اس کے ساتھ فرینک ہے اور کئی روز سے متواتر جینی کے ساتھ ہے۔ جینی کے تصور نے اسے اضطرابی ہیجان میں مبتلا کر دیا۔ ساتھ ہی اسے حسد کا احساس ہوا۔ ''خادم'' تو وہ تھا جبکہ کئی روز سے فرینک متواتر جینی کی ''خدمت'' کے فرائض انجام دے رہا تھا اور بظاہر بخوبی دے رہا تھا۔
جو خیالات مارک کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتے تھے، ان خیالات نے اچانک یلغار کر دی۔ کیا وہ دونوں ایک کمرے میں ہوتے ہوں گے؟ کیا جینی، فرینک سے متاثر ہو چکی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔
جلد ہی اس نے منفی سوچوں پر قابو پالیا۔ اسے جینی پر اعتماد تھا اور جینی کو اس پر۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے جینی کے دل میں کیا ہے اور کیوں دل کی بات جینی کی زبان پر آتے آتے رک جاتی ہے۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ جینی بھی اس کے حالِ دل سے بے خبر نہیں ہے۔ جینی کی زندگی میں ایک ہی مرد ہے، مارک۔ چاہے وہ فاصلے پر ہی سہی۔
اسے کچھ دیر قبل کے، اپنے گھٹیا خیالات پر شرم محسوس ہوئی۔ وہ عام مردوں کی طرح سوچنے لگا تھا جبکہ جینی کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ جینی کا پیمانۂ معیار بھی عمومی نہیں تھا۔ اس نے ہونٹ اپنے ہاتھ کی پشت پر وہاں رکھ دیے جہاں امریکا سے روانہ ہونے سے قبل جینی نے قرض اتارنے کے بہانے اپنے لبوں کی مٹھاس منتقل کی تھی۔
مارک نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ چند منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ گاردا کی کال ہے۔
''بابی کا کیا حال ہے؟''
''وہ ٹھیک ہے لیکن ہو کیا رہا ہے؟ تم سوئٹزرلینڈ میں کیا کر رہے ہو؟''
''بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس وقت نہیں سنائی جاسکتی۔ فی الحال میری بات سنو، ایک اور کام تمہیں کرنا ہے...'' مارک نے اسے سمجھایا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔
''میں واپس ڈیسک پر آگیا ہوں۔ ہم دونوں مل کر یہ کیس ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں... بڑا چانس ملا ہے مجھے۔'' گاردا نے کہا۔
''اچھی بات ہے۔ میں جلد بات کروں گا۔'' مارک نے جواب دیا۔

☆☆☆

جینی ساڑھے چھ بجے بیدار ہو گئی تھی۔ وہ گہری نیند سوئی تھی اور اپنی رات والی دریافت پر خوش تھی۔
اس نے شاور لے کر لباس تبدیل کیا اور کوریڈور میں نکل آئی۔ وہ فرینک کے کمرے پر تھی۔ دستک پر فرینک نے دروازہ کھولا۔ وہ بھی ڈریس اپ تھا۔ تاہم اس کے بال ابھی گیلے تھے۔
''نیند آگئی تھی؟'' فرینک نے اسے اندر آنے کے لیے جگہ دی۔
''میں تو تکیے سے ٹکراتے ہی سو گئی تھی۔''

''پُرجوش دکھائی دے رہی ہو، کیا بات ہے؟''
''بہت تیز نگاہ ہے تمہاری۔ رات ایک کارنامہ انجام دیا ہے میں نے۔''
''اوہ... ہو... یہ کام کب سے شروع کر دیا تم نے؟''
''نیچے چلتے ہیں، ناشتے کے بعد بتاؤں گی۔''
ہوٹل ریسٹورنٹ میں خاصے لوگ موجود تھے۔ ایک ویٹر انہیں کارنر ٹیبل پر لے گیا۔
جینی نے بتایا کہ وہ رات سونے سے قبل استقبالیہ پر گئی تھی، اس نے مقامی فون ڈائریکٹری عاریتاً لی اور واپس کمرے میں آگئی۔ ڈائریکٹری میں اسے کم از کم بارہ عدد نام ''ووگل'' کے ملے لیکن کسی کے شروع میں بھی "H" نہیں تھا۔
''میں نے آپریٹر کو فون کیا اور بتایا کہ میں امریکی سیاح ہوں اور اپنے ایک سوئس رشتے دار سے ملنے یہاں آئی ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ ڈائریکٹری میں مجھے ایچ ووگل دستیاب نہیں اور مجھے اس کی رہنمائی درکار ہے۔ آپریٹر نے مجھے دو نام مہیا کیے۔ دونوں اَن لسٹڈ تھے۔ دونوں ایچ ووگل تھے۔''
فرینک دلچسپی سے جینفر کی کہانی سن رہا تھا۔ ایک ووگل ''مرناؤ'' نام کی جگہ پر مقیم تھا، یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر۔ دوسرا ایچ ووگل بھی مرناؤ کے آس پاس ہے۔''
''کیا اس نے دونوں کے پتے اور فون نمبر دیے؟''
''نہیں۔ کیونکہ اَن لسٹڈ ناموں کے لیے قانونی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس نے مشورہ دیا کہ مجھے مرناؤ کے ٹاؤن ہال میں کوشش کرنی چاہیے۔ ٹاؤن ہال میں تفصیلی رجسٹر ہوتا ہے۔''
''ویری گڈ، تم نے تو سراغ رسانی شروع کر دی۔ چلو جلدی ناشتا ختم کرو۔ ہم کار ہائر کر کے ''مرناؤ'' جائیں گے۔'' فرینک کے چہرے پر دبا دبا جوش نظر آ رہا تھا۔
وہاں زیادہ تر اسٹور آٹھ بجے تک کھل جاتے تھے۔ دونوں نے ایک اسٹور سے چند ضروری نئے کپڑوں کی خریداری کی۔ جس میں ایک بیگ اور جیکٹ بھی شامل تھے۔ دوبارہ ہوٹل واپس آ کر انہوں نے لباس تبدیل کیا۔ چیک آؤٹ کرنے سے پہلے جینی نے ڈیسک کلرک سے کار ہائر کرنے کے لیے معلومات لیں۔
کلرک نے ایک نام تجویز کیا اور راستہ بھی سمجھا دیا۔

☆☆☆

مارک سڑک کے دوسری جانب سے ہرٹز کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے رین کوٹ اور ہیٹ لیا ہوا تھا۔
اچانک ایک فیاٹ کے پہیے چرچرائے۔ مارک چونک اٹھا۔ ''اندر بیٹھو۔'' جیک نے دروازہ کھولا۔
''کیا ہوا؟'' مارک فیاٹ کی نشست پر آ گیا۔
''ڈیٹا بیس سے معلوم ہوا ہے کہ رات سوا ایک بجے دو مہمان ہوٹل آئے تھے۔''
''کون سا ہوٹل؟''
''ایمبیسڈر۔''
فیاٹ چند منٹ میں ایمبیسڈر پر تھی۔ اندر سے گراہم تقریباً بھاگتا ہوا نکلا۔ ''وہ آدھا گھنٹا پہلے کار ہائر کرنے نکلے ہیں۔'' اس نے خبر دی۔
''ممکن نہیں ہے۔ مارک ہرٹز کی نگرانی کر رہا تھا۔''
''وہ ہرٹز نہیں گئے تھے۔ کلرک نے انہیں ایک دوسری چھوٹی کمپنی کی جانب بھیجا ہے۔'' گراہم نے نئی اطلاع دی۔
اسی وقت فیلوز کی کال آئی۔ ''وہ لوگ نیوی بلیو کلر کی واکس ویگن گالف میں نکلے ہیں۔''
''کہاں؟''
''مرناؤ، ٹاؤن ہال۔ لائسنس پلیٹ کا نمبر میرے پاس ہے۔''

☆☆☆

مرناؤ ایک خوب صورت قصبہ تھا۔ ایک درجن کے قریب چھوٹے چھوٹے مہمان خانے اور اسکائی لاجز تھیں۔ ٹاؤن ہال کی بلڈنگ صدیوں پرانی تھی۔ جینی نے کار پارک کی اور دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔
''کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' ڈیسک کلرک نے پوچھا۔ وہ نوجوان اور خوش مزاج خاتون تھی۔ جینی نے اپنا مدعا بیان کیا۔
خاتون کلرک کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہو گئی۔
''ہر ہربرٹ ووگل۔ باؤل اسٹراس میں مقیم ہے۔ یہ جگہ اولڈ مارکیٹ اسکوائر کے قریب ہے۔ وہ ایک ریٹائرڈ پولیس مین ہے۔'' خاتون نے بتایا۔ ''دوسرا ہر ہینز ج ووگل، مرناؤ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک فارم میں رہتا ہے۔ وہ ایک ماؤنٹین گائیڈ اور کلائمبنگ انسٹرکٹر ہے۔''
''کیا فون نمبر مل سکتے ہیں؟'' جینی نے درخواست کی۔

''کیوں نہیں۔'' خاتون نے نمبر فراہم کر دیے۔
جینیفر نے نمبر دیکھے۔ اس کی رفتارِ قلب بڑھ گئی۔ ہیزچ ووگل کے فون نمبر کے آخری تین ہندسے "705" تھے۔ کار ہرٹزی میں HQ بلڈنگ میں وکٹر نے جو ادھوری سلپ دکھائی تھی۔ اس کا معما حل ہو گیا تھا۔
''میں کس طرح ہیزچ ووگل تک رسائی حاصل کر سکتی ہوں؟''
خاتون کلرک نے فارم کے مقام کے بارے میں رہنمائی کی۔ فارم کا نام تھا۔ ''برگ ایڈل ویز'' مذکورہ لفظ بھی گمنامی سے باہر آ گیا۔ ''ایڈل ویز'' کا معما بھی حل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

برگ ایڈل ویز ایک وسیع روایتی قسم کا فارم ہاؤس تھا۔ مین فارم ہاؤس سے ہٹ کر وسیع علاقے میں کئی عمارات بکھری ہوئی تھیں۔ فارم ہاؤس صبح کی دھند میں لپٹا ہوا تھا۔
جینی نے واکس ویگن پتھریلے ڈرائیو وے پر روک دی۔ فارم کے ایک طرف اصطبل نما احاطہ اور ڈبل گیراج نظر آ رہا تھا۔ گیراج کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔
اندر ایک براؤن کلر کی پرانی مرسیڈیز کھڑی تھی۔ ڈوبرمین کا جوڑا فارم ہاؤس کے مرکزی دروازے پر پہلو بہ پہلو بیٹھا تھا۔ دونوں کتوں نے کوئی آواز نکالی نہ حرکت کی۔
فرینک نے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ ''میرے قریب رہنا اور چال دھیمی رکھنا۔'' دونوں نے چند قدم بڑھائے۔ ڈوبرمین دھیرے سے غرائے۔ دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔
فرینک نے جینیفر کا بازو تھاما۔ ''ایک منٹ کے لیے ساکت کھڑی رہو۔'' ڈوبرمین کی آنکھوں میں عداوت عیاں تھی۔ تاہم وہ اب بھی اپنی جگہ پر تھے۔
فرینک نے ایک قدم بڑھایا۔ ڈوبرمین کے حلق سے کینہ پرور غراہٹ خارج ہوئی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔
اچانک ایک مردانہ آواز بلند ہوئی جو بظاہر کتوں کو پکار رہی تھی۔ کتے فرمانبرداری سے دوبارہ بیٹھ گئے۔
ایک آدمی دروازے میں نظر آیا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ بالوں میں سفیدی بکثرت تھی۔ اس نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ جیب میں تھا۔
جینی نے دیکھا کہ اس کی ناک کا ایک نتھنا غائب تھا۔
''انگلش سمجھتے ہو؟'' جینی نے سوال کیا۔
''ہاں۔'' اس نے انگریزی میں مختصر جواب دیا۔
''ہم ہیزچ ووگل سے ملنے آئے ہیں۔''
''میں ہوں ایچ ووگل۔ تم کون ہو؟'' اس کا لہجہ سوئس تھا۔
''میرا نام جینیفر مارچ ہے اور یہ فرینک میکال۔''
''اگر تمہیں گائیڈ کی ضرورت ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ آج کل میں مصروف ہوں۔''
''ہمیں گائیڈ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔'' جینی نے کہا۔
ووگل کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ''کس سلسلے میں؟''
''ہر ووگل، میں شکر گزار ہوں گی، اگر ہم اندر بیٹھ کر بات کر لیں۔''
ووگل نے سیٹی بجائی اور ڈوبرمین کا جوڑا اندر غائب ہو گیا۔
''آ جاؤ۔'' ووگل نے اشارہ کیا۔ ووگل انہیں نشست گاہ کے بجائے وسیع کچن میں لے گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ناشتے کی تیاری کر رہا ہو۔
کمرا مخصوص سوئس کچن تھا۔ ایک بڑے حجم کا پائن ڈریسر تھا۔ درمیان میں پائن ٹیبل تھی۔ میز پر اخبارات بکھرے تھے اور ایک دوربین پڑی تھی۔ ڈریسر کے قریب، دیوار کے بریکٹ میں وڈیو مانیٹر موجود تھا جو فارم کے فرنٹ یارڈ کا عکس دکھا رہا تھا۔
جینی نے ڈریسر پر کئی فریم شدہ تصاویر دیکھیں۔ ایک فریم میں چار آدمیوں کا گروپ تھا۔ جنہوں نے پہاڑی لباس پہنا ہوا تھا۔ دیگر ضروری اشیا بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ چاروں کوہ پیماؤں میں ہیزچ ووگل کی تصویر بھی تھی۔ ووگل کے ساتھ جو آدمی کھڑا تھا اس کے بال سیاہ اور بھویں گھنی تھیں۔ آنکھیں بھی سیاہ تھیں۔ اس نے نیلے رنگ کا ''پارکا'' لیا ہوا تھا۔ جینی کو اس کا چہرہ شناسا معلوم ہوا۔
وہ لوگ درمیان میں پڑی میز پر بیٹھ گئے۔
''کیا معاملہ ہے؟'' ووگل نے آغاز کیا۔
جینیفر نے کہانی بیان کرنی شروع کی پھر سوال کیا۔ ''تم نے ویزن ہارن سے نکلنے والی باڈی کے بارے میں سنا ہو گا؟''
ووگل نے جواب دینے سے پہلے ویڈیو مانیٹر پر نگاہ ڈالی۔ ''ہاں، وہ خبر مجھ تک پہنچی تھی بلکہ اس علاقے میں اور بھی لوگوں کے علم میں ہے۔''
''باڈی کے ساتھ پولیس کو یہ بھی ملا تھا۔ جو یقینا

تمہاری توجہ کے قابل ہوگا۔'' جینی نے بیگ سے ایک نوٹ نکالا۔

ووگل کا بایاں ہاتھ ابھی تک جیب میں تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے کاغذ کا ٹکڑا لے کر پڑھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں دکھائی دیں۔

''تمہارا نام لکھا ہے۔ ''ایڈل ویز'' کا نام اور تمہارے فون نمبر کے آخری تین ہندسے... کیا تم وضاحت کرسکتے ہو کہ دو سال قبل برف میں مدفون آدمی کی ملکیت میں ان اطلاعات کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟'' جینی نے استفسار کیا۔

''مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔'' ووگل نے محتاط انداز اختیار کیا۔ ''کیا تم دونوں کا تعلق پولیس سے ہے؟''

''نہیں، میں ایک نجی سراغ رساں ہوں۔'' فرینک بولا۔ ووگل نے مانیٹر پر نظر ڈالی۔ پھر کھڑکی کو دیکھا اور ہونٹوں پر اضطرابی انداز میں زبان پھیری۔ ''میں ایک ماؤنٹین گائیڈ ہوں۔ شاید اس آدمی نے بھی ویزن ہارن پر میری خدمات حاصل کی ہوں۔ اس کا نام کیا ہے؟''

''اس کی شناخت نہیں ہوسکی۔ پولیس نے اس کی باڈی کو جہاں رکھا تھا، وہ عمارت تباہ ہوگئی یا اسے تباہ کردیا گیا تھا۔'' فرینک نے بتایا۔

ووگل نے نشست پر پہلو بدلا۔ ''ہاں دھماکے کی خبر میں نے اخبار میں پڑھی تھی۔'' اس نے میز پر پڑے اخبارات کی جانب اشارہ کیا۔ ''لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرا نام پتا اس کے پاس کیونکر تھا؟''

جینی نے محسوس کیا کہ ووگل صاف گوئی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ ''تمہارا کام قانونی اور رجسٹرڈ ہے؟''

''ہاں۔ سوئس قانون ایسے معاملات میں خاصا سخت ہے۔''

''تو پھر جو افراد یا سیاح تمہاری خدمات حاصل کرتے ہیں، تمہیں ان کا ریکارڈ رکھنا پڑتا ہوگا؟'' جینی نے عمدہ نکتہ اٹھایا۔

''ہم... م... ہاں... آں... ایسا ہے۔'' ووگل کی آواز بکھرنے لگی۔

''پولیس کے مطابق یہ حادثہ دو سال قبل پندرہ اپریل کے قریب پیش آیا ہے۔ کیا تم ریکارڈ دیکھ کر بتاسکتے ہو؟'' جینی نے استدعا کے انداز میں کہا۔

''کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں گلیشیر پر اس کا گائیڈ تھا؟''

''نہیں، یہ ایک چانس ہے۔ اگر ریکارڈ میں مل گیا تو ہمیں اس کی شناخت مل جائے گی۔''

ووگل نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرینک نے مداخلت کی۔ ''دیکھو ووگل، اس میں شک نہیں کہ یہی سوال پولیس بھی کرے گی۔ کیا نقصان ہے اگر تم ہماری مدد کردو۔''

ہچکچاتے ہوئے ووگل کھڑا ہوا اور اپنا بایاں ہاتھ جیب سے نکالا۔ دونوں نے دیکھ لیا کہ اس کے ہاتھ کی تین انگلیاں غائب تھیں۔ فرینک اور جینی اس کی ناک کی حالت دیکھ کر چونکے تھے لیکن خاموش رہے۔ فرینک نے پلاسٹک سرجری کو بھی تاڑ لیا تھا۔ ہاتھ کی حالت دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ جینی کو فادر کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ کیا یہ وہی آدمی ہے جو زخمی حالت میں چرچ پہنچا تھا؟

''فراسٹ بائٹ۔'' ووگل نے ان کی نگاہ کا رخ دیکھتے ہوئے از خود وضاحت کی۔

''آئی ایم سوری۔'' جینی نے کہا۔

''نہیں معذرت خواہ مجھے ہونا چاہیے۔ میں خوامخواہ تم لوگوں کو مشکوک سمجھ رہا تھا، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔'' ووگل معذرت کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ جاتے جاتے اس نے ویڈیو مانیٹر پر اچٹتی سی نظر ڈالی تھی۔

فرینک، اس کی یہ حرکت شروع سے نوٹ کررہا تھا۔ اس کے جاتے ہی جینی کھڑی ہوگئی۔ دونوں ڈوبرمین دروازے پر مستعد تھے۔

جینی ڈریسر کے قریب چلی گئی۔ اس کے گروپ والی تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ ''دیکھو۔''

''کیا ہے؟'' فرینک بھی قریب آگیا۔

''نیلے ٹوپ والے کی تصویر... اس کی آنکھیں، اس کا منہ... میرا مطلب اس کے دہانے کا خاص انداز۔ یہ مجھے شناسا لگتا ہے۔'' جینی نے کہا۔

''مطلب؟''

''اوہ مائی گاڈ، یہ وہی ہے جو برف کی قبر سے برآمد ہوا تھا۔'' جینی تصویر حیرت بنی ہوئی تھی۔

فرینک نے غور سے تصویر دیکھی۔ اسی لمحہ ڈوبرمین کی غراہٹ بلند ہوئی۔ دونوں پلٹ پڑے۔ ووگل دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پسٹل دبا ہوا تھا۔ فرینک نے بریٹا نکالنا چاہا۔

''ہاتھ جیب سے دور رکھو۔'' ووگل پوری طرح چوکنا تھا۔ ''اور تم بہت دھیرے سے اس کی گن نکالو۔'' اس نے جینی کو آرڈر دیا۔

بریٹا کو چھوتے ہی جینی کا ہاتھ کانپ گیا۔
''بہت آہستہ۔'' ڈوگل نے پھر کہا۔ ''گن میز پر رکھ دو۔''
جینی نے ایسا ہی کیا۔ ڈوگل نے آگے بڑھ کر بریٹا اپنی جیب میں رکھ لیا۔
''دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ کوئی غلط حرکت کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔''
''ہم یہاں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آئے، مسٹر ڈوگل۔'' جینی نے کہا۔ ''صرف معلومات درکار تھیں۔ وہ پرائیویٹ ڈیٹکٹو ہے۔ اپنے تحفظ کے لیے اسے گن رکھنا پڑتی ہے۔''
''تم دونوں کیا باتیں کر رہے تھے؟'' ڈوگل نے پوچھا۔
''جو باڈی ویزن ہارن پر دریافت ہوئی، وہ اس شخص کی ہے۔'' جینی نے تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ ''ڈوگل تم جانتے تھے کہ ویزن ہارن پر کیا ہوا۔ اور کون آدمی حادثے کا شکار ہوا تھا؟ کیا تم تردید کرو گے؟ وہ اکیلا نہیں تھا۔ غالباً میرے والد بھی ہمراہ تھے۔ شاید تم بھی جانتے ہو؟''
''تمہارے والد؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' ڈوگل کے تاثرات میں حیرت اور سچائی تھی۔
''ان کا نام پال مارچ تھا۔ دو برس قبل وہ غائب ہو گئے تھے۔ ان کا پاسپورٹ برف میں سے نکلنے والی لاش کے ساتھ تھا۔ وہ تصویر، جس نے نیلا کوٹ اور ٹوپ پہنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ میرے پاس اپنے والد کی تصویر بھی ہے۔ میں تمہیں دکھا سکتی ہوں۔''
ڈوگل کی آنکھوں میں شک کا سایہ لہرایا۔ ''نہیں، بیگ میری جانب بڑھا دو، آہستہ سے۔''
جینی نے حسب ہدایت حرکت کی۔ تھوڑی کوشش کے بعد ڈوگل نے تصویر برآمد کر لی۔ تصویر دیکھتے ہی ڈوگل کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ لیکن فوراً ہی اس کے تاثرات پھر بدل گئے۔ اب وہاں تجسس کی حکمرانی تھی۔ اس نے جینفر کو دیکھا۔
''ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟''
جینی نے گہری سانس لی اور مزید تفصیل کے ساتھ کہانی دوبارہ سنائی۔
کمرے میں سناٹا تھا۔ محض کلاک کی ٹک... ٹک سنائی دے رہی تھی۔ فرینک نے دیکھا کہ ڈوگل کے ہاتھ میں خفیف سی لرزش تھی۔
''تم ویزن ہارن پر ہلاک ہونے والے شخص کو جانتے ہو... اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔'' جینی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔
''ہاں، میں جانتا ہوں۔'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔
''کون تھا وہ؟''
''میرا بھائی پیٹر۔'' قطعی غیر متوقع جواب ملا۔
جینی اور فرینک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
''وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟'' دونوں کو اس جواب نے الجھا دیا۔
''جب وہ طوفان کی نذر ہوا۔ اس سے ایک رات قبل پیٹر دو آدمیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ان میں سے ایک کارل لازار تھا اور دوسرا یہ...'' اس نے پال مارچ کے فوٹو کی جانب اشارہ کیا۔ ''اس کا نام تم نے پال بتایا ہے... پال کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا لیکن لازار کو میں جانتا تھا۔ لازار کئی برس سے مرناؤ اسکیئنگ کے لیے آتا تھا۔ لہٰذا وہ ہم دونوں بھائیوں کو جانتا تھا۔''
''وہ دونوں پیٹر کے ساتھ یہاں کیوں آئے تھے؟''
''لازار کی خواہش تھی کہ میں اور میرا بھائی ان دونوں کو گائیڈ کریں۔ وہ بہت جلدی میں تھے۔ ان کا مقصد ویزن ہارن کے ذریعے اٹلی میں داخلہ تھا۔ یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ اپنے دوستوں یعنی رشین مافیا سے فرار چاہتے تھے۔'' ڈوگل نے بتایا۔
جینی سناٹے میں رہ گئی۔ ''میں کچھ سمجھی نہیں؟''
''کیا؟''
''مافیا... رشین مافیا؟ کیا اس معاملے میں مافیا ملوث ہے؟'' جینی کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ کیا وہ مافیا سے الجھ رہی ہے؟ کیا اس کا باپ، مافیا کے لیے... نہیں... نہیں اس نے مضطرب نظروں سے فرینک کو دیکھا لیکن وہ شانے اچکا کر رہ گیا۔
''ہاں، لازار، رشین مافیا کے لیے کام کرتا تھا۔'' ڈوگل نے جواب دیا اور مافیا اس معاملے میں ملوث ہے۔''
''اور میرے والد؟ تم نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا؟''
''یہ ٹھیک ہے کہ میں نے پہلی بار پال مارچ کو دیکھا تھا۔ ان دونوں کا رویہ عجیب تھا۔ بظاہر پال، لازار کے ساتھ تھا لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ پال بھی مافیا کا رکن تھا۔''

جینی کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔ اسے دو سال پہلے کی رات یاد آئی، اور چرچ کی رات... دونوں حملوں میں مماثلت تھی۔ وہی انداز، چھری کا استعمال، اسکائی ماسک وغیرہ۔ جینی کو نادیا یاد آئی۔ اسے ماسکو سے اسمگلنگ کے لیے زبردستی بھیجا گیا تھا۔ اسمگلنگ کا انداز... جینی کا بدن لرز اٹھا۔ اسے نادیا کے ساتھ اپنی بات چیت یاد آئی۔ اسے کئی سوالات کے جواب مل گئے لیکن مزید کئی سوال پوری شدت سے ابھر آئے۔

''پیٹر کے ساتھ کیا ہوا اور پال مارچ کہاں ہے؟'' فرینک نے کافی دیر بعد سوال کیا۔

''پہلے میں معذرت کروں گا۔'' ووگل کا پسٹل والا ہاتھ جھک گیا۔ ''میں سمجھا تھا کہ تم لوگ مجھے ہلاک کرنے آئے ہو۔ پیٹر اور پال مارچ...'' معاً ووگل نشست سنبھالتے سنبھالتے اچھل پڑا۔ اس کی بات بھی ادھوری رہ گئی۔ وہ ویڈیو مانیٹر کو تک رہا تھا۔

''وقت نہیں ہے۔ وہ پہنچنے والے ہیں۔ اب میں سمجھا وہ فارم کی نگرانی کیوں کر رہے تھے... تمہاری وجہ سے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے تھے... ہم سب مارے جائیں گے۔''

فرینک نے مانیٹر کو دیکھا لیکن وہاں منظر صاف تھا۔

''کون آ رہا ہے؟ کون مارا جائے گا؟ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟''

''تم لوگ فوراً نکل جاؤ۔'' ووگل نے پھر پسٹل سنبھال لیا تھا۔ وہ کھڑکی کی جانب گیا۔

ڈوبر مین کے جوڑے نے غرانا شروع کر دیا۔

''انہیں چپ کراؤ۔'' فرینک کی آواز میں اضطراب تھا۔

''سیز، فررڈی! سیز، ہانس!'' ووگل نے حکم جاری کیا۔ وہ دونوں خاموش ہو کر ساکت بیٹھ گئے۔

باہر سے کسی کار انجن کی مدھم آواز آئی۔

''دونوں کو باہر نکال دو، جلدی۔'' فرینک نے کہا۔

''ڈراسین، ڈراسین سوفورٹ''

کتوں کے ٹلتے ہی فرینک نے جھپٹ کر دروازہ بند کیا اور پسٹل کے لیے ووگل پر جست لگائی۔ دونوں الجھ کر گرے۔ ووگل نے بریٹا کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی کشمکش کے دوران دھماکا ہوا۔ گولی فرینک کے بازو میں لگی۔ ''فرینک۔'' جینی کی چیخ بلند ہوئی۔ وہ بے اختیار فرینک کی مدد کے لیے اس کشمکش میں ملوث ہو گئی۔

فرینک نے گن ووگل سے چھین لی۔

''پلیز... پلیز... مجھے مت مارو۔'' ووگل گڑگڑایا۔ ''میں خود کو بچا رہا تھا۔ گولی چل گئی۔ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

فرینک نے ایک ہاتھ سے اپنا بازو دبایا ہوا تھا۔ ووگل کی گن اس کے زخمی ہاتھ میں لٹک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے ووگل! ہم ایک ہی کشتی میں آ گئے ہیں۔ بریٹا جینفر کو دے دو۔''

فرینک باہر اور اندر دونوں جانب سے چوکنا تھا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ بریٹا قبضے میں کرنے کے بعد فوری طور پر جینی کو تولیا نما کپڑا مل گیا۔ خون روکنے کے لیے جینی نے دبیز کپڑا اس کے فرینک کے بازو پر باندھ دیا۔

''ٹھیک ہو؟''

''ہاں، ہڈی بچ گئی۔''

گولی جیکٹ کی راہ گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بیرونی جانب کار انجن کی آواز قریب آ گئی تھی۔ فرینک نے جینی کو کھڑکی پر جانے کا اشارہ کیا۔

سیاہ رنگ کی ٹویوٹا دیکھ کر وہ سراسیمہ ضرور ہوئی تاہم اسے حیرانی نہیں ہوئی۔ وہ جان چکی تھی کہ ان کا واسطہ مافیا سے ہے۔ عام مجرم یا گروہ اس طرح جناتی انداز میں کام نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے وسیع نیٹ ورک بشمول مادی اور افرادی وسائل ضروری ہیں۔ ''مافیا'' محض ایک لفظ ہے۔ لیکن اس لفظ کے اندر کیسی خوفناک دنیا اور فلسفہ چھپا ہے، اس سے پوری طرح وہ خود بھی آگاہ نہیں تھی۔

فرینک بھی کھڑکی تک آ گیا تھا۔ ووگل بھی ہمراہ تھا۔ سیاہ ٹویوٹا سے دو افراد اترے۔ ایک وہی تھا بھورے بالوں والا جسے فرینک نے ٹرین میں زخمی کیا تھا۔ اس کے سر پر بینڈیج نظر آ رہی تھی۔ وہ سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کا ساتھی بدل گیا تھا۔ نیا آدمی کافی جاندار دکھائی دے رہا تھا۔ عمر تیس کے لگ بھگ ہوگی۔ دونوں مشینی پسٹل سے مسلح تھے۔

''یہ دونوں کون ہیں؟'' فرینک نے سوال کیا۔

''ہم... مجھے نہیں پتا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ انہی میں سے ہیں جو کئی روز سے فارم کی نگرانی کر رہے تھے۔ جب سے ''پیٹر'' کی باڈی دریافت ہوئی ہے، اس کے کچھ عرصے بعد ہی نگرانی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔'' ووگل نے جواب دیا۔

''رشین مافیا؟''

"دونوں کو میں شکل سے نہیں جانتا۔ لیکن یہ رشین مافیا کے ہی آدمی لگتے ہیں۔"

بھورے بالوں والے نے فون پر بات ختم کی اور ہتھیار نکال لیا۔ دونوں نے اپنا درمیانی فاصلہ بڑھا لیا اور عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔ ان کی ہر حرکت پیشہ ورانہ تربیت کی غماز تھی۔

"پیچھے ہٹ جاؤ۔" فرینک خود بھی پسپا ہو گیا۔ "کوئی راہِ فرار ہے؟" اس نے دوگل سے پوچھا۔

"ہم کچن کے عقبی دروازے سے تہ خانے کے ذریعے اصطبل میں نکل کر گیراج تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"مرسیڈیز کی چابیاں دو۔"

"لیکن میرے کتے؟" دوگل نے چابیاں نکالیں۔

"میں ان کو بلاتا ہوں۔"

"بھول جاؤ۔" فرینک نے کہا۔ "وقت نہیں ہے۔ کتوں کی محبت میں کتوں کی موت مارے جائیں گے۔ دعا کرو کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ میں ان "کتوں" کو زیادہ بہتر جانتا ہوں۔" فرینک نے دوگل کو گھسیٹا۔

کچن کے عقبی دروازے سے نکل کر اس نے دروازے کو لاک کیا۔ پھر وہ دوگل کی رہنمائی میں تہ خانے میں جا گھسے۔

اندر جانے سے قبل انہوں نے کتوں کے بھونکنے اور فائرنگ کی آوازیں سنیں۔

"حرام زادوں نے میرے کتوں کو مار دیا۔" دوگل چیخنے والے انداز میں بولا۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی۔

"پلیز آواز دھیمی رکھو۔ خود کو بچانے کی فکر کرو۔" فرینک نے اسے سمجھایا۔ پھر جینی کی طرف دیکھا۔ "بریٹا تمہارے پاس ہے۔ وہ تہ خانے کا راستہ بہ آسانی ڈھونڈ لیں گے۔ کوئی سیڑھیوں پر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ بریٹا استعمال کرنا۔" فرینک نے جینی کو ہدایت دی۔ "خود آڑ میں رہنا، کوئی بھی غلطی کہانی ختم کر دے گی۔"

"کیا مطلب؟ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم اندھا دھند گیراج میں قدم نہیں رکھ سکتے، میں جائزہ لے کر آتا ہوں۔" فرینک یہ کہہ کر دوسرے راستے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کتے مر چکے تھے۔ فرینک تہ خانے سے باہر تھا۔ قاتل اندرونِ عمارت انہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔ فی الوقت ہر جانب سناٹا تھا۔ جینی کو احساس تھا کہ یہ خاموشی عارضی ہے۔ اس نے سرگوشی کی۔

"دوگل! مجھے بتاؤ اس روز کیا ہوا جب تم میرے والد کو لے کر "ویزن ہارن" گئے تھے؟"

دوگل نے فوری جواب نہیں دیا۔ غالباً اسے اپنے کتوں سے بہت محبت تھی۔ معمولی وقفے کے بعد وہ بولا۔

"لازار کے پاس گن تھی اور وہ مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ رات کے وقت گلیشیئر کے ذریعے سرحد پار کرنا موت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے وہاں جانے کے لیے ضروری سامان طلب کیا اور تین عدد رک سیک بھی مانگے۔ میرے تجربے کے مطابق موسم غیر یقینی تھا۔ یہ بات بھی میں نے اسے بتائی۔ جواب میں اس نے مجھ پر گن تان لی۔ مجھے احساس ہو گیا کہ کوئی سنگین معاملہ ہے اور وہ نہیں مانے گا۔"

"جب وہ روانگی کے لیے تیار ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ دو رک سیک میں اس نے چھوٹے سائز کے کئی بریف کیس ٹھونس دیے اور تیسرے میں کچھ کپڑے رکھ دیے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مافیا سے دغابازی کرنے جا رہا ہے۔ ہم آدھی رات کے قریب ویزن ہارن پر پہنچے اور موسم کے تیور بگڑنے لگے۔ نگاہ کی رسائی چند میٹر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

"وہ ایک خوفناک طوفانی رات تھی پھر مجھے پیٹر کی چیخ سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی برفانی دراڑ میں گر گیا ہے۔ میں بے بس تھا بلکہ ہم تینوں بے بس تھے۔ موسم کے تیور بگڑتے جا رہے تھے۔"

"میرے والد؟"

"انہیں اور لازار دونوں کو میں کھو چکا تھا۔ مجھے اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا تھا۔ خطرے سے نکلنے میں میرے چار گھنٹے صرف ہوئے۔ میری ناک اور انگلیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ میری قسمت تھی جو میں بچ نکلا۔"

"تم نے پولیس کو اطلاع دی؟"

"یہ خودکشی کے مترادف تھا۔ پیٹر کے بارے میں، میں نے اڑا دیا کہ وہ زیورچ شفٹ ہو گیا ہے۔"

"خودکشی کا مطلب؟" جینی نے سوال کیا۔

"چند برس قبل لازار نے اپنے مافیا فرینڈ کے لیے مجھے بطور "کوریئر" ہائر کیا تھا۔ ہر چند ماہ بعد ویزن ہارن کے راستے میں اٹلی میں داخل ہوتا اور رقم سے بھرا ایک بیگ

وہاں سے لاکر لازار کے دوست کے حوالے کرتا۔ زیورچ میں ایک بینک تھا جہاں اس رقم کو دھویا جاتا۔ منی لانڈرنگ۔ میں جانتا تھا کہ یہ غیر قانونی ہے لیکن مجھے خاص پروا نہیں تھی۔ کیونکہ روسی مجھے ایک موٹی رقم بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔''

''کیا میرے والد اس کھیل کا حصہ تھے؟''

''میں کیسے بتا سکتا ہوں؟ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ دو پریشان افراد ''دولت'' کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کررہے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' جینی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''جب ہم گلیشیر کے لیے روانہ ہورہے تھے تو لازار نے مجھے بتایا کہ وہ اور پال رتھین مافیا کا مال لے کر فرار ہوئے ہیں۔ اس نے آفر کی کہ اگر میں اور پیٹر اپنا منہ بند رکھیں گے تو وہ ہمیں غیر معمولی معاوضہ دے گا۔ میرا واسطہ ان لوگوں سے رہ چکا تھا لہٰذا مجھے کوئی شک نہیں تھا کہ کام نکلنے کے بعد لازار بلاتکلف ہم دونوں بھائیوں کو قتل کردے گا۔ اس لیے موقع ملتے ہی میں نکل گیا۔''

''تم نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جہاں تمہاری میرے والد سے کوئی بات ہوئی ہو؟''

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔ جو بات بھی کی، وہ لازار نے کی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ لازار کے ساتھ میرے والد کی موجودگی کی کوئی اور وجہ رہی ہو؟''

''اس بارے میں، میں کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں۔''

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میرے والد برفانی طوفان سے بچ نکلے تھے؟''

''ناممکن۔ صورتِ حال جس قدر مخدوش تھی، دونوں کا بچنا ناممکن تھا۔ وہ بھی، پیٹر اور میرے بغیر۔''

''پھر بھی ایک بچ نکلا؟''

''اسے کرشمہ کہو یا میری قسمت۔''

''بعد میں تم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں گئے؟''

''حالت سنبھلنے پر چھ ہفتے بعد گیا تھا۔ تاہم کسی کا بھی کوئی نشان ہاتھ نہ آیا۔ یقیناً وہ تینوں برفانی دراڑوں کی نذر ہوگئے تھے۔''

''تم غلطی پر ہو یا غلط بتا رہے ہو؟'' جینی نے اعتراض کیا۔ ''ایک آدمی بچ گیا تھا جو پانچ دن بعد ''کراؤن آف تھارن'' پہنچا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی زندہ بچا تھا؟''

''ہاں۔'' جینی نے جواب دیا۔ اول اول وہ سمجھی تھی کہ دوگل وہ شخص تھا جو ''کراؤن آف تھارن'' پہنچا تھا۔ تاہم بعدازاں اس نے فادر کی باتیں یاد کیں تو اس کی امید پھر بیدار ہوگئی۔ فادر کے مطابق وہاں پہنچنے والا درمیانی عمر کا تھا اور انگریزی بول رہا تھا۔ نیز فراسٹ بائٹ سے چہرے کے ساتھ اس کا پاؤں متاثر ہوا تھا، ہاتھ نہیں۔ مختصر یہ کہ دوگل میچ نہیں کررہا تھا۔ دوگل کی عمر بھی زیادہ تھی اور وہ سوئس تھا۔ اگرچہ انگریزی بول لیتا تھا۔ اس لیے اس نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ اس کے علاوہ بھی اس رات کوئی تھا جو زندہ بچ گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ دوگل کوئی بات چھپا نہیں رہا تھا۔ اگر وہ ''کراؤن آف تھارن'' پہنچا تھا تو ظاہراً بتا دیتا۔

''ممکن نہیں ہے۔ ان حالات میں پانچ دن نکالنا ناممکن ہے۔''

''تم بھول رہے ہو کہ پناہ کے لیے اس علاقے میں ایک ہٹ بھی ہے۔ ''برگ ہٹ۔''

دوگل نے پلکیں جھپکائیں۔ تاہم وہ خاص قائل دکھائی نہیں دیا۔ ''تم ایک بہت کمزور امید کا سہارا لے رہی ہو۔ میرا یقین کرو۔''

جینی نے پھر گھڑی دیکھی۔ اسی وقت پانچ فٹ کا چوبی دریچہ دھیرے دھیرے کھلنا شروع ہوا۔ یہ تہ خانے سے باہر نکلنے کا راستہ تھا۔ جہاں سے فرینک باہر گیا تھا۔ جینی نے احتیاطاً ریٹا سیدھا کرلیا، وہ فائر کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس کی دھڑکن بڑھنے لگی۔

''میں ہوں...'' فرینک کی سرگوشی سنائی دی۔

''کیا رہا؟''

''بظاہر تو کوئی نہیں ہے۔'' فرینک نے کہا۔ اسی وقت تہ خانے کے دروازے پر کھڑبڑ ہوئی۔

''وہ تہ خانے تک پہنچ گئے ہیں۔'' فرینک کی پیشانی پر ننھے ننھے موتی نظر آرہے تھے۔ دوگل پر بدحواسی طاری تھی۔ جینی کی سانس بھی رک گئی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مرسیڈیز میں نکل جائیں گے۔ تاہم اب بھی گویا وہ چوہے دان میں پھنسے ہوئے تھے۔

''دیوار کے ساتھ لگ جاؤ۔'' فرینک نے کہا اور ٹارچ نکال کر روشن کی۔ ''دوگل! وہ پیٹی لاؤ۔'' فرینک نے کاٹھ کباڑ میں ایک پیٹی کی جانب اشارہ کیا۔ ساتھ ہی اس

نے اپنا صحت مند ہاتھ جیکٹ کی آستین سے باہر نکال لیا۔ تہ خانے کی چھت نیچی تھی۔ پیٹی پر چڑھ کر جیکٹ کی آستین کی مدد سے فرینک نے واحد بلب اتار لیا۔

تہ خانہ تاریک ہو گیا۔ ووگل کی لائی ہوئی پیٹی پر چڑھنے سے قبل فرینک نے جو ڈنڈا نما شے تاڑی تھی، اب وہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی لمبائی کرکٹ بیٹ سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ کیا چیز تھی اس پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ فرینک کے مطلب کی تھی۔ ٹھوس اور وزنی۔

تہ خانے کی چھت پر کھڑ کھڑ عروج پر تھی۔ فرینک نے ایک نظر سیڑھیوں پر ڈالی۔ پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموشی کا اشارہ دیا اور ٹارچ آف کر دی۔ تاریکی میں وہ تیزی سے لٹھ نما شے ہاتھ میں لیے سیڑھیوں کی جانب لپکا۔

جینی اور ووگل دیوار کے ساتھ لگے تھے۔ جینی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس نے بریٹا تیار حالت میں رکھا تھا۔ جینی، فرینک کی قوتِ فیصلہ اور پھرتیوں پر حیران تھی۔ نڈر اور باہمت، ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی پیش بینی اور مشاہدہ بھی قابلِ تعریف تھا۔ اس وقت وہ پہلی بار جینی کو سراغ رساں سے آگے کی چیز معلوم ہوا۔ اس کی موجودگی میں جینی بدتر حالات میں بھی پُرامید رہتی تھی۔ فرینک کے نزدیک بغیر فالتو ایمونیشن کے محض بریٹا اور عام پسٹل کے بل بوتے پر فائر فائٹ خودکشی کے مترادف تھی۔

فرینک نے تاریکی میں ایک حد تک فاصلہ طے کیا۔ پھر رک کر لمحہ بھر کے لیے ٹارچ آن کی۔ ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس نے سیڑھیوں کا ہیولا اور فاصلہ ناپا اور ٹارچ آف کر دی۔ چند سیکنڈ بعد وہ سیڑھیوں کے ساتھ دبکا ہوا تھا۔ تہ خانے کی چھت نیچی تھی لہٰذا سیڑھیاں بھی تعداد میں کم تھیں۔ بمشکل دو سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ تہ خانے کا دریچہ نما در کھل گیا۔ تاریکی کے باعث آنے والے نے ٹارچ روشن کی اور سوئچ اوپر نیچے کیا۔ تہ خانے میں بلب ہوتا تو روشنی ہوتی۔ اس کے منہ سے گالی برآمد ہوئی۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں ہی نیچے اترا۔

فرینک نے جھپٹ کر لٹھ اس کی کھوپڑی پر بجایا۔ آنے والا بلبلاتا ہوا جھکا۔ فرینک نے دوسرا وار اس کی گردن پر کیا اور چت لیٹ گیا۔ حواس چھوڑنے سے پہلے آنے والا اندھا برسٹ چلا چکا تھا۔ اس کے گرنے سے پہلے مشینی پسٹل اور ٹارچ گری۔ ٹارچ روشن تھی۔ فرینک نے پھرتی سے مشینی پسٹل پر قبضہ کیا پھر کئی واقعات ایک ساتھ ہوئے۔

ووگل پتا نہیں کیا سمجھا اور بدحواس ہو کر بھاگا۔ فائرنگ کی آواز سے تہ خانے کا در پورا کھل گیا۔ ایک ٹارچ زمین پر روشن پڑی تھی، کچھ روشنی باہر سے آئی اور دوسرا آدمی اندر گھسا۔ فرینک نے ٹارچ آف کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور پھر دبک گیا۔ آنے والے نے اپنے ساتھی کو زمین بوس اور ووگل کو بھاگتے دیکھا۔ اس نے ایک گولی فائر کی جو ووگل کی پشت سے گھسی اور سینے سے نکل گئی۔ وہ منہ کے بل گرا۔ یہ سب کارروائی دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گئی۔

آنے والا دوسری سیڑھی پر رکا ہوا تھا۔ وہ جینی اور فرینک کی جائے پناہ سے لاعلم تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور نہ نیچے اترا۔ مشینی پسٹل بیلٹ کے ذریعے اس کے گلے میں لٹکا تھا۔ دائیں ہاتھ سے اس نے گن سنبھالے سنبھالے ٹارچ نکالی۔ فرینک نے ذرا جگہ بنا کے جوابی برسٹ مارا جس نے اس کے سر کے قریب دیوار کو ادھیڑ ڈالا۔ حملہ آور نے الٹے قدموں نکلنے کی کوشش کی اور ٹارچ چھوڑ دی۔ فرینک نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے سر پر برسٹ مارا۔ گولیاں چھت پر لگیں۔ یہ فیصلہ کن وارننگ تھی۔

''گن پھینک دو۔'' فرینک دہاڑا اور آڑ سے باہر آ گیا۔ چھت کی دھول، مٹی کنکر وغیرہ حملہ آور کے سر پر پڑے تھے۔ پلاسٹر کا کوئی ٹکڑا اس کے دائیں آنکھ میں لگا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھٹکا پھر گن کی بیلٹ گلے سے نکالی۔

''بہت آہستہ، ورنہ سر میں چھید گننے کے قابل نہ رہو گے۔'' فرینک کی نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی۔ ''جینفر، ووگل کو دیکھو۔'' وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ حملہ آور وہی تھا جو ٹرین میں زخمی ہوا تھا اور فرینک کے چہرے پر بھی خراشیں آئی تھیں۔ وہ کینہ توز نظروں سے فرینک کو گھور رہا تھا۔ فرینک نے قریب پہنچتے ہی دایاں گھٹنا اس کے زیرِ ناف رسید کیا۔ وہ ''اوغ'' کی آواز کے ساتھ دہرا ہو گیا۔ فوراً ہی گن کا دستہ ایک بار پھر اس کے سر پر بجا۔ دوسری ضرب کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ لڑھکتا ہوا نیچے اپنے ساتھی کے پاس جا گرا۔

جینی کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔ ووگل اپنی حماقت کے باعث جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کے اترے ہوئے چہرے نے فرینک کو جواب دیا۔

☆☆☆

دونوں مافیا مین کچن میں کرسیوں پر بندھے ہوئے تھے۔ فرینک کے ہر سوال کا جواب وہ گالیوں سے دے رہے تھے یا پھر خاموشی۔۔۔ جینی نے بھی چند سوالات کیے لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ فرینک نے جینفر کے روکنے کے

باوجود دونوں کی اچھی خاصی دھلائی کی۔ ایک کرسی سمیت فرش پر جا پڑا۔ یہ وہی تھا جس نے دوگل کو ہلاک کیا تھا۔ فرینک نے اسے لہولہان کر دیا۔

''وقت ضائع مت کرو، گولی مار دو۔'' اس نے خون تھوک کر کہا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ دونوں مر جائیں گے، مگر کچھ بتائیں گے نہیں، جبکہ وہاں زیادہ دیر رکنے میں خطرہ تھا۔

فرینک نے ان کی اچھی طرح تلاشی لی۔ تاہم کوئی کام کی چیز ہاتھ نہ آئی۔ اس کا زخمی بازو دکھ رہا تھا۔ ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔ فرینک کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہاں ان کا کام ختم ہو گیا تھا۔ دوگل نے ضرور کچھ نئی معلومات فراہم کی تھیں۔ تاہم خود اس کا بھی کام تمام ہو چکا تھا۔ فرینک نے دونوں کی جیبوں سے نکلنے والی کرنسی سمیٹ لی۔

''اٹھو، نکلو یہاں سے، وقت کم ہے۔'' فرینک نے جینفر کو اشارہ کیا۔ ''پولیس پتا نہیں کس کس کو تلاش کرتی پھر رہی ہوگی۔''

جینی نے کوئی سوال کرنا چاہا پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔ فرینک پر اس کا اعتماد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ بس آج اسے یوں لگا تھا کہ فرینک پرائیویٹ ڈیٹکٹو سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ جینی کو اس چیز نے بھی بہت متاثر کیا تھا کہ کسی مرحلے پر بھی فرینک نے مرد کی حیثیت سے اس کے قرب کا فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

فرینک نے چلتے چلتے ان کے ہتھیاروں کو خالی کر کے رومال سے صاف کر دیا۔ دوگل کا پسٹل بھی خالی کر کے صاف کیا۔ اچانک اسے خیال سوجھا۔ تہ خانے میں مافیا کے آدمیوں کی گولیوں کے نشان تھے اور دوگل مرا پڑا تھا۔

''ایک منٹ آیا۔ بریٹا ہاتھ میں رکھنا۔'' اس نے جینفر کو چوکنا رہنے کا اشارہ کیا اور تہ خانے کی جانب لپکا۔ اندر کر اس نے چند فائر سیڑھیوں پر کیے اور بقیہ ادھر اُدھر... پھر خالی گن دوگل کے ہاتھ کے قریب ڈال کر واپس آ گیا۔

''نکلو۔'' وہ بولا۔ جاتے جاتے اس نے ایک ایک ضرب بریٹا کی مزید دونوں کے سروں پر... آزمائی... پھر جینفر کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

جینی، فرینک پر اتنا اعتماد کرنے لگی تھی کہ وہ واپس اس کے ساتھ نیویارک جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ حالانکہ اس کا خیال تھا کہ انہیں پولیس کے سامنے ساری کہانی رکھ دینی چاہیے... تاہم فرینک نے اسے بہ آسانی قائل کر لیا۔

☆☆☆

پہلا شک انہیں ڈوبرمین کی گولیوں سے چھلنی لاشیں دیکھ کر لگا۔ وہ اطراف میں پھیل کر تلاشی لے رہے تھے۔ گراہم نے تہ خانہ دریافت کیا۔ کچھ دیر میں چاروں وہیں تھے۔

''اصل غارت گری یہیں مچی ہے۔'' مارک کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ جیک مردہ دوگل کا لائسنس چیک کر رہا تھا۔

''یہی بندہ کام کا تھا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''اب کس کام کا؟'' مارک نے چڑ کر کہا۔ اسے جینی کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

تہ خانے سے نکل کر وہ کچن میں جمع ہو گئے۔

''یہ دونوں کون ہیں؟'' مارک نے بے ہوش افراد کی جانب اشارہ کیا۔

''موسکایا؟''

''کیسے؟''

''دونوں ہتھیار روسی ہیں اور ہماری طرح وہ بھی دوگل کی تلاش میں تھے۔'' جیک نے جواب دیا۔ ''یہاں کا خونی ڈراما ختم ہو چکا ہے۔ نکلو یہاں سے۔'' جیک نے کہا۔

''اور جینفر؟'' مارک نے جیک کا گریبان پکڑ لیا۔

''یہ تازہ واردات ہے۔ جینفر زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔ تم جذباتی ہوتے جا رہے ہو۔'' جیک بولا۔

''کئی روز ہو گئے ہیں اور ہم اسے دیکھ تک نہیں سکے ہیں۔ کیا اس کے مرنے کا انتظار کر رہے ہو؟'' مارک بپھرا ہوا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ یہاں بھی وہ بروقت نہیں پہنچ سکیں گے۔

''کیا بکواس ہے؟''

''بکواس؟ اگر وہ چرچ میں یا یہاں اکیلی ہوتی تو کیا وہ ہمیں زندہ ملتی؟ بتاؤ... بکو...''

''وہ فرینک...''

''کون فرینک؟ کون ہے وہ؟ کیا ہے اس کی اصلیت؟ کیا اس نے ٹھیکا لیا ہوا ہے جینی کو بچانے کا؟'' غصے میں پہلی مرتبہ دوسروں کے سامنے اس کے منہ سے جینی نکل گیا۔ ''دوگل تمہارا مطلوبہ بندہ تھا۔ تو تم نے شروع میں ہی جینی کو کیوں نہیں بتایا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں مانتا ہوں۔'' جیک نے اپنا گریبان چھڑایا۔

''دوگل کے بارے میں تمہیں شروع سے پتا تھا؟''

''ہاں، ہیڈ کوارٹر کے ذریعے... لیکن صرف نام کی حد تک۔ اور اطلاع بھی مجھے یہاں پہنچنے کے بعد ہی ملی تھی۔''

''کس حوالے سے؟'' مارک بغور اسے تک رہا تھا۔

''لازارا اور موسکایا کے حوالے سے... میں سب بتا دوں گا۔ یہاں سے نکلو پولیس کے پہنچنے کا امکان ہے۔''

''آنے دو پولیس کو، ہم نے کچھ نہیں کیا ہے اور تم آسانی سے نمٹ لوگے۔'' مارک نے کہا۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ ووگل چاہیے تھا تو تم جینیفر کے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے؟'' مارک قدرے حواس میں آ گیا تھا۔ اس نے پھر سے جینیفر کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

''کیونکہ ووگل کے کلیوز جینیفر کے پاس تھے۔''

''کیسے؟''

''کاربیزی کی HQ بلڈنگ میں مقتول وکٹر نے دکھائے تھے۔'' جیک کا رویہ مسلسل مدافعانہ تھا۔

''یعنی تم نے پہلے اس بارے میں مجھ سے جھوٹ بولا؟''

جیک خاموش رہا۔

''سب سے بڑھ کر تم نے ووگل تک پہنچنے کے لیے جینیفر کو چارے کے طور پر استعمال کیا... اب یہ بھی بتا دو کہ فرینک تمہارا آدمی ہے؟''

''نہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس کا بیٹا موسکایا کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس لیے وہ یہاں آیا ہے۔''

''اور بیٹے کو بھول کر جینیفر کا باڈی گارڈ بن گیا؟'' مارک کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ ''اور کیا تباہ ہونے والی HQ بلڈنگ میں فرینک نے ووگل کے کلیوز نہیں دیکھے ہوں گے؟ وہ بھی ساتھ گیا تھا؟''

''ممکن ہے اور نہیں بھی... بس کرو۔ ان دونوں تک پہنچنے تو دو پھر فرینک کی حقیقت بھی سامنے آ جائے گی۔''

''اور ڈسک؟''

''جینیفر ہی کوئی مدد کر سکتی ہے۔''

''تمہیں پتہ ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتی۔ اگر اس نے ڈسک کی شکل بھی دیکھی ہوتی تو مجھے ضرور بتاتی۔''

''کیا تم نے اس سے پوچھا تھا؟''

''ہاں، معلوم کیا تھا۔'' مارک نے آدھا سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تو چلو یہاں سے۔ اب کیا بچا ہے۔ کچھ بچا بھی ہے تو بعد میں پوچھ لینا۔''

☆☆☆

جنیوا۔

فرینک نے گاڑی جنیوا ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ دی۔ ٹرمینل کے قریب ایک قطار میں دکانیں تھیں۔ جینیفر نے فارمیسی کی دکان سے اینٹی سیپٹک کریم، پلاسٹر اور گاز خریدا۔ بغیر نمبر کا ایک شیڈ والا چشمہ لیا، پھر دونوں گفٹ شاپ میں گئے۔ وہاں سے دو سفری بیگ، ایک ہیٹ، ایک بیس بال کیپ، اونی اسکارف اور دھوپ کے چشمے خریدے۔

بغیر نمبر کا ریڈنگ والا چشمہ لگا کر فرینک نے ہیٹ سر پر رکھ لیا۔ دھوپ کا چشمہ جینیفر نے چہرے پر سجایا۔ اس نے عمداً قدرے بڑے شیشوں والے چشمے لیے تھے۔ اس کے حسین چہرے نے چشمے کا یہ عیب بھی جدت میں بدل دیا تھا اور اس کے چہرے کا بالائی حصہ کافی حد تک چھپ گیا تھا۔ بیس بال کیپ بھی جینی نے بڑی لی تھی۔ پونی ٹیل سمیٹ کر اس نے بال کیپ میں چھپا لیے۔ اسکارف اس نے گلے کے گرد لپیٹ لیا۔

فرینک ٹکٹ کے لیے قطار میں نہیں گیا تھا بلکہ دو ٹکٹ اس نے ٹریول آفس سے لے لیے تھے۔ کیش کی صورت میں وہ مافیا کے آدمیوں کی رقم خرچ کر رہے تھے۔ نیویارک کے لیے کل تک کوئی فلائٹ نہیں تھی۔ ایک گھنٹے میں جو فلائٹ دستیاب تھی، وہ پیرس سے ہوتی ہوئی نیویارک پہنچتی۔ فرینک نے اسی کے دو ٹکٹ خریدے تھے۔ کمپنی ائر فرانس تھی۔

گفٹ شاپ سے نکل کر وہ بورڈنگ گیٹس کی طرف چل دیے۔ فرینک کی ہدایت کے مطابق جینی اس کی ہمراہی میں نہیں تھی بلکہ قدرے فاصلہ رکھ کر چل رہی تھی۔

☆☆☆

چالیس میل دور جیک، ہیڈ کوارٹر ''لینگلے'' سے سیل فون پر بات کر رہا تھا۔ ان کی گاڑی کا رخ جنیوا کی طرف تھا۔ سی آئی اے کمپیوٹر ہیکر کی اطلاعات کے مطابق سہ پہر چھ بجے پیرس کے انٹرنیشنل ائر لائن بکنگ کمپیوٹر نے دو نام ریکارڈ کیے تھے۔ ائر فرانس شٹل نو پیرس کے لیے دو ٹکٹ خریدے گئے تھے۔ خریداروں نے بارہ پینتالیس پر جنیوا چھوڑ دیا تھا۔ پیرس سے ائر فرانس شٹل نے جے ایف کے ائرپورٹ، نیویارک پہنچنا تھا۔ ٹکٹ ہولڈرز، فرینک میکال اور جینیفر مارچ ہیں۔

جیک نے کافی دیر بات کی تھی۔ اس نے مارک کو مزید بتایا کہ لینگلے کمپیوٹر سے مانیٹرنگ جاری ہے۔ جیسے ہی

وہ JFK پر اتریں گے، انڈر کور ایجنٹس کی نظروں میں ہوں گے۔ میں نے تین انڈر کور ایجنٹس تعینات کیے ہیں جو ائر فرانس میں پیرس سے سوار ہو جائیں گے۔''

''اِٹ از ڈن، ناؤ۔''

''اور ہم کیا کریں؟'' مارک اپنی ناگواری کو نہ چھپا سکا۔

''ولینگلے ...نے نیویارک کے لیے ہمارے لیے پرائیویٹ جیٹ بک کیا ہے۔''

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''شاید تم ٹھیک تھے۔'' جیک نے اعتراف کیا۔ ''ہمیں جیسنفر کو ساری کہانی بتا دینی چاہیے۔''

''لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔'' مارک بولے بغیر نہ رہ سکا۔ ''وہ بھی خالی ہاتھ۔''

☆☆☆

نیویارک۔

گاردا، مین ہٹن ڈاؤن ٹاؤن کے دفاتر پہنچا۔ ایلیویٹر کے ذریعے وہ جس سوئیٹ میں گیا، وہاں دروازے کی پیشانی پر لکھا تھا:

''فرینک میکال، پرائیویٹ انویسٹی گیٹر۔''

دروازے پر کئی بار ''ناک'' کرنے کے باوجود کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ دھکیل کر وہ ایک اور آفس میں چلا گیا جہاں درمیانی عمر کی ایک عورت اندر کمپیوٹر پر مصروفِ کار تھی۔

''کیا خدمت کرسکتی ہوں؟'' وہ سر اٹھا کر مسکرائی۔

گاردا نے مدعا بیان کیا اور فرینک کے بارے میں پوچھا۔

''کچھ روز قبل وہ سوئٹزرلینڈ گیا تھا۔ جہاں الپس پر اس کے بیٹے کے ساتھ ایک اندوہناک حادثہ پیش آیا تھا۔''

گاردا نے اظہارِ افسوس کیا اور بولا۔ ''میرا اندازہ ہے کہ تم فرینک کو خاصا جانتی ہو؟''

''ہاں ایسا ہے۔ دراصل کئی بار وہ میری خدمات حاصل کر چکا ہے۔ کیا تم اسے ہائر کرنا چاہتے ہو؟''

گاردا نے مسکرا کر اپنا بیج دکھایا۔ خاتون نے دلچسپی سے اس کی شناخت اور لانگ بیچ پولیس ڈپارٹمنٹ کی مہر دیکھی۔

''اگر تم تعاون کرو تو فرینک کے بارے میں مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں؟''

''ضرور، کیا پیو گے؟''

''گاردا جس لت میں مبتلا تھا۔ وہی مطالبہ اس کے منہ سے نکل چلا تھا۔ تاہم بروقت قابو پا کر اس نے کافی کی خواہش کا اظہار کیا۔

☆☆☆

ائر فرانس 747 میں وہ پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ جینی سکون سے پانچ گھنٹے گہری نیند سوئی۔

''خوب سوئیں تم۔''

''ہاں بالکل بچوں کی طرح۔ تمہارا بازو کیسا ہے؟''

''زیادہ بہتر نہیں ہے لیکن فی الحال میں سوچ رہا ہوں کہ پینتیس ہزار فٹ پر بھی صورتِ حال اطمینان بخش نہیں ہے۔'' فرینک نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' جینی کی نیند کا خمار تحلیل ہو گیا۔

''پتا نہیں کون فرشتے جان کو آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی تین عدد سفر کر رہے ہیں۔ سفر کیا... ہماری نگرانی کر رہے ہیں؟''

''کون تین؟'' جینی سٹپٹا گئی۔ وہ تو یہ سوچ کر سکون سے سوگئی تھی کہ وبال سے جان چھوٹ چکی ہے۔

''خبردار، اِدھر اُدھر مت دیکھنا۔ ایسے ہی بیٹھی رہو۔'' فرینک نے دھیمے سے کہا۔ ''آٹھ نشستوں کے فاصلے پر دو فرشتے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ایک سرخ بالوں والا ہے، گرے بزنس سوٹ میں۔ دوسرے کا ملبوس گہرا نیلا ہے اور چشمہ لگایا ہوا ہے۔ تیسری سنہرے بالوں والی عورت ہے، لباس چارکول ٹو پیس میں ہے۔ عقبی سمت میں درجن بھر نشستیں چھوڑ کر رو نمبر چھتیس میں موجود ہے۔''

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟'' جینی نے سوال کیا۔

''دو یہاں سے گزرے تھے جب تم خوابِ غفلت میں تھیں۔ بظاہر وہ دونوں معصوم دکھائی دے رہے تھے۔ میری ایک پر نظر پڑی تھی۔ اس نے عام سے انداز میں تمہیں دیکھا تھا۔ تاہم مجھ سے چھپ نہ سکا کہ وہ تصدیق کے لیے تمہیں دیکھ رہا تھا لیکن گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ کم از کم جب تک ہوا کے دوش پر ہیں، خطرے کی کوئی بات نہیں۔

''تم سامنے واش روم کی طرف جاؤ لیکن ان دونوں سے نگاہیں چار مت کرنا... واپسی میں عقبی سمت اسٹیورڈس کے پاس ڈرنک کے بہانے جاؤ گی تو وہ عورت بھی نظر آجائے گی... بے فکری کا انداز اپنائے رکھنا۔'' فرینک نے بات ختم کی۔

جینی نے من وعن فرینک کی ہدایات پر عمل کیا۔ واش روم سے ہو کر وہ عقبی سمت میں گئی۔ سنہرے بالوں والی

عورت کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ جینی نے آنکھ کے کونے سے دیکھ لیا کہ اس نے لمحہ بھر کے لیے میگزین سے نظر اٹھائی تھی۔ جینی پانی کا گلاس لے کر واپس آگئی۔

''اب ان سے کیسے جان چھڑائیں؟'' اس نے فرینک سے استفسار کیا۔

''ایک آئیڈیا ہے۔'' فرینک نے کال بٹن دبایا۔ ایک اسٹیورڈ ان کے پاس آگیا۔

''جناب؟'' وہ مسکرایا۔

''آن بورڈ سیٹلائٹ فون سسٹم ہے؟''

''جی ہاں، لیکن صرف فرسٹ کلاس میں۔''

''برائے مہربانی میری راہنمائی کریں۔ یہ ایک ذاتی ایمرجنسی ہے۔''

☆☆☆

سامان تو لینا نہیں تھا۔ لہٰذا جینی اور فرینک امیگریشن کی قطار میں سب سے آگے تھے۔ پاسپورٹ کی پڑتال کے بعد وہ کسٹم کی جانب بڑھے۔ آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ معاً فرینک نے جینی کا رخ ریسٹ روم کی طرف کر دیا۔

''یہاں رکو اور ایسے اداکاری کرو کہ بیگ میں کچھ ڈھونڈ رہی ہو۔''

''تم کیا کرنے چلے ہو؟''

''بھروسا رکھو... ڈوواٹ وھاٹ آئی سے۔''

جینی نے بیگ کھولا۔ اس کے بائیں ہاتھ پر ٹھوس فولادی دروازہ تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا دو مسلح پولیس والے دائیں جانب کھڑے تھے۔ پھر اس کی نگاہ ستون کے قریب، تین مسافروں پر پڑی۔ جینی نے فی الفور نگاہ ہٹالی۔ وہ تینوں وہی تھے جن کی فلائٹ پر نشاندہی فرینک نے کی تھی۔ جینی کو بے کلی کا احساس ہوا۔ فرینک کیا کرسکتا ہے؟

فرینک نے سیل فون پر نمبر پنچ کیے۔ ''مارٹی، تم کہاں مر گئے؟ مصیبت سر پر ہے۔'' کچھ سن کر اس نے فون بند کر دیا۔ جینی ہراساں تھی۔ فولادی دروازے سے تو وہ گزر نہیں سکتے تھے۔

اچانک ایک اجنبی آواز سنائی دی اور جینی کے دل نے چھلانگ لگائی۔ فولادی دروازہ اندر سے دفعتاً کھل گیا تھا۔ وہاں ایک بھاری بھرکم آدمی نظر آیا جس کی مونچھیں خوب گھنی تھیں۔ اس نے آفیشل یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ سر پر کیپ اور ہاتھ میں کلپ بورڈ تھا۔ فوٹو آئی ڈی چین کے ساتھ گردن میں جھول رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' فرینک بڑبڑایا۔

''حتی الامکان تیزی سے پہنچا ہوں۔'' مارٹی نے جواب دیا۔ ''چلو جلدی کرو۔'' وہ برانکس لہجہ میں بات کر رہا تھا۔

دونوں دروازے سے گزر گئے۔ جینی نے شانے پر عقب میں نگاہ دوڑائی۔ ستون کے پاس کھڑے تینوں مسافر تیزی سے ادھر ہی آرہے تھے۔

تاہم اتنی دیر میں دروازہ واپس بند ہو چکا تھا۔ چند سیکنڈ کا فرق رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ تینوں نہیں تو ایک آدھ اندر گھس ہی آتا۔ فرینک بھی تاڑ گیا تھا اور ٹانگ چلانے کے لیے تیار تھا۔

فولادی دروازے سے گزر کر وہ تینوں ایک کوریڈور میں آگے بڑھ رہے تھے۔

''مارٹی کا تعلق ائرپورٹ سیکیورٹی سے ہے۔'' فرینک نے تعارف کرایا پھر اس نے جینفر کا نام بتایا۔

''کون کتے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟'' مارٹی نے پوچھا۔

''لمبی کہانی ہے۔ کار کا کیا ہوا؟''

مارٹی نے چابیاں نکال کر فرینک کو پکڑائیں۔

''ایلیویٹر سے نکل کر لیول فور پر آنا۔ لاٹ تھری میں نیلے رنگ کی شیوی امپالا کھڑی ہوگی۔ خیال رکھنا، گاڑی کئی ٹکڑوں میں واپس نہ ملے... ابھی دو سال کی قسطیں ادا کرنی ہیں۔''

''وعدہ رہا۔'' فرینک نے اسے اطمینان دلایا۔

☆☆☆

چارٹرڈ ''گلف اسٹریم''، ائرفرانس 747 کے پیچھے تیس منٹ بعد فضا سے زمین پر آیا۔ سب سے پہلے جیک نے باہر قدم رکھا۔

انہوں نے چاروں سمت دوڑ لگائی اور سیل فون نے دھن بجائی۔ فون جیک نے کان سے لگایا۔ ''وھاٹ؟'' اس کی آواز میں غصہ ابل رہا تھا۔ ''کیا بکواس ہے... ہر ایگزٹ کی نگرانی ہو رہی تھی... تین ایجنٹ ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ لعنت ہے تم لوگوں پر۔ تلاش کرو، ورنہ دوسرے تمہیں تلاش کرتے رہ جائیں گے۔'' جیک اچھا خاصا مشتعل دکھائی دے رہا تھا۔

''اب کیا افتاد آن پڑی؟'' مارک نے زہرخند سے کہا۔

''وہ دھوکا دے کر نکل گئے۔'' جیک نے اکھڑی

آواز میں کہا۔

"وہ تو مجھے پتا تھا۔" مارک کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا۔

"زندہ باد سی آئی اے۔۔۔ میرا مشورہ ہے کہ ان کو اور اپنے "نامعلوم" مشن کو بھول کر آرام کرنا چاہیے۔" مارک نے مکمل کر مذاق اڑایا۔

جیک نے بمشکل خود کو جواب دینے سے باز رکھا۔ اس کے پاس جواب بھی کیا تھا۔ وہ خفت کا شکار تھا۔

☆☆☆

مارٹی، دروازے سے ان دونوں کو جاتا دیکھ رہا تھا۔ بعد ازاں اس نے یونیفارم اور کیپ اتار کر "گاربیج بن" کی نذر کی اور سیل فون نکالا۔

"وہ دونوں نیلے رنگ کی شیوی امپالا میں ہیں۔" مارٹی کا انداز لہجہ بدل گیا تھا۔

"ہونہہ۔" دوسری جانب سے محض ایک لفظ سنائی دیا۔

"اسکرپٹ کے مطابق کام جاری ہے۔" اس نے مزید بتایا۔ "وہ دہرے جال میں پھنس گئی ہے۔ میں اور ٹیک اسکرپٹ کے مطابق جا رہے ہیں۔ کام ختم سمجھو۔" مارٹی نامی شخص نے مزید کہا۔

"پرفیکٹ، فنش دی جاب۔"

☆☆☆

گاردا، لانگ آئی لینڈ میں فرینک میکال کے گھر پر تھا۔ یہ ایک پُرامن اور خاموش مقام تھا۔ مکھن کے رنگ والا فرینک کا گھر "بانڑ" نے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ کار لاک کر کے اس نے صحن میں قدم رکھا۔ آس پاس اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ گاردا نے دروازے کی گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔۔۔ کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ اس نے دو تین بار دستک دی، وہی خاموشی۔

گاردا نے والٹ نکالا جس میں ایک ملٹی پل پین نائف تھا، تین بلیڈ تھے، ایک تار کی طرح پتلا تھا۔۔۔ معمولی کوشش کے بعد وہ پولیس سے "برگلر" بن چکا تھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ ہال وے سے گزر کر وہ لاؤنج میں آیا اور دیواروں پر بجی تصاویر دیکھتا ہوا سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلی منزل کے کمروں سے آغاز کیا جائے۔ اوپر آ کے ابھی وہ پہلے کمرے کا دروازہ کھولنے جا رہا تھا جب اس کی سماعت سے مدھم آواز ٹکرائی۔ آواز نیچے، ہال وے سے ابھری تھی۔

وہ تھم گیا۔ دوسری بار آواز سیڑھیوں پر سے آئی۔ یہ قدموں کی آہٹ تھی۔ گاردا نے گلوک نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ گلوک سنبھال کر اس نے اسٹیئرز کا رخ کیا۔

ایک درمیانی عمر کا فارغ البال (گنجا) آدمی سیڑھیوں سے اوپر آ رہا تھا۔

"دوست، وہیں رک جاؤ۔" گاردا نے حکم جاری کیا۔ اس آدمی نے گن کی جھلک دیکھتے ہی چند قدم پسپائی اختیار کی۔ "پولیس" گاردا نے بیج نکالا۔ "یہاں کیا کر رہے ہو؟"

بیج دیکھ کر اجنبی کے چہرے سے خوف کا سایہ ہٹ گیا۔

"آفیسر! یہی سوال میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرا نام نورس ہے۔ میں سڑک کی دوسری جانب قیام پذیر ہوں۔ فرینک اور میں اچھے پڑوسی ہیں۔ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا ضروری خیال کیا کہ صورتِ حال کا جائزہ لوں۔"

"سن کر خوشی ہوئی، مسٹر نورس۔" گاردا نے گلوک نیچے کر لیا۔ "یہ فرینک کی رہائش گاہ ہے، ٹھیک؟"

"شیور، فرینک کی غیر موجودگی میں، میں خیال رکھتا ہوں۔" وہ بولا۔

"بات اچھی ہے۔ تم نے آخری بار فرینک کو کب دیکھا تھا؟"

"کچھ روز پہلے۔ اسے اپنے بیٹے کے لیے ملک سے باہر جانا تھا۔ اس کا بیٹا چک میکال مارا گیا تھا۔ یو نو۔"

"ہاں، میں نے سنا تھا۔ افسوس ناک خبر تھی۔" گاردا نے کہا۔ "کیا تم ٹھیک ٹھیک بتا سکتے ہو کہ فرینک کس وقت یا کس دن نکلا تھا؟"

"اتوار کی دوپہر اسے زیورچ کے لیے پرواز کرنی تھی۔ وہ کافی نڈھال تھا۔ وہ خبر ہی ایسی تھی۔ چند آدمی اس کے سہارے کے لیے آئے تھے ور اسے ائرپورٹ تک پہنچایا تھا۔"

گاردا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "تم نے کہا اتوار کی دوپہر۔ آر یو شیور؟"

"اس میں مغالطے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟" نورس نے سوال کیا۔

گاردا کی پیشانی اب تک ناہموار تھی۔ اس نے نورس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔ "اسے کون ائرپورٹ لے گیا تھا؟"

"سیاہ سیڈان میں دو آدمی تھے۔ میں نے پہلے انہیں

کبھی نہیں دیکھا۔'' نورس کی آنکھوں میں شک کا سایہ لہرایا۔
''اگر تم برا نہ مانو آفیسر تو میں جاننا چاہوں گا کہ تم اندر کیسے آگئے؟''
''کوئی جواب نہیں آ رہا تھا اور دروازہ کھلا ملا تھا۔''
''عجیب بات ہے۔ میں نے کل ہی لاک چیک کیا تھا۔'' آفیسر، نام...'' نورس کی بات ادھوری رہ گئی۔
''ڈیٹیکٹو اسمتھ۔'' گاردا نے سیڑھیاں اترنا شروع دیں۔

☆☆☆

مارک JFK ائرائیول ٹرمینل کے باہر کھڑا جیک کو دیکھ رہا تھا۔ جیک تین افراد سے الجھ رہا تھا، ان میں ایک عورت تھی۔ جیک کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خاصا برافروختہ ہے... ان سے جدا ہو کر اس نے احکامات جاری کرنے شروع کیے۔ گراہم اور فیلوز کو اس نے پارکنگ لائنس کی جانب روانہ کیا۔ جن پر وہ برس رہا تھا، تینوں کو ٹرمینل کی جانب بھیجا تھا۔ ''میں خود'' کار ہائر'' اور لیمو (لیموزین) ڈیسک کو دیکھوں گا۔ وقت نہیں ضائع کریں گے بلکہ پندرہ منٹ بعد یہیں ملیں گے۔
پھر اس نے مارک کو مخاطب کیا۔ ''بارز، ریسٹورنٹس اور ریسٹ رومز پر نظر ڈالو۔ پندرہ منٹ بعد واپس آجانا۔''
مارک بیزاری کے ساتھ ایسکلیٹر کی جانب چلا گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی، جیک پر لعنت بھیجی اور ادھر اُدھر گھوم پھر کر پے فون پر آ گیا۔ وہ گاردا کا نمبر ملا رہا تھا۔
دوسری رِنگ پر گاردا کا جواب آیا۔ ''کہاں غائب ہو، مارک؟''
''میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ JFK پر ہوں۔ میرے پاس دس پندرہ منٹ ہیں۔ جلدی بتاؤ کیا پروگریس رہی؟''
''تمہاری خواہش کے مطابق میں نے کام شروع کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لیکن کچھ کچھ مشکوک حقائق بھی ہیں۔'' گاردا نے کہا۔
''کیا مطلب؟''
''فرینک کے پڑوسی نے بتایا ہے کہ وہ اتوار کے روز روانہ ہوا تھا۔ اسے دو آدمی سیاہ بیوک سیڈان میں ائرپورٹ لے گئے تھے۔ اس کا مطلب فرینک کو حد سے حد پیر کے روز صبح سوئٹزرلینڈ پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن ریکارڈ کے مطابق وہ منگل کے روز وہاں اترا تھا۔ پورا ایک دن درمیان سے غائب ہے۔''
''سن رہا ہوں۔'' مارک نے کہا۔
''فرینک کے دفتر والی عمارت سے معلوم ہوا تھا کہ اس نے زیورچ کے لیے ڈائریکٹ فلائٹ ہفتے کی شام ہی بک کرلی تھی۔ JFK کی بکنگ چیک کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ اتوار کو روانگی سے ایک گھنٹے قبل وہ بکنگ کینسل کردی گئی تھی پھر اسے رات میں دوبارہ ''ری بک'' کیا گیا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہو رہی ہے۔'' گاردا نے بات ختم کی۔
''ہاں، بات تو مشکوک ہے، اور کچھ؟'' مارک کی نظر گراہم پر پڑی۔ اس نے آڑ بڑھائی۔
''نہیں اور کچھ نہیں۔ آخر ہو کیا رہا ہے؟''
''جلد بتاؤں گا۔ اس وقت مزید بات جاری رکھنا ممکن نہیں۔'' مارک نے جواب سنے بغیر فون رکھ دیا۔
مارک کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیر کے بجائے منگل کو سوئٹزرلینڈ پہنچا؟ اسے ائرپورٹ کون لے کر گیا؟ بکنگ کس نے کینسل کی وغیرہ...

☆☆☆

انہیں ڈرائیو کرتے ہوئے نصف گھنٹا بیت گیا تھا۔ جینی بار بار مڑ کر عقب میں دیکھتی۔ تاہم ہیوی ٹریفک میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ کوئی تعاقب میں ہے یا نہیں۔
''جینفر، پریشان مت ہو۔ ہم انہیں چکما دے چکے ہیں۔'' فرینک نے ڈرائیو کرتے ہوئے جینی کو اطمینان دلایا۔ جینی کو امید تھی کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔
''ہم اس راستے پر کیوں جا رہے ہیں؟'' جینی نے سوال کیا۔
''اس راستے سے ہم ''لانگ بیچ'' نسبتاً جلدی پہنچ جائیں گے۔''
''فرینک! میں پہلے بابی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر ہم وہ ذیلی سڑک پکڑیں تو صرف دس منٹ میں کلاڈویل، بابی تک پہنچ جائیں گے۔'' جینی نے بتایا۔
''او کے۔'' فرینک نے کار روک دی۔ ''تب تک میں ایک کال کرلوں۔''
جینی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور فرینک اتر کر پسنجر سیٹ پر آ گیا۔ اس نے گلو کمپارٹمنٹ کھولا۔ جینی کی نگاہ پڑی۔ وہاں ایک سیل فون کے ساتھ آٹومیٹک پسٹل بھی رکھا تھا۔ فرینک نے پسٹل نکال کر گود میں رکھ لیا اور سیل فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔
جینی پسٹل کو گھور رہی تھی۔ ''پسٹل وہاں کس نے رکھا؟''

"اپنا منہ بند رکھو اور مجھے بات کرنے دو۔"

جینی کو کرنٹ سا لگا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"میں ہوں۔ کوو اینڈ کی جانب جا رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں وہیں ملو۔" اس نے مبہم بات کر کے فون بند کر دیا۔

"گاڑی اسٹارٹ کرو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

جینی سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"فرینک، فرینک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

فرینک نے پسٹل اٹھا لیا۔ "اور مجھے فرینک کہنا بند کرو جیسا کہہ رہا ہوں، ویسے ہی کرو۔ لانگ بیچ کی طرف چلو۔"

☆☆☆

مارک نے دیکھا کہ جیک سیل فون پر بات کر رہا تھا اور فیلوز سیاہ رنگ کی لیموزین کو سائڈ واک کے ساتھ لگا رہا تھا۔

مارک کو دیکھ کر اس نے فون بند کر دیا۔

"گاڑی میں آجاؤ، باقی لوگ تلاش جاری رکھیں گے۔ شاید چانس لگ جائے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم نے فرینک کی اصلیت چیک کر لی تھی؟" مارک نے مشکوک نظروں سے جیک کو دیکھا۔

"ہاں، تو کیا ہوا؟"

"میری تفتیش کے مطابق تم نے جھوٹ بولا تھا جیک، یا پھر کوئی سنجیدہ غلطی کی تھی۔" اس لمحے گراہم بھی گاڑی کی جانب آتا دکھائی دیا۔ جیک نے کہا۔

"اس وقت، ہم اس موضوع پر بات نہیں کر سکتے۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو اندر آجاؤ۔"

مارک کی کھوپڑی چیخ گئی۔ "میں کہیں نہیں جا رہا جب تک مجھے سچ نہ معلوم ہو جائے۔" وہ چیخنے لگا۔ "اسی وقت سچ بتاؤ۔ سی آئی اے کس چکر میں ہے، کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟" راہ گیر گاڑی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

فیلوز نے لپک کر مارک کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مارک نے بازو موڑ کر کہنی کی ضرب فیلوز کے جبڑے پر لگائی۔ اس نے کراہ کر اپنا ہاتھ ہٹایا۔ اسی وقت گراہم پہنچ گیا۔ اس نے آرم لاک لگا کر مارک کو گاڑی میں دھکیلا۔۔۔ جیک نے تماشائیوں کو اپنی آئی ڈی دکھائی۔

"پولیس، یہ آدمی ہماری تحویل میں ہے۔" جیک نے دروازہ بند کیا اور ایک گھونسا مارک کے چہرے پر رسید کیا۔

"ایڈیٹ، یہ پبلک میں شور مچانے کے لیے تھا۔"

فیلوز نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر کے لیمو (لیموزین) آگے بڑھا دی۔

"کہاں لے جا رہے ہو؟" مارک کی آواز تپ رہی تھی۔

"گراہم نے تمہیں پے فون پر بات کرتے دیکھا تھا، مارک۔" جیک نے بتایا۔ "بہتر ہے کہ جلدی سے بتا دو، تم کس سے بات کر رہے تھے؟"

"تم مجھے اغوا کر کے قانون شکنی کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"اس وقت میں ہی قانون ہوں۔ اب سوال کا جواب دو۔" جیک کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

"میرا ایک دوست تھا جو فرینک کے بارے میں معلومات کر رہا تھا۔۔ اس نے بتایا ہے کہ فرینک نے اتوار کو فلائی کرنا تھا۔ دو آدمی سیاہ بیوک میں اسے ائرپورٹ لے گئے تھے۔ ایک گھنٹا پہلے بکنگ کینسل کی گئی۔ رات میں پھر ری بکنگ کرائی گئی اور وہ اتوار کے بجائے پیر کو نکلا۔۔ کیا مطلب ہوا اس کا؟"

جیک کشیدگی کا شکار نظر آیا۔ اس نے ایک لفافہ نکال کر فوٹو برآمد کیا اور گاڑی کی اندرونی لائٹ آن کی۔

"یہ تصویر دیکھو۔" اس نے فوٹو مارک کے حوالے کیا۔

فوٹو کچھ دھندلا تھا۔ مارک نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"کیا یہی فرینک ہے؟ جسے اٹلی میں HQ بلڈنگ کی تباہی سے ذرا پہلے تم نے جینیفر کے ساتھ دیکھا تھا؟"

"یہ تم پہلے بھی دکھا چکے ہو۔" مارک نے فوٹو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "فوٹو دھندلا ہے۔ لیکن بظاہر ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" مارک نے جواب دیا۔ "ہیئر اسٹائل اور ہیئر کلر بھی۔"

جیک نے نفی میں سر ہلایا۔ "مارک، یہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔ ہیئر کٹ بدلنا معمولی بات ہے اور ہیئر ڈرائی کی کوئی بھی سستی بوتل بالوں کا رنگ بدل سکتی ہے۔ اب میں سمجھا کہ ویزن ہارن پر جینیفر کو جو خطرناک حادثہ پیش آیا تھا، وہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ یعنی فرینک میکال وہ نہیں ہے، جو ہم سمجھ رہے ہیں۔" جیک نے تشریح کی۔

مارک کے چہرے پر زردی نظر آئی۔ "لیکن تم نے کہا تھا کہ فرینک کا پس منظر چیک کیا گیا تھا؟"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کیا تمہارے دوست نے نہیں بتایا کہ فرینک میکال، چک میکال کا باپ ہے اور وہ

پرائیویٹ ڈیفکٹو ہے، وغیرہ وغیرہ۔ وہ بیٹے کی وجہ سے سوئٹزرلینڈ گیا۔''
''یہی بیک گراؤنڈ ہم نے بھی چیک کیا تھا۔ اگر دال میں کچھ اور کالا ہے تو سو فیصد تصدیق کے لیے فرینک تک پہنچنا ہوگا۔''
''اگر وہ فرینک نہیں ہے تو پھر کون ہے۔ نیز اصلی فرینک کہاں ہے؟'' مارک کی آواز میں الجھن تھی۔ ''کیا تمہاری پچھلی بات ٹھیک ہو سکتی ہے کہ وہ موسکایا کا آدمی ہے؟''

☆☆☆

''تم کون ہو؟'' جینی ہائی وے پر لانگ آئی لینڈ کی طرف جارہی تھی۔ آسمان سے برف کی باریک تہ اتر رہی تھی۔ وائپرز آن تھے۔
''میرا نام نک اسٹاوز ہے۔ میں سی آئی اے کے لیے کام کرتا ہوں۔''
جینی اسے گھور کے رہ گئی۔
''اصلی فرینک کہاں ہے؟''
''نیویارک سے باہر ''سیف ہاؤس'' میں۔''
''تم نے اس کی جگہ کیوں لی؟''
نک نے پسٹل واپس جیب میں رکھ لیا۔ ''تاکہ میں تمہارے قریب رہتے ہوئے ان لوگوں سے تمہاری حفاظت کرسکوں جو تمہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔''
''مجھے کون ہلاک کرنا چاہتا ہے؟''
''اس آدمی کا نام جیک گیلسو ہے۔''
جینی نے یادداشت کو کریدا۔
''اس نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ تمہارے باپ کا دوست ہے۔'' نک اسٹاوز نے وضاحت کی۔
جینی کا بدن چند لمحے کے لیے سن ہوگیا۔ اسے جیک کا نام اور حلیہ یاد آگیا۔ وہ دو سال قبل قاتل رات کی واردات کے بعد جینی سے ملنے اسپتال آیا تھا۔ جینی کو سب یاد آگیا۔ جیک کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ پال مارچ کے دوست کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً ملتا رہا۔ پھر بددل ہو کر آہستہ آہستہ غائب ہوگیا۔
نک اسٹاوز دوبارہ گویا ہوا۔ ''جیک بھی سی آئی اے کا آدمی ہے۔ چند سال قبل اس نے ایک خفیہ آپریشن شروع کیا تھا جس کا کوڈ نیم ''اسپائڈر ویب'' رکھا گیا۔ آپریشن کا ٹارگٹ ''پرائم انٹرنیشنل سیکورٹیز'' نامی بینک تھا۔''
جینی ایک بار پھر چونک پڑی۔ یادداشت کے نہاں خانوں سے ''اسپائڈر ویب'' کا نام ابھر کر شعور کی سطح پر آگیا۔ اس نے باپ کی اسٹڈی روم میں سیکیورٹی باکس کے ساتھ زرد رنگ کا نوٹ پیڈ دیکھا تھا۔ اس پر کچھ لکھا تھا۔ جینی ''اسپائڈر ویب'' کے الفاظ ہی پڑھ پائی تھی۔ اس نے ڈسک بھی دیکھی تھی اور نقرئی کنجی بھی۔
وہ چاندی کی کنجی اب بھی اس کے پاس تھی۔ تاہم اسے نہیں معلوم تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے وکٹر کے دفتر (HQ بلڈنگ) میں جینی نے بے خیالی میں وہ کنجی اپنے بیگ میں رکھ لی تھی۔ کیا فرینک/نک نے دیکھ لیا تھا؟ خیالات سے باہر آکر اس نے نک سے سوال کیا۔ ''لیکن کیوں؟''
''پرائم کمپنی کو آف شور کمپنی کنٹرول کرتی تھی۔ آف شور کمپنی کو ایک اور کمپنی اون کرتی تھی۔ یہ کھیل رشین مافیا کے موسکایا کلین (CLAN) کے زیرِ سایہ کھیلا جارہا تھا۔ غیر قانونی آف شور اکاؤنٹس کے ذریعے موسکایا کی دولت کا بیشتر حصہ امریکا میں انویسٹ کیا جارہا تھا۔ ''اسپائڈر ویب'' کا مقصد اس کاروبار کو مستقل بنیادوں پر بند کرنا تھا۔
''بالفاظ دیگر پرائم انٹرنیشنل کو رشین مافیا اون کرتی تھی؟''
نک نے سر ہلایا۔ ''ڈرٹی منی کو دھونے (لانڈرنگ) کے لیے وہ پرائم انٹرنیشنل کو استعمال کرتے تھے۔ پال مارچ اس کھیل سے بے خبر تھا پھر جیک سامنے آیا اور اس نے پال کو قائل کیا کہ پرائم انٹرنیشنل کے اصل مالکان کو گھٹنوں پر گرانے میں مدد کی جائے۔ اس کے لیے پیپر ایوی ڈینس کی ضرورت تھی۔''
اگلے ایک دو میل تک نک نے جینفر کو بتایا کہ جیک نے کس طرح پال کے ماضی کو استعمال کرتے ہوئے اسے دوبارہ ایک خطرناک کھیل میں اس وقت الجھا دیا جب وہ اپنا ماضی بہت پیچھے چھوڑ کر ایک نئی باعزت زندگی شروع کرچکا تھا۔
جینی کا ذہن لٹو کی طرح چکرا رہا تھا۔ وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کررہی تھی۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔ بالآخر اسے اپنے باپ کی ساکھ کے بارے میں ایک مضبوط شہادت مل گئی تھی۔
''لیکن وہ سوئٹزرلینڈ میں کیا کررہے تھے؟''
انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ پرائم کو استعمال کرتے ہوئے زیورچ بینک سے پچاس ملین کی مالیت کے مساوی دولت کارل لازار نامی شخص کے سپرد کردی جائے۔ لازار، موسکایا کا گینگسٹر تھا۔ پال مارچ سی آئی اے (جیک) کی

مدد کر رہا تھا۔ لازار والی ڈیل سامنے آئی تو جیک کی نیت خراب ہوگئی۔ وہ پال کی مدد سے موسکایا کے خلاف جال بُن رہا تھا۔ اس نے ڈبو کے اور غداری کا دوسرا جال پھینکا۔''

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' جینی نے پوچھا۔

''جیک اور سی آئی اے میں اس کے چند کرپٹ ساتھیوں نے مل کر لازار سے ڈیل کرلی... ٹارگٹ پچاس ملین کی دولت تھی... پال بے خبر تھا۔ اتنا لمبا ہاتھ مارنے کے لیے پال مارچ کو پھنسانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ پال کو مار کر اس کی لاش سے چھٹکارا پانا تھا تاکہ یوں معلوم ہو کہ وہ لازار کو جھانسا دے کر دولت لے کر غائب ہوگیا۔

''ایسا کیوں، وہ تو سی آئی اے کی مدد کر رہے تھے؟''

''لالچ، طمع... خالصتاً ہوسِ زر۔ منصوبے کی کامیابی کے بعد شریکِ جرم گروپ کی قسمت پلٹ جاتی۔ لازار کنٹن پوائنٹ پر پال کروبیزن ہارن پر لے گیا۔ بہت سی اگلی باتیں شاید تم وولگل سے معلوم کر چکی ہو۔ لازار کا منصوبہ تھا کہ وولگل برادرز اور پال کو قتل کر کے کسی گہری برفانی دراڑ کے سپرد کر کے نکل جائے اور بعد میں ''جیک گروپ'' کے ساتھ دولت شیئر کرلے لیکن عین وقت پر تمام ہوشیاریاں دھری رہ گئیں۔ برفانی طوفان نے سارا منصوبہ خاک... میرا مطلب ہے برف میں ملا دیا۔''

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم نے مجھے ان تمام مرحلوں سے کیوں گزارا؟'' جینی نے منطقی سوال کیا۔

''سی آئی اے کے احکامات تھے۔ تمہیں جتنا کم علم ہوتا، اتنا ہی اچھا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک ڈسک نہ مل جائے اور جیک بے نقاب ہو جائے۔ ہمیں جیک کی ٹیم کو بھی اندھیرے میں رکھنا تھا کہ ہم ان کی اصلیت سے واقف ہیں۔ کیونکہ اس بات کا بھاری امکان تھا کہ وہ جان جاتے کہ فرینک میکال، جینفر کے ساتھ ہے، ''فرینک'' ناٹ نِک''...

''تم ''ہم'' کا استعمال کر رہے ہو؟''

''ظاہر ہے کہ میں بھی اس پیچیدہ سازش کے تار و پود بکھیرنے کے لیے اکیلا نہیں تھا۔ مارٹی سے تو تم مل چکی ہو۔''

''تم ڈسک کی بات کر رہے تھے؟ کیسی ڈسک؟'' جینی نے الجھنے پن سے سوال کیا۔

''وکٹر کے مرڈر کے بعد جب ہم پولیس کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔ راستے میں تم نے ''برگ ہٹ'' اور چرچ کے بارے میں بتایا تھا۔ نیز اپنے ماضی کے بارے میں، میرے پوچھنے پر بہت سی باتیں بتائی تھیں۔

وہیں تم نے ایک سیکیورٹی باکس کا ذکر کیا تھا، جو تم نے اپنے والد کی اسٹڈی میں دیکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ ڈسک سیکیورٹی باکس میں ہے پھر نک نے مختصراً اسے بتایا کہ ڈسک میں کیا ہے اور اس سے موسکایا کے خلاف کیا کام لیا جا سکتا ہے۔'' نک نے اپنی کہانی میں مزید اضافہ کیا۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' جینی بولی۔ ''لیکن میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ جب اسپتال سے فارغ ہو کر میں گھر پہنچی تو ایک روز میں نے تلاشی لی تھی اور مجھے وہاں کچھ نہیں ملا تھا۔''

''تمہاری اور میری تلاش میں فرق ہے۔ اتنی اودھم بازی اور خون خرابے کے بعد ہمیں یہ چانس تو لینا چاہیے۔''

جینی کا ذہن ایک الجھی ہوئی گتھی بن چکا تھا۔ بات کہاں سے نکلی اور الجھتی، سلجھتی... سلجھ کے الجھتی کہاں آن پہنچی۔ نئے نئے انکشافات، نت نئے سوالات، ناقابلِ یقین، ناقابلِ قیاس۔ وہ پھر خالی ہاتھ نیویارک میں موجود تھی۔

''میری ماں کا قاتل کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جیک۔''

''وہاٹ؟'' جینی کا منہ کھل گیا۔

''سامنے دیکھو۔ جیک کا مقصد تھا کہ اسے ایک اندرونی ٹریجڈی سمجھا جائے اور فریم میں پال کو ملزم کے طور پرفٹ کیا جائے۔ پال کے لیے ایسا ہی منصوبہ اس نے لازار کے ساتھ مل کر ویزن ہارن گلیشیئر پر بنایا تھا۔''

''اور... اور... میرے والد؟''

''یہ بات تقریباً یقینی ہے۔'' نک چپ ہوگیا۔

''کہ... کہ ویزن ہارن پر اس رات برفانی طوفان سے صرف وولگل بچ کر نکلا تھا۔ پال کی باڈی اب بھی کہیں گلیشیئر کی آغوش میں ہوگی۔ تمہیں حقائق کا سامنا کرنا چاہیے۔''

''لیکن کوئی اور بھی زندہ بچ گیا تھا۔ جو... جو کراؤن آف تھارن، فادر کے پاس پہنچا تھا۔''

''کیا کہہ سکتے ہیں۔ وہاں پہنچنے والا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔''

''نہیں، وہ میرے والد تھے۔ ان کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟'' رنج و غم کی تند لہر نے اسے بے حال کر دیا۔ اس نے گاڑی روک کر سر اسٹیئرنگ وھیل پر رکھ دیا۔ سسکیوں کے ساتھ اس کا جسم واضح انداز میں لرز رہا تھا۔

نک نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''مجھے دکھ ہے... میرا یقین کرو جینفر۔''

''میں نہیں جانتی، کیا یقین کروں، کیا نہ کروں۔''
جینی نے آنکھیں صاف کیں۔
نک نے والٹ سے آئی ڈی نکال کر سی آئی اے کا ''لوگو'' جینی کو دکھایا۔ اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا اور فوٹو بھی ابھرا نظر آرہا تھا۔
''تم اپ سیٹ ہو۔'' اس نے آئی ڈی اور والٹ جیب میں رکھ لیا۔ میں ڈرائیو کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں کہ جیک اور مارک رائن کس چکر میں ہیں؟''
''مارک؟ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جینی کی سانس رک گئی۔

☆☆☆

لیموزین کا رخ مین ہٹن کی جانب تھا۔ بارش جاری تھی۔ بارش کیا، برفاب تھا جو گاڑی کی چھت کو کوٹ رہا تھا۔
جیک نے نشست میں خود کو ترچھا کیا۔ ''فیلوز، گاڑی روکو۔''
فیلوز نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔ جیک کے ہاتھ میں پسٹل تھا۔ اس نے سائلنسر لگایا اور پسٹل کا رخ مارک کی جانب کر دیا۔
''کیا کر رہے ہو؟'' مارک بوکھلا گیا۔
عقبی نشست پر گراہم بھی بے چین نظر آرہا تھا۔
جیک نے یکلخت رخ بدلا۔ گلوک سے کھانسی کی آواز نکلی۔ گولی گراہم کے سینے پر لگی اور وہ نشست پر لڑھک گیا۔ فیلوز نے گردن گھمائی، اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ تاہم مارک کا ذہن صاف تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اظہارِ حیرت کا وقت نہیں ہے۔ گلوک دوسری بار کھانسا۔ فیلوز کی الجھن معدوم ہوگئی۔ گولی اس کے سر میں جا گھسی اور وہ اسٹیئرنگ پر اوندھا ہو گیا۔
مارک، جیک پر جھپٹا۔ جیک کو یہ سبقت حاصل تھی کہ وہ پہلے ہی ذہنی طور پر فیصلہ کر چکا تھا۔ مارک کامیاب نہ ہو سکا۔
''ہیرو مت بنو، ابھی تمہارا وقت نہیں آیا۔'' جیک نے پہلو بدل کر مارک کا جھپٹ کو ضائع کیا اور گلوک اس کے سینے کی جانب پھر دیا۔
''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔'' مارک نے اسے گھور کر دیکھا۔
جیک نے گراہم کی لاش کو نشست پر سے نیچے گرایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
''باہر نکلو۔'' اس نے مارک کے لیے حکم صادر کیا۔
''فیلوز کو پیچھے گراہم کے ساتھ ڈال دو۔''
مارک نے اس کی ہدایت کے مطابق حرکت کی۔
جیک نے عقبی دروازہ بند کر دیا۔ ''سیٹ سنبھالو اور ڈرائیو کرو۔'' اس نے مارک کو دوسرا حکم دیا۔
تادیر متواتر الجھتے الجھتے بالآخر گتھی نے سلجھنے کا آغاز کر دیا تھا۔

☆☆☆

نک، لانگ بیچ کی جانب رواں دواں تھا۔ بارش ونڈ اسکرین پر چابک کی طرح برس رہی تھی۔ برسات طوفان میں تبدیل ہو رہی تھی۔
''تم نے ٹھیک دیکھا تھا۔ ٹیورن میں اوپل کے ساتھ مارک ہی تھا۔ وہ اور جیک تمہارا پیچھا کر رہے تھے۔'' نک نے لب کشائی کی۔ ''تمہارے سوئٹزرلینڈ میں اترتے ہی وہ لوگ تمہارے تعاقب میں مصروف ہو گئے تھے۔''
جینی کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر سڑک پر دے مارا ہو۔
''کک... کیوں؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔
''جیک چاہتا تھا کہ کوئی تم پر نظر رکھے تاکہ کوئی کلیو تمہارے ہاتھ لگے تو اسے پتا چل سکے۔ شاید وہ یہ چاہتا تھا کہ مارک تمہاری نظر میں آجائے تو وہ اس کی جگہ لے سکے... منظرنامے میں میرے شامل ہونے سے بات بگڑ گئی۔ مارک یہی سمجھ رہا تھا کہ جیک تمہاری حفاظت کرنا چاہتا ہے۔''
جینی کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک عجیب چیستان یا گنبدِ بے در میں پھنس گئی ہے۔
''جیک کیا چاہتا ہے؟''
''گلیشیئر پر باڈی دریافت ہونے کے بعد... پہلے تو اس کی دلچسپی پچاس ملین کے شیئرز میں تھی پھر اسے خیال آیا کہ پال کی باڈی مل گئی ہے، تو ڈسک تک بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ اس نے پروگرام بنایا کہ ڈسک کے لیے وہ موسکایا سے سودے بازی کرے گا۔ اس طرح موسکایا کی بھی بچت ہو جائے گی اور ڈسک کے عوض اسے مال بھی مل جائے گا۔ ہمیں اندازہ تھا کہ وہ یا اس کا کوئی آدمی چک میکال سے مل کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رک سیک میں اس نے کیا کیا دیکھا۔ انہیں کچھ پتا چلا یا نہیں لیکن انہوں نے چک میکال کو مروا دیا تاکہ کوئی بائی چانس بھی انہیں ٹریک نہ کر سکے۔''
نک خاصی باخبری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''وہاں جو خون خرابا اور تباہ کاری ہوئی، کیا یہ صرف سی آئی اے... میرا مطلب جیک کی کارستانی تھی؟''

''نہیں۔'' نک نے کہا۔ ''جیک اور موسکایا دونوں ملوث تھے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً ہیڈ کوارٹر کو مسمار کرنے اور وکٹر فیملی کو قتل کرنے میں موسکایا کا ہاتھ تھا... چرچ میں بھی انہوں نے خون بہایا... وغیرہ وغیرہ۔''

''مقصد؟'' جینی نے سوال کیا۔

''جیک اور موسکایا، معاملات اپنے طور پر حل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں کا مقصد ہر اس امکان کو فنا کرنا تھا، جو تفتیش کو آگے لے جاتا... موسکایا کو دولت سے زیادہ ڈسک کی فکر تھی جبکہ جیک دولت کے چکر میں تھا۔ غالباً دونوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ لازار، پال اور پچاس ملین کی برآمدگی کے امکانات معدوم ہو چکے ہیں۔ دونوں کو ڈسک کی فکر تھی۔ اگر جیک پہلے ڈسک تک پہنچتا تو وہ موسکایا سے سودا کرنے کے لیے بہتر پوزیشن میں آ جاتا... میرا اندازہ ہے کہ موسکایا دو باتوں سے بے خبر رہی۔ ایک یہ کہ جیک نے پال کو استعمال کیا پھر لازار سے مل گیا۔ دوسرے یہ کہ لازار، پال کو استعمال کر رہا تھا اور جیک سے ملا ہوا تھا۔''

''خود سی آئی اے کیا کر رہی تھی؟''

''سی آئی اے کو شک ہو گیا تھا کہ جیک ادارے کے وسائل استعمال کرتے ہوئے کوئی اور ہی کھیل کھیل رہا ہے۔ اسی لیے مجھے اس کے پیچھے لگایا گیا...''

''موسکایا پال اور لازار کی حد تک بے خبر تھی تو گلیشیر پر باڈی کی دریافت سے کھلبلی کیوں مچی؟''

''ڈسک کی برآمدگی کا آسرا پیدا ہو گیا تھا۔''

''یعنی انہیں پتا تھا کہ ڈیڈی نے ان کے خلاف سی آئی اے کے لیے کام کیا تھا؟''

''نہیں۔'' فرینک نے جواب دیا۔ ''غالباً جب جیک کی ڈیل لازار سے قدرت کے ہاتھوں برف نشین ہوئی تو دونوں پارٹیاں خاموش ہو گئیں۔ موسکایا سمجھ رہی تھی کہ لازار حسب ہدایت پچاس ملین گلیشیر کی راہ سے پہنچاتے طوفان کی نذر ہو گیا... باڈی کی دریافت کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ پال کے غیاب کا کوئی تعلق لازار سے تھا... وہ سرگرم ہو گئے...''

''لیکن انہیں ڈسک کی موجودگی کا کیونکر پتا چلا؟'' جینی متواتر سوال کر رہی تھی۔

''جیک نے ہی کوئی جال بُنا تھا۔ اس بارے میں حتمی طور پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' فرینک نے اظہارِ لاعلمی کیا۔

جینی کا دماغ ماؤف تھا۔ اسے ایک ہی بات ٹھیک طرح سمجھ میں آئی کہ اس کا باپ صاف ستھری زندگی گزار رہا تھا اور یہ کہ ان کی فیملی کی تباہی کے آغاز کی واحد وجہ جیک ہے۔

☆☆☆

جینی کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ مارک، بابی کو چھوڑ کر سوئٹزر لینڈ کیسے آ سکتا تھا جبکہ جینی نے اسے بابی کی خاطر ساتھ نہیں لیا تھا۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ مارک اس کی مرضی کے خلاف جا سکتا ہے۔

فادر کونراڈ کی باتیں، دوگل کی باتیں، فرینک کی باتیں، نک (فرینک) کی باتیں، سی آئی اے، موسکایا... ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ الجھ گئی تھی۔ اس کا ذہن اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ اس پزل کو سلجھا سکتی۔

مارک پر وہ کسی قیمت پر شک نہیں کر سکتی تھی، اگر وہ سوئٹزر لینڈ آیا بھی تھا تو یقیناً کوئی معقول وجہ ہوگی، اس نے بابی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔ مارک پر شک کرنا خود اپنے اوپر شک کرنے کے مترادف تھا۔

تاہم، نک کی حیثیت میں فرینک نے جو انکشافات کیے تھے، وہ پھر سے اس پر بھروسا کرنے لگی تھی۔ نک اس کی زبان پر نہیں چڑھ رہا تھا۔ وہ اکثر فرینک بولتے بولتے رک جاتی۔

ایک نامعلوم بے کلی میخ کی طرح اس کے دماغ میں گڑی ہوئی تھی۔

''جینفر، تم نے کہا تھا کہ تمہیں نہیں معلوم تمہارے والد نے سیکیورٹی باکس کہاں چھپایا تھا۔'' نک کی آواز نے اسے خیالات کے حصار سے باہر نکالا۔ ''لیکن تمہیں پھر سے کوشش کرنی چاہیے۔ اگر باکس گھر میں نہیں ہے تو شاید کوئی اشارہ چھوڑ دیا گیا ہو جو یہ بتا دے کہ باکس کہاں ہے۔ ہمیں جیک سے پہلے باکس تک پہنچنا ہے۔'' نک نے نرمی سے جینفر کے بازو کو چھوا۔ ''کیا تم مدد نہیں کرو گی؟'' اس کی آواز میں التجا آمیز نرمی تھی۔

''ہاں... ہاں، شاید۔'' وہ بولی۔

بارش دھیمی پڑ گئی تھی۔ وہ کوواچنڈ کے قریب تھے۔ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

لیموزین، لانگ بیچ سے پانچ میل دور بارش میں

رواں تھی۔ مارک کی نظریں گیلی سڑک پر تھیں۔
”اگلا موڑ سے لانگ بیچ کی جانب، وہاں سے کووانیڈ کارنر کردو۔“ جیک کی آواز آئی۔
”جینیفر سے ملنا ہے؟“
”نیکسٹ ایگزٹ۔“ جیک نے سامنے اشارہ کیا۔
”تم نے منظر اس طرح ترتیب دیا جیسے پال نے پچاس ملین چرائے تھے جبکہ یہ کارروائی تمہاری تھی۔“
”تقریباً ٹھیک ہے۔“ جیک نے کہا۔ ”میں اور لازار تھے۔ ہمارے درمیان ڈیل ہوگئی تھی۔ ڈیل میں وہ برفانی طوفان شامل نہیں تھا۔ پال اور لازار گلیشیر کی کسی گہری کھائی میں سو رہے ہوں گے اور پچاس ملین کا خزانہ بھی... کوئی ان کو نہیں پا سکتا۔“
مارک خاموشی سے سن رہا تھا۔
”لازار نے پچاس ملین کے ساتھ نکلنا تھا۔ پچاس فیصد میرا تھا۔ پال اور روڈگل برادرز کو گلیشیر پر ہلاک کر دیا جاتا۔“
”بعدازاں تم نے پچاس ملین کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟“ مارک نے سوال کیا۔
”لازار نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ کس جانب سے سرحد پار جائے گا۔ یہ فیصلہ میں نے اس پر چھوڑ دیا تھا۔ وہی میری ایک بڑی غلطی تھی۔ جب تک اس کی باڈی دریافت نہیں ہوتی، پچاس ملین کی تلاش میں جانا پاگل پن ہوگا۔“
”وکٹر کا قتل، HQ بلڈنگ کی تباہی، چرچ میں خون خرابا، سب تمہاری حرکت تھی... کہ پال مارچ کی موت کا ایک سبب تم تھے۔ ور نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو تمہارے ملوث ہونے کا سراغ ملے؟“
”نہیں موسکایا بھی ملوث تھی۔“
جیک چپ رہا... کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”تمہیں ڈسک کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ موسکایا ڈسک کے لیے بہ آسانی مزید پچاس ملین کا نقصان برداشت کر سکتی ہے۔ محض اپنے گندے ہاتھ بچانے کے لیے۔“
”اور پھر تم ہمیشہ کے لیے اس کرۂ ارض سے غائب ہو جاؤ گے۔“ مارک نے نفرت کے ساتھ تبصرہ کیا۔
”سی آئی اے میں تیس برس گزارنے کے بعد میں سیکھ چکا ہوں کہ اپنے کھوج کیسے مٹائے جاتے ہیں۔“
”یہ سب کیوں کر رہے ہو؟“
”فضول سوال ہے۔“ جیک نے کہا۔ ”ہم اپنی زندگیاں داؤ پر لگائے رکھتے ہیں۔ موسکایا جیسے لوگوں کے لیے جو ملین، بلین میں کھیلتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک مجرم، خطرناک گینگ... وغیرہ وغیرہ... یہ سب دیکھ دیکھ کر میں تھک گیا ہوں۔ بدلے میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ اگر زندہ بچے رہے۔ ایک تھکا ہوا پنشن پلان، جو داؤ پیچ اور ٹرکس سی آئی اے نے مجھے سکھائیں، ان کے استعمال کا صحیح وقت آ گیا ہے۔ کچھ دیر سے آیا ہے۔ تاہم کوئی بات نہیں۔“
”تو ڈسک کہاں ہے؟“
جیک نے دانت نکالے۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ تمہاری محبوبہ جینیفر، جسے تم جینی کہہ کر پکارتے ہو، وہ ضرور میری مدد کرے گی۔ بس اس کی یادداشت بہتر کرنے کے لیے مجھے سی آئی اے والی کوئی ٹرک استعمال کرنی پڑے گی۔“
”وہ میری محبوبہ نہیں، دوست ہے۔“
”بہت شرمیلے اور وضع دار واقع ہوئے ہو تم۔ چلو دوست ہی سہی۔ ویسے تمہاری دوست ہے بہت خوب صورت۔“ جیک کی پوشیدہ مکروہ صورت عیاں ہوتی جارہی تھی۔
مارک نے اپنے اشتعال کو دبایا اور خاموش رہا۔
”اور کوئی سوال؟“ جیک نے فیاضی کا مظاہرہ کیا۔
”اگر جینیفر تمہاری مدد کر سکتی ہے تو تم دو سال سے کہاں سو رہے تھے؟“
”اوہ مارک، اس کا جواب تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔“
”ہو سکتا ہے میں غلط سوچ رہا ہوں، تم ہی بتا دو۔“
”شروع میں، میں اس غلط فہمی میں رہا کہ ڈسک پال کے پاس ہے۔ پچاس ملین کا منصوبہ قدرت نے مکمل کر دیا۔ پال سمیت سب کچھ غائب ہو گیا۔ پھر پال کی باڈی ملی تو مجھے ڈسک کا خیال آیا اور میں جینیفر کے پیچھے لگ گیا۔ تاہم دوسرا صدمہ اس وقت ہوا جب جینیفر نے تصدیق کر دی کہ باڈی اس کے باپ کی نہیں ہے۔“
”امید پھر بحال ہو گئی جب پتا چلا کہ وکٹر نے جینیفر کو برف سے نکلنے والے کچھ اور شواہد بھی دکھائے تھے، کیوں ٹھیک ہے نا؟“

☆☆☆

لی رائے مرفی نے ان دونوں آدمیوں کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے آئی ڈی بیج بتا رہے تھے کہ ان کا تعلق نیویارک پولیس ڈپارٹمنٹ سے ہے۔ ایک کے جبڑے پر زخم کا نشان تھا۔ وہ بابی کو دیکھنے آئے تھے اور لی رائے پریشان تھی کہ کیا کرے۔ وہ ہچکچا رہی تھی۔

''دیکھو اس کی بہن کار ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئی ہے۔'' لمبے قد والے نے بتایا۔

''وہاٹ؟ یہ کب کی بات ہے؟'' نرس نے پریشانی سے پوچھا۔

''وہ بیرون ملک سے واپس آئی تھی اور کیب میں سفر کر رہی تھی، جب یہ حادثہ ہوا۔''

''بیڈ ویری بیڈ... وہ تنہا ہی بابی کی فیملی تھی۔ اگر اسے پتا چلے گا تو وہ اپ سیٹ ہو جائے گا۔ کیا خیال ہے؟'' نرس نے چلنا شروع کیا۔

''جینفر اسے دیکھنا چاہتی ہے، ہمیں لڑکے کو لے جانا پڑے گا۔''

نرس یک لخت رک گئی۔ وہ بابی کے کمرے کے پاس تھے۔ ایک نے کھڑکی سے جھانکا۔ بابی وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ تھا۔ ''وہ رہا بابی۔'' ایک نے فقرہ اچھالا۔

''ہاں، وہی بابی ہے۔'' نرس لی رائے کی آواز میں افسردگی تھی۔ ''لیکن میرے پاس اختیار نہیں ہے کہ میں اسے یہاں سے جانے دوں۔''

''اونہوں... مگر ہمارے پاس اختیار ہے۔'' نشان زدہ جبڑے والے نے پسٹل نکالا۔ نرس بے سدھ کھڑی رہ گئی۔ دوسرے نے بڑھ کر اس کی گردن میں بازو لپیٹا۔ نرس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن محض خرخراہٹ کی آواز آئی۔ ایک منٹ سے پہلے وہ بے ہوش ہو کر جھول گئی۔ دراز قامت نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اندر کمرے میں گھسیٹ لیا۔ اس دوران میں دوسرا دروازہ کھول کے کھڑا رہا۔

بابی کی آنکھوں میں پہلے حیرت نظر آئی پھر حیرت کی جگہ خوف نے لے لی۔

☆☆☆

جینفر اور نک مکان کے اندر تھے۔ بتیاں روشن تھیں۔ دکھ بھری یادوں نے پھر یلغار کی۔

''کہاں سے شروع کریں؟'' نک نے سوال کیا۔

جینفر گم صم تھی۔

''جینفر...''

''ہاں، ں... میرے خیال میں پہلے اسٹڈی۔'' وہ چونک کر بولی۔

''او کے۔''

اسٹڈی میں ناکامی کے بعد انہوں نے کمروں کو کھدیڑا پھر تہ خانہ، کچن۔

جینی تھک کر لیونگ روم میں بیٹھ گئی۔ نک بے چین نظر آ رہا تھا۔ اچانک باہر آسمان پر بجلی کڑکی اور بارش تیز ہو گئی۔ ہوا کی رفتار بھی بڑھنے لگی۔ درختوں نے جھومنا شروع کر دیا۔

دفعتاً لائٹ آف ہو گئی۔

''شاید تاریں ٹوٹ گئی ہیں۔'' نک نے ٹارچ روشن کی۔ بوٹ ہاؤس ڈوک دیکھتے ہیں۔ برساتیاں ہیں؟''

''ہاں، روشنی دکھاؤ۔'' وہ بولی۔

''باہر نکلنے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑے رکھنا۔ باہر موسم خراب ہوتا جا رہا ہے۔'' نک نے ہدایت کی۔

☆☆☆

''یہاں روک دو۔'' جیک کی پسٹل کا رخ مارک کی جانب تھا۔ وہ ''کوواینڈ'' سے دو سو گز کے فاصلے پر تھے۔

''انجن چلنے دو، ہیڈ لائٹس آف کر دو، پھر فرسٹ گیئر میں دھیمی رفتار سے آگے جاؤ۔ کوواینڈ سے پچاس گز دور جیک نے گاڑی بند کروا دی۔ ''کوواینڈ'' نے اندھیرے کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

معاً بادل شدت سے گرجے۔ گاڑی کے باہر شور بڑھتا جا رہا تھا۔ جیک نے گھڑی دیکھی۔ ''ہم جلدی آ گئے۔''

''کیا مطلب؟''

''انتظار کرو۔''

☆☆☆

لہریں بورڈ واک پر سر پٹخ رہی تھیں۔ نک نے بوٹ ہاؤس کا دروازہ کھولا۔ ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے جائزہ لیا۔ موٹر بوٹ، انجن پارٹس کے شیلف، زنگ آلود اوزار۔

''جینفر، تم بوٹ کے اندر اچھی طرح تلاشی لو۔'' نک نے کہا۔ وہ اسے روشنی دکھا رہا تھا۔

کیبن، وہیل ہاؤس، انجن کمپارٹمنٹس... تاہم ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ نک نے شیلف چھان ڈالے، ٹولز کو چیک کیا۔ پھر موٹر پارٹس۔ اس کا تکدر، بدمزگی سے ہوتا ہوا غصے اور پھر اشتعال کی حدود کو چھونے لگا۔ اس نے غصے میں بوٹ کی سائڈ پر لات ماری۔

''کہاں ہے، کہاں ہے باکس؟'' وہ چلایا۔ ''جینفر سوچو... سوچو... کہاں ہو سکتا ہے؟''

جینی بوٹ سے باہر آ گئی۔ اچانک نک نے گھوم کر اس کے بال پکڑ کر بے رحمی سے گھمایا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر مارا... وہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

لمحہ بھر کے لیے تو اسے یقین نہیں آیا کہ نک نے کیا حرکت کی ہے۔ وہ ہکا بکا رہ گئی، سکتے کی، بے یقینی کی کیفیت تھی جو دھیرے دھیرے کم ہوئی تو آنکھوں میں خوف اور نفرت اجاگر ہوگئی۔

اتنا بڑا دھوکا، اتنی بڑی اداکاری، اٹلی، سوئٹزر لینڈ سے لے کر نیویارک تک۔

''میں نے کچھ کہا تھا؟'' نک پھنکارا۔

''مجھے، مجھے نہیں معلوم۔'' جینی دروازے کی طرف بھاگی۔ لیکن نک نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس کے چہرے سے پاگل پن ہویدا تھا۔ وہ جینفر کو کھینچتا ہوا بوٹ ہاؤس سے ملحقہ ہوئے لان، پھر کچن میں لے آیا۔ جینی اس دوران میں احتجاج کرتی رہ گئی۔

''اپنا منہ بند رکھو۔'' وہ بالکل اجنبی بن گیا تھا۔ اس نے سیل فون نکالا۔ نمبر پنچ کر کے چند الفاظ کہے اور اسے آف کر دیا۔

ایک منٹ کے اندر کوئی گاڑی ڈرائیوے میں داخل ہوئی۔ گاڑی سے جو آدمی باہر آیا، وہ ائرپورٹ پر ان دونوں کو فرار کرانے والا مارٹی تھا۔ پھر ایک اور آدمی نکلا جو لمبے قد کا تھا۔ دونوں کسی کو گھسیٹتے ہوئے کچن کی جانب آرہے تھے۔

جینی کی چیخ نکل گئی۔ دل زور سے پسلیوں کے اندر اچھلا، وہ بابی تھا۔ اس کا سر لٹک رہا تھا اور ٹانگیں زمین پر گھسٹتی آرہی تھیں۔

اندر آتے ہی وہ چیخی۔ ''بابی... بابی۔''

نک سیل فون پر کہہ رہا تھا۔ ''جیک، میں نے سارے پتے کھیل لیے۔ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کتیا کو کچھ نہیں معلوم۔'' جینی جیسے بہری ہوگئی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ کسی گہری سازش کا شکار تھی۔ نک کی حقیقت کچھ اور تھی۔ بابی کی یہاں موجودگی اور مارٹی کی آمد بتارہی تھی کہ وہ اور بابی انتہائی نامساعد اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔

''ہاں سے اٹھا لائے ہیں۔'' اس نے کسی سوال کا جواب دیا۔ ظاہر ہے اشارہ بابی کی طرف تھا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟'' نک نے دوسری جانب سے جواب سنا۔

''او کے۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

''سب ٹھیک ہے بابی... بابی... میں تمہارے پاس ہوں۔ کیا تم زخمی ہو؟'' جینی کا دل تڑپ رہا تھا۔ آج وہ کھلی آنکھوں سے بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ اس سے زیادہ کربناک تھا جو وہ بند آنکھوں سے خوابیدہ حالت میں دیکھتی تھی۔

بابی کچن میں اس کے ساتھ ٹیبل پر تھا۔ اس کی آنکھیں رونے سے، سوج گئی تھیں۔ اس کے بائیں رخسار پر خون آلود خراش تھی۔ جینی نے اسے بانہوں میں لیا ہوا تھا۔ بابی کا سر اب بھی سسکیوں کے زیر اثر ڈول رہا تھا۔ بابی کی حفاظت کے لیے جینی کے جسم میں ماتم و غصے کی لہر طاقتور کرنٹ کی طرح دوڑنے لگی۔

''درندو! تم نے اسے زخمی کر دیا ہے۔'' وہ چلائی۔

''معمولی بات ہے۔'' نک نے پھنکار ماری پھر اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف انگوٹھا اٹھایا۔ ''جیک آرہا ہے، تم میں سے ایک باہر جا کر گاڑی میں بیٹھے اور چوکس رہے۔ دوسرا بیک یارڈ میں چلا جائے۔'' نک نے ہدایات جاری رکھیں۔

جینی، بابی کو دلاسا دے رہی تھی، اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ بابی کو نہ بچاسکی تو پہلے خود جان دے دے گی۔ چند روز میں اس نے جو کچھ دیکھا اور بھگتا تھا، اس کے بعد اب اسے کوئی چیز خوف زدہ نہیں کر سکتی تھی۔

نک نے کچن کی درازیں نکال کر باہر پھینک دیں۔ اس نے اپنے انداز میں ایک بار پھر کچن کو ٹٹولا۔ فرش، دیواروں اور چھت تک کا جائزہ لیا۔ وہ اور اس کے ساتھیوں نے جو طویل فلمی ڈراما تشکیل دیا تھا، کئی روز بعد صبر آزما ڈراما فلاپ ہوتا نظر آرہا تھا۔ ہزیمت نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ وہ اپنی تمام اداکاری اور پیشہ ورانہ تراکیب پوری توانائیوں کے ساتھ اس ڈرامے میں جھونک چکا تھا۔

اس کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا تھا۔ شرافت، بہادری اور اخلاص کا مصنوعی نقاب اس نے نوچ کر پھینک دیا تھا۔ وہ کئی روز سے ''ہیرو'' کا رول ادا کر رہا تھا۔ اب پوری طرح ولن کے روپ میں ڈھلنے کے لیے تیار تھا۔ اس کے پاس یہی کارڈ بچا تھا کہ انگلیاں ٹیڑھی کر دے، بلکہ توڑ ڈالے۔

نک نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ناکامی یا کامیابی دونوں صورتوں میں بہن بھائی کو ٹھکانے لگا دے گا۔ اس کا گندہ خون آکسیجن لے کر دماغ میں آتا تو وہاں شیطانی خیالات چھوڑ جاتا۔ اپنی خباثت کے برخلاف اٹلی اور سوئٹزر لینڈ میں اس نے جینفر کے حسنِ جہاں سوز کو بھسم کرنے کے کئی مواقع گنوائے تھے اور خود کو قابو میں رکھا تھا۔

اب وہ معذور بھائی اور عاشق نامدار کی موجودگی میں جینفر کے ساتھ ''شیطانی ڈراما'' پلے کرے گا۔ اس کا حیوانی

ٹیسٹ پہلے ہی جانور کی سطح پر تھا۔ وہ دکھائے گا کہ وہ ہیرو نہیں بلکہ شیطان صفت ولن ہے، جلاد ہے۔ انسانیت کے منہ پر زہر آلود طمانچہ ہے۔ عاشق اور بھائی تو "شیطانی ڈراما" ختم ہونے سے پہلے ہی از خود مر جائیں گے۔ اس نے کئی روز جینفر کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ اس کے پندار، انا اور بانکپن سے واقف تھا۔ نک کے دماغ میں جو شیطانی منصوبہ پل رہا تھا، وہ خوب آگاہ تھا کہ جینفر اس کی غیر انسانی خباثت کو ناکام بنانے کے لیے جان سے گزر جائے گی۔ مارک اور بابی کے لیے بھی یہ ایک ناقابلِ برداشت جہنمی نظارہ ہوگا۔ نک نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ گویا کوئی گولی ضائع کیے بغیر تینوں کا کام ہو جائے گا۔

حیوانی خیالات نے اس کے تاثرات مسخ کر دیے تھے۔

باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز آئی پھر دروازے کھل کے بند ہوئے۔ ذرا دیر بعد کچن کے دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

دروازہ کھلا اور مارک نے قدم اندر رکھا۔ اس کے پیچھے جیک تھا۔ اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ مارک نے جینی کو دیکھا اس کی آنکھوں میں چمک دکھائی دی۔ چہرے پر مسرت اور اداسی کا ملا جلا تاثر تھا۔ وہ جینی کی طرف بڑھا۔

"جذباتی مت ہو۔ میز کے قریب کرسی سنبھالو۔" جیک نے وارننگ دی۔ حالات بدتر تھے۔ تاہم جینی کی آنکھوں میں امید کا دیا ٹمٹمایا۔ مارک کو گن پوائنٹ پر دیکھ کر اس کے دل میں مسرت بیدار ہوئی تھی۔ یعنی مارک دشمنوں کا دشمن تھا جبکہ نک نے جینی کو مارک کی جانب سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔

مارک نے بابی اور بابی نے مارک کو دیکھا۔ بابی کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ مارک کے چہرے پر دکھ کا سایہ اتر کر غائب ہو گیا۔ صورتِ حال مخدوش اور فیصلہ کن تھی۔ اسے کمزوری اور بے بسی کے اظہار سے بچنا تھا۔ جو کچھ کرنا تھا، اسے ہی کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا جینی کیا سوچ رہی ہے۔ مارک نے ایک نگاہ جینی پر ڈالی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ جینی کے چہرے پر خوف کی جگہ عزم جھلک رہا تھا۔ نگاہیں چار ہوئیں تو دونوں نے زبان کھولے بغیر ایک دوسرے کے دل کا حال جان لیا۔

جیک نے دروازہ بند کر دیا۔ "تم میرے پارٹنر سے مل چکے ہو۔" جیک کی آواز آئی۔ "نک ایک شاندار اداکار اور ہمارا سب سے بہترین آدمی ہے۔"

"ملا نہیں ہوں صرف دیکھا ہے۔" مارک نے اعتماد کے ساتھ تردید کی اور بے نیازی سے فرینک عرف نک سے نگاہیں چار کیں۔ "ہاں اداکار تو معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات دکھائی نہیں دیتی۔" مارک حول کا مجموعی تاثر بدلنا چاہتا تھا۔ جینی اور بابی کو اعتماد کی ضرورت تھی۔ وہ ذہنی طور پر خود کو ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

اس کا جواب کچن میں موجود ہر فرد کے لیے غیر متوقع تھا۔ جینی نے فخر محسوس کیا۔ بابی نے ڈھارس پائی، جیک کو حیرت ہوئی اور... اور نک کے جبڑے بھنچ گئے۔ مارک کے جواب نے سب سے زیادہ نک کو متاثر کیا تھا۔ جواب بھی اُدھر سے ہی آیا۔

"جلد ہی دیکھ لوگے۔" اس کی آواز میں آگ تھی۔

"جلدی؟" مارک نے ٹانگیں پھیلا دیں۔ "ابھی دکھا دو۔"

آواز کا شعلہ نک کی آنکھوں میں منتقل ہو گیا۔ وہ خونی نظروں سے مارک کو دیکھ رہا تھا۔ "بہت رونا پڑے گا۔"

"اپنے مستقبل کے بارے میں بتا رہے رہو؟" مارک نے حملے جاری رکھے۔ جینی کو بھی قدرے حیرت ہوئی۔ مارک کا یہ روپ اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اُدھر نک کی کھوپڑی چٹخ پڑی۔ اس نے خطرناک انداز میں پیش قدمی کی۔

"نک، اس کی خوش فہمی دور ہونے والی ہے۔ قابو میں رہو۔" جیک نے تنبیہ کی۔ نک نے بمشکل خود کو روکا۔

"اچھا اداکار ہے، سی آئی اے میں کیسے آ گیا؟" مارک نے بے خوفی سے مضحکہ اُڑایا۔

"اپنی جانِ جگر کی فکر کر... تجھے ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور تو روئے گا۔" نک کسی درندے کی طرح غرایا۔

"جیک، یہ تو کامیڈی بھی کر لیتا ہے۔ اسے بتاؤ کہ میری جان تو اس کے اندر اٹکی ہے۔"

نک کے ضبط کی بندشیں ٹوٹ گئیں۔ مارک بھی کھڑا ہو گیا۔ جیک نے ہوائی فائر کیا۔ نک پھر تھم گیا۔ فائر کی آواز سے دونوں کارندے کچن کی طرف آئے۔

"دونوں باہر رہو۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔" جیک نے انہیں واپس بھیج دیا۔

دو اور دو چار۔ دو اندر دو باہر۔ مارک نے تخمینہ لگایا۔

"مرنے کی جلدی ہے کیا؟" جیک نے مارک کو گھورا۔

''ہاں، اس کو جلدی ہے۔'' مارک نے نک کی طرف اشارہ کیا۔ ''پڑ ڈال دو۔''

جینی کو لگا کہ جیک فائر کرنے والا ہے۔ اس کا چہرہ غضبناک ہو گیا تھا۔ تاہم وہ دانت کچکچا کر رہ گیا لیکن نک، جینی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مارک کو اندازہ ہو گیا کہ کسی وجہ سے جیک اسے فوراً ہلاک نہیں کرے گا۔ ورنہ وہ یہ کام گراہم اور فیلوز کے ساتھ ہی کر دیتا۔ تاہم اسے وقت کی کمی کا بھی احساس تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ جیک کے حواس بھی غصے کی نذر ہو جائیں اور وہ کچن میں ہی معاملہ نمٹا دے۔ ڈو اور ڈائی والی سچویشن تھی۔ اس کی تیز نگاہ نے بھانپ لیا کہ نک کا ایک بازو گڑبڑ کر رہا ہے۔ شاید زخمی تھا۔ اس کی آنکھ کے نیچے بھی زخم کا نشان تھا جو زیادہ پرانا نہیں تھا۔ تمام بکواس میں اس کی پوزیشن بدل گئی تھی۔ وہ کھڑا تھا، رخ ایسا تھا کہ جیک اور نک دونوں اس کی نظر میں تھے۔

مارک کی دلیری نے جینی کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ نک خطرناک عزائم آنکھوں میں لیے اس کی طرف آ رہا ہے۔

مارک کے جسم کے تمام عضلات اکڑ گئے تھے۔

''جیک اسے روک لو ورنہ میں اس کا دوسرا بازو بھی ناکارہ کر دوں گا۔'' مارک ایک قدم آگے گیا۔ ''اور تم لوگ ڈسک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' مارک نے بیک وقت دو ہوائیاں چلائیں۔

نک خود ہی رک گیا۔ مارک کے غیر متوقع فقروں نے ہر ایک کے چہرے پر حیرت و استعجاب کا رنگ پھیر دیا تھا۔ نک، جینی اور جیک تینوں حیران تھے کہ مارک نے ''بازو'' والی بات کیسے کہی؟ سب سے زیادہ حیرت نک کو ہوئی تھی۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ مارک کو شروع سے انڈر اسٹیمیٹ کرتا رہا ہے۔ جینی تو گویا جھوم اٹھی تھی۔ تاہم وہ متواتر خاموش تھی۔

لیکن مارک، بابی کو دیکھ رہا تھا بلکہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ مارک اس بات پر حیران تھا کہ بابی کیوں حیرت زدہ تھا۔ اس کو تو نک کے بازو کی کوئی خبر نہیں تھی تو کیا وہ ڈسک والے فقرے پر چونکا تھا؟ کیا بابی جانتا ہے کہ ڈسک کہاں ہے؟

مارک شک میں پڑ گیا کہ بابی کو کچھ نہ کچھ معلوم ہے۔

''مارک! میں نہیں سمجھا کہ تم کس بات پر اکڑ رہے ہو؟ اور ڈسک والی بات تم نے کیوں کہی؟'' جیک نے سرد لہجے میں سوالات کیے۔

''میں ہنستے ہوئے مرنا چاہتا ہوں لیکن ''اداکار'' کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ بس اتنی سی بات ہے۔ جہاں تک ڈسک کی بات ہے، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے جینفر سے ڈسک کا اتا پتا معلوم کیا تھا لیکن اسے کچھ نہیں پتا تھا۔ اس وقت میں نے آدھا سچ بولا تھا۔ جینی کو اشارہ معلوم تھا لیکن وہ ایک معما تھا۔ وہ اسے حل نہ کر سکی۔ میں نے اشارہ سمجھ لیا تھا۔'' مارک نے بتایا۔

''بکواس کر رہے ہو۔ دوسرے تمہیں نک کی طاقت اور صلاحیتوں کا اندازہ بھی نہیں ہے۔'' جیک نے کہا۔

''اندازہ تو ہے۔'' مارک نے جواب دیا۔ ''نک ایک اداکار ہے اور عورتوں سے بچوں سے لڑ سکتا ہے۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے کارنامے سب ڈراما تھا۔''

اس مرتبہ مارک کی اشتعال انگیز باتوں کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ وہ ماحول کو بھڑکانے اور بے قابو کرنے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا۔ تاہم جینی کو کسی افتاد سے بچانے کے لیے بروقت اس نے جو ہوائیاں چھوڑی تھیں، انہوں نے ماحول کی گرمی کم کر دی تھی اور دشمنوں کو بھی ہوشیار کر دیا تھا۔ اس نے پینترا بدلا۔

''مت کرو یقین۔ اتنا بتا دو کہ فرینک میکال کہاں ہے؟''

''وہ مر چکا ہے۔''

''تمہارے ساتھ دوسرے لوگ کون ہیں؟'' جینفر کافی دیر بعد بولی۔

''کرائے کے گوریلے۔'' جیک نے محاورتاً مختصر لیکن شافی جواب دیا۔

''جینفر کو متواتر خطرے میں رکھ کر بار بار ''اداکار'' کے ذریعے بچانے کا مطلب؟'' مارک نے سوال کیا۔

''سادہ سی بات ہے۔ جینفر کا اعتماد جیت کر کوئی کلیو حاصل کرنے کی کوشش۔۔۔ اس طرح کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی گیا۔ ڈوگل تک پہنچ گئے اور سیکیورٹی باکس کا پتا چل گیا۔''

''اس گورکھ دھندے میں مجھے کیوں فٹ کیا گیا؟''

''تم پلان بی کے طور پر گئے تھے۔ اگر نک کسی وجہ سے فیل ہو جاتا تو تمہیں استعمال کیا جاتا۔''

''یو باسٹرڈ۔'' جینی پھر غصے میں آ گئی۔ ''تم نے بابی پر گولی چلائی۔ تم نے میری ماں کی جان لی۔ تم انسان نہیں ایک وحشی درندے ہو۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم قانون

کے رکھوالے دولت ۔کے لیے بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے پھر رہے ہو۔ کیا ملے گا تمہیں۔ تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے۔'' جینی کی سانس پھول گئی۔

''ہم جان ہتھیلی پر رکھے پھرتے ہیں اور قانون ہمیں کیا دیتا ہے؟''

''یہ تو پیشے کا انتخاب کرتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا۔''

''اپنا لیکچر بند کرو۔'' نک غرایا۔ ''میں نے تمہارے لیے خصوصی پروگرام بنایا تھا لیکن اب میں پہلے تمہارے عاشق کے ہاتھ پاؤں توڑوں گا۔''

''اپنا غلیظ منہ بند رکھو۔'' جینی نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اسے خطرے کا احساس تھا لیکن مارک کی دلیری نے اسے شیر کر دیا تھا۔ مارک کی وجہ سے ناامیدی کا دباؤ کمزور پڑ گیا تھا۔ ''تم لوگ اپنے ناپاک خوابوں سمیت اسی طرح دفن ہو گے جس طرح تم نے درجنوں بے گناہوں کو دفن کیا ہے۔''

''تم نے بتایا تھا اس کو؟'' جیک نے نک کو دیکھا۔

''ہاں، یہ پھسل رہی تھی... اس لیے میں نے اس کی ماں کے علاوہ لاڈرا سمیت کئی ایک خفیہ باتیں بتا دی تھیں۔ پال کو پھنسانے کا منصوبہ بھی بتا دیا تھا۔''

''آئی ایم سوری، یہ سچ ہے۔ یہ بزنس ہے۔ بزنس میں کئی ناخوشگوار فیصلے کرتے پڑتے ہیں۔'' جیک نے کہا۔

''بزنس دیوالیا بھی ہو جاتے ہیں۔'' مارک نے کہا۔

''دیکھیں گے۔'' جیک نے کہا۔ ''لاؤ چابی نکالو۔'' چابی کے لیے جیک نے جینفر کو مخاطب کیا تھا۔

جینی نے سوچا کہ جھوٹ بولنا بے معنی ہے۔ یقیناً نک نے ڈاکٹر کے دفتر میں اسے چابی رکھتے دیکھ لیا تھا۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرے گی بھی تو چابی اس کے بیگ سے برآمد ہو جائے گی۔ البتہ مارک چونک پڑا تھا۔

جینی نے بیگ کھول کر چابی میز پر رکھ دی۔

''بہت خوب۔'' جیک کا چہرہ چمکنے لگا۔ ''اب سیکیورٹی باکس کا پتا بھی بتا دو۔''

''اس کے لیے تمہیں بابی کے ''فادر'' کو واپس لانا پڑے گا، وہی بتا سکتے ہیں۔'' جینی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں سمجھ گیا۔'' جیک نے سائلنسر نکال کر پسٹل پر فٹ کرنا شروع کر دیا۔ سائلنسر لگا کر اس نے پسٹل جینفر کے سر پر رکھ دیا۔ ''تم بتا دو یا کوئی اور بتا دے۔ چابی مل سکتی ہے تو باکس بھی ملے گا۔ چابی کا ملنا ایک کرشمہ تھا۔ مطلب یہ کہ قسمت ہمارے ساتھ ہے۔'' وہ مسکرانے لگا۔

کچن میں خاموشی طاری تھی۔ بابی بے چین نظر آ رہا تھا۔

پھر جیک پیچھے ہٹ گیا۔

''تمہیں کیوں یقین ہے کہ باکس یا ڈسک کہیں آس پاس ہے؟'' مارک نے سوال کیا۔

''گڈ، اچھا سوال ہے۔ دو سال پہلے میں نے نیویارک کے ہر بینک کی چھان بین کروائی تھی کہ بابی کے ماں یا باپ کے نام پر کوئی سیف ڈپازٹ لاکر وغیرہ ہونا چاہیے لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ چیز اتنی بے وقعت نہیں تھی کہ اسے ضائع کر دیا جاتا۔ چابی کی موجودگی اس کا ثبوت ہے۔ لہٰذا سیکیورٹی باکس کو انتہائی احتیاط سے چھپایا گیا ہے۔ سی آئی اے کی نفسیاتی ٹرکس کے مطابق چھپانے والے نے اسے یہاں سے دور نہیں چھپایا۔ باکس اسی پراپرٹی پر ہے۔''

''باکس خالی ملا تو؟''

''ناممکن، خالی باکس کو پوشیدہ نہیں رکھا جاتا پھر یہ چابی...'' جیک نے چابی اٹھالی۔ ''جلدی کرو۔ ورنہ پہلے بابی مارا جائے گا، پھر مارک اور پھر تم۔'' اس نے جینفر کو گھورا۔

اسی وقت نک نے حرکت کی۔ وہ جیک کے قریب آیا اور کان میں کچھ کہا۔

''آئی سی، گڈ آئیڈیا۔'' جیک نے سر ہلایا۔ ''تمہیں ایسے نہیں مارا جائے گا۔ نک کا پروگرام کچھ اور ہے۔'' جیک کی آنکھوں میں خباثت ناچ رہی تھی۔ اس نے رخ بدلا اور پسٹل بابی کے سر پر رکھ دیا۔

''لڑکے کی طرف بھی کسی کا دھیان نہیں گیا۔ بہت ممکن ہے کہ اسے کچھ معلوم ہو۔'' بابی کسمسایا۔

''پلیز، اسے کوئی نقصان مت پہنچاؤ۔'' جینی کے لہجے میں التجا تھی۔ بھائی کی محبت عود کر آئی تھی۔

جیک نے اپنا نچلا ہونٹ چبایا۔ ''میں کوئی ظالم ترین انسان نہیں ہوں۔''

''پتا ہے، تم انسان نہیں ہو۔'' مارک نے بات کاٹ دی۔

''تمہاری زبان بہت چلنے لگی ہے۔ شاید ہیروئن کے سامنے۔'' جیک کی آنکھوں میں نفرت جھلک رہی تھی۔

مارک کی برجستہ فقرے بازی، ایسی مایوس کن صورتِ حال میں بھی جینی کو مزہ دے گئی۔

''میں نے سوچا ہے۔'' جیک نے سلسلۂ تکلم جوڑا۔ ''تم تینوں مشاورت کر لو۔ سچ بولنا ہے اور کس نے بولنا ہے؟

تم تینوں کے پاس دس منٹ ہیں۔ ہم باہر جا رہے ہیں۔‘‘

’’نک، اس کے پاس سیل فون ہے؟‘‘ جیک نے نک کو دیکھا۔

’’نہیں۔‘‘

’’بابی اس فون کام کر رہا ہے؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

’’کچن میں کوئی ہتھیار، چاقو وغیرہ؟‘‘

’’نہیں، ایک چھری تھی، وہ میرے پاس ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ جیک نے باہر جھانکا۔ ’’بارش کا زور بھی ٹوٹ گیا ہے۔ آؤ باہر چلتے ہیں۔‘‘

چلتے چلتے وہ مڑا۔ ’’گارڈن سے ہم نظر رکھیں گے۔ کوئی چالاکی نہیں چلے گی۔ دس منٹ کی مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اچھا فیصلہ کرو۔ جان چھوٹ جائے گی۔‘‘

دونوں نے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ تاہم کھڑکیوں کے شیشوں سے اندر سے باہر اور باہر سے اندر دیکھا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

ان کے نکلتے ہی مارک نے گھڑی دیکھی پھر زخمی نگاہ سے جینی کو دیکھا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ویزن ہارن پر وہ پہلے بھی موت کے سامنے مارک کی غیر موجودگی میں اظہارِ محبت کر چکی تھی۔

وہ کرسی سے اٹھی۔ مارک سمجھ گیا۔ بے اختیار اس کے بازو دراز ہو گئے اور وہ بچوں کی طرح اس کے فراخ سینے میں پناہ گزیں ہو گئی۔

’’آئی ایم سوری ہنی۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تمہاری مدد کرنے وہاں جا رہا ہوں۔ بابی کے لیے میں نے بندوبست کر دیا تھا۔‘‘ مارک کی آواز بھرا گئی۔ ’’اینڈ... اینڈ... آئی لو یو۔‘‘

’’می ٹو...‘‘ جینی نے سر اٹھایا۔ مارک نے اس کی ستواں ناک کے ننھے سے سرخ تل کو ہونٹوں سے چھو کر نرمی سے الگ کر دیا۔ ’’ہمارے پاس بہت کم وقت ہے۔ بابی کو دیکھو۔ رکو، کیا تمہیں معلوم ہے؟‘‘

’’نہیں، اور تمہیں؟‘‘

’’میں تو انہیں چکر دے رہا تھا۔‘‘

’’موت کے سامنے تم کب سے اتنے دلیر ہو گئے؟‘‘

’’کیا پہلے میں بزدل تھا؟‘‘

’’نہیں، پہلے تم الو کے پر تھے۔‘‘

’’ہاں، اچھا سنو، بابی کو معلوم ہے کہ سکیورٹی باکس کہاں ہے؟‘‘

’’کیا مذاق ہے؟‘‘ جینی نے اعتراض کیا۔

’’میرا خیال ہے۔ جاؤ اس کے پاس۔ میں کوئی راہِ نجات تلاش کرتا ہوں۔ ورنہ ہم مارے جائیں گے۔ ڈسک ملے نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں یہ بھیڑیے ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔‘‘

مارک نے کچن کا جائزہ لینا شروع کیا۔ مارک نے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا سرخ سیلنڈر دیکھا۔ مارک کی تمام حسیات پوری طرح بیدار تھیں۔ اس نے کھڑکی کے شیشے سے باہر گارڈن میں دیکھا۔ نک اپنے دوسرے ساتھی کے ہمراہ وہاں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ مارک کی زبان درازی نے اس کے اعتماد کو متزلزل کر دیا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے کھڑکی کے شیشے کے ذریعے کچن میں دیکھ رہا تھا۔

مارک نے دائیں جانب دروازے کو دیکھا اور آہستہ سے جینی کو آواز دی۔ وہ اشاروں میں بابی سے باتیں کر رہی تھی۔ ’’جینی یہ دروازہ کدھر جاتا ہے؟‘‘

’’وہ پینٹری میں کھلتا ہے، ایگزٹ نہیں ہے۔‘‘ ’’کپ بورڈ‘‘ سمجھو۔‘‘ جینی نے بتایا۔

’’تمہارے والدین گن رکھتے تھے؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

’’جینی میرے والدین کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرے والد کے کمرے میں بیڈ کے ساتھ دراز میں اعشاریہ تین آٹھ کا ہوگا۔ اگر کسی نے اسے وہاں سے ہٹایا نہ ہو۔ گھر خالی ملے گا۔ اگر ہم کسی طرح وہاں تک پہنچ جائیں۔‘‘

’’ایک منٹ رکو، بابی کچھ بتا رہا تھا۔‘‘ جینی، بابی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بابی کے ہاتھ تیزی سے ہل رہے تھے۔

مارک نے گھڑی دیکھی۔ اگر بابی کے متعلق اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تو ان کے پاس کیا آپشن ہوگا۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

’’اسے پتا ہے مارک، بابی کو معلوم ہے۔‘‘ جینی کی ہیجانی آواز میں حیرت تھی۔

’’کیسے، کیا؟‘‘ مارک چونک پڑا۔

’’ایک دو منٹ رکو۔‘‘

☆☆☆

’’ڈیڈی کے غائب ہونے سے ایک ہفتہ پیشتر بابی کی آنکھ صبح تڑکے کھل گئی تھی۔ اس نے کوئی آواز سنی تھی۔ بابی نے اٹھ کر کھڑکی سے دیکھا۔ ڈیڈی کے ہاتھ میں دھاتی

باکس تھا اور وہ بوٹ ہاؤس کی جانب جا رہے تھے۔'' جینی، مارک کو بتا رہی تھی۔

''وہ باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں سیاہ پلاسٹک کا بیگ تھا۔ جو نیلی رنگ کی نائلون کی رسی میں لپٹا ہوا تھا۔ بیگ خالی نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ باکس کو بیگ میں رکھا گیا ہے۔ پھر وہ بورڈ واک کی سیڑھی کے ذریعے پانی میں اتر گئے۔''

مارک کا ایک ابرو اوپر چڑھ گیا۔ ''پانی کے سپرد کرنا تھا تو وہ باکس کے ساتھ کوئی وزنی چیز رکھ کر پھینک دیتے۔ بیگ لے کر سیڑھی کے ذریعے پانی میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''شاید وہ چھپاکے کی آواز دبانا چاہتے ہوں یا پھر بوٹ کھول کر آگے سمندر میں بیگ پھینکنا چاہتے ہوں۔''

''اس صورت میں کیا بوٹ کی آواز بلند نہیں ہوتی؟'' مارک نے اعتراض کیا۔

''بابی کا کہنا ہے کہ بوٹ استعمال نہیں ہوئی۔ چند منٹ بعد ڈیڈی باہر آ گئے تھے لیکن بیگ ان کے پاس نہیں تھا۔

''یہ ممکن نہیں کہ ڈیڈی ڈسک کی اہمیت سے آگاہ نہ ہوں۔ اگر ڈسک والا باکس بیگ میں تھا تو خیال غالب ہے کہ ڈسک کو محفوظ کیا گیا ہے۔''

جینی نے کھڑکی سے دیکھا کہ نک پاگل جانور کی طرح چکرا رہا تھا۔

''یعنی باکس بورڈ واک کے نیچے اب بھی کہیں موجود ہے؟''

''بابی نے جو بتایا ہے۔ منطق یہی کہتی ہے کہ ڈسک پانی میں کہیں باکس کے اندر محفوظ ہے۔ ضائع کرنے کے کئی طریقے تھے۔ گھر سے دور جا کر اسے توڑ پھوڑ دیا جاتا۔ تیزاب یا آگ کے ذریعے ناکارہ کیا جا سکتا تھا وغیرہ وغیرہ۔''

''دو منٹ رہ گئے ہیں۔'' جینی کی آواز میں فکرمندی تھی۔

''میں نے ایک آئیڈیا تیار کیا ہے۔'' مارک نے سرگوشی کی۔ ''لیکن تم دونوں کو حرف بہ حرف اس پر عمل کرنا ہے۔ ہم ان کے خواب ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔ کیا تم ناامید ہو؟''

''نہیں۔''

''دھیان سے سنو۔'' مارک نے تیزی سے اسے سمجھایا۔ جینی سر ہلاتی رہی۔ باہر سے قدموں کی آہٹ قریب آنے لگی۔ تیس سیکنڈ باقی تھے۔ بیس... دس... پانچ...

دروازہ جارحانہ انداز میں کھولا گیا۔ جیک اور نک کڑے تیوروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ جیک نے آتے ہی پسٹل بابی کے سر سے لگا دیا۔

''تم لوگوں کا وقت ختم ہو گیا۔''

''کیا ارادہ ہے؟'' نک غرایا۔

''بابی... بابی کو کچھ یاد آ رہا ہے۔'' جینی نے لرزیدہ آواز میں خوف کی اداکاری کی۔

چند لمحے سکوت طاری رہا۔

جیک کے لبوں پر دھیرے دھیرے فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

☆☆☆

''تم نے بتایا ہے کہ بوٹ فشنگ کے لیے استعمال ہوئی تھی۔ سمندر میں سو گز آگے زیرِآب مونگے کی چٹانیں ہیں۔ سو گز دور نشاندہی کے لیے ''مارکر'' لگائے گئے ہیں، جو پانی سے اوپر ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مارکرز سے آگے جانا خطرے سے خالی نہیں... تمہارے خیال میں باکس کھاڑی میں، ان رنگین مارکرز کے آس پاس کہیں موجود ہے۔'' جیک کھڑکی سے بوٹ اور سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ پل پل بدلتا موسم پھر طوفانی صورت اختیار کر رہا تھا۔ رنگین مارکرز نظر نہیں آ رہے تھے بلکہ بوٹ ہاؤس سے آگے کا منظر بمشکل دس گز تک نگاہ کی رسائی میں تھا۔

جیک کے چہرے پر فرسٹریشن طاری تھی۔ ''وہ بابی کی جانب مڑا۔ ''کیا یہ سچ ہے؟''

بابی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر یہ جھوٹ ہوا تو میں تمہیں وہ رنگ دکھاؤں گا...'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر جینیفر کو گھورا اور اپنی جیکٹ اتار کر قمیص کے بٹن کھولنے لگا... اس نے قمیص اور ٹائی بھی اتار دی۔

مارک خاموش اور چوکس تھا۔ نک بھی الرٹ تھا۔ بالائی لباس اترنے کے بعد جیک کی گردن پر چھری کے زخم کا نشان نظر آیا۔ ''یاد ہے، یہ زخم کیسے لگا تھا؟ میری قسمت اچھی تھی کہ اس رات میں بچ گیا۔'' جیک کی آنکھوں میں خباثت ناچ رہی تھی۔

جیک کے لیے اپنی شدید نفرت کو چھپانے کی جینیفر نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اچانک جیک نے اسے نظرانداز کیا اور کھڑکی کی جانب چلا گیا۔ ''کیا بوٹ صحیح حالت میں ہے؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بوٹ کئی برس سے زیرِ استعمال نہیں آئی۔'' جینیفر نے جواب دیا۔

نک بولا۔ ''اس موسم میں تم بوٹ پر جاؤ گے؟''

اسے یقین نہیں آیا۔

''ہمارا دوست مارک جائے گا۔'' جیک نے پسٹل کو حرکت دیتے ہوئے مکاری سے کہا۔ ''لیکن ہمیں موافق موسم کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''تب تک ہم کیا کریں گے؟'' نک نے پوچھا۔

''انتظار۔ تاہم اس دوران میں تم مارک کے ساتھ بوٹ کی حالت زار کا جائزہ لو اور ڈین کو اندر بھیج دو۔ اگر ہمارا ہیرو کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔''

☆☆☆

مارک کو چند منٹ میں ہی اندازہ ہو گیا کہ بوٹ ناکارہ حالت میں ہے۔ ٹینک میں اگرچہ تھوڑا سا فیول تھا۔ تاہم انجن سیز ہو چکا تھا۔ بوٹ کے تختے کئی جگہوں پر خستگی کا شکار تھے۔

''وقت کا زیاں ہے۔'' وہ بولا۔ ''پندرہ گز دور جانے سے پہلے ہی یہ تہ نشین ہو چکی ہوگی۔''

نک نے بورڈ پر لات ماری۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔

''میرے پاس ایک تجویز ہے۔'' مارک نے کہا۔ ''ایک اچھی تجویز۔ اگر تم دماغ ٹھنڈا رکھو تو ہمارے درمیان ایک ڈیل ہو سکتی ہے۔''

''کیسی ڈیل؟''

''ہمیں محفوظ راستہ دو اور سیکورٹی باکس خود رکھ لو۔''

''صاف صاف بکو۔ کیا مطلب ہے؟''

''ممکن ہے باکس اتنی دور مارکرز کے آس پاس نہ ہو بلکہ کہیں اور ہو۔''

''کہاں؟''

''بورڈواک کے نیچے۔''

''کیا پہلے جھوٹ بولا تھا؟'' نک مشتعل ہو گیا۔

''نہیں۔'' مارک نے کہا۔ ''بابی بچہ ہے اور معذور ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ غلطی کر رہا ہے... باکس کو پراپرٹی سے دور رکھنا ہوتا تو اسے بہت دور لے جایا جا سکتا تھا۔ مطلب بذریعہ کار... مجھے ڈسک سے یا جیک سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تمہیں معمولی پنشن پلان سے نفرت ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ جینیفر اور بابی کے ساتھ زندہ سلامت یہاں سے نکل جاؤں۔ تمہیں ڈسک کے ذریعے مال چاہیے۔ جیک کو ہٹا دو تو یہ مال دگنا ہو جائے گا۔ جیک کے ساتھ شیئر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

نک کی آنکھوں میں طمع کی چمک نظر آئی۔ ''دگنے کا مطلب پچاس ملین۔'' مارک نے دیکھا کہ وہ ہچکچاہٹ کا بھی شکار ہے۔ اس نے فوراً دوسرا وار کیا۔

''ایک آدمی کے لیے پچاس ملین ایک خزانہ ہے۔ جس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ بظاہر ناممکن چیز بھی خریدی جا سکتی ہے... کیا تمہیں یقین ہے کہ جیک خود ایسا نہیں سوچ رہا ہوگا۔ ڈسک ہاتھ میں آتے ہی اگر اس نے تمہیں جنت میں... سوری جنت میں تمہاری جگہ نہیں ہے... اگر اس نے تمہیں سیدھا جہنم رسید کر دیا تو تم کیا کر لو گے... پچاس ملین سے بقایا زندگی کو جنت بنانے کا موقع تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ اب تک اپنے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے ٹھکانے لگاتا آیا ہے۔ حتیٰ کہ کام نکلنے پر راستے میں اس نے گراہم اور فیلوز کو بھی گولی مار دی... تمہاری اس سے کون سی رشتے داری ہے۔ جیک کی رشتے داری صرف دولت سے ہے۔ تم آخری غلطی کے بہت قریب ہو۔''

''ایک طرف ارضی جنت، دوسری طرف آسمانی جہنم... پنشن پلان تک ہاتھ نہ آئے گا۔''

مارک خاموش ہو گیا۔ نک بری طرح الجھ گیا تھا۔ آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ مارک چالبازی کر رہا ہے یا نہیں، اس کی باتیں وزن سے خالی نہیں تھیں۔

ایک بہت بڑا سوالیہ نشان نک کے ذہن میں سر اٹھا چکا تھا۔

''گراہم اور فیلوز کہاں ہیں؟''

''دونوں کی لاشیں لیموزین میں پڑی ہیں۔'' مارک اندر سے کافی مطمئن تھا۔ اس نے بھرپور نفسیاتی وار کیے تھے۔

''اگر باکس، بورڈواک کے نیچے کہیں نہ ہوا تو؟''

''پھر بھی ہماری ڈیل اپنی جگہ پر ہوگی۔ میں مارکرز کے آس پاس تلاش کروں گا۔''

''لیکن بوٹ تو ناکارہ ہے؟''

''کوئی مسئلہ نہیں۔ تم جیک کو بتا دو، وہ کوئی بندوبست کر لے گا۔ وہ ڈسک کے لیے مرا جا رہا ہے۔ خود زندہ رہتے ہوئے دوسروں کو مارتا جا رہا ہے۔ اندر تمہارے دونوں ساتھی بھی بالآخر جہنم کی سیر پر نکل جائیں گے۔ صرف تم رہ جاؤ گے... آگے تم خود سمجھدار ہو۔''

''تمہاری زبان خوب چلتی ہے۔''

''تمہارے ساتھ تو میں نے مذاق کیا تھا۔ پولیس میں آنے سے پہلے میں اداکاری کرتا تھا۔''

''اب کیا کر رہے ہو؟''

''اب تو یہاں اکیلے میں تمام ڈرامے کا ڈراپ سین

سمجھا رہا ہوں۔ یقین نہ آئے تو جاکر ''لیمو'' چیک کرلو۔''
مارک کو تقریباً یقین ہو چلا تھا کہ اس نے نک کو ہموار کرلیا ہے۔ پچاس ملین کے ساتھ اس کے وزنی دلائل نے نک کے مکار ذہن کے سوئے ہوئے خلیے جگادیے تھے۔
نک آنکھیں سکیڑ کر ہونٹ چبا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پلٹ کر مکان کی جانب دیکھا۔
پھر نارنجی نائلون کی رسی مارک کی جانب اچھالی۔ ''دیکھتے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''اسے کمر سے باندھو اور پانی میں اترو۔ نیچے کا رزلٹ معلوم ہوجائے تو ڈیل کی بات کرتے ہیں۔''

☆☆☆

جینفر نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ مارک کو گئے ہوئے ٹھیک تین منٹ ہوئے تھے۔ اس نے بابی کا ہاتھ دباتے ہوئے انگلیوں کی مدد سے اشارہ دیا۔ ''ریڈی؟''
بابی نے بھی انگلیوں کے ذریعے اشارہ دیا۔ ''ریڈی۔''
جیک نے کھڑکی سے پلٹ کر دیکھا۔ بابی ہاتھ چلا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کشیدگی تھی۔
''وہ کیا کررہا ہے؟''
''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دوائی مانگ رہا ہے۔ دباؤ کی حالت میں اسے ضرورت پڑتی ہے۔'' جینی نے سمجھایا۔
''بھول جاؤ۔'' جیک نے سنگ دلی کا مظاہرہ کیا۔
''میرا بھائی مر بھی سکتا ہے، اگر گولیاں نہ ملیں۔ یاد رکھو اسی نے آخری بار باکس دیکھا تھا اور باکس ابھی تمہارے ہاتھ نہیں آیا۔''
''تو میں دوائی کہاں سے لاؤں؟'' جیک نے جھنجلا کر کہا۔
''میرے پاس ایک بوتل پڑی ہے، ایمرجنسی کے لیے میں ساتھ رکھتی ہوں۔''
''کہاں؟''
''گاڑی میں۔''
جیک نے پستول پتلون میں اڑسا۔ ''کوئی حماقت کرے تو تم اڑا دینا۔'' جیک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ باہر جاتے ہوئے اس نے دروازہ کافی زور سے بند کیا تھا۔
کچن میں اس وقت صرف ایک آدمی ڈین رہ گیا تھا۔ وہ کرسی کھینچ کر ان دونوں کے قریب جم گیا۔
معاً بابی نے ہلنا شروع کردیا۔ اس کا جسم اکڑ رہا تھا، بل کھا رہا تھا۔ پھر گٹھڑی بن کر فرش پر لڑھک گیا۔ جینفر بدحواسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ ڈین کھڑا ہوگیا۔
''کیا ہوا اسے؟''
''سیزر (تشنج) شروع ہے۔ پلیز، پلیز مجھے ایک تولیا لادو۔'' جینی گھبرائی ہوئی تھی۔
''لاتا ہوں۔'' ڈین نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔
وہ سنک کی جانب گیا۔ یہ چانس لینے کا وقت تھا۔ وہ دونوں مارک کی ہدایات کے مطابق عمل کررہے تھے۔ جینی نے پھرتی سے دیوار پر سے فائر سلنڈر اتارا۔ ڈین تولیا لے کر جیسے ہی پلٹا، جینی نے نوزل کا رخ اس کے چہرے کی جانب کرکے فائرنگ ہینڈل دبایا۔
کچھ بھی نہیں ہوا۔
''اوہ گاڈ... بوکھلاہٹ میں وہ سیفٹی پن کھینچنا بھول گئی تھی۔ ڈین نے تولیا پھینک کر گن نکالی۔ جینی نے سرخ وزنی آلہ گھما کر اس کے جبڑے پر مارا۔ ڈین کے منہ سے تکلیف دہ غراہٹ بلند ہوئی۔ جبڑا پھٹ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ وہ پشت کے بل نیچے گرا۔
ایک ہاتھ اس کا منہ پر تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اندھا دھند اس نے جینفر کو پکڑنے کی کوشش کی۔ دوسری مرتبہ جینی نے آگ بجھانے والا آہنی آلہ اس کے سر پر بجایا۔ ڈین ہاتھ پیر چلانے کے بجائے خواب غفلت میں چلا گیا۔
جینی اعصابی تناؤ کا شکار تھی اور ہانپ رہی تھی۔ ڈین کے ساکت ہونے پر اس کی سانس بحال ہونا شروع ہوئی۔
بابی نے اداکاری ختم کردی۔ جینی نے ڈین کی گن اٹھالی۔
مارک نے جو سمجھایا تھا، بابی وہ کرتو گزرا لیکن اس کا چہرہ زرد تھا۔ وہ ڈپریس نظر آرہا تھا۔ جینی نے اسے سمجھایا کہ ہم پریشانی افورڈ نہیں کرسکتے۔ ہمیں ہمت سے کام لینا ہے۔ مارک بھی موجود ہے۔ ایک مرحلہ ہم نے کامیابی سے طے کرلیا ہے۔
''پلیز خود کو سنبھالو۔ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔''
جینی نے پینٹری کا دروازہ کھولا۔ اندر جگہ کم تھی۔ اطراف میں شیلف بنے تھے۔ اتنی جگہ بابی کے لیے کافی تھی۔
''تم کو پینٹری میں چھپے رہنا ہے۔ کسی صورت میں آواز مت نکالنا، نہ حرکت کرنا۔ پینٹری کے خلا میں فٹ ہونے کے لیے جینی نے اس کی مدد کی۔
''پلیز ڈرو نہیں۔ میں دروازہ بند کررہی ہوں۔''
جینی نے جیک کے قدموں کی آہٹ سن لی تھی۔ اس نے

دروازہ بند کر دیا۔

جیک واپس آرہا تھا۔ ظاہر ہے اسے گاڑی میں کوئی دوا نہیں ملی تھی۔ جینی خود پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔

☆☆☆

''یہ خطرناک ہوسکتا ہے۔'' مارک نے رسی کمر سے باندھ کر۔ ایک سرا بورڈ واک کی سیڑھی کے ڈنڈے کے ساتھ کس دیا۔

نک نے ٹارچ مارک کو دے دی۔ گن اب بھی نک کے ہاتھ میں تھی۔ ٹارچ کے ساتھ گرپ کے لیے ڈوری کا حلقہ تھا۔ ''تم کرسکتے ہو، کچھ نکال کر لاؤ۔''

مارک نے ٹارچ کی ڈوری کا حلقہ کلائی میں ڈالا۔ اور سیڑھی اترنا شروع کی۔ چند سیڑھیاں اتر کر وہ رکا۔ لہر ٹکرا کر واپس گئی تو اس نے پھر اترنا شروع کیا۔ سیڑھی کے ساتویں ڈنڈے پر پہنچا تو لہر پھر بورڈ واک سے ٹکرائی۔ پانی برف کے مانند تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی لیکن پھسل گیا۔ کمر کی رسی کے سہارے وہ پھر سیڑھی تک آگیا۔

دوسری بار سرد لہر نے اسے ٹکر ماری تو وہ سیڑھی پر جم رہا اور مزید نیچے اتر گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پانی میں ڈوبتا جارہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک برف آب کو برداشت نہیں کرسکتا۔ نیز اسے اپنا سر بھی سطح آب سے اوپر رکھنا تھا۔

اب وہ اتنا نیچے آگیا تھا کہ بورڈ واک کے نیچے بیم کے جال کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے سر بچاتے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں چند بیم دیکھے۔ کچھ نہ تھا۔ پانی کی لہر نے بیم چھپا لیے تھے۔

مارک نے سر اٹھا کر ٹارچ آف کردی۔ اس کا جسم کانپنا شروع ہوگیا تھا۔ آدھے سے زیادہ دھڑ سرد پانی میں تھا۔ لہر پسپا ہوئی تو اس نے نیچے ہو کر ٹارچ کی روشنی میں دوسرے رخ پر موجود بیموں کو جانچا۔ مگر کچھ نہ تھا۔ اس نے لہر آنے سے قبل پھرتی سے ٹارچ گھمائی۔ معاً اس کا دل زور سے دھڑکا۔ ایک کراس بیم کے ساتھ سیاہ رنگ کا بیگ بندھا ہوا تھا۔

لہر پلٹ چکی تھی۔ مارک واپس اوپر اٹھ گیا۔ بیگ کی موجودگی کے انکشاف نے وقتی طور پر سردی کا اثر کم کردیا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

''کچھ ملا؟'' اسے نک کی چیخ سنائی دی۔

''ہاں، وہ نیچے موجود ہے لیکن میں زیادہ دیر پانی میں نہیں رہ سکتا۔ رسیاں کاٹنے کے لیے مجھے چھری چاہیے۔''

نک کے چہرے پر ہیجان تھا۔ اس نے جیب سے چھری نکال کر مارک کو پکڑائی۔ اس وقت مارک نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں ہوسِ زر کے علاوہ حیوانی چمک تھی۔ دوسرے ہاتھ میں پسٹل بدستور موجود تھا۔ مارک کی چھٹی حس نے شور مچایا کہ نک بیگ حاصل کرتے ہی پہلے اسے ختم کرے گا۔ اسے ڈیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مارک اینڈ کمپنی کو رعایت دیے بغیر بھی جیک کو ٹھکانے لگا سکتا تھا پھر جینی اس کے رحم وکرم پر ہوگی۔

''چھری حاصل کرکے کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔۔۔ ڈیل ختم ہو جائے گی اور مارے جاؤ گے۔'' نک نے دھمکایا۔ مارک سمجھ رہا تھا کہ نک ڈیل کے بہانے اسے جھانسا دینے والا ہے۔ جینی اور بابی کی آس وہ خود تھا۔ اس کا ذہن برقی ٹرین کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ وہ امید کررہا تھا کہ کچن میں ان دونوں نے کامیاب ڈراما کھیلا ہوگا۔

''بے فکر رہو۔۔۔ مجھے ایک دو منٹ پانی میں رہنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے میں وہیں جم جاؤں۔۔۔''

''نہیں، تم جینفر اور بابی کے لیے واپس آؤ گے۔'' نک نے کہا اور مارک نے زیرِلب مزاج کے برخلاف اس کے حق میں گالی لڑھکائی۔

''کیا۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو؟''

''واپس آؤں گا۔'' مارک نے بلند آواز میں کہا۔

☆☆☆

جینی دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔ اس کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں۔ گن اس نے مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں تھامی ہوئی تھی۔ مارک کے مطابق اسے سڑک پار کرکے مارک کے والدین کے گھر تک پہنچنا تھا۔

آہ یہ ماضی کا ری پلے۔۔۔ شکاری اور شکار وہی پرانے تھے، رات بھی طوفانی، عجب ستم ظریفی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اب جینی کے ہاتھ میں گن تھی۔

کچن کے دروازے کی ناب نے گھومنا شروع کیا۔ جینی کا اندازہ تھا کہ وہ اس مرتبہ بھاگ نہیں سکے گی۔ ایک ہی آپشن تھا کہ وہ جیک کو شوٹ کردے۔ اس کا ہاتھ کانپا۔ کیا وہ یہ کام کرسکے گی؟

کیوں نہیں، وہ اس کی ماں کا قاتل اور باپ کی بربادی کا ذمے دار تھا۔ اس وقت مارک اور بابی سمیت اس کی جان بھی لینے کے لیے تیار تھا۔ اس کی اصل شکل سامنے تھی، عزائم شک وشبے سے بالاتر تھے۔ وہ اس قابل تھا کہ اسے بار بار مارا جائے۔ زندہ کرکے پھر ہلاک کیا جائے لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال محض شدید نفرت کا مظہر تھا۔ جیک

نے اس کی پوری فیملی تباہ کردی تھی۔

دروازہ کھل گیا۔ جیک نے اندر قدم رکھا۔ جینی اس کے سر کی پشت کو گھور رہی تھی۔ سیکنڈ کے کسی وقفے میں اس نے نشانہ لیا اور فائر کرتے وقت آنکھیں بند کرلیں۔

دھما کا ہوا۔ گونج ختم ہونے پر جینی نے آنکھیں کھولیں۔ جیک لڑکھڑا تا ہوا آگے گیا اور کچن کی ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ اس کے چہرے پر شاک کے اثرات تھے لیکن وہ زندہ تھا۔ اس کا ایک ہاتھ گردن پر تھا۔ خون اس کی انگلیوں کے درمیان سے رس رہا تھا۔

بلا سوچے سمجھے، جینی نے سر کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کیا۔ گولی جیک کے ہاتھ کی انگلیوں کو زخمی کر کے نکلی۔ وہ چیخ اٹھا اور دروازے کی جانب لڑھکنا شروع کیا۔ تکلیف کی جگہ اس کے چہرے پر غصہ نظر آرہا تھا۔

جینی کو احساس ہوا کہ وہ محض اس کی گردن پر خراش ڈالنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ سنہری موقع اس کے اناڑی پن اور اعصاب زدگی کی نذر ہو رہا تھا۔

اچانک جیک نے کھڑے ہو کر پسٹل نکال لیا اور بلا تامل فائر کیا۔ تیسرا دھماکا کچن میں گونجا۔ وہ جینیفر کو مغلظات بک رہا تھا۔

گولی جینی کے بازو کو چھو کر گزری۔ اسے لگا جیسے بازو میں آگ کی لکیر کھینچ دی گئی ہو۔ گن اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اسے اٹھانے کی مہلت نہیں تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ دھماکوں سے گھبرا کر بابی اپنی پوشیدگی کا راز فاش کر بیٹھے اور مارا جائے۔

جینی کے بدن میں بجلی بھر گئی۔ چانس اب بھی تھا۔ تاہم لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ تیر کی طرح ہال وے سے گزر کر باہر نکل گئی۔ واپسی کا سوال نہیں تھا۔

ماضی خود کو دہرا رہا تھا۔ اسی طرح، دو سال پہلے کی طرح وہ بارش میں بھاگ رہی تھی اور آج بھی قاتل زخمی تھا۔ لان سے گزر کر وہ سڑک پر آئی۔ جینی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کے پھیپھڑوں میں آگ لگی تھی۔ وہ دیوانہ وار بھاگ رہی تھی۔ اس کا رخ مارک کے والدین کے مکان کی جانب تھا۔

جیک پیچھے تھا، تاہم اس کی رفتار تسلی بخش نہیں تھی۔ ماضی کی نسبت آج وہ زیادہ زخمی تھا اور مرتے مرتے بچا تھا۔

☆☆☆

مارک کو لگا کہ وہ ڈوب جائے گا۔ اس نے رسی کا سہارا لیا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں سرد نمکین پانی گھس گیا تھا۔ چھری کے ذریعے رسی کاٹ کر وہ اندر ہی اندر کسی اور طرف

نکل کر فرار نہیں ہوسکتا تھا۔ سرد پانی خون جمائے دے رہا تھا۔ نیز اسرف اس کی زندگی کا سوال نہیں تھا۔

جیسے تیسے اس نے بیم سے بیگ کو الگ کیا۔ بیگ کچھ وزنی تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چھری تھی۔ بیگ کو بازو کی مدد سے اس نے سینے سے لگایا ہوا تھا۔

وہ مختصر دقفہ اسے بہت طویل لگا۔ چاقو اس نے دانتوں میں دبالیا۔ ایک ہاتھ اور رسی کے سہارے وہ سیڑھی تک پہنچ گیا۔ ٹارچ وہ پہلے ہی چھوڑ چکا تھا۔ اس کے پاس چھری اور اندھیرے کا سہارا تھا تاہم حالت ابتر تھی۔ جبکہ نک کے پاس پسٹل اور توانائی تھی۔ مارک کا اندازہ تھا کہ نک کا پلڑا بھاری ہے۔

اس نے آہستہ آہستہ سیڑھی چڑھنا شروع کی۔

''چاقو پھینک دو اور بیگ کو سنبھالو۔'' نک غرایا۔ اس کے پاس ایک پنسل ٹارچ تھی۔ مارک امید کررہا تھا کہ بیگ دیکھ کر نک عالم ہیجان میں چھری کو نظرانداز کردے گا۔ تاہم یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ وہ بورڈ واک تک پہنچ گیا تھا۔ چھری اس نے نیچے گرادی۔ برفانی پانی نے اس کو نچوڑ لیا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل تختوں پر جھکا ہانپ رہا تھا۔

نک بیگ لینے کے لیے جھکا۔ عین اسی وقت کچن کی جانب دھماکے کی آواز آئی۔ دونوں ہی چونک اٹھے تھے۔ دوسرا اور پھر تیسرا دھماکا... نک ایک لمحے کے لیے اضطراری طور پر ٹھٹکا۔ مارک کے لیے یہ ایک قطعی غیرمتوقع چانس تھا لیکن بہت معمولی دقفہ... اس نے جینی کا تصور کر کے ہمت مجتمع کی اور جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ اس کا سر جھٹکے ہوئے نک کی ناک سے ٹکرایا۔ اگرچہ ٹکر میں زیادہ جان نہیں تھی تاہم ایک دو لمحات میں تین واقعات رونما ہوئے۔ فائرنگ کے دھماکے، مارک کی ٹکر سے وہ تیورا کر گرا۔ ٹارچ گری۔ لیکن پسٹل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ناک کی چوٹ نے چند لمحوں کے لیے اس کا دماغ سن کردیا۔ مارک کو پتا تھا کہ یہ فیصلہ کن لمحات ہیں۔ زندگی گویا ریشمی دھاگے کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ اس نے اندازے سے دیوانہ وار چھری کے لیے ہاتھ چلایا۔ چھری کا دستہ اس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ قسمت کی خرابی، ہاتھ سے ٹکرا کر چھری پانی میں جاگری۔

مایوسی نے مارک پر حملہ کیا۔ نک کے حواس واپس آرہے تھے۔ رسی اب بھی مارک کی کمر سے بندھی تھی۔ اسے جینی کا خیال آیا۔ ساتھ ہی جسم میں برف سی دوڑ گئی۔ وہ اچھل کر نک پر جاگرا۔ بیگ ہلکا نہیں تھا اور پانی نے اس کا وزن اور بڑھادیا تھا۔ سیاہ بیگ کا قبضہ ابھی بھی مارک کے پاس تھا۔ نک اٹھتے اٹھتے پھر لیٹ گیا۔ اس کی ناک سے خون رس رہا تھا۔ مارک کے لیے سب سے بڑا خطرہ نک کا پسٹل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اپنی طاقت سے زیادہ ذہن پر انحصار کرنا ہے۔ نک کوئی نرم چارہ نہیں تھا جبکہ سرد پانی نے مارک کے قدرتی جسمانی درجہ حرارت کو متاثر کیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر اور پانی میں رہتا تو چند منٹ بعد جان لیوا عمل کا آغاز ہوجاتا۔

مارک نے پہلے بوجھل سیاہ بیگ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر نک کے چہرے پر دے مارا۔ اس مرتبہ اس کے حلق سے تکلیف دہ کراہ خارج ہوئی۔ مارک نے بیگ کے چرمی فیتے کو اپنی کلائی میں لپیٹ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے نک کی پسٹل والی کلائی کو پکڑ کر چوبی تختوں سے ٹکرایا۔

نک کی وحشیانہ غراہٹ بلند ہوئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ کا گھونسا مارک کے جبڑے پر رسید کیا۔ گھونسا مارتے ہی وہ کراہ اٹھا تھا۔ ضرب کی شدت نے مارک کو احساس دلایا کہ اس کے پاس قلیل وقت بچا ہے۔ وہ اپنی زوال شدہ توانائی کے ساتھ قاتل درندے کو قابو نہیں کرسکے گا۔ تاہم اس کا ذہن جسم سے زیادہ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے نوٹ کرلیا کہ گھونسا مارتے ہی نک کیوں کراہ اٹھا تھا۔ یہ وہی اس کا زخمی بازو تھا۔

مارک نے پسٹل والی کلائی چھوڑے بغیر بیگ اندازے سے اس کے زخمی بازو پر دے مارا۔ نک پھر کراہ اٹھا۔ مارک نے اس کے بازو پر دوسری ضرب لگائی اور پسٹل والا ہاتھ تختوں سے پھر ٹکرایا۔ نک کی مزاحمت بڑھتی جارہی تھی۔ دوسری... تیسری اور چوتھی ضرب کے بعد پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

خوفناک طوفانی رات میں مارک اپنے علاوہ دو اور انسانوں کے لیے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکراؤ کا ساعت شکن کڑاکا ہوا۔ تیز روشنی نے چند لمحات کے لیے ماحول کو منور کردیا۔ مارک کی نظر نک کے چہرے پر پڑی۔ نک کی آنکھیں... وہ کسی انسان کی نہیں، جانور کی آنکھیں تھیں۔

مارک کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ چھٹی حس نے کہا کہ اب نک کا وقت شروع ہورہا ہے۔ اس نے کلائی چھوڑ کر پسٹل اٹھانے کی کوشش کی۔ پسٹل کے بغیر اس کی موت یقینی تھی۔ کلائی آزاد ہوتے ہی نک کا بھرپور گھونسا، سینے پر سوار مارک کی کنپٹی سے ٹکرایا۔ اسے یوں لگا کہ بجلی آسمان پر نہیں اس کے دماغ میں چمکی ہے۔

مارک ایک طرف لڑھک گیا۔ مایوسی نے مارک کے ذہن پر یورش کی۔ اس نے سر جھٹک کر نگاہ صاف کی۔ نک قدموں پر کھڑا تھا۔ پنسل ٹارچ بجھ چکی تھی۔ برسات جاری تھی۔ تاہم کڑک چمک میں وقفہ آ گیا تھا۔ لہٰذا تاریکی کے باعث نک فوراً پسٹل کو نہ دیکھ سکا۔

مارک کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ نک سے لپٹنے کی کوشش نہ کرے اور نہ اسے پسٹل تک پہنچنے دے۔ اس نے ناکامی کی سوچ کا ہر در بند کر دیا۔

آسمانی بجلی پھر چمکی۔ دونوں کی نظر پسٹل پر پڑی۔ نک نے جھک کر ہاتھ بڑھایا۔ عقب سے مارک نے اس کی تشریف پر لات جمائی۔ گرتے گرتے نک نے بوجھل گالی اچھالی اور حیرت انگیز پھرتی سے پلٹا۔ وہ پسٹل کو بھول کر سیدھا زمین بوس، رک پر آیا۔ مارک نے آخری بار بیگ گھما کر اس کے چہرے پر مارا پھر بیگ چھوڑ دیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ بیگ کو بطور ہتھیار استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔

مارک لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ نک کی ناک اور بازو کو نشانہ بناتا۔ تاہم اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ یہ جنگ ہارنے جا رہا ہے۔ دونوں چوبی تختوں پر لڑھک رہے تھے۔ اچانک نک اسے چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ اس کا کریہہ قہقہہ بلند ہوا۔

”ہیرو۔ تجھے گولی نہیں ماروں گا“ وہ چیخا۔ مارک عالم حیرت میں بمشکل کھڑا ہوا۔ نک چند فٹ کے فاصلے پر پسٹل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ تب مارک کو احساس ہوا کہ کمر سے بندھی رسی کا دوسرا سرا پانی میں جاتی سیڑھی کے ڈنڈے سے بندھا تھا۔ رسی کی لمبائی ختم ہو گئی تھی۔

”تو گولی کی آسان موت کا حق دار نہیں ہے۔“ وہ پھر بولا۔

”گولی چلا دے، ورنہ بعد میں پچھتائے گا۔“

”تو بڑا زبان دراز ہے۔ سب کچھ ہار کر بھی ہذیان بک رہا ہے۔“

”یہ ہذیان نہیں، میرا یقین بول رہا ہے۔“

”یہ کیا ہوتا ہے؟“ نک نے مضحکہ اڑایا۔

”یہ وہ قوت ہے، جو تیرے جیسے شیطانوں کو خاک چٹاتی ہے۔“ مارک نے کہا۔

”خاک تو یہاں نہیں ہے، پانی بہت ہے۔ تو پانی پی۔“ یہ کہہ کر اچانک نک نے قدم بڑھا کر پھرتی سے لات چلائی۔ بھرپور ضرب مارک کے سینے پر پڑی۔

مارک نے سنبھلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا ذہن جاگ رہا تھا۔ ایک پتا اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ رسی اب بھی اس کی کمر سے بندھی تھی۔ جس کا دوسرا سرا سیڑھی کے ڈنڈے سے منسلک تھا۔

لات کھا کر وہ سیدھا پُرشور متلاطم پانی میں جا گرا۔

منہ زور برفیلی لہروں نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

☆☆☆

بارش کی بوچھاڑ جینی کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ اس کی تمام تر قوت ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔ گرج، چمک سے آسمان جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ مطلوبہ مکان کے دروازے تک پہنچ گئی۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ پلٹ کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

مارک کی اطلاع کے مطابق اس نے گملے کے نیچے سے چابی برآمد کی۔ ہال وے میں آ کر اس نے سوئچ آن کیا۔ چند لمحے کے لیے اچانک روشنی نے اس کی نگاہ کو متاثر کیا۔

وہ بلا جھجک سیڑھیاں طے کر کے بالائی منزل پر پہنچ گئی۔ یہاں نقشہ ”کوواینڈ“ کی رہائش سے مختلف تھا۔ چھ کمرے تھے اور ایک ہی قطار میں۔ جینی کو نہیں معلوم تھا کہ ماسٹر بیڈ کون سا ہے۔ اس نے پہلا دروازہ کھولا۔ یہ ماسٹر بیڈ نہیں تھا۔ دوسرا کھولا، یہ بھی نہیں... اس وقت اسے ہال وے میں آہٹ سنائی دی۔ جیک پہنچ گیا تھا۔

جینی اندھادھند تیسرے کمرے میں داخل ہو گئی اور دروازہ بند کر دیا لیکن سوئچ آن نہیں کیا۔ کھڑکی کے پردے پوری طرح برابر نہیں تھے۔ آسمانی بجلی کی چمک گاہے گاہے نگاہ کو رسائی دے رہی تھی۔ وہ ماسٹر بیڈ روم ہی تھا۔ جینی نے فون بھی دیکھ لیا۔ اسے استعمال کرنے کا وقت نہیں تھا۔ آہٹیں اب سیڑھیوں پر تھیں۔ اسے گن حاصل کرنا تھی۔

چوبی رائٹنگ ٹیبل میں چھ درازیں تھیں۔ مارک کی اطلاع کے مطابق ان میں سے کسی میں گن ہونی چاہیے تھی۔ جینی نے کرسی ایک طرف کی اور پہلی دراز کھولی۔ وہ خالی تھی۔ اس سے متصل، اس نے دائیں دراز کھولی، خالی...

جیک کمروں تک پہنچ گیا تھا۔ جینی نے کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ شاید وہ پہلے کمرے میں تھا۔ وہ دیوانہ وار درازوں کو کھنگال رہی تھی... یکے بعد دیگرے۔

اور پھر ماسٹر بیڈ کا دروازہ جھٹکے سے کھلا۔ ہال وے کی روشنی کا کچھ حصہ کمرے تک آ گیا۔ دروازے کے فریم میں جیک کھڑا تھا۔

جینی پلٹ کر رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ چپک گئی۔

جیک کے منہ سے مغلظات گٹر کی طرح بہہ رہی تھیں۔ جینی نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔

''بابی کو کہاں چھپایا ہے؟'' وہ آگے بڑھتا ہوا غرایا۔

جینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیک قدم بہ قدم قریب تر ہو رہا تھا۔

''وقت آ گیا ہے کہ تمہیں سبق سکھایا جائے۔'' وہ بولا۔ ''بتاؤ کہاں ہے بابی؟'' وہ جینی سے دو قدم دور تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جینی کے رخسار کو چھوا۔ جینی نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ دوسرا ہاتھ پشت پر دراز میں تھا۔ پتا نہیں وہ کون سی دراز تھی۔ دل ہی دل میں اس نے دعا مانگی اور ہاتھ دراز میں گھمایا۔

''حرکت مت کرو۔'' جیک نے تنبیہ کی۔

دفعتاً جینی کا ہاتھ دراز میں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ وہ نوک دار آہنی پیپر کٹر تھا۔

جیک کی سانسیں جینی کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔

''تم لطف اندوز ہو گی، کیا خیال ہے...'' اس کی مکروہ ہنسی کمرے میں گونجی۔

''جہنم میں جاؤ۔'' جینی نے ترچھا ہو کر پیپر کٹر کا نوک دار تیز سرا پوری قوت سے جیک کے سینے میں اتار دیا۔ وہ پیچھے ہٹا، گن ہاتھ سے گر گئی۔ جیک کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر تھے۔

جینی نے لمحہ ضائع کیے بغیر گری ہوئی گن اٹھا کر نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ اتنے قریب سے کوئی گولی ضائع نہیں ہوئی۔ پہلی گولی سینے میں... دوسری گولی بھی سینے میں جا گھسی۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر پھسلا۔

جینی عالم اشتعال میں ٹریگر دباتی رہی۔ حتیٰ کہ گن خالی ہو گئی۔ جیک دیوار کے ساتھ گٹھڑی کی صورت میں پڑا تھا۔ اب خالی گن سے کلک کلک کی آواز آ رہی تھی۔

وہ خود بھی گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی۔ اس کی ڈھول بجاتی دھڑکنیں معمول پر آ رہی تھیں۔ اسے خیال آیا کہ طوفانی راتیں تو آتی جاتی رہیں گی لیکن اب وہ ڈراؤنا خواب کبھی اس کی نیند خراب نہیں کرے گا۔

دفعتاً سیڑھیوں پر آہٹ ابھری۔ جینی نے سر اٹھایا۔ آہٹیں قریب آ گئیں پھر نک کی شکل نظر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پسٹل تھا اور دوسرے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بیگ۔

جینی نے گھبرا کر گن سیدھی کی اور ٹریگر دبایا۔ کلک... بدحواسی میں وہ بھول گئی تھی کہ تمام گولیاں تو وہ جیک کی نذر کر چکی تھی۔

نک کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے ایک نظر خون میں لت پت جیک پر ڈالی اور بولا۔

''بالآخر حصہ داری کا مسئلہ خود ہی ختم ہو گیا۔ اب میں اکیلا موسکایا سے سودے بازی کروں گا۔ کم از کم پچاس ملین...''

پھر اس نے جینیفر کو دیکھا۔ ''ہنی! تمہارے لیے میرا پروگرام تو کچھ اور تھا۔ تاہم اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے پسٹل جینی کی طرف تانا...

دور سے کہیں سائرن کی آواز ابھری۔ نک ٹھٹکا۔ تاہم بہت دیر ہو چکی تھی۔ جینی نے آنکھیں بند کر لیں اور گولی کا انتظار کرنے لگی۔

بجلی زور سے کڑکی۔ یوں لگا کہ اسی مکان پر گری ہو۔ یہ نہایت زوردار کڑاکا تھا۔ بلا ارادہ جینی نے آنکھیں کھول دیں۔ نک کے عقب میں اسے ایک سایہ نظر آیا۔ وہ مارک تھا۔ بری طرح پانی میں شرابور۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پسٹل اس نے دونوں ہاتھوں میں سختی سے پکڑا ہوا تھا۔ زندگی اور توانائی صرف اس کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی۔ جہاں فولادی عزم کے ساتھ شدید غصہ عیاں تھا۔

''او... ناکام اداکار۔'' وہ چلایا۔ تاہم آواز چیخ سے مشابہ نہیں تھی۔

نک کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ تیزی سے پلٹا لیکن مارک فائر کر چکا تھا۔ گولی نک کی کھوپڑی میں اتر گئی۔ گرتے گرتے اس نے بمشکل چند سانسیں لی ہوں گی۔

مارک بھی ساتھ ہی گرا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل تھا۔

''مارک... ک... ک...'' جینی تڑپ کر چلائی اور اس کی جانب لپکی۔

مارک کا سر جینی کی گود میں تھا۔ اس نے دیکھا کہ مارک کے ہونٹوں پر ہلکی نیلاہٹ تھی اور جسم برف بنا ہوا تھا۔ جینی کے گرم آنسو نیل زدہ ہونٹوں پر ٹپکے۔ مارک آنکھوں سے مسکرایا اور سرگوشی کی۔

''اور...''

''کیا اور...؟''

''آنسو۔''

سائرن کی آواز قریب پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

وہ قدرے ایک خوشگوار شام تھی۔ جینی بوٹ ہاؤس کے قریب، بورڈ واک پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ مارک بھی اس کے قریب بیٹھا تھا۔

مارک نے بمشکل چوبیس گھنٹے اسپتال میں گزارے تھے۔ وہ باقی کے واقعات جاننے کے لیے بے تاب تھا۔
جینی نے اسے بتایا کہ اس کے باہر جانے کے بعد کیا ہوا اور فائرنگ کیوں ہوئی... کس طرح وہ جیک کو نشانہ بنانے میں ناکام ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ نکلی۔
''مجھے وہاں سے بھاگنا ہی تھا۔'' جینی نے مارک کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ فائرنگ سے گھبرا کر بابی اپنی کمین گاہ سے باہر نہ آجائے۔ جیک کی توجہ پوری طرح میری جانب تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بابی قریب ہی چھپا ہوا ہے۔'' وہ چپ ہو کر مارک کی سبزی مائل آنکھوں میں دیکھنے لگی۔
''کیا دیکھ رہی ہو؟''
''تم الو کے پر نہیں ہو۔'' وہ بولی۔
''پہلے تو تھا۔'' وہ مسکرایا۔
''تم نے یہ سب کیسے کیا؟''
''تک بھول گیا تھا کہ میری کمر سے رسی بندھی تھی۔ میں نے اسے مستقل اشتعال میں رکھا۔ اس کی نفسیات میں اذیت پسندی شامل تھی۔ میں اسے گولی مارنے پر اکسا رہا تھا۔ اس نے اپنی فطرت کے مطابق ردِعمل پیش کیا اور مجھے پانی میں پھینک دیا۔''
''اگر وہ واقعی گولی چلا دیتا؟'' جینی نے لرز کر مارک کی گود میں سر رکھ دیا۔ وہ اوپر دیکھ رہی تھی اور مارک نیچے... اس کی نیلگوں آنکھوں میں۔
''نہیں وہ گولی نہیں چلاتا۔''
''کیوں؟''
''میرے پاس رسی کے علاوہ دوسری چیز بھی تھی۔'' مارک نے جینی کے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔
''وہ کیا؟''
''آخر میں بتاؤں گا۔ پہلے تمہارے دوسرے سوالات کے جواب سنا دوں۔'' مارک نے کہا۔ ''پانی میں گرنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ صورتِ حال اب بھی انتہائی مخدوش تھی۔ اگر میرے پاس وہ دوسری چیز نہ ہوتی تو رسی کے باوجود سرد طوفانی موجوں سے لڑنا میرے لیے ممکن نہ ہوتا۔ میری جسمانی حالت پہلے ہی ابتر تھی۔
''خیر میں کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل ہی آیا اور گرتا پڑتا اندر پہنچا... وہاں بابی خوف زدہ حالت میں تھا۔ وہ اپنی پناہ گاہ سے باہر آگیا تھا۔ ایک بندہ بے ہوش پڑا تھا۔ جسے تم نے زخمی کیا تھا۔ وہ کسی وقت بھی ہوش میں آجاتا۔ تمہارا گرایا ہوا پسٹل اٹھا کر اس کا دستہ دوبارہ اس کی کنپٹی پر رسید کیا۔ میرے ہاتھ پیر ٹھیک طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ کم وقت میں مجھے زیادہ کام کرنا تھا۔ ''گاردا'' کے بارے میں، میں تمہیں اسپتال میں بتا چکا ہوں۔ بے ہوش آدمی سی آئی اے کا نہیں بلکہ کرائے کا ٹٹو تھا۔ اس کے لباس سے مجھے موبائل ملا۔ میں نے گاردا کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے فوراً پہنچنے کا کہا۔
پھر کسی طرح بابی کو اشارے سے تسلی دی۔ اسے واپس بمشکل پینٹری میں چھپایا۔ صرف ایک کام رہ گیا تھا، اپنی جان بچانا۔''
''اپنی جان...؟''
''ایک ہی بات ہے۔ میرا مطلب تھا کہ تمہاری جان۔''
''اُلو ہو۔'' جینی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔
''نہیں۔ خادم ہوں۔'' مارک نے کہا۔ ''جیک اور تک کہیں دکھائی نہ دیے۔ میں جانتا تھا کہ تم کہاں ہوگی۔ شدید خطرے نے مجھے بدحواس کر دیا۔ مجھے کسی بھی صورت جلد از جلد تم تک پہنچنا تھا۔ تم تک پہنچنے کا مختصر فاصلہ جیسے پھیل کر بہت طویل ہو گیا تھا۔ وہ ''دوسری'' چیز ہی مجھے آگے بڑھا رہی تھی۔''
''کون سی چیز؟'' جینی کی آنکھوں میں بے قراری تھی۔
''آخر میں بتاؤں گا۔ بہرحال میں ایک سیکنڈ قبل پہنچ ہی گیا... باقی سب تمہیں معلوم ہے۔ گاردا خاصی فورس لے کر آیا تھا۔ اسے پتا تھا کہ بابی کہاں ہے۔ کرائے کے آدمی کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ہوش میں آگیا تھا۔ تاہم اسے کھسکنے کی مہلت نہیں ملی۔ اگرچہ بعد میں وہ بے کار ہی نکلا۔ گاردا نے بابی کو دوسری گاڑی کے ذریعے کالڈویل پہنچایا اور خود سیدھا یہاں آگیا۔ خواب ختم، کہانی ختم۔ اب خواب میں تم صرف مجھے دیکھو گی۔'' مارک نے جینی کی شفاف پیشانی پر انگلی سے دستک دی۔
''تم کیا گیری کوپر ہو؟''
''نہیں، میں مارک دی آؤل (اُلو) ہوں۔'' مارک نے جواب دیا۔
''نہیں، تم اُلو ہو نہ خادم ہو۔ تم شروع سے اونر ہو۔'' جینی نے اس کا ہاتھ پیشانی سے ہٹا کر ہونٹوں پر رکھ لیا۔
''کیسا اونر؟''
''انجان مت بنو۔ یہ بتاؤ کہ موسکایا کا کیا بنے گا۔ کیا

ان کا خطرہ نابود ہو گیا؟''

''ڈسک اب ''آرگنائزڈ کرائم ڈویژن'' کی تحویل میں ہے۔ انہیں اپنے ہاتھ پیر بچانے کی پڑی ہوگی۔ اگر وہ لوٹ کھسوٹ سے بچ بھی گئے تو انہیں امریکا سے اپنے معاملات سمیٹنے ہی بن پڑے گی۔'' مارک نے جواب دیا۔

''مارک! میرا دل نہیں مانتا تھا کہ میرے والد ہمارے لیے شرمندگی کا باعث بنیں گے۔'' جینی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''میرے دل کی آواز سچی تھی۔'' غم کے سائے نے اچانک حُسن کی سوگوار تصویر کشی کی۔ مارک نے اس کا ہاتھ دبایا۔ ''میں متعلقہ اداروں کے ساتھ مل کر پوری کوشش کروں گا کہ ان کی باڈی دریافت ہو جائے۔ تمہارے والد قابلِ احترام ہیں۔ قانون کے محافظوں نے ہی ہوسِ زر میں غداری کی اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔ تمہارے والد کی روح یقیناً خوش ہوگی۔''

''مارک، کیا یہ ممکن ہے؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔ ڈوگل نے تمہیں بتایا تھا کہ لازار کے پاس، تین بیگ تھے۔ تیسرے میں کپڑے تھے۔ رقم والے بیگ اس نے اپنے پاس رکھیں ہوں گے۔ خاصا امکان ہے کہ کپڑوں والا بیگ ڈوگل کے بھائی کے پاس تھا جس کی باڈی دریافت ہوئی۔ اس میں تمہارے والد کی اشیا بھی تھیں۔ لازار کا منصوبہ کیا تھا؟ وہ تم تک کے ذریعے بن چکی ہو لیکن اس کا طریقہ کار اندھیرے میں تھا۔ ناگہانی طوفان نے سب کچھ تتر بتر کر دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جس مقام پر ڈوگل کا بھائی ہلاک ہوا تھا، وہ دونوں وہاں سے دور جا سکے ہوں گے۔ ڈوگل کی بات اور تھی اور وہ کچھ خوش قسمت بھی رہا کہ بچ نکلا۔ تاہم اس کا انجام افسوس ناک رہا۔ وہ ایسے انجام کا حق دار نہیں تھا۔''

''کیا مارٹی بھی کرائے کا آدمی تھا؟'' جینی کو خیال آیا۔

''نہیں، وہ سی آئی اے کا آدمی تھا۔ تاہم جیک کے دونوں سائنسی فیلوز اور گراہم کی طرح اصل معاملات سے بے خبر تھا۔ وہ خود ہی منظرِ عام پر آ گیا۔ اسے علم تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ جیک کا پارٹنر صرف تک تھا۔''

''مارک میں نادیا کو بھی بھول نہیں پاتی۔ موسکایا کی ترجیحات بدل چکی ہیں، بقول تمہارے۔ تو اگر میں نادیا کو وفاقی گواہ بننے پر آمادہ کر لوں تو کیا تم اسے سزا سے بچانے میں مدد نہیں کر سکتے؟''

''خادم ہوں۔''

''تم باز نہیں آؤ گے۔ بائی دی وے موت کے سامنے جس طرح تم نے تک اور جیک کے ساتھ مکالمے بازی کی تھی، لاجواب تھی۔۔۔ نہ صرف ماحول بدل گیا تھا بلکہ مجھے نئی توانائی اور امید ملی تھی۔ کیا تم شروع سے اتنے دلیر تھے؟ کیا تم نے نفسیات بھی پڑھی ہے؟''

''نہیں، میں شروع سے گیدڑ کی ٹانگ تھا۔ اپنے ڈپارٹمنٹ میں جھک مارتا رہا۔ جہاں تک نفسیات پڑھنے کی بات ہے، میں تو تمہیں پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن تم نے کتاب ایسی بند کر کے رکھی تھی کہ بس ٹائٹل ہی پڑھ کر آہیں بھرتا رہتا تھا۔''

''اچھا بتاؤ نہ نادیا کے لیے کچھ کرو گے؟'' وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔

''ایک شرط پر۔''

''کیا؟''

''اگر کسی مشکل میں پڑا تو میری وکیل تم ہوگی؟''

''صرف وکیل؟ چلو اچھا ہے۔ منظور ہے۔'' جینی نے شرارت سے جملہ کسا۔

''کیا مطلب؟'' مارک نے آنکھیں دکھائیں۔ ''نکالوں گولڈ رنگ؟''

''ہیرا لگا ہے اس میں؟''

''ہیرا تو تم خود ہو۔''

''بہت فری ہو رہے ہو؟''

''ہائے۔۔۔ ے۔۔۔ ے۔۔۔ اب بھی کوئی کسر باقی ہے۔ کیا نخرا ہے، عشوہ ہے؟ ستم ہے؟ ادا ہے یا عادت ہے؟''

''ہاں ایک بات رہ گئی۔ وہ دوسری چیز کیا تھی تمہارے پاس، جب تک نے تمہیں پانی میں پھینکا؟''

''خوب یاد رکھا ہے۔'' مارک نے کہا۔ ''وہ چیز تمہاری تصویر تھی۔'' وہ مسکرایا۔

''میری تصویر! تمہارے پاس؟'' جینی نے بے اعتباری سے سوال کیا۔ ''جھوٹ بول رہے ہو، دکھاؤ؟''

''شروع سے ہے، یہاں۔'' مارک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سینے پر رکھ لیا۔

جینی نے عالمِ بےخودی میں مارک کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

نہ حرف ہے، نہ صوت، نہ نغمہ۔۔۔ بس خامشی، سکوت اور ایک جلوۂ مستور۔

ناپختگیٔ شوق تحلیل ہوئی۔ اندیشہ باطل، باطل نہ رہا۔۔۔ ایک طلسم تھا اور دل، اِک جنبش میں پہلو سے نکل گیا۔

مفرور

سکندر عظیم

حالات کی ستم ظریفی ایسے دوراہے پر لا کھڑا کر دیتی ہے... کہ بہت سی ان چاہی اور ناپسندیدہ چیزوں کو اپنانا پڑتا ہے... ایک غلطی نے اسے خانہ بدوش بنا دیا تھا... اپنے چاہنے والوں سے دور وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہا تھا...

خوشیوں اور زندگی کی گہما گہمی سے ناآشنا محرومیوں سے ناتا جوڑ لینے والے شخص کی پراثر کتھا...

اس روز جب صبح کے وقت میں ایجنسی کے دفتر پہنچی تو وہ وہاں پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پرانا سا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی عمر ستر کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ دُبلا پتلا، گنجا اور چُندی آنکھوں والا سیاہ فام شخص تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ پہلی نظر میں وہ سان فرانسسکو کی سڑکوں پر پھرنے والا کوئی بے گھر فوجی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی جیکٹ اور پتلون بھی گھس چکی تھی لیکن صاف نظر آ رہا تھا اس نے

قمیص کے اوپر ٹائی لگا رکھی ہے اور اس کا چہرہ کلین شیو تھا۔ اس کی ٹانگوں پر ایک سرخ رنگ کا ہیٹ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ماریا کے دفتر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور عقبی حصے سے اس کے گنگنانے کی آواز آرہی تھی جہاں کافی کا سامان اور برتن رکھے جاتے تھے۔ شاید وہ اپنے اور مہمان کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر اس شخص کو سلام کیا۔ اس نے جنوب کے لوگوں کے لہجے میں میرے سلام کا جواب دیا۔ جسامت کے مقابلے میں اس کی آواز زیادہ جاندار تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے لوئیس آرم اسٹرونگ کی یاد آگئی۔ وہ کرخت لہجے میں بولا۔

''تم مس ماریا کے پارٹنر ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا نام چارلس انتھونی براؤن بتایا اور میری جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کی ہتھیلیاں اتنی خشک ہو رہی تھیں کہ ان پر کسی عمدہ ریگ مال کا گماں ہو رہا تھا۔

''تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم اور ماریا، غریب لوگوں کے لیے کیا کرنا چاہتے ہیں، یہی جاننے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجھے یقین ہے کہ سب لوگ بھی بدل گئے ہوں گے۔''

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ پہلی نظر میں دیکھنے سے اس کی کیا مراد ہے۔ کچھ ہی دیر میں قدموں کی آواز سنائی دی اور ماریا دروازے کی چوکھٹ میں نظر آئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تمہاری آواز سن لی تھی۔''

''میں مسٹر براؤن سے باتیں کر رہا تھا۔''

''وہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی بھتیجی کو تلاش کریں۔''

براؤن نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''رابن لوئیس۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میرے دفتر میں کافی تیار ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر آرام سے باتیں کرسکیں گے۔''

اس نے سر ہلایا اور آہستگی سے اٹھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہیٹ اور دوسرے میں شہنائی کا غلاف تھا۔ ماریا نے مجھے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ میں بھی اس گفتگو میں شریک ہو جاؤں۔ براؤن اور میں ماریا کے پیچھے دفتر میں داخل ہوئے۔ ماریا نے اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔ ''دودھ اور تین چمچے چینی کے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں؟''

''ہاں، مجھے میٹھی کافی پسند ہے۔''

براؤن نے ایک ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے شہنائی کے غلاف پر گرفت مضبوط کرلی اور بولا۔ ''یہ میرا ہارن ہے۔ اس کے بغیر میں کہیں نہیں جاتا۔''

''کیا تم پیشہ ور موسیقار ہو؟''

''میری زندگی کا بڑا حصہ اسی میں گزرا ہے۔'' اس کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے کے دانت غائب تھے۔ ''اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور کسی بینڈ کے ساتھ کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر موسم اچھا ہو تو بھی کبھی گھر سے باہر نکل کر اپنا یہ شوق پورا کرلیتا ہوں۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو سڑکوں پر کوئی ساز بجا کر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ انہیں اسٹریٹ میوزیشن کہا جاتا ہے ایسے کئی مرد اور عورتیں شہر کی سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگ سڑک پر کھڑے ہو کر راہ گیروں کو تفریح مہیا کرتے ہیں اور وہ خوش ہو کر انہیں اپنی مرضی سے کچھ دے دیتے ہیں۔ میں اسے بھیک مانگنے کا ایک باعزت طریقہ سمجھتا ہوں اگر کسی کے پاس کوئی صلاحیت ہے تو وہ اپنے فن سے اچھے خاصے پیسے کما سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی کمائی شراب یا منشیات کی نذر نہ کردے۔ مجھے براؤن میں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ وہ نشے کا عادی ہے۔

''لیکن میں سڑکوں پر نہیں سوتا۔'' اس نے کہا۔ ''میں بے گھر نہیں ہوں۔ میرے پاس رہنے کے لیے ایک کمرا ہے۔ اور میں ہوورڈ اسٹریٹ پر واقع بلیومون کیفے میں صفائی کا کام کرتا ہوں۔ میں نے کچھ رقم پس انداز کر رکھی ہے اور میں اس میں سے تمہیں معاوضہ ادا کرسکتا ہوں بشرطیکہ تم میری بھتیجی کو تلاش کرسکو۔''

''اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔''

''تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں معاوضہ ادا کرسکتا ہوں۔''

ماریا نے کہا۔ ''مسٹر براؤن! تمہاری بھتیجی کا پورا نام کیا ہے؟''

''رابن لوئیس۔'' اس نے ہلکا سا وقفہ لیا اور بولا۔ ''آرسی نیا کس۔''

''تمہارا آخری بار اس سے کب رابطہ ہوا تھا؟''

''کافی وقت ہو گیا۔ بہت عرصے سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا۔''

''اندازاً کتنا وقت گزر گیا ہوگا؟''

''اکیاون سال۔'' اس نے کہا۔''انیس سو تریسٹھ کے موسم گرما میں۔''

ماریا اور میں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور میں نے پوچھا۔''اس وقت تمہاری بھتیجی کی عمر کیا ہوگی؟''

''سات سال، وہ اٹھارہ اپریل انیس سو چھپن کو پیدا ہوئی تھی۔''

''اس کے بعد اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا۔ مثلاً فون پر بات ہوئی ہو یا کوئی خط و کتابت؟''

''نہیں۔''

''تم نے اس سے پہلے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی؟''

''نہیں۔''

''اگر بُرا نہ مناؤ تو پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟''

براؤن نے میرے سوال کی پروا نہیں کی اور بولا۔ ''اس کی بہت سی وجہ بات ہوسکتی ہیں۔ میں اپنی مصروفیات میں گم ہوگیا۔ ملک کے کونے کونے میں سفر کیا۔ مختلف نوعیت کے کام کیے۔ موسیقی سے دل بہلاتا رہا وغیرہ وغیرہ۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اب بھی زندہ ہوگی؟''

اسے یہ سوال پسند نہیں آیا۔ جس کا اندازہ اس کے ماتھے پر اُبھرنے والی شکنوں سے ہوگیا۔''وہ زندہ ہے۔'' اس نے پُرزور طریقے سے کہا۔''خدا اسے سلامت رکھے۔''

ماریا نے پوچھا۔''انیس سو تریسٹھ میں وہ کس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ ماں، باپ یا دونوں؟''

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اچانک ہی اس کے چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ زور زور سے کھانسنے لگا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر منہ پر رکھا۔ کچھ دیر بعد وہ پُرسکون ہوا اور دھیرے دھیرے سانس لینے لگا۔ ماریا نے پوچھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے تو وہ بولا۔''کبھی کبھی مجھے کھانسی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ تم نے اس سے پہلے کیا پوچھا تھا؟''

''کیا تمہاری بھتیجی انیس سے تریسٹھ میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی؟''

''وہ اپنی خالہ جولین اور اس کے شوہر بوبی فرینکلن کے پاس تھی۔''

ماریا نے ایک بار پھر کمپیوٹر پر ٹائپ کرنا شروع کر دیا اور بولی۔''وہ دونوں کہاں رہتے تھے؟''

''نیو اورلینز۔''

''خاص شہر یا اس کے مضافات میں؟''

''فرنچ کوارٹر، ڈوفن اسٹریٹ۔''

''کیا تمہیں مکان کا نمبر یاد ہے؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔''میری یادداشت اب اتنی اچھی نہیں رہی۔''

''لڑکی کے والدین کے بارے میں بتاؤ۔ کیا ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا تھا؟''

''وہ دونوں مر گئے تھے۔''

''کب اور کیسے؟''

اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ لگتا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔

''کیا میں ان کے نام جان سکتی ہوں؟''

وہ تین چار سیکنڈ خاموش رہا پھر بولا۔''اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ رابن لوئیس اپنی خالہ جولین اور اس کے شوہر بوبی فرینکلن کے ساتھ رہ رہی تھی۔ انہوں نے ہی اس کی پرورش کی۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ کہ فرینکلن اپنی گزر اوقات کیسے کرتا تھا؟''

''جولین کسی کلب میں کام کرتی تھی۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ بوبی ڈرم بجاتا تھا۔''

''کیا وہ کسی بینڈ سے وابستہ تھا؟''

''مجھے یاد نہیں۔'' اب وہ تھوڑا سا مضطرب نظر آ رہا تھا۔''میں نے تمہیں جو کچھ بتایا، کیا وہ رابن لوئیس کو تلاش کرنے کے لیے کافی نہیں؟''

''ہمیں اس بارے میں مزید معلومات درکار ہیں۔''

ایک بار پھر اسے کھانسی کا دورہ پڑا جو کہ پہلے جیسا شدید نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنے منہ پر رومال رکھ لیا جب اس نے رومال ہٹایا تو مجھے اس پر خون کے دھبے نظر آئے۔ جب اس کی سانس بحال ہوئی تو وہ بولا۔

''جو کچھ مجھے یاد تھا، وہ سب پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں۔ اسی کی بنیاد پر اسے تلاش کرو۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے؟''

''ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''یہ کام جلد ہو جانا چاہیے۔'' وہ بولا۔''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔''

''کیا تم کسی ڈاکٹر کے زیرِ علاج ہو؟'' میں نے پوچھا۔

"میں ڈاکٹر کا علاج افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"کئی اسپتالوں میں مفت علاج بھی ہوتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے خیراتی اسپتال۔ میں کبھی بھی وہاں سے علاج کروانا پسند نہیں کروں گا۔ میرا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ اب تو بہت جلد موت کے فرشتے کے ساتھ دوگانا گاؤں گا۔"

ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا خاموش رہے۔

براؤن اپنی کافی ختم کرتے ہوئے بولا۔ "اب مجھے چلنا چاہیے۔" یہ کہہ کر اس نے زمین پر قدم جمانے کے لیے میز کا کونا پکڑ لیا۔ میں اس کے ساتھ باہر آیا۔ راستے میں وہ ایک دفعہ لڑکھڑایا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا لیکن اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ شاید وہ کسی کی مدد لینا نہیں چاہتا تھا۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے سر پر اپنا ہیٹ رکھا اور بولا۔ "معلوم نہیں کہ دن کا بقیہ حصہ کہاں گزرے گا البتہ شام کو بلکہ ہر روز چھ بجے کے بعد میں بلیومون کیفے میں ہی ہوتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد ماریا دوسرے کاموں میں مشغول ہوگئی اور جب میں شام کو روانہ ہونے لگا تو اس نے رابن لوئیس کے کیس پر کام شروع کیا۔ میں صرف ہفتے میں دو مرتبہ ایجنسی کے دفتر جاتا ہوں لیکن اس روز میں ایک انشورنس فراڈ کے کیس پر کام کر رہا تھا۔ لہٰذا اسے نمٹانے کی خاطر دوسرے روز بھی دفتر جانا پڑ گیا۔

ماریا کو کام کرنے کا جنون ہے، اس وقت بھی وہ معمول کے مطابق کمپیوٹر پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، البتہ اس روز میں نے ایک غیر معمولی بات یہ دیکھی کہ وہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ گنگنا بھی رہی تھی جو میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ کوئی پرانی قسم کی دھن تھی حالانکہ جاز میرا پسندیدہ میوزک ہے اور مجھے اس کے بارے میں خاصی معلومات ہیں لیکن میں اس دھن کو نہیں پہچان سکا۔

"یہ تم کیا گا رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ایک پرانا گانا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ دھن میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔"

"ٹیرا اور لینز کلب کے ایک بینڈ نے انیس سو انسٹھ میں یہ گانا ریکارڈ کروایا تھا لیکن ساٹھ کی دہائی سے پہلے اسے بہت کم سنا گیا۔ اس کے بعد....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور بولی۔ "اس کے کچھ عرصے بعد لوگ اسے بھول گئے۔"

"تم نے یہ گانا کہاں سے سنا؟"

"انٹرنیٹ۔" وہ بولی۔ "اس کے علاوہ ایک دوست سے بھی جس کے پاس پرانے گانوں کا ذخیرہ ہے۔"

اس کے بعد ماریا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دھیمی آواز میں گانا گانے لگی۔ یہ میرے لیے ایک حیران کن منظر تھا کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی میری موجودگی میں ایسا نہیں کیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی کی بات یہ کہ اس کی آواز بہت اچھی تھی۔

گانا ختم کرنے کے بعد اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "اس کے اور بھی بند ہیں لیکن مجھے بس اتنا ہی یاد ہے۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم گا بھی سکتی ہو۔"

"ہاں، لیکن زیادہ تر باتھ روم میں ہی گاتی ہوں۔"

"نہیں باقاعدگی سے گانا چاہیے۔ تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔"

میری تعریف سے وہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئی۔ دھیرے دھیرے اس کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی اور وہ قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "کاش! میں اس گانے کو اپنے ذہن سے نکال سکتی۔"

"کیوں؟ یہ تو بہت عمدہ بول ہیں۔"

"تم ایسا سوچ رہے ہو لیکن اس کے لکھنے والے نے پھر کچھ نہیں لکھا۔"

"اچھا، وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"مونس آر سی نیاکس۔"

"نیاکس۔" میں نے زیرلب دہرایا۔ "کیا اس کا چارلس براؤن کی بھتیجی سے کوئی تعلق ہے؟"

"رابن لوئیس اس کی بھتیجی نہیں ہے۔ وہ اس کی بیٹی ہے اور چارلس انتھونی براؤن کا اصل نام مونس آر سی نیاکس ہے۔"

"پھر اس نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا اور کیوں اپنا غلط نام بتایا؟"

"کیونکہ وہ ایک مفرور شخص ہے۔" ماریا نے کہا۔ "انیس سو تریسٹھ سے وہ بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔"

"وہ کس جرم میں پولیس کو مطلوب ہے؟" میں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"دہرے قتل کے الزام میں۔ اس نے اپنی بیوی اور

اس کے محبوب ڈو پریلس کو قتل کیا۔ وہ بھی موسیقار تھا۔'' اس نے مجھے پرنٹ آؤٹ کے دو صفحات پکڑا دیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپیوٹر کے استعمال میں اسے غیر معمولی مہارت تھی۔ اگر آن لائن جو بھی معلومات دستیاب ہوں، وہ انہیں تلاش کر لیتی تھی۔ اس نے کمپیوٹر سے اگست انیس سو تریسٹھ میں جاری ہونے والا نیو اورلینز پولیس ڈپارٹمنٹ کا وارنٹ گرفتاری اور ان جرائم کے بارے میں اخبارات میں شائع ہونے والا مواد حاصل کر لیا تھا۔ ان دونوں دستاویزات کے خلاصے کے مطابق مورس آرچی نیاکس، ایک شہنائی نواز، گیت نگار اور سویٹ میٹ فائیو نامی بینڈ کا رکن تھا۔ اس نے اپنی گلوکارہ بیوی للی اور ایک دوسرے گروپ کے پیانو نواز مارکوس ڈو پریلس کو بدچلنی کے شبہے میں قتل کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں دونوں کے درمیان ناجائز تعلقات تھے۔ گولیوں کی آواز سن کر اس کے دو پڑوسی جائے وقوعہ پر پہنچے تو دیکھا کہ آرچی نیاکس اپنی بیوی کی لاش کے پاس آلۂ قتل یعنی ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا جو اسی کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ آرچی نیاکس نے فوراً ہی ریوالور زمین پر پھینک دیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچا۔ وہاں سے کچھ نقدی اور ضرورت کی اشیا سمیٹیں اور شہر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔

''نصف صدی سے زیادہ عرصے تک اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تاہم ایسی کئی مثالیں موجود تھیں جن میں مختلف مردوں اور عورتوں نے اپنی شناخت تبدیل کی اور گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ پولیس کی نظروں میں آئے اور نہ ہی کبھی کسی وجہ سے پکڑے گئے۔ اس کے باوجود انہیں تلاش کر لیا گیا اور وہ انصاف کے کٹہرے میں آ گئے۔ پچاس برس تک بھاگتے رہنے کے دوران جانے موسس آرچی نیاکس کو نہ جانے کتنے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔''

میں نے وہ کاغذات ماریا کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ شخص پسند آیا۔''

''مجھے بھی لیکن اب ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''تمہیں اس سوال کا جواب معلوم ہے، ہم قانونی طور پر اسے پکڑنے کے پابند ہیں۔ قاتل سے کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی۔''

''چاہے وہ بوڑھا اور بیمار ہی کیوں نہ ہو؟''

''اس نے بھی دو زندگیوں کا چراغ گل کر دیا تھا۔''

''ممکن ہے کہ اس کی بے وفا بیوی اپنے محبوب سے مل کر اسے مار ڈالتی۔''

''یہ ایک مفروضہ ہے۔ اس نے اشتعال میں آ کر ان دونوں کو قتل کیا ہوگا۔''

ماریا نے مزید بحث نہیں کی اور بولی۔ ''ٹھیک ہے لیکن ہم پولیس کو فون نہیں کریں گے۔ وہ اپنی مرضی سے ہمارے پاس آیا تھا اور وہ ہمارا کلائنٹ ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس نے پچاس سال پہلے کیا کیا۔ اب وہ قریب المرگ ہے۔ ہم اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے لیکن میں اس سے ملنے ضرور جاؤں گا۔''

''ابھی؟''

''آج رات کو۔'' میں نے کہا۔ ''اسے سڑکوں پر تلاش کرنا نہیں چاہتا۔ بلا وجہ ہی تماشا بن جائے گا۔''

''میں تمہارے ساتھ جا سکتی ہوں؟''

''کس لیے؟ کیا تمہارے ساتھ جانے سے کوئی آسانی ہو جائے گی؟''

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔''

''رابن لوئیس کا کیا بنا؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیا تم نے اسے تلاش کیا؟''

''اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس کی پرورش مقتولہ بیوی کی بہن جولین اور اس کے شوہر بوبی فرینکلین نے کی۔ انہوں نے اسے گود لے لیا اور قانونی طور پر اس کے نام کے ساتھ فرینکلین لگا دیا۔''

''کیا وہ زندہ ہے؟''

''ہاں، شریو پورٹ میں رہتی ہے اور تھراپسٹ کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اس کی ڈیوس نامی شخص سے شادی ہوئی جس سے اس کے دو بچے ہیں۔ بوڑھا موسس نہیں جانتا کہ وہ نانا بن چکا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے برا سا منہ بنایا اور بولی۔

''کبھی کبھی مجھے اس کام سے نفرت ہونے لگتی ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''میرا بھی یہی حال ہے۔''

بلیو مون کیفے۔ رکیٹ اسٹریٹ سے نیچے ایک ڈھلوان قطار میں واقع تھا۔ کسی زمانے میں یہاں بڑے بڑے گودام تھے جن کی جگہ اب نائٹ کلب، دفاتر اور قیمتی اپارٹمنٹ بن گئے تھے لیکن ڈھلوان قطار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور یہ جگہ نشے کے عادی افراد اور آوارہ گرد

لوگوں کا مسکن ہے۔ یہاں گھٹیا شراب خانے اور سستے ہوٹل تھے اور اسے شہر کا بدصورت علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں رات کے وقت باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ آوارہ گرد لڑکوں کی ٹولیاں شکار کی تلاش میں رہتیں اور موقع ملتے ہی راہ چلتے لوگوں کو چاقو کی نوک پر لوٹ لیتیں۔ میں بھی بہت محتاط تھا گو کہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

یہ کیفے ایک بڑے سے ہال پر مشتمل تھا۔ جس میں دیوار کے ایک طرف کاؤنٹر اور دوسری دیوار کے ساتھ بوتھ بنے ہوئے تھے۔ ہال کے وسط میں میزوں کی دو قطاریں تھیں جبکہ کچن عقبی حصے میں تھا اور کاؤنٹر کے پیچھے ایک دیوار کے ذریعے اسے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب ایک راہداری نظر آرہی تھی۔ ان اوقات میں وہاں اچھا خاصا رش ہوتا ہے۔ آدھی سے زیادہ جگہ لوگوں سے بھری ہوتی تھی اور ان کی باتوں کی آواز ہال میں مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح گونج رہی تھی۔ یہاں پر زیادہ تر لوگ کھانا کھانے آتے تھے جو اتنا اچھا نہیں ہوتا تھا کہ اس سے لطف اندوز ہوا جا سکے۔ اس کا اندازہ مجھے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہو گیا۔

مجھے کاؤنٹر کے پاس بیٹھنے کی جگہ مل گئی اور جب ایک لاطینی ویٹرس میرے پاس آئی تو میں نے اس سے کہا۔

”یہاں چارلس انتھونی براؤن سے ملنے آیا ہوں۔“

اس عورت نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔ شاید وہ اس لیے حیران ہو رہی تھی کہ پہلے کبھی کوئی اس سے ملنے نہیں آیا ہوگا۔ اس کی مایوسی اپنی جگہ کیونکہ میری وضع قطع دیکھ کر وہ بھاری ٹپ ملنے کی توقع کر رہی تھی لیکن میں نے اسے خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”بائیں جانب آخری دروازہ اس کا ہے۔“

نیم تاریک راہداری میں کچن اور باتھ روم سے آنے والی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ بائیں جانب دو دروازوں پر کوئی نمبر نہیں تھا۔ میں آخری دروازے کے پاس رک گیا اور آہستہ سے دستک دی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں امید کی لہر ابھری۔ شاید سمجھ رہا ہوگا کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں کوئی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے اسے کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی اور بولا۔ ”ہیلو، موسس؟“

وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر حیرت اور سنجیدگی کے تاثرات نمایاں ہو گئے اور وہ کھوکھلی آواز میں بولا۔ ”گویا تمہیں معلوم ہو گیا؟“

”کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کچھ نہیں جان پائیں گے۔“

”مجھے کچھ اندازہ تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا اب تم مجھے پولیس کے پاس لے کر جاؤ گے؟“

”پہلے ہم آپس میں کچھ بات کر لیں؟“

وہ آہستگی سے چلتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ میں نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تاکہ برتن کھڑکنے اور باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کی آوازیں اندر نہ آسکیں۔ کمرے میں ایک کم روشنی والا بلب جل رہا تھا شاید کبھی اس جگہ کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اب بھی ایک دیوار کے ساتھ کئی کارٹن رکھے ہوئے تھے اور بقیہ جگہ میں ایک بستر، ایک کرسی، میز اور الماری نظر آرہی تھی جس میں موسس کا معمولی سا سامان رکھا ہوا تھا۔ بستر پر اس کی شہنائی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے بیٹھتے وقت اسے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ دیکھنے میں وہ کافی پرانی لگ رہی تھی لیکن اس کی پیتل کی سطح پر پالش تھی جس کی وجہ سے وہ جگہ چمک رہی تھی اور .... اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے اس ساز کا پورا خیال رکھتا ہے۔

”تم نے رابن لوئیس کو تلاش کر لیا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”وہ شریو پورٹ میں رہتی ہے۔“

”میں جانتا تھا کہ وہ زندہ ہوگی۔ مجھے اس کا یقین تھا۔“

”شاید وہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہے۔“ میں نے کہا۔ ”تم بھی یہ بات جانتے ہو گے۔“

”میں جانتا ہوں۔ میں نے اس کے لیے کچھ پیسے بچا کر رکھے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں کل بتا چکا ہوں کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسے بتا دینا کہ مجھے بہت افسوس ہے۔ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہا۔ اسے سچ بتا دینا۔“

”کیسا سچ؟“

”یہی کہ انیس سو ترسٹھ کی اس رات کو اس کی ماں اور مارکوس ڈوپرلیس کے ساتھ کیا ہوا۔“ اس نے شہنائی پر اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں بھی سچ بتانا چاہتا ہوں۔ کیا تم سننا پسند کرو گے؟“

”اپنی بات جاری رکھو۔ میں سن رہا ہوں۔“

''میں نے للی یا اس پیانو نواز کو قتل نہیں کیا۔'' اس نے کہا۔ ''دونوں میں اسے کسی کو بھی نہیں۔''

میں نے کچھ نہیں کہا، ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو سنگین جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود آخر وقت تک اپنی بے گناہی پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے دعوے زیادہ تر دواس باختگی کے عالم میں کیے جاتے ہیں یا ان میں جھوٹ کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ پچانوے فیصد مجرم ایسا ہی کرتے ہیں لیکن پانچ فیصد ایسے بھی ہیں جن کی فریاد میں کچھ ایسا درد ہوتا ہے کہ ہم اسے سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

''میں بائبل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا سکتا ہوں۔'' آرسی نیا کس نے کہا۔ ''میں نے کبھی کوئی قتل نہیں کیا۔''

میں اس کی بات خاموشی سے سنتا رہا لیکن اس نے میری خاموشی کا غلط مطلب لیا اور بولا۔ ''تم بھی نیو اورلینز کے دوسرے لوگوں کی طرح ہو اسی لیے میری بات کا یقین نہیں کر رہے۔''

''کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اصل واقعہ کیا تھا؟''

''میں اس عورت سے بہت محبت کرتا تھا اور یہ جان لینے کے بعد کہ وہ مجھ سے بے وفائی کر کے اس پیانو نواز سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی۔ میں اس سے باز پرس کرتا، اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا یا زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ مار پیٹ کرتا لیکن اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی نہیں۔''

''لیکن وہ دونوں تمہارے پستول سے ہلاک ہوئے؟''

''لیکن میں نے انہیں نہیں مارا۔ جیسا نظر آ رہا تھا، حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔''

''ٹھیک ہے، پھر تم ہی بتا دو کہ حقیقت کیا تھی؟''

''اتنے برس ہو گئے۔ بہت سی باتیں مجھے ٹھیک طرح سے یاد بھی نہیں رہیں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا جیسے وہ پرانی باتیں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا پھر کوئی جھوٹی کہانی گھڑنے والا ہو پھر اس نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔

''ڈوپر لیس کے بینڈ میں ہارن بجانے والے ایک شخص نے مجھے ان دونوں کے تعلق کے بارے میں بتایا تھا۔ شاید نشے میں اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔ یہ سن کر میرا طیش میں آنا فطری تھا۔ میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا اور اسی رات ڈوپر لیس کے گھر چلا گیا۔''

''تم اپنا پستول ساتھ لے گئے تھے؟''

سرداریاں

ایک سردار شراب سے تنگ آ گیا اور خالی بوتلیں توڑنے لگا ایک بوتل کو زور سے زمین پر پھینکا اور چلایا۔ ''تیری وجہ سے میری نوکری گئی۔''

دوسری بوتل توڑی۔ ''تیری وجہ سے میرا گھر تباہ ہوا۔''

تیسری بوتل توڑی۔ ''تیری وجہ سے میری بیوی چھوڑ کے چلی گئی۔''

چوتھی بوتل اٹھائی تو وہ بھری ہوئی تھی۔ سردار جی نے اسے اٹھا کر ایک طرف رکھا اور بولا۔

''توں سائڈ تے ہو جا، تیرا کوئی قصور نہیں۔''

☆☆☆

سردار نے پشاور میں ایک کابلی سے کلاشنکوف کا سودا کیا۔

کابلی بولا۔ ''یہیں پر لیتی ہے تو چالیس ہزار اور اگر گھر پہنچوانی ہے تو ایک لاکھ۔''

سردار نے کہا۔ ''یہ لو ایک لاکھ اور لاہور پہنچا دو۔''

کابلی نے ہدایت کی۔ ''ٹھیک ہے گھر پہنچ کر فون کرنا۔''

سردار نے گھر پہنچ کر فون کیا۔ ''ہاں خان صاحب میں گھر پہنچ گیا ہوں۔''

جواب ملا۔ ''ٹھیک ہے، کلاشنکوف تمہاری گاڑی کے نیچے بندھا ہوا ہے۔''

☆☆☆

سردار سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ ڈوبتے ڈوبتے اس کے ہاتھ میں ایک مچھلی آ گئی۔ اس نے مچھلی کو سمندر سے نکال کر باہر پھینک دیا اور کہا۔ ''تم تو اپنی جان بچاؤ، ہماری خیر ہے۔''

☆☆☆

سردار کی بیوی پولیس اسٹیشن میں اپنے شوہر کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے گئی۔

''انسپکٹر صاحب میرے شوہر ایک ہفتے سے لاپتا ہیں بازار سے آلو لینے گئے تھے۔ واپس نہیں آئے۔''

انسپکٹر بھی سردار تھا، بولا۔ ''تو بہن جی کچھ اور پکا لینا تھا۔''

سرگودھا سے اسد عباس کی سوغاتیں

''نہیں۔ وہ پستول للی لے کر گئی تھی۔ ڈو پریلس اسے اپنے جال میں پھنسا رہا تھا۔ اس نے للی کو ورغلایا کہ وہ دونوں کہیں بھاگ جائیں گے۔ للی اس کی باتوں میں آگئی۔ شاید وہ مجھ سے زیادہ اس پر بھروسا کرنے لگی تھی لیکن پھر اسے معلوم ہوا کہ ڈو پریلس اس کے علاوہ کسی اور عورت سے بھی چکر چلا رہا تھا۔ وہ غصے کی بہت تیز تھی چنانچہ اس نے ڈو پریلس سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس رات وہ اس سے ملنے نہیں بلکہ لڑنے گئی تھی کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک عورت کا انتخاب کرے اور اسی لیے وہ پستول بھی ساتھ لے گئی۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟''

''میں جب وہاں پہنچا تو وہ ایک دوسرے پر چلا رہے تھے۔ اس شخص نے یقیناً اسے مارا ہوگا کیونکہ میں نے تھپڑ کی آواز سنی تھی۔ اس کے بعد اس نے زوردار چیخ ماری پھر میں نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا لہٰذا میں بہ آسانی اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ڈو پریلس فرش پر پڑا ہوا ہے اور اس کا چہرہ خون میں تربتر ہے۔ للی اس کے قریب ہی بدحواسی کے عالم میں کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ آہٹ سن کر وہ گھومی اور اس نے مجھ پر پستول تان لیا جیسے مجھے بھی گولی مار دے گی۔ میں نے اس سے پستول چھیننا چاہا اور اس کوشش میں ہم دونوں گتھم گتھا ہو گئے پھر اس نے گولی چلا دی جو خود اسے لگی اور وہ بھی ڈو پریلس کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر میں نے گھر کے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سنی۔ یقیناً کوئی پڑوسی گولی کی آواز سن کر وہاں آیا ہوگا پھر کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی اور جب وہ لوگ آئے تو میں پستول ہاتھ میں لیے کھڑا... تھا جیسے میں نے ہی ان دونوں کو قتل کیا ہو۔''

''لہٰذا تم خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئے؟''

''ہاں، میں نے ایسا ہی کیا۔ پستول پھینکا اور وہاں سے دوڑ لگا دی۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''یقیناً تم نے ایسا ہی کیا ہوگا لیکن جو کچھ تم مجھے بتا رہے ہو، یہی سب وہاں رک کر پولیس کو بھی بتا سکتے تھے؟''

اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور اس کے ساتھ ہی اسے کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی حالت سنبھلی تو اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''شاید تم نہیں جانتے کہ جم کرو کے زمانے میں جنوبی امریکا کی کیا حالت تھی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ ایک ایسے سیاہ فام شخص کی بات پر یقین کر لیتے جو پستول ہاتھ میں لیے اپنی بیوی اور اس کے محبوب کی لاش کے پاس کھڑا ہوا ہو۔ ہرگز نہیں۔ وہ مجھے جیل میں ڈال دیتے۔ مجھ پر تشدد کر کے اقبالِ جرم کروایا جاتا اور برقی کرسی میرا مقدر ہوتی۔ میرے پاس بچنے کا کوئی موقع نہیں تھا لہٰذا بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس کے بعد سے ہمیشہ نیو اورلینز سے پانچ سو میل کے فاصلے پر رہا۔''

''پچاس برس سے تم دوڑنے اور چھپنے کا کھیل، کھیل رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم اس دوران میں کیا کرتے رہے؟''

''میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو مشکلات سے دور رکھا۔ کبھی قانون نہیں توڑا، اور نہ ہی کسی لالچ میں آیا۔ ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھومتا رہا اور ہر جگہ اچھا شہری بن کر رہا۔ کبھی زیادہ عرصہ تک ایک جگہ پر نہیں رہا البتہ سان فرانسسکو میں رہتے ہوئے سات برس ہو چکے ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے میں نے ہر وہ کام کیا جہاں شناخت کی ضرورت نہ ہو۔ لاشیں اٹھانے سے لے کر برتن دھونے، چوکیداری کرنے اور مزدوری جیسے کام کرتا رہا۔ اس نے شہنائی پر دوبارہ ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ''سڑکوں پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ بالخصوص ایسے بار کلبوں میں جو عقبی سڑکوں پر واقع ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ابھی تک کوئی مجھے پہچان نہیں سکا۔ اس لحاظ سے اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔''

''اور تمہیں کوئی پچھتاوا بھی نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''کیسا پچھتاوا کہ میں وہاں سے بھاگ آیا یا مجھے بینڈ چھوڑنے کا کوئی افسوس ہوتا۔ لیکن میں نیو اورلینز میں جس بینڈ کے لیے کام کرتا تھا، وہ کبھی شہر سے باہر نہیں گیا اور نہ ہی مجھے کسی دوسری جگہ جا کر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا۔ اس لیے مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے اس بینڈ کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کے راستے مسدود کر لیے۔ میں وہاں ہمیشہ کنوئیں کا مینڈک بن کر ہی رہتا۔ میں نے صرف ان کے لیے ایک گانا لکھا تھا جو تھوڑا بہت مقبول ہوا۔ البتہ اپنی بیٹی سے بچھڑنے کا افسوس ہے لیکن جانتا ہوں کہ وہ خیریت سے ہے۔ اس کی خالہ اچھے طریقے سے دیکھ بھال کر رہی ہوگی۔''

''تم کم از کم اسے تلاش کرنے کی کوشش تو کر سکتے تھے؟''

''اس واقعے کے ایک سال بعد یا اس کے لگ بھگ میں نے ایسی کوشش کی تھی اور اپنے ایک واقف کار سے جس پر میں بھروسا کر سکتا تھا، میں نے رابطہ کیا۔ اس نے بتایا کہ جولین اور بونی نے رابن لوئیس کو گود لے لیا ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ وہ میری بیٹی پر نظر رکھے اور اس کے بارے میں مجھے آگاہ کرتا رہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا لیکن بدقسمتی سے کچھ عرصے بعد وہ خود بھی ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔''

''اور پھر تم نے کبھی اپنی بیٹی سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟''

''کئی بار سوچا۔ درجن سے زائد مواقع ایسے آئے جب میں اس کے بہت قریب تھا لیکن سامنے آنے کی ہمت نہیں پڑی۔ میں پولیس سے خوف زدہ تھا۔ ڈرتا تھا کہ پکڑا جاؤں گا اور مجھے ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں موت کی سزا سنا دی جائے گی۔ یہ خوف کچھ عرصے پہلے تک مجھ سے چمٹا رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ میرا وقت قریب آچکا ہے اور موت کا فرشتہ کسی بھی وقت میری روح قبض کر سکتا ہے تو میں ہر خوف سے آزاد ہو گیا۔ اب مجھے پکڑے جانے اور موت کی کرسی پر بیٹھنے سے ڈر نہیں لگتا۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آیا تھا کہ تم میری بیٹی کو تلاش کرنے میں مدد کر سکو۔''

میں اسے کہانی سنانے کے دوران میں بہت غور سے دیکھتا رہا۔ جب آپ کے سامنے جھوٹ بولا جائے۔ جیسا کہ میرا برسوں کا مشاہدہ ہے تو ہم جھوٹ اور سچ کو الگ کرنے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ کہانی بیان کرنے والے کی بدن بولی، گھبراہٹ کا انداز، چہرے کے تاثرات، لحہ بہ لحہ بدلتی کیفیت، آواز کا اتار چڑھاؤ اور باتوں میں تضاد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کہانی میں کتنا سچ ہے۔ میں نے موسس آرسی نیاکس کی کہانی میں ایسا جھول نہیں دیکھا یا محسوس کیا اور اگست انیس سو ترسیٹھ کی رات ہونے والے واقعے میں اس کے کردار کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں رہا۔ اس نے مجھے سچ بتا دیا تھا اور اب میں اس کی خاطر اپنی ساکھ کو داؤ پر لگا سکتا تھا۔

وہ شخص قاتل یا مجرم نہیں تھا بلکہ حالات کا ستایا ہوا، نسلی تعصب کا شکار اور ایک ایسے خوف میں مبتلا بدنصیب باپ تھا جو دوسرے انسانی جذبات پر غالب آ گیا تھا۔ اس سے صرف ایک غلطی ہوئی تھی کہ وہ اپنی صفائی پیش کیے بغیر ہی موقع واردات سے فرار ہو گیا اور پولیس کی نظر میں وہ صرف قاتل ہی نہیں بلکہ مفرور بھی قرار پایا۔

وہ بستر پر بیٹھا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے اس طویل گفتگو نے اسے تھکا دیا ہو۔ اس کے سیاہ چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''اب ہم پولیس اسٹیشن جائیں گے؟''

میں پہلے ہی اپنا ذہن بنا چکا تھا۔ بعض اوقات آپ کو ضمیر کی آواز پر چلنا ہوتا ہے اور ایسی صورت میں تمام قاعدے قانون پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں انصاف کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں۔ چاہے ایسا بہت کم یا تاخیر سے ہوتا ہو۔ میں نے کہا۔ ''اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مسٹر براؤن۔''

''براؤن۔'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ہمارے کلائنٹ کا نام چارلس انتھونی براؤن ہے اور جہاں تک ہمارے علم میں ہے، اس نام کا کوئی شخص پولیس کو مطلوب نہیں۔''

یہ کہہ کر میں نے اسے ماریا کا دیا ہوا پرنٹ آؤٹ پکڑا دیا جس میں رابن لوئیس فرینکلن ڈیوس کے بارے میں تمام معلومات تھیں۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور مجھ پر نظریں جما دیں۔ اس کے چہرے پر احسان مندی، امید اور شرمندگی کے تاثرات نظر آرہے تھے۔

''خدا حافظ مسٹر براؤن۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں بیٹی مبارک ہو۔''

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھا۔ ابھی میرا ہاتھ دروازے کی ناب پر تھا کہ عقب سے شہنائی کی آواز آئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے وہ ساز زمین پر رکھ دیا اور بولا۔ ''میں نے پچاس سال سے یہ گانا نہیں گایا۔ ''تم کس کے ساتھ جڑے رہے؟'' یہ للی کا گانا تھا اور میں نے اس کے لیے لکھا تھا لیکن اب یہ میرا ہے، جب سے نیو اور لینز چھوڑا، یہ میرا ہی ہے۔''

میں نے کچھ نہیں کہا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں گانا شروع کر دیا۔ دھن وہی تھی لیکن بول بدل گئے تھے اور اس گانے سے مختلف تھے جو ایک دفعہ ماریا نے میرے لیے گایا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر چلا آیا لیکن یہ گانا میرے ذہن سے ہمیشہ چپک کر رہ گیا اور میں کوشش کے باوجود اسے نہیں بھلا سکتا۔

اس شریف آدمی کا کارنامہ... جو اپنی جان دے کر بہت سوں کو زندگی کی نوید دے گیا...

محافظوں کا کام دوسروں کی جانوں کا تحفظ ہے... مگر فی زمانہ ہماری حفاظت پر مامور محافظوں کی اپنی جانیں ہر پل خطرے کا شکار رہتی ہیں... ایک ایسے قاتل کا قصہ جو پولیس کا جانی دشمن تھا...

''پولیس کے سپاہیوں'' کے قاتل میکملن نے اپنے بدہیت ہاتھ میں دبے آٹومیٹک ریوالور کی نال سامنے موجود کانپتے ہوئے شخص کے سینے میں گھبو دی اور غراتے ہوئے بولا۔ ''سنو، پیٹر۔ پولیس میری تلاش میں ہے۔ شہر کا ہر ایک سپاہی میری کار کی تاک میں ہے۔ میں سخت ہیجان میں ہوں... کیا سمجھے؟''

پیٹر کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا۔ خوف کے مارے اس کی زبان گنگ تھی۔ اس کی نظریں 'کوپ کلر' میکملن پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔'' میکملن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''میں میکملن ہوں۔''

''تت... تم... کوپ کلر میکملن ہو۔'' پیٹر کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

میکملن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تت... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

میکملن نے اپنا بھاری بھرکم جثہ پیٹر پر جھکا دیا۔

''یقیناً میں ہی کوپ کلر میکملن ہوں۔ مجھے وہاں جیل میں لوگوں نے بتایا تھا کہ تم ہی وہ صحیح آدمی ہو جو میرا کام کر

سکتا ہے۔ میری کار مسروقہ ہے اور بہ آسانی شناخت ہو سکتی ہے۔ مجھے کل رات تک لازمی فلوریڈا پہنچنا ہے۔ ایک بار میں جیکسن وِل پہنچ جاؤں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن مجھے اپنی کار پر نئے رنگ کا کام کرانا ہے اور مجھے چند نئی لائسنس پلیٹیں چاہئیں۔"

"لائسنس پلیٹس؟" پستہ قد پیٹر نے غیر یقینی لہجے میں کہا۔ "پلیز میکملن، میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اب میں نے یہ دھندا چھوڑ دیا ہے۔ تم اور کوئی کام کہو تو میں کر دوں گا لیکن جعلی لائسنس پلیٹس... میں نے گزشتہ کئی برسوں سے اس قسم کے کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اگر پولیس کو کبھی پتا چل گیا کہ میں جعلی لائسنس پلیٹوں کے دھندے میں ملوث رہا ہوں تو وہ..."

"ہاں۔" میکملن نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور اپنا آٹومیٹک ریوالور ڈرانے کے انداز میں اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔ "سنو، پیٹر تم شہر کے ہر بدمعاش اور گروہ کے ارکان کے لیے جعلی لائسنس پلیٹیں بناتے رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے فلوریڈا کی لائسنس پلیٹوں کی ایک جوڑی بنا دو جو کہ نہ تو جعلی ہوں نہ نقلی بلکہ بالکل اصلی ہوں، سمجھ گئے؟"

پیٹر اچنبھے میں رہا۔

"اور اگر تم مجھے تیزی سے خشک ہونے والا پینٹ بھی دے دو تو میں اپنی کار پر خود ہی نیا رنگ کر لوں گا۔ اب شروع ہو جاؤ..... فوراً۔" میکملن نے ریوالور کا ڈراوا دیتے ہوئے کہا۔

پیٹر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اُبھر آئی۔

"او کے باس... تمہیں دونوں پلیٹیں کل صبح تک مل جائیں گی۔ جونہی سانچے ٹھنڈے ہو جائیں گے، میں فوراً پلیٹوں کو بنانا شروع کر دوں گا۔" پیٹر نے جواب دیا۔

☆☆☆

میکملن اپنی کار ہائی وے کی ٹریفک میں دوڑا رہا تھا۔ ایکسلریٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا رخ جیکسن وِل کی جانب تھا۔

وہ مطمئن تھا۔ اب پولیس اسے کبھی پکڑ نہیں پائے گی، اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پیٹر نے ان جعلی پلیٹوں کا کام نہایت خوش اسلوبی اور مہارت سے سرانجام دیا تھا۔ پولیس اس نیلے رنگ کی سیڈان کار میں ہو گی جس کی لائسنس پلیٹیں جارجیا کی ہوں۔ اور وہ اپنی ناقابلِ شناخت کار میں ہموار سڑک پر بلا کسی رکاوٹ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔

یہ بُرا ہوا کہ اسے پیٹر کو شوٹ کرنا پڑ گیا تھا۔ چند گھنٹوں قبل کا وہ منظر جب اس نے پیٹر کے پیٹ میں چھ گولیاں اتاری تھیں، ذہن کے پردے پر اُبھرتے ہی وہ درشتی سے مسکرا دیا۔ پیٹر کے معاوضے کے مطالبے پر اسے پیٹر کو گولیوں کا تحفہ دینا پڑ گیا تھا۔ پیٹر اسے کمزور اور دبّو دکھائی دیا تھا۔ میکملن کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس کے بارے میں پولیس کو فون نہ کر دے۔ اسی لیے اس کا مرنا ضروری تھا۔

اچانک میکملن کو اپنے عقب میں پولیس سائرن کی چنگھاڑتی آواز سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میکملن نے اپنی کار کے عقبی آئینے میں غور سے دیکھا۔

وہ ایک بڑی پولیس کار تھی جس میں مسلح پولیس کے سپاہی سوار تھے۔ وہ کار تیزی سے ان کے درمیان فاصلے کو کم کر رہی تھی اور کسی بھی لمحے اس کے سر پر پہنچ سکتی تھی۔

میکملن نے اپنی کار کے ایکسلریٹر کو پوری قوت سے نیچے دبا دیا۔ کار کی رفتار خطرناک حد تک بڑھ گئی۔

ایک اچانک موڑ پر اس کی کار دو پہیوں پر اٹھ گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس طرح لڑکھڑائی جیسے کوئی شرابی نشے میں جھومتا ہے۔ پھر دوسرے لمحے ہوا میں معلق ہو گئی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور زمین سے ٹکراتے ہی کار کے پرخچے اڑ گئے۔ میکملن کا جسم اچھل کر سڑک پر آ گیا۔ دھات کے وزنی اور نکیلے ٹکڑوں نے اس کے جسم کو چھلنی کر دیا تھا۔

میکملن کو دنیا تیزی سے گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ہوش و حواس دھیرے دھیرے اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس کے منتشر ہوتے ہوئے ذہن میں باتوں کی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"یہ کوپ کلر میکملن ہی ہے۔" ایک بھاری بھرکم آواز نے کہا۔ "یہ اپنی کار پر نئے رنگ کی تہ چڑھانے اور جعلی لائسنس پلیٹوں کی وجہ سے ہمارے پھیلائے ہوئے جال سے بچ نکلنے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا لیکن اسے یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ فلوریڈا کی تمام کاروں پر دو نہیں بلکہ صرف ایک لائسنس پلیٹ ہوتی ہے۔ اس کی کار پر لگی ایک کے بجائے دو لائسنس پلیٹوں نے ہمیں اس کی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی یہ لاعلمی ہی اسے لے ڈوبی۔"

دونوں پولیس والوں نے تبادلہ خیال کیا اور سڑک پر موجود مجروح گاڑی تک جا پہنچے...

صوفیہ شکیل

انسان کی ہر خواہش کبھی پوری نہیں ہوتی... ہر جیتا جاگتا وجود آسودہ اور ناآسودہ آرزوئوں کا مرکب ہوتا ہے... یہ ایک کلیہ ہے جو ماضی سے مستقبل تک پر محیط ہے... آج سے بہت آگے کی ایک کہانی جس کا مرکزی کردار سزا یافتہ تھا... بسیط خلا میں انسانوں کے منجمد وجود دور دراز ستاروں تک ڈھونے پر مامور... ان میں مرد بھی پڑے تھے اور لڑکیاں بھی... اس نے بڑی محنت کے بعد ایک لڑکی کا انتخاب کیا... نو برس کی جدوجہد کے بعد وہ اسے جمود سے زندہ وجود کی حالت میں لایا... لیکن وہ بھول گیا تھا کہ وہ خود بھی ایک مجرم ہے... دو حصوں میں بٹا ہوا...

زمین سے اربوں میل دور تاریک خلا میں جنم لینے والی ایک کہانی

وہ کتنی خوب صورت تھی، ڈینڈش نے سوچا اور کتنی لاچار۔ اس کی گردن کے گرد موجود پلاسٹک کا شناختی ربن سیدھا کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی ٹرانسپورٹ کیپسول سے باہر آئی تھی اس لیے اس نے کچھ بھی نہیں پہن رکھا تھا۔

''کیا تم جاگ گئی ہو؟'' اس نے پوچھا مگر وہ نہ ہلی۔
ڈینڈش نے اپنے اندر جوش بڑھتا محسوس کیا، وہ کس قدر بے بس تھی۔ کوئی بھی اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ زیادتی کی صورت میں وہ ذرا بھی مزاحمت نہ کر پاتی۔ وہ کوئی

بھی ردِعمل دینے سے یکسر قاصر تھی۔ اسے چھوئے بغیر ہی وہ جانتا تھا کہ اس کا جسم خشک اور گرم ہوگا۔ وہ پوری طرح زندہ تھی۔ چند ہی منٹوں کی بات تھی اور وہ لڑکی ہوش میں آجاتی۔

ڈینڈش ستاروں کے مابین چلنے والے خلائی جہاز کا کپتان اور اکلوتا کرو ممبر تھا جو اس وقت منجمد کالونسٹوں کو زمین سے دور طویل اور... خلا سے گزرتے ہوئے ایک ایسے سیارے پر جا رہا تھا جو ایک بے نام ستارے کے گرد گردش کرتا تھا اور اب الینور کہلاتا تھا۔ ڈینڈش نے اس کی جانب سے نظریں پھیر لیں۔ لڑکی کا نام سلوی تھا لیکن اس سے وہ کبھی ملا نہ تھا۔ جب اس نے دوبارہ نظر ڈالی تو وہ جاگ چکی تھی۔ اپنے بستر کے حفاظتی بندوں میں بندھے ہوئے اس کے بال اس کے سر کے گرد نمایاں ہو رہے تھے اور اس کے چہرے سے غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کیا تم جانتے ہو اس حرکت پر وہ تمہارے ساتھ کیا کرسکتے ہیں؟''

ڈینڈش بوکھلا گیا۔ اسے بوکھلانا پسند نہیں تھا کیونکہ یہ اسے خوف زدہ کردیتا تھا۔ نو سال تک جہاز خلا میں سرگوشیاں کرتا پھرتا رہا تھا...... ضرورت سے زیادہ ملنے والی تنہائی نے اسے خوف زدہ بنا دیا تھا۔ اس جہاز پر کالونسٹوں کے سات سو کین تھے جن میں سزا یافتہ انسانوں کے جسم اپنے دماغوں سمیت منجمد تھے مگر وہ اپنے لیکویڈ ہیلیم کے سیل میں سخت اور بنا تبدیلی کے لیٹے تھے اور کوئی اچھے ساتھی نہ تھے۔ خلائی جہاز کے باہر نزدیک ترین انسان بھی شاید کروڑوں میل دور تھا، ماسوائے اتفاق کے کہ کسی ایسے جہاز سے ملاقات ہوجائے جو دوسری سمت جا رہا ہو۔ لیکن رکنے اور گھر جاتے کسی جہاز کے مسافر سے ملنے کے لیے اتنے ایندھن اور طاقت کی ضرورت ہوتی جس کا وہ متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس سفر سے متعلق ہر شے خوف زدہ کرنے والی تھی۔ تنہائی ایک عذاب ناک خوف تھا۔ کرسٹل کے ایک انچ سے دیکھنا اور سوائے دور ستاروں کے کچھ نہ دیکھ سکنا ڈر کو جنم دیتا تھا۔ ڈینڈش نے پانچ سال قبل فیصلہ کیا تھا کہ وہ باہر نہیں دیکھے گا لیکن وہ اس فیصلے پر قائم نہ رہ سکا اس لیے وہ اکثر کرسٹل سے جھانک لیتا تھا اور پھر خوف زدہ کرنے والے خیالات کے بارے میں سوچتا کہ سیل ٹوٹ گئی، کرسٹل اپنی جگہ سے نکل گیا اور وہ خود اپنے خلائی جہاز میں پھنسا، قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے موجود ایک کروڑ ستاروں میں سے کسی ایک کے وسط میں گر رہا ہے۔

اس جہاز میں کوئی بھی آواز ایک خطرہ تھی۔ چونکہ اس کے سوا کوئی جاگ نہیں رہا تھا اس لیے کسی دھات کے کھردرے نچے کو سننے یا کسی چیز کے دوسری شے سے ٹکرانے کی آواز، چاہے وہ کتنی ہی دھیمی، کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، ایک خطرہ تھی اور ایک سے زائد بار ڈینڈش نے کئی گھنٹے یا دن خوف میں گزارے تھے جب تک کہ اس نے وہ کوئی پھٹی ہوئی لائٹ، ٹیوب یا کھلا دروازہ نہ ڈھونڈ لیا جس کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔ اسے آگ لگنے کے پریشان کن خواب بھی آتے تھے۔ فولاد اور کرسٹل کے بنے خلائی جہاز میں اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا لیکن وہ جس آگ کے متعلق خواب دیکھتا تھا، وہ گھر کی آگ نہیں بلکہ نیچے موجود ستاروں کی خوف ناک آگ تھی۔

''باہر آؤ، جہاں میں تمہیں دیکھ سکوں۔'' لڑکی تحکمانہ انداز میں بولی۔

ڈینڈش نے نوٹ کیا کہ اس نے اپنا بدن چھپانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ برہنہ جاگی تھی اور برہنہ ہی تھی۔ اس نے روکنے والے جال کو اٹھا دیا تھا اور بستر سے نکل آئی تھی اور اب اس کمرے میں جس میں وہ جاگی تھی، اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہی تھی۔

''انہوں نے ہمیں انتباہ کیا تھا'' وہ بولی۔ ''ہک کا دھیان رکھنا، خلائی پاگلوں سے بچنا، تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ ہم نے ریسیپشن سینٹر پر یہی سنا تھا اور اب تم یہاں موجود ہو۔ تم جہاں بھی ہو، خدا کے لیے باہر آؤ تاکہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔''

وہ آدھی کھڑی اور آدھی ہوا میں تیر رہی تھی، اپنے ہونٹوں پر موجود پپڑیوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اور احتیاط سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے وہ بولی۔ ''وہ کیا کہانی تھی جو تم مجھے سنانے والے تھے؟ ایک خلائی پتھر نے جہاز کو تباہ کردیا، سوائے تمہارے اور میرے...۔ اور ہماری قسمت میں یہی تھا کہ ہم ہمیشہ پرواز ہی کرتے رہیں اس لیے ہم دونوں کے پاس اس کے سوا کرنے کو کچھ نہیں کہ ہم دونوں اپنی ایک نئی زندگی شروع کرنے کی کوشش کریں؟''

ڈینڈش نے اسے بحالی کے کمرے میں موجود ننھی دوربین سے دیکھا لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے یہ سب پلان کرنے میں بڑا وقت گزارا تھا۔ جسمانی طور پر وہ پرفیکٹ تھی، نوجوان، دبلی پتلی، اس نے اسی بنا پر اسے 352 زنانہ کالونسٹ میں سے منتخب کیا تھا۔ جس طرح کوئی کیٹلاگ دیکھ کر خریداری کرتا ہے اسی طرح اس نے سب لڑکیوں کی مائیکرو فائل تصویریں دیکھی تھیں۔ وہ ان سب میں بہترین تھی۔

ڈینڈش شخصی خاکے پڑھنے میں بہت مہارت نہیں رکھتا تھا۔ وہ نفسیات دانوں کو جھوٹا سمجھتا تھا اور ان کے

بنائے پروفائل کو کچرا اس لیے اس نے انہی چیزوں پر اکتفا کیا جو وہ جانتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا شکار معصوم اور بھروسا کرنے والا ہو۔ سلوی، عمر سولہ سال اور ذہانت اوسط سے ذرا کم، اسے مناسب لگی تھی۔ یہ بات مایوس کن تھی کہ وہ زیادہ خوف زدہ نہیں ہوئی تھی۔

"وہ تمہیں پچاس سال سزا دیں گے۔" وہ اسے ادھر اُدھر تلاش کرتے ہوئے چلائی۔ "تم یہ جانتے ہو نا؟"

بحالی بالا بستر، یہ محسوس کرنے کے بعد کہ وہ اس میں سے نکل چکی تھی، دھیرے دھیرے اپنے آپ کو دوبارہ استعمال کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اس کی پلاسٹک کی چادریں کونوں سے نکل کر رول ہوئیں اور ایک ڈسپوزل بوتل میں چلی گئیں۔ نیچے سے نئی جراثیم سے پاک چادریں نظر آنے لگیں۔ اس کے گرم جنریٹروں نے خود کو ہائی وولٹ کرنٹ سے چارج کیا اور کوئی نقص نہ پا کر خود کو بند کر دیا۔ بستر کی سائڈیں آہستگی سے ہٹ گئیں۔ آلات والی میز کے اوپر پردہ آگیا۔ لڑکی یہ سب کچھ دیکھنے کو رکی پھر سر جھٹک کر ہنس پڑی۔

"مجھ سے ڈر رہے ہو؟" وہ بولی۔ "آجاؤ۔ یہ مسئلہ ختم کریں یا پھر مان لو کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔ مجھے کچھ کپڑے مہیا کرو پھر ہم اس مسئلے پر اطمینان سے بات چیت کرتے ہیں۔"

ڈینڈش نے اداسی سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ ایک مشین نے اسے یاد دلایا کہ جہاز کے نظام کو ہر آدھے گھنٹے بعد چیک کرنے کا وقت ہو گیا تھا اور جیسا کہ وہ ایک لاکھ پچاس ہزار سے زائد مرتبہ کر چکا تھا اور ایک لاکھ مرتبہ اسے مزید کرنا تھا، اس نے لیکویڈ ہیلیم چیک کی، جہاز کے راستے کا فلائٹ پلان سے موازنہ کیا۔ تیل کے استعمال اور اس کی فراہمی کی رفتار کو ناپا، سارے نظاموں کو صحیح طریقے سے کام کرتے پایا اور لڑکی کو تاکنے والی دوربین کے پاس آگیا۔

اس کام میں اسے صرف ایک ڈیڑھ منٹ ہی لگا تھا لیکن اسی اثنا میں سلوی نے وہ کنگھا اور آئینہ ڈھونڈ لیا تھا جو اس نے لڑکی کے لیے رکھا تھا اور اب غصے سے اپنے بال بنا رہی تھی۔ منجمد کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کی تکنیک میں ایک نقص تھا جو ناخنوں اور بالوں کی حالت سے تعلق رکھتا تھا۔ اگرچہ ان سب باتوں کو مدِنظر رکھا گیا تھا، جسموں کو احتیاط سے پلاسٹک کے خولوں میں محفوظ کیا جاتا تھا تاکہ وہ کسی سخت یا تیز دھار شے کو چھو نہ سکیں۔ ناخن اور بال بالکل چھوٹے تراشے جاتے تھے۔ ریسپشن سینٹر ہمیشہ کالونسٹس کو چھوٹے ناخنوں اور جڑ تک کٹے بالوں کی اہمیت جتاتے

تھے کیونکہ انجماد کی حالت میں یہ ٹوٹ پھوٹ سکتے تھے۔

سلوی ایک ایسی ڈمی دکھائی دیتی تھی جس پر کسی وگ بنانے والے کے شاگرد نے کام کیا مگر فیل ہوگیا ہو۔ سلوی نے اس مسئلے کو بالآخر اس طرح حل کیا کہ اس کے جو بال رہ گئے تھے انہیں لپیٹ کر چھوٹا سا جوڑا بنایا اور کنگھا نیچے رکھ دیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے بال اس کے اردگرد خلا میں یوں تیر رہے تھے جیسے ریت کا طوفان آیا ہو۔

اس نے اپنے جوڑے کو افسردگی سے چھوا اور بولی۔ ''میرا خیال ہے تم اس سے محظوظ ہوئے ہوگے۔''

ڈینڈش نے اس سوال پر غور کیا۔ اسے ہنسی نہیں آئی۔ بیس سال پہلے جب ڈینڈش کے لیے گھنگریالے بال تھے اور اس کے ناخنوں پر پالش لگی ہوتی تھی جو کہ اس زمانے میں ٹین ایجرز کا فیشن تھا، اس نے تقریباً ہر رات ایسی ہی صورت حال کا تصور کیا تھا۔ ایک لڑکی کا مالک ہونا، اسے محبت کرنے یا اس کی عزت لوٹنے یا شادی کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے ایک غلام کی طرح رکھنے کے لیے تاکہ کوئی بھی کہیں بھی اسے روک نہ سکے، وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرتا رہے... ہر رات وہ نئی طرح سے یہ خواب دیکھتا تھا۔

اس نے اپنے اس خواب کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا لیکن اسکول میں عملی نفسیات کے پیریڈ میں اس نے اس کا تذکرہ ایسے کیا جیسے اس نے یہ کسی کتاب میں پڑھا ہو اور اس کے استاد نے اسے بتایا تھا کہ یہ گڑیوں سے کھیلنے کی دبی ہوئی خواہش تھی۔ ''یہ شخص کھیل رہا ہے، ایک عورت پانے کی خواہش پر عمل کررہا ہے، یہ دبی ہوئی خواہشات کئی صورتیں اختیار کرسکتی ہیں۔'' استاد بولتا ہی رہا۔ اگرچہ اس کے خواب جسمانی لحاظ سے سکون بخش ہوتے تھے لیکن نوجوان ڈینڈش جب بیدار ہوتا تو بے سکون اور جھلایا ہوا ہوتا۔ وہ اس کے بچپن کی کوئی گرہ تھی۔ عورت کو پوری طرح حاصل کرنے کی شدید خواہش مگر عملاً مکمل ناکامی!

لیکن سلوی نہ تو خواب تھی اور نہ ہی گڑیا۔ ''میں کوئی گڑیا نہیں ہوں۔'' سلوی نے اتنا اچانک اور تیزی سے کہا کہ اسے ایک جھٹکا لگا۔ ''باہر نکلو اور یہ سب ختم کرو۔''

وہ سہارا لے کر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اگرچہ وہ ناراض اور غصے میں دکھائی دے رہی تھی مگر پھر بھی خوف زدہ نہیں لگتی تھی۔ وہ صاف صاف بولی۔ ''اگر تو تم سچ مچ پاگل نہیں ہو، جس کا مجھے یقین ہے، تو تم ایسا کچھ نہیں کرو گے جو میں نہیں چاہتی۔ کیونکہ تم بچ نہیں سکو گے۔ صحیح ہے نا؟ تم مجھے مار نہیں سکتے کیونکہ تم اس کی وضاحت نہیں کرسکو گے۔ اس کے علاوہ وہ قاتلوں کو جہاز اڑانے ہی نہیں دیتے۔ اس لیے جونہی ہم اتریں گے، مجھے صرف چلا کر پولیس کو بلانا ہوگا اور تم اگلے نوے سال سب وے شٹل چلاتے رہو گے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ''میں اس بارے میں جانتی ہوں۔ میرے چچا انکم ٹیکس نہ دینے پر پکڑے گئے اور اب وہ امیزون ڈیلٹا میں خودکار گاڑی پر کام کرتے ہیں۔ اس لیے سامنے آجاؤ اور مجھے دیکھنے دو کہ میں تمہیں کس حد تک ڈھیل دے سکتی ہوں۔''

وہ بے چین ہوگئی۔ ''خدایا!'' اس نے سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کیسے کیسے لوگ ملتے ہیں اور ہاں، یاد آیا، جب تک میں جاگی ہوئی ہوں، مجھ کو غسل خانے بھی جانا ہے اور پھر مجھے ناشتا چاہیے۔''

ڈینڈش کو تھوڑی تسلی ہوئی کہ اس نے کم از کم ان ضروریات کا خیال رکھا تھا۔ اس نے غسل خانے کا دروازہ کھول دیا اور اوون بھی جلا دیا جہاں ہنگامی راشن پڑا تھا۔ جب تک سلوی واپس آئی بسکٹ، گوشت اور گرم کافی تیار تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاس سگریٹ ہوگی؟'' اس نے پوچھا۔ ''خیر میں گزارہ کرلوں گی۔ چند کپڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور باہر نکلنے کے بارے میں کیا خیال ہے تاکہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔'' اس نے انگڑائی لی اور کھانا شروع کردیا۔

بظاہر وہ شاور لے چکی تھی، جیسا کہ منجمد نیند سے جاگنے پر کرنا چاہیے... تاکہ جلد تروتازہ ہوجائے اور اس نے اپنے تباہ حال بالوں کو ایک چھوٹے تولیے میں لپیٹ لیا تھا۔ ڈینڈش نے بادلِ ناخواستہ ایک چھوٹا سا تولیا غسل خانے میں چھوڑ دیا تھا لیکن اسے یہ گمان نہ تھا کہ اس کی شکار اسے اپنے سر پر باندھے گی۔ سلوی سوچ میں گم بیٹھی بچے کھچے ناشتے کو گھورتی رہی اور کچھ لمحوں بعد ایک لیکچرر کی طرح گویا ہوئی۔

''جیسا کہ میں سمجھتی ہوں، اسٹارشپ سیلرز ہمیشہ خبطی قسم کے ہوتے ہیں کیونکہ اور کون ایک ساتھ بیس سال کے لیے کہیں سفر کرے گا۔ چاہے پیسے کی خاطر ہی، چاہے کتنے ہی پیسے کیوں نہ ہوں؟ ٹھیک ہے تم خبطی ہو... تو اگر تم مجھے جگاتے ہو اور باہر نہیں آتے، مجھ سے بات نہیں کرتے تو میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتی۔

''اب میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم شروع سے ہی تھوڑے پاگل نہیں بھی تھے تو اس قسم کی زندگی نے تمہیں تھوڑا سا کھسکا دیا ہے۔ شاید تم صرف تھوڑا ساتھ چاہتے ہو۔ میں یہ بات سمجھ سکتی ہوں... ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں اور اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کروں۔

"دوسری طرف شاید تم کوئی غلط حرکت کرنے کے لیے اپنی ہمت مجتمع کر رہے ہو۔ نہیں معلوم کہ تم ایسا کر سکتے ہو یا نہیں کیونکہ ظاہر ہے تمہیں یہ نوکری دینے سے پہلے انہوں نے تمہاری اچھی طرح چھان بین کی ہوگی لیکن چلو یہ فرض کیا کہ تم کچھ غلط کرو گے تو پھر کیا ہوگا؟

"اگر تم مجھے قتل کرتے ہو، تو وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔

"اگر تم مجھے قتل نہیں کرتے تو پھر اترنے پر میں انہیں بتا دوں گی اور وہ تمہیں گرفتار کر لیں گے۔

"میں نے تمہیں اپنے چچا کے متعلق بتایا تھا۔ اس وقت ان کا جسم سیارہ مرکری کے کسی تاریک حصے میں موجود ڈیپ فریزر میں ہے اور انہوں نے چچا کا دماغ ہیلیم کے راستوں کی راہنمائی کے لیے رکھا ہوا ہے۔ شاید تم سوچو کہ یہ اتنا برا نہیں ہے۔ انکل ہنری کو یہ ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔ ان کا کوئی ساتھی نہیں۔ اس معاملے میں وہ تمہارے جتنے ہی بدنصیب ہیں، وہ انہیں کسی دوسری جگہ بھی رکھ سکتے ہیں جو اتنی اچھی نہیں ہوگی۔ اس لیے وہ صرف اپنے دانت پیستے رہتے ہیں یا میرے خیال میں دانت نہیں کہنا چاہیے بلکہ گرائنڈرز درست ہے اور وقت اچھی طرح گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"نو... سال! انہوں نے ابھی تک صرف چھ سال گزارے ہیں۔ میرا مطلب ہے جس وقت میں زمین سے اُڑی تھی، اس وقت انہیں چھ سال ہوئے تھے۔ اب جتنا بھی وقت گزر گیا ہو۔ تم یہ سزا پسند نہیں کرو گے اس لیے کیوں نہ تم باہر آجاؤ تاکہ ہم بات چیت کریں۔"

پانچ یا دس منٹ تک وہ شکلیں بناتی رہی پھر... ایک اور رول پر مکھن لگا کر اسے غصے میں دیوار پر دے مارا جہاں سے ڈسپوزل یونٹ نے اسے اٹھا لیا۔ وہ بولی۔ "لعنت ہو تم پر، سامنے آؤ یا پھر کم از کم مجھے مطالعہ کے لیے کوئی کتاب ہی دے دو۔"

ڈینڈش وہاں سے ہٹ گیا اور چند منٹ تک جہاز کی سرگوشی سنتا رہا۔ پھر اس نے بحالی والے بستر کا میکنیزم آن کر دیا۔ وہ مسلسل ناکام رہا تھا اور اب سیکھ گیا تھا کہ مزید نقصان سے کیسے بچا جائے۔ جیسے ہی بستر کی سائڈیں کھلیں، لڑکی اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑی ہوگئی۔ بستر کے نرم بازو اس تک پہنچے اور اسے اٹھا کر بستر پر لے گئے اور اس کی کمر کے گرد بیلٹ لاک ہوگئی۔

"تم لعنتی، بے وقوف۔" وہ چلائی۔ مگر ڈینڈش نے کوئی جواب نہ دیا۔

بے ہوشی کی دوا والی گون اس کے چہرے کی طرف اوپر سے آئی۔ وہ بچاؤ کی کوشش کرتے ہوئے چیخ اٹھی۔ "ایک منٹ رکو! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں نہیں..." لیکن جو اس نے کبھی نہیں کہا تھا، وہ بتا نہ سکی کیونکہ گون اس کے منہ پر آگئی۔ ایک پلاسٹک کی بوری اس کے اردگرد تن گئی اور اس کے چہرے، اس کے بدن، اس کی ٹانگوں اور اس کے سر پر بندھے تولیے سے چپک گئی اور بحالی والا بستر آہستگی سے گھومتا ہوا فریزنگ روم میں چلا گیا۔

ڈینڈش نے مزید کچھ نہ دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب کیا ہوگا اور اس کے علاوہ ٹائمر نے اسے یاد دلایا کہ وہ چیزیں چیک کرے۔ درجۂ حرارت، نارمل۔ فیول کا استعمال، نارمل۔ راستہ، نارمل۔ فریزر روم ایک نیا کیپسول اسٹور میں جاتا دکھا رہا تھا۔ اس کے علاوہ سب نارمل۔ خدا حافظ سلوی۔ ڈینڈش اپنے آپ سے گویا ہوا، تم ایک اچھی خاصی غلطی تھیں۔

شاید بعد میں، کسی اور لڑکی کے ساتھ... شاید میں کامیاب ہوسکوں۔

سلوی کو جگانے میں ڈینڈش کو نو سال لگ گئے تھے اور اس کا نہیں خیال تھا کہ وہ دوبارہ ایسی کوئی کوشش کر سکتا تھا۔ اس نے لڑکی کے انکل ہنری کے متعلق سوچا جو کہ ساؤتھ اٹلانٹک میں تھکا دینے والی سب وے چلا رہا تھا۔ اس کی جگہ ڈینڈش بھی ہوسکتا تھا۔ ڈینڈش نے اس سزا کے بجائے ایک اسٹارشپ کا پائلٹ بننے کے موقع کو بخوشی قبول کیا تھا۔

اس نے نیچے موجود 10,000,000 ستاروں کو آپٹیکل ریسپٹرز کے ذریعے دیکھا بس یہی اس کی آنکھیں تھیں۔ اس نے بے بسی سے خلا کو پکڑنے کی کوشش کی، ان ریڈاروں کی مدد سے جو اس کو چھونے کی صلاحیت دیتے تھے۔ اس نے ٹنوں کے حساب سے اپنے اسٹارشپ میں موجود بے بس جسموں کے بارے میں سوچا جو اس کے قبضے میں تھے، بھرے بھرے، نت نئے اور جوان بدن جن سے وہ لطف اندوز ہوسکتا تھا لیکن اس کا اپنا جسم کہاں تھا جو وہ کسی وجود سے لذت کشید کر سکتا۔ وہ صرف ایک دماغ تھا جسے سزا کے طور پر اس خلائی جہاز میں مامور کر دیا گیا تھا۔ اس کا جسم سلوی کے انکل ہنری کی طرح، اس کے دماغ سے جدا کر کے کروڑوں میل دور مرکری کی یخ بستہ تاریکیوں میں جما دیا گیا تھا۔ جسم ساتھ ہوتا تو وہ سلوی کو ڈرا اور خوف میں مبتلا کر کے خوب مزہ لے سکتا تھا... لیکن وہ اس قابل ہی کہاں تھا! اسے اپنا اسکول یاد آیا... وہ تو بچپن ہی سے ایسی ناکامیوں کا شکار رہا تھا۔

وہ ضرور سسکیاں بھرتا، اگر اس کے پاس رونے اور سسکیاں بھرنے کے لیے آواز ہوتی۔

قسط:10

آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھناؤنے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہورہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابلِ نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پُتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگا رنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

وقت کم تھا۔ میرے تھکے ہوئے وجود کا رُواں رُواں تن گیا تھا۔ دل جیسے یکلخت سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں پر دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کسی شکاری درندے کی طرح خونیں نظروں سے اوپر کوارٹر کے سرے پر دیکھا وہاں شام کے جھکے جھکے سائے تلے کچھ ہیولے متحرک دکھائی دیے۔ شیر اور شکاری کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ ... خطرہ لٹکتی ہوئی تلوار کی طرح مسلط تھا۔ سامنے بہتی نہر تھی۔ پائے رفتن نہ جائے ماندن والی صورتِ حال تھی۔ فرار کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تھی۔ بہت قلیل پل تھے اسی میں سوچنا اور عمل کرنا تھا۔ صرف ایک پل کے لیے تشویش سے میرا ذہن ماؤف ہوا تھا مگر پھر فوراً ہی گویا پل کے پل میرے ذہنِ رسا میں ایک خیال وارد ہوا۔ ببر کے پودوں کے جھنڈ سے چند کھوکھلے نرکل جھانک رہے تھے۔ میں نے لپک کر انہیں اکھیڑا، اس کے دو حصے کیے پھر بیگم صاحبہ کا ہاتھ پکڑا اور نہر کے کنارے کی طرف بڑھا اور پھر بغیر چھپاکا کیے بیگم صاحبہ کو لے کر پانی میں اُتر گیا۔ نرکل کا ایک ٹکڑا انہیں تھما دیا اور جو سمجھانا تھا.... مختصر الفاظ میں سمجھا دیا۔ یوں بھی وہ پہلے ہی بہت کچھ سمجھ چکی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت میری تھکی ہوئی نظروں نے کئی مسلح اور چست بدن افراد کو نیچے اور قریب آتے دیکھا پھر اس سے پہلے کہ ہم خطرناک دشمنوں کی نظروں میں آتے، میں اور بیگم صاحبہ نرکل کے کھوکھلے ٹکڑے منہ میں ڈال کر پانی کے اندر ڈبکی لگا چکے تھے۔

ہم زیادہ گہرائی میں نہیں اُتر سکتے تھے فقط اس قدر کہ ہمارے منہ میں دبے نرکل کا دوسرا سرا پانی کی سطح سے باہر رہے اور ہماری سانسوں کا تسلسل قائم رہے۔ پانی کے اندر دم بہ خود... سا ماحول تھا۔ پانی کے پھٹتے بلبلوں کی آوازیں اور بس۔۔ بیگم صاحبہ نے میرا ہاتھ اپنے نرم و نازک ہاتھ میں مضبوطی کے ساتھ تھام رکھا تھا۔ ہم دونوں پشت کے بل تہ آب، ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔

ہمیں اس طرح پانی میں لیٹے لیٹے کئی منٹ گزر گئے۔ زیادہ دیر اس طرح پانی کے اندر محبوس رہنا ویسے بھی مناسب نہ تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر ذرا سا سر اُبھارا۔ پانی کی سطح ہلکورے لے رہی تھی، شام کی آنکھ کا کاجل گہرا ہو رہا تھا۔ گویا وہ رات میں بدلنے لگی تھی۔ ہر سو اندھیرا تھا۔

میں نے بیگم صاحبہ کو سنبھالا دینا چاہا، وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ مجھ سے آن لگیں۔ اگرچہ شام گہری تھی مگر قریب بہت قریب کا منظر خواب ناک انداز میں واضح تھا۔ ان کے لمبے گھنے ریشمی بال گیلے ہو کر ان کے گورے شہابی . . . . . چہرے کی کشش کو سوا کر رہے تھے۔ ان کا بھرا بھرا گیلا وجود میرے توانا کسرتی جسم سے مَس کھا رہا تھا۔

میں نے ہولے سے "بیگم صاحبہ" کہہ کر انہیں خود سے الگ کیا پھر ان کا ہاتھ پکڑے گرد و پیش پر نظریں ڈالتا ہوا نہر سے کراڑے میں آ گیا۔ ایک نگاہ اطراف میں اور اوپر ڈالی، ہر سو ویرانی اور دم بہ خود سناٹے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ہم دونوں نہر کے ریتیلے کنارے پر بیٹھ کر اپنی سانسیں بحال کرنے لگے۔ مجھے اعتراف تھا کہ بیگم صاحبہ پر اپنی نظریں جمانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ ان کی ہیئت کذائی ہی ایسی ہو رہی تھی۔ ان کا دوپٹا نہ جانے کہاں بہہ کر غائب ہو گیا تھا۔ ان کے گورے گورے شباب بکھیرتے بازو عریاں تھے۔ گریبان گیلا ہو کے مزید کشادہ ہو گیا تھا۔ میں یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو شہزی؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

میں نے ہولے سے جواب دیا۔ "میں ذرا اوپر جا کر ایک نظر ڈال کے آتا ہوں۔" مقصد میرا ان سے کچھ دیر کے لیے دور ہونا تھا اور اپنے اندر کی سنسنی پر قابو پانا بھی، مگر میری بات سن کر بیگم صاحبہ نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میرے اندر ایک بار پھر اتھل پتھل ہونے لگی۔ بیگم صاحبہ میرا ہاتھ پکڑ کے بولیں۔

"خطرہ ہم سے دور جا چکا ہے شہزی۔ آؤ اب بیٹھ جاؤ اور ذرا سستا لو۔" میں ان کے قریب سیلی سیلی ریت پر بیٹھ گیا۔ اب نیند اور تھکن سے میرا بُرا حال ہونے لگا تھا۔ آس پاس کا ماحول گنگ تھا۔ چہار اطراف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ مجھے ثریا کا انتظار تھا، نہ جانے وہ اب تک کیوں نہیں پہنچی تھی؟ مجھے اس نے رابطہ کرنے سے اگر منع نہ کیا ہوتا تو میں اس سے پوچھتا کہ وہ ... کہاں رہ گئی تھی؟

"کیا سوچ رہے ہو شہزی؟" معاً سناٹے میں بیگم صاحبہ کی آواز اُبھری۔

"کچھ خاص نہیں بیگم صاحبہ! بس ذرا ثریا کے متعلق سوچ رہا تھا، وہ ابھی تک پہنچی نہیں۔" میں نے کہا۔

وہ میری بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے توصیفی لہجے میں بولی۔ "شہزی! آج تمہاری بروقت دانش مندی نے بچا لیا ورنہ ایک بار پھر ہم ممتاز خان جیسے رذیل انسان کی قید میں ہوتے۔" میری سوئی ثریا کی متوقع آمد پر اٹکی ہوئی تھی۔

"اگر ثریا نے یہاں پہنچنے کا نہیں کہا ہوتا تو ہم خود ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے۔"

صورتِ حال کی گمبھیرتا کو بیگم صاحبہ نے بھی محسوس کرلیا تھا، وہ بولیں۔ ''ہاں، ثریا کو اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ تم خود اس سے رابطہ کیوں نہیں کر لیتے؟''

''میں نے سوچا تھا یہ مگر...'' میں کہتے کہتے رکا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے اب مجھے یہی کرنا چاہیے... ایک منٹ ذرا...'' کہتے ہوئے میں نے اپنے دائیں کان کو انگلی سے چھوا۔ ثریا نے ٹرانسمیٹر پر ایک ہی فریکوئنسی سیٹ کی ہوئی تھی۔ اس پر میں نے اس سے رابطہ کرنا چاہا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے تفکر آمیز تشویش نے آن لیا۔ نہ جانے کیوں وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہی تھی یا پھر...

''کیا ہوا؟'' بیگم صاحبہ نے مجھے سوچتا پاکر پوچھ لیا۔

میں نے جواباً ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''وہ کال اٹینڈ نہیں کر رہی ہے۔''

''ہوسکتا ہے وہ پہنچنے والی ہو۔'' وہ بولیں۔

میں نے مبہم سے لہجے میں کہا۔ ''شاید۔'' پھر ہم خاموش ہو رہے۔ مجھے بے چینی سی ہونے لگی تھی۔ اوپر کراڑے میں جاکر گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ماحول میں عجیب سی ٹھٹکا دینے والی خاموشی طاری تھی۔ سامنے نہر کا پانی سبک روی سے بہہ رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ! آپ یہاں بیٹھیں، مجھے اوپر جاکر ذرا جائزہ لینا چاہیے۔'' بالآخر میں نے کہا۔

''میں بھی چلوں؟'' وہ بولیں۔

''نہیں آپ بیٹھیں ادھر ہی، میں ابھی آتا ہوں۔''

میری بات پر وہ رسان سے بولیں۔

''جلدی آجانا پلیز۔'' میں نے ہولے سے سر کو اثبات میں ہلا دیا اور آگے بڑھ گیا۔ کراڑے پر آکر میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ہر سو ملگجی سی تاریکی کا راج تھا۔ میں مطمئن ہوکر واپس نہر کے قریب نیچے کنارے پر آگیا اور بیگم صاحبہ سے ذرا فاصلہ رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ بیگم صاحبہ دھیرے دھیرے، میرے قریب سرک آئیں اور بولیں۔

''شہزی! میں تمہیں آج اپنے بارے میں بتانا چاہتی ہوں... سنو گے نا؟'' میں نے ان کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ انہوں نے اپنی داستان سنانی شروع کردی۔

''میرا اصل نام زہرہ بانو ہے اور میری ماں کا ستارہ بیگم۔ وہ ایک مغنیہ تھیں...''

☆☆☆

چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نیناں ملائکے
پریم بھٹی کا مدھوا پلائکے، متوالی کردینی رے موسے
گوری گوری بیاں ہری ہری چوریاں، بیاں پکڑ لینی رے موسے
بل بل جاؤں میں تورے رنگ رجوا اپنی سی کرلینی رے موسے
خسرو نجام کے بل بل جیئے، موہے سہاگن کینی رے موسے نیناں ملائکے
چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نیناں ملائکے
نیناں ملائکے... نیناں ملائکے

مخمل چڑھے مونڈھے پر بڑے رعب داب کے ساتھ براجمان نئے پنڈ کا باثر جاگیردار چودھری الف خان خود پر جی جان کی محویت طاری کیے گویا سراپا سماعت بنا بیٹھا تھا۔ اس کی دم بہ خود سماعتوں میں رس گھولنے والی خوش گلو مغنیہ ستارہ بیگم اپنے حسن بلاخیز کے ساتھ مجسم قیامت بنی سامنے ایک گول سے قدرے اونچے چبوترا نما اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ ... پینتیس، چالیس سالہ اس جوان مرد کے دل و جگر کو ہی نہیں گویا حواسوں کو بھی لبھا رہی تھی۔ سازندوں میں طبلچی ببن میاں اپنے شاگردوں کے ساتھ نکیلی مونچھیں نکالے چند تھاپوں کے بعد اپنے طبلے کا متھا کسنے لگتا کہ کہیں سُر اور سنگیت کے امتزاج .... میں کوئی تفاوت نہ آجائے۔ بس اس محفل طرب و رنج میں فقط ایک ہی قدرداں تھا یعنی چودھری الف خان۔ اختری بائی کے بالا خانے میں صرف ایک تماشائی؟ جاننے والوں کے لیے یہ باعثِ حیرت ہوسکتا تھا مگر اس کی ایک وجہ بھی تھی کہ تھے دار جاگیردار چودھری کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ اس نے گویا اختری بائی کو کوٹھے سمیت خرید لیا تھا کہ وہ اس فتنہ ساز مغنیہ ستارہ بیگم کا گانا تماش بینوں کی طرح نہیں بلکہ اس کے ایک سچے قدرداں کی حیثیت سے صرف اکیلا بیٹھ کر سنے گا۔ موقع پرست اور لالچی اختری بائی اس قدردانی کی بھاری قیمت .... وصول کرتی تھی کہ اتنی اُجرت خالص اسے دیگر تماش بینوں کے مجمع سے بھی حاصل نہیں ہوتی ہوگی۔

حسین و دلکش اور خوش الحان مغنیہ ستارہ بیگم کو بھی اس قدرداں کی یہ ادا بہت پسند تھی ... وہ ہمیشہ ایک دلفریب مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتی تھی مگر ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اس کی ظاہری مسکراہٹ میں ایک دکھ بھری حسرت کی لکیر بھی ہوتی جو الف خان کو ابتدا میں تو نہیں البتہ وقت کے ساتھ ساتھ ہی محسوس ہوتی رہی تھی۔ وہ اس کا سبب ابھی تک

ستارہ بیگم سے نہیں پوچھ پایا تھا۔ وہ ہر بار ستارہ بیگم سے اپنے دل کی بہت سی باتوں کا اظہار کرنے کا ارادہ باندھ کر آتا اور ہر بار ہی اس کے سامنے آکر اسے نامعلوم سی چپ لگ جاتی... اور وہ اس خوش گلو اپسرا کی باتوں میں کھو کر رہ جاتا...

یہ زندہ دلانِ لاہور کا وہ دور تھا جب بالا خانے کو فن اور فنکار کی ادب نواز نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعض شرفاء طبقۂ خاص میں ایسی محفلیں گھروں میں بھی منعقد کی جاتی تھیں اور تہذیب کا حصہ سمجھی جاتی تھیں۔ غزل کی گائیکی، شاعری کی تک بندی، مصرعہ اور ادائیگی اظہار و خوش الحانی سے ایک لطف اٹھایا جاتا۔ ہنر مند طوائفیں اور مغنیائیں تھیں جن کا اعلیٰ شعری ذوق، بلا کا حافظہ اور اشعار کا ایسا برجستہ اور برمحل استعمال کہ۔

اں غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

مگر پھر گزرتے وقت کے ساتھ رنگ ڈھنگ اور اندازِ سخن بدلا تو اس کا ڈھب بھی بدل کر ڈھایا ہو گیا۔ اسے گھن لگ گیا اور یہ سب محض نفس و ہوس کا شاہکار بن کر رہ گیا۔

چوہدری الف خان بے شک فطرتاً ایک عیاش پرست اور آوارہ مزاج انسان تھا مگر جب سے اس نے ستارہ بیگم کی وجہ سے اختری بائی کے بالا خانے میں آنا جانا شروع کیا تھا اس کی عیاش طبیعت .... رومانویت میں بدلنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ شادی شدہ اور نوعمر بیٹے کا باپ بھی تھا۔ اس کی بیوی مہر النسا بھی حسن میں کم نہ تھی مگر دل کا کیا کیا جائے کہ مانتا ہی نہیں۔ ستارہ بیگم اس کے اعصاب پر سوار ہو گئی تھی اور دل و جان سے اسے چاہنے لگا تھا۔ نظروں ہی نظروں میں ستارہ بیگم کو اپنے حالِ دل کا خاموش عندیہ دینے لگتا تھا۔ ایک عورت کو بھی اللہ نے نگاہِ مرد کو پہچاننے کی غیر معمولی صلاحیت بخشی ہے۔ ستارہ بیگم بھی الف خان کی دلی کیفیات کو بھانپنے لگی تھی اور بالآخر اس نے بھی ایک روز اسی طرح کی محفل یگانہ میں چوہدری کے سامنے اپنا حالِ دل بیان کر دیا۔

اشعار نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مصلحت اندیشی کے باندھے ہوئے بند توڑ ڈالے۔ جو اندر تھا وہ باہر آ گیا اور جو باہر تھا وہ رقصِ بسمل بن گیا پھر الف خان نے بھی ستارہ بیگم کے سامنے اپنا حالِ دل بیان کر دیا۔

''اب ہم سے صبر نہیں ہوتا، ہم آپ سے شادی کے خواہش مند ہیں۔ شادی کرو گی ہم سے؟''

ستارہ بیگم کو اندازہ تو تھا کہ کسی نہ کسی روز یہ جوالا مکھی پھٹے گا۔ اور کچھ ''طرح'' انہوں نے بھی دی تھی۔ کمان کھنچی نگاہیں جھکا کر ستارہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔ ''آپ نے ایک کوٹھے والی کو بڑی عزت بخش دی سرکار۔ کیا ہم اس قابل ہیں؟''

ستارہ بیگم کے حسرت زدہ لہجے نے الف خان کو تڑپا دیا اور وہ بے اختیار اس کے دونوں مرمریں ہاتھ تھام کر مضبوط لہجے میں بولا۔ ''آپ کس قابل ہو' یہ ہم سے نہیں ہمارے دل سے پوچھو۔ ستارہ بیگم اب آپ ہمارے دل کی ملکہ ہیں۔ ہمیں آپ کا جواب چاہیے اور بس! اس سے آگے ہم کچھ نہیں سوچنا چاہتے۔'' چوہدری الف خان کی بات پر ستارہ بیگم نے اپنی کشادہ آنکھوں کے متلاطم زیر و بم میں اپنے اس دیوانے فرزانے کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''سوچنا تو آپ کو پڑے گا ہی چوہدری صاحب۔''

''ہم جو سوچ چکے ہیں' اسے یقین کامل کا درجہ دیتے ہیں۔ ہمیں آپ سے عشق ہو گیا ہے۔ ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں اے مہ جبیں کہ ہماری سوچ کا محور و مرکز صرف آپ ہیں۔''

''اور آپ کی بیوی اور بچہ؟''

''وہ ایک روایتی سماجی رابطہ ہے جسے ہم نبھا رہے ہیں اور نبھاتے رہیں گے مگر آپ سے ایک قلبی تعلق بن گیا ہے۔ ہمیں آپ سے عشق ہے.... بے طرح عشق۔''

''بڑے لوگوں کے لیے یہ عشق مشغلے بھی تو کہلاتے ہیں۔'' ستارہ بیگم نے کسی مقصد کے تحت ایک تلخ بات کہہ ڈالی۔

''آپ کی بات پر ہمیں صاد ہے اے رخِ ماہِ روشن۔'' الف خان نے برا منائے بغیر کہا۔ ''لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہمیں آپ سے پیار ہو گیا ہے، سچا پیار۔ یہ ثبوت کافی نہیں کہ ہم نے آپ کو ابھی تک مشغلہ نہیں بنایا، آپ کا سُر سنتے ہیں تو تنہا، آپ کا دیدار کرتے ہیں تو اکیلے۔ ہم آپ کو مشغلہ بنا کر آپ کے حسن و جمال کو گھن لگانا نہیں چاہتے تھے۔'' ستارہ بیگم نے ایک بار خاص نگاہوں سے الف خان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر ہولے سے بولی۔

''میرے ساتھ تشریف لائیں۔'' کہہ کر وہ پلٹ گئی اور الف خان اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسے حیرت تھی کہ ستارہ بیگم اسے کہاں لے جا رہی تھی پھر ایک ململ کے سفید پردے کو ہٹا کر ستارہ بیگم ایک دوسرے ہال کمرے میں آ گئی۔ سامنے کمرے کا دروازہ تھا۔ ستارہ بیگم نے ہولے سے الف خان کو ٹھہرنے کا کہا اور خود دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ ذرا دیر بعد ایک خادمہ سر جھکائے برآمد ہوئی اور خاموشی سے ایک طرف کو چلی گئی۔ الف خان کا خیال تھا

دوا

اسپتال میں ایک مریض سے مزاج پرسی کے لیے آنے والے دوست نے پوچھا۔ ”یہاں دل کی تیز دھڑکن کو کم کرنے کے لیے بھی تمہیں کچھ مل رہا ہے؟“

مریض نے جواب دیا۔ ”ہاں، بوڑھی بدصورت نرس۔“

خطرہ

اسپتال میں ایک مریض کو ایک خوب صورت نرس نے سہارا دے کر اٹھایا تو مریض بولا۔ ”جی چاہتا ہے تمہارے بازوؤں میں رہ کر دم توڑ دوں۔“

نرس بولی۔ ”تمہاری یہ خواہش پوری بھی ہوسکتی ہے۔ اگلے بیڈ کے پاس کھڑے ہوئے ڈاکٹر نے تمہاری بات سُن لی ہے اور وہ میرے منگیتر ہیں۔“

لیے اختری بائی کو اس کی بات کا یقین ہی نہ آیا۔

”یہ... یہ تو کیا کہہ رہی ہے بیٹی؟“ اختری بائی نے پھیلی ہوئی آنکھوں سے ستارہ کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے اس کی بات سن کر دہل کے رہ گئی تھی۔

”میں صحیح کہہ رہی ہوں ماں جی۔“ ستارہ نے ہولے سے کہا۔ ”چودھری الف خان مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔“

”تو نے کیا جواب دیا اسے؟“ بالآخر اختری بائی کو یقین کرنا پڑا اور وہ تیکھے چتونوں سے ستارہ بیگم کی طرف گھورنے کے انداز میں تکتے ہوئے بولی۔

ستارہ بیگم نے بھی ماں کے لہجے کی رمزیہ تندی کو بھانپ کر ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ ”کیا انہوں نے ایسا کوئی غلط کہا مجھ سے؟“

”غلط... سراسر غلط اور ناممکن ہے۔ بیٹی، تم اسے صحیح سمجھ رہی ہو؟“ اختری بائی کی تیوری پر بل پڑے رہے۔

”کیوں ماں جی؟ آپ نہیں چاہتی ہو کہ آپ کی بیٹی ایک شریفانہ زندگی گزارے؟ وہ شمع محفل کے بجائے چراغ خانہ بن کر ایک صاف ستھری زندگی گزارے؟“ ستارہ بیگم کے لہجے میں ہلکی سی تلخی گھل آئی۔ اختری بائی ہک دک تھی۔

کہ یہ خادمہ اسے اندر آنے کا کہے گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اب الف خان کی حیرت الجھن کا شکار ہونے لگی۔ کمرے کا دروازہ آدھا بھڑا ہوا تھا۔ اچانک اندر سے ستارہ بیگم کی آواز آئی۔

”اندر تشریف لے آیئے سرکار۔“ الف خان چونکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ تاہم وہ آگے بڑھا اور کمرے میں داخل ہوا تو بری طرح ٹھٹک کر رہ گیا۔

کمرا کشادہ اور آرام دہ تھا۔ ہر شے سلیقے سے رکھی تھی۔ مسہری کے قریب ستارہ بیگم کھڑی تھی، اس کی گود میں چار پانچ سالہ بچی تھی۔ الف خان الجھن آمیز حیرت سے کبھی ستارہ بیگم کو اور کبھی اس معصوم بچی کو تکنے لگتا۔

”میں ایک ماں بھی ہوں... چودھری صاحب! یہ میری بیٹی ہے زہرہ بانو۔ اس کا باپ اب دنیا میں نہیں رہا۔ اس کی ذمے داری میرے کاندھوں پر ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟“ ستارہ بیگم نے گود میں ہمکتی بچی کو ہولے سے جھلاتے ہوئے گم صم سے کھڑے چودھری الف خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو جیسے الف خان کے چہرے پر ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔ جیسے وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ گیا ہو، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے وہ ستارہ بیگم کے قریب آیا اور دونوں کو تھام کر بولا۔

”ہم نے جو کہنا تھا کہہ دیا، ہمیں یہ دونوں ذمے داریاں قبول ہیں۔“

”اس بچی کو آپ نے ایک باپ جیسا پیار دینا ہوگا اور اس کی ماں کے حوالے سے اسے کسی حق سے بھی محروم مت کیجیے گا، وعدہ کریں۔“ ستارہ بیگم نے کہا۔

”ہم وعدہ کرتے ہیں۔“ الف خان نے مستحکم لہجے میں کہا اور ستارہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

اس دور کے کوٹھوں اور بالا خانوں میں غنڈے بدمعاش پالنے کا رواج نہیں تھا لیکن انسان کی فطرت وہی تھی۔ اختری بائی کی لالچی طبیعت اور مکاری اپنی جگہ پر تھی لیکن اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ نئے پنچھی کا ایک بااثر اور مہذب جاگیردار ایکدم اتنا بڑا عندیہ دے ڈالے گا۔ وہ تو اب تک اس کے شوق کو ایک پُرتعیش تفریح ہی سمجھتی آئی تھی یا پھر وقت گزارنے اور دل بہلانے کا ذریعہ... نہیں جانتی تھی کہ یہ دل داری اور شوق ایک عشقِ مجازی میں منتج ہونے والا تھا۔ یہی سبب تھا کہ جب اسی رات ستارہ بیگم نے اختری بائی کو الف خان کے پروپوزل سے آگاہ کیا تو چند ثانیوں کے

ستارہ بیگم اس کے لیے سونے کی چڑیا تھی اور ایسی مرغی بھی جو سونے کا انڈا دیتی تھی۔ وہ اب اس کے ہاتھوں سے نکلی جارہی تھی۔ جانتی تھی آگ برابر لگی ہوئی ہے۔ ضرور اس عیاش جاگیردار کی عشقیہ باتوں نے اس کی بیٹی کا دماغ خراب کرڈالا تھا اور عشق کا بھوت سر چڑھ کر بولنے لگا تھا لہٰذا زور زبردستی سے یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی تھی۔ فوراً کیچلی بدل کر لہجے کی گرمی کو ملامت آمیزی کا ملمع چڑھا کے نرم آواز میں بولی۔

''تو نادان ہے بیٹی، سامنے کی حقیقت کو جھٹلا رہی ہے۔ کیا تو بھول گئی کہ آج سے چند سال پہلے تو ایک ایسے تلخ تجربے سے گزر چکی ہے۔ دیکھ بیٹی، میں تیری ماں ہوں۔ میں ہمیشہ تیرا بھلا ہی سوچوں گی بُرا نہیں۔ اتنا سمجھانے کے باوجود تو نے پہلے بھی اپنی ضد کی اور من مانی کی، میں برداشت کرگئی۔ کیا دیا تجھے رفاقت حسین نے؟ ایک شریفانہ زندگی گزارنے کا وعدہ اور پھر دانہ چگ کر یہ جا وہ جا؟''

ماں کی بات پر ستارہ بیگم نے بھی چڑھی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''رفاقت بھی مجھ سے سچی محبت کرتا تھا۔ بے شک غریب سہی لیکن وہ مجھے بیاہ کر ایک گھر میں لے کر گیا تھا۔ اس نے میرا ساتھ پورا نبھایا تھا مگر آپ مجھے زبردستی وہاں سے لے آئیں اور دوبارہ سے چراغ خانہ سے شمعِ محفل بنا ڈالا۔''

''تو کیا میں تجھے اس ڈربے نما تنگ و تاریک گھر میں مرنے دیتی؟ تو ناز و نعم میں پلی تھی رفاقت نے تجھے محبت کے نام پر دیا ہی کیا تھا؟ عسرت بھری زندگی جہاں تو گھٹ گھٹ کر مر جاتی ایک دن۔''

''ماں جی اس نے مجھے بیوی کا خطاب دیا تھا۔''

''ہونہہ... بیوی...!'' اختری بائی استہزائیہ انداز میں ہاتھ نچا کر بولی۔

''وہ محنت، مزدوری کرتا تھا، حق حلال کی کھاتا تھا۔ وہ عیاش نہیں تھا۔''

''عیاش نہیں تھا تو یہاں کوٹھے پہ کیا کرنے آتا تھا؟''

''وہ حالات کا مارا ہوا تھا، غم غلط کرنے آتا تھا۔''

''ہاں تو پھر تجھے بیوی بنا کر اس نے کون سا تیر مار لیا تھا۔ حالات تو پھر بھی اس کے نہیں بدلے تھے بلکہ تجھ سے شادی کے بعد تو وہ روٹی کو بھی محتاج ہونے لگا تھا۔ ذرا دن گزرتے تو تجھے سستے قسم کے دھندے پر بھی لگا دیتا۔''

''ماں جی! ایسا مت بولو۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرتا۔ وہ ایک شریف انسان تھا۔'' ستارہ بیگم تڑپ اٹھی۔ ''اپنے حالات بدلنے کے لیے وہ دن رات محنت کرتا تھا مگر میری اور اپنی بچی کی جدائی نے اسے پھر مایوس کر ڈالا اور وہ نشے کا عادی بن گیا۔ بالآخر دہ تم سے اتنا بددل ہوا کہ یہ شہر ہی چھوڑ کے چلا گیا اور ایک دن خون تھوک تھوک کر مر گیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں گیا تھا مگر تمہاری ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر اس نے ایسا قدم اٹھایا تھا۔''

''اچھا بیٹی... اب وہ مر گیا ناں، قصہ ختم۔ تو اب ایک پیاری سی بیٹی کی ماں ہے۔'' اختری بائی نے فوراً پینترا بدلا۔ ''دیکھ اپنی زہرہ بانو کو... تو نے بھی غور کیا ہے... بالکل تجھ پر گئی ہے... پھر ایک دن بڑے ہو کر یہ تیرا بھی اسی طرح سہارا بنے گی جس طرح تو میرا بنی تھی۔''

''ہرگز نہیں ماں جی۔'' ستارہ اپنی ماں کی بات پر تلملا اٹھی۔ ''میں کبھی بھی اپنی بیٹی کو اس بازار کی زینت نہیں بننے دوں گی، ہرگز نہیں۔''

''تو پھر زہرہ بانو کو اور کیا بناؤ گی؟ یہاں رہنے والیاں یہی کچھ بنتی ہیں جو تم بنیں۔ شرافت کے دعوے دار یہاں صرف دل بہلانے آتے ہیں اور پیٹھ پیچھے تھوک کر جاتے ہیں۔ رشتے مانگنے نہیں آتے یہاں۔'' اختری بائی نے اپنے تئیں ستارہ کو اوقات یاد دلانی چاہی تو ستارہ نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ماں جی ایک بات سچ سچ بتاؤ، کیا میں واقعی تمہاری بیٹی ہوں؟'' اس سوال پر اختری بائی گڑبڑا گئی مگر پھر جلدی سے بولی۔

''تیری ماں ہوں تبھی اتنے ناز و نعم سے پالا ہے تجھے۔''

''پھر تو نے میرے بارے میں کبھی ایسا کیوں نہیں سوچا جیسا میں اپنی زہرہ بانو کے بارے میں سوچتی ہوں؟'' ستارہ بیگم نے پوچھا تو جواب نہ بن پا کر مکار اختری بائی نے منہ بنا کر رونا شروع کر دیا۔

''لو... اب یہ وقت بھی دیکھنا تھا کہ ایک بیٹی اپنی ماں پر شک کرے گی... آہ...''

ستارہ بیگم خاموش ہوگئی۔ جو حقیقت اختری بائی اس کے بارے میں جانتی تھی وہ ستارہ بیگم نہیں جانتی تھی۔ اختری بائی نے آج تک ستارہ بیگم کو یہی بتایا تھا کہ وہ اس کی ماں ہے اور ان کا جدی پشتی پیشہ یہی تھا مگر یہ صرف اختری بائی کو معلوم تھا یا پھر اختری بائی کے دستِ راست نکیلی مونچھوں والے ببن میاں کو کہ ستارہ بیگم انہیں ایک ریلوے اسٹیشن کے اجاڑ پلیٹ فارم میں اس وقت روتی بلکتی ملی تھی جب اس

کی عمر بہ مشکل دس، گیارہ سال کی تھی۔ اختری بائی نے ہی اس کا نام ستارہ رکھا تھا۔

ستارہ بیگم کو اب اپنی فکر نہ تھی۔ فکر تھی تو صرف اپنی بچی زہرہ بانو کی۔ وہ اسے اس ماحول سے نکالنا چاہتی تھی مگر اس کے لیے یہ اشد ضروری تھا کہ وہ خود یہاں سے نکلتی۔ اب اسے چودھری الف خان کی صورت میں یہ سب ہوتا نظر آرہا تھا بلکہ اس نے تو اس کی بیٹی کو بھی اس کا حق اس کا باپ بن کر دینے کی ہامی بھرلی تھی۔ وہ اب اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ادھر چالاک اختری بائی نے فوراً نکیلی مونچھوں والے ببن میاں سے مشورہ طلب کرلیا۔ اس نے بھی ستارہ بیگم کو اپنی سی سمجھانے کی کوشش کر کے دیکھ لی مگر ستارہ بیگم اپنے ارادے پر قائم رہی تو بالآخر ببن میاں نے بھی ہار مان لی۔ اس پر اختری بائی نے اسے لتاڑ ڈالا۔

''کچھ کرو ببن میاں! یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی تو یہ کوٹھا ویران ہو جائے گا؟ ہم بھوکوں مرنے لگیں گے۔ اس کوٹھی کی ساری رونقیں ستارہ کے دم سے قائم ہیں۔''

ببن میاں بھی دور کی کوڑی والا دماغ اور سوچ رکھتے تھے، اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔ ''دیکھو اختری، غلطی تمہاری ہی تھی، تم نے اس جاگیردار کو رقم کے لالچ میں خود ہی اس قدر اہمیت دے ڈالی کہ اسے ستارہ کے قریب تر ہونے کا موقع مل گیا۔''

''اب مجھے کیا پتا تھا کہ وہ کم بخت اس سے بیاہ کرنے کا فیصلہ کرلے گا۔ اب دل کے پھپھولے مت پھوڑو ببن میاں، کوئی سبیل کوئی تدبیر کرو۔''

''یہی ہوسکتا ہے کہ ابھی جو ستارہ کر رہی ہے اسے کرنے دو۔ فی الحال دوسروں سے کام چلاؤ بعد میں اس مسئلے کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے۔''

''اے نو۔۔۔ تم نے بھی خوب کہی ببن میاں۔ طبلے بجا بجا کے تمہارا دماغ بھی طبلہ ہوگیا ہے۔ شادی کے بعد تو یہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی اڑن چھو ہو جائے گی پھر ہم کیا کرلیں گے؟''

''تو اب ہم کون سا تیر مار رہے ہیں؟ اور اگر ماریں گے بھی تو خود کو ہی آن لگے گا۔'' ببن میاں کھاگ لہجے میں بولے۔ اختری بائی اپنی پیشانی مسلنے لگی تو ببن میاں ازراہِ تشفی بولے۔ ''پریشان کیوں ہوتی ہو اختری بائی، دریا کو تھوڑا بہہ لینے دو خس وخاشاک نظر آنا شروع ہو جائیں گے، پھر وسارا کھوسب ٹھیک ہو جائے گا۔''

ببن میاں کی بات پر اختری بائی کو کچھ زیادہ تسلی نہ ہوئی مگر چپ رہنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ اسے خاموش پا کر ببن میاں بولے۔ ''بس! ابھی عیاش جاگیردار سے جتنے نخرے کرسکتی ہو کرلو بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

ببن میاں کی بات اختری بیگم کے دل کو لگی۔ وہ دانت پیس کر خود کلامیہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولی۔ ''ہاں ببن میاں نخرے تو خوب کھرے کروں گی میں اس جاگیردار سے۔ اتنی آسانی سے تو میں بھی اپنی چڑیا اس کے حوالے نہیں کروں گی۔''

اس روز جب الف خان کا اس معاملے میں اختری بائی کے ساتھ سامنا ہوا تو اختری بائی نے ناک بھوں چڑھالی۔ کہاں تو وہ اس کی آمد پر اس کے آگے بچھی جاتی تھی مگر اب معاملہ دوسرا تھا تو اس نے بھی بازاری قسم کی کم ظرفی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور خلافِ معمول بڑے اکھڑ لہجے میں بولی۔

''چودھری صاحب! ہمیں آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ آپ نے تو مہمان بن کر میزبان کے گھر میں ہی سینددھ لگا دی۔''

چودھری الف خان بھاری آواز میں گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اختری بائی! بات کرتے وقت دیکھ لیا کرو کہ تمہارے سامنے کون کھڑا ہے۔ ہم سینددھ لگانا جانتے ہی نہیں۔ صاف اور سیدھی بات کرتے ہیں۔ بولو کیا دام لوگی؟''

اختری بائی نے بھی بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا، بولی۔ ''کون نہیں جانتا کہ اختری بائی کے کوٹھے کی اصل رونق کس کے دم سے ہے۔ ستارہ بیگم سے محرومی ہمارا بہت بڑا نقصان ہے۔''

''دام کی بات کرو اختری بائی۔'' چودھری الف خان گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''تمہارا نقصان ہم پورا کیے دیتے ہیں۔ پہلے بھی ہم نے تمہیں مایوس نہیں کیا۔''

اختری تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔ ''چودھری جی، وہ بات اور تھی، اب تو آپ سارا خزانہ ہی ہمارا لے چلے۔ اب بھلا خزانے کی ہم کیا قیمت لگا سکتے ہیں؟''

الف خان اس مکار بڑھیا کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔ ''ہم کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے نہ ہی ہم کسی کے ساتھ زبردستی کر رہے ہیں۔ پہلے ہم نے سوچا تھا کہ آپ کو ایک بڑی رقم کے علاوہ ہر ماہ ایک معقول رقم باقاعدگی سے دیتے رہیں گے لیکن اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ستارہ بیگم جب ہمارے عقد میں آجائے گی تو ایسا کرنا

مناسب نہ ہوگا۔ ہاں ہم آپ کو پانچ لاکھ کی رقم کا چیک کاٹے دیتے ہیں۔''

اس زمانے میں پانچ لاکھ معمولی رقم نہیں تھی۔ اختری بائی سمجھ تو گئی تھی کہ رقم ملے نہ ملے سونے کی چڑیا تو اب ویسے بھی پھُر ہونے والی تھی نیز اگر الف خان یہ رقم بھی نہ دیتا تو وہ اس کا کیا بگاڑ لیتی۔

معاملہ طے پا گیا اور پھر ستارہ بیگم شمعِ محفل سے چراغِ خانہ بن کے چودھری الف خان کے عقد میں آگئی۔

نئے پنڈ کا جاگیردار چودھری الف خان جب ستارہ بیگم کو بیاہ کر اپنی جاگیر پہنچا تو حویلی میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ الف خان کی پہلی بیوی مہرالنسا کو پہلے شوہر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے فوراً ڈریسنگ ٹیبل سنبھال لی۔ بنی سنوری تو وہ ہر سمے ہی رہتی تھی مگر پھر بھی وہ آئینے کے سامنے ہلکے پھلکے میک اپ ٹچز لینے لگی تھی کہ تھوڑی بہت جو کسر تھی وہ بھی پوری ہو جائے۔ کمرے میں نو سالہ بیٹا ممتاز خان اور بارہ سالہ بیٹی نورالنسا کھیلنے میں مگن تھے۔

جب مہرالنسا کو دوسری اطلاع یہ ملی کہ سرکار تو اپنے ساتھ ایک خاتون کو بھی لائے ہیں جو ان کی دوسری بیوی ہونے کا شرف حاصل کر چکی ہے تو مہرالنسا کا حسین چہرہ ایکدم زخمی ناگن کی طرح پھنکاریں مارتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس کے اندر ایک چھناکا ہوا۔ وہ اندر سے ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔

عورت اور سب سے بڑھ کر ایک بیوی کے لیے اس کا شوہر ایک مان ہوتا ہے۔ ایک ایسا تفاخر آمیز غرور جس کے زعم میں بیوی شوہر کی محبت کو ملکیت کا درجہ تک دے ڈالتی ہے اور اس ملکیت کو وہ بلاشرکت غیرے اپنے لیے، اپنے بچوں کے لیے محفوظ سمجھتی ہے۔ اس میں شراکت داری اس کے لیے ناقابلِ قبول ہوتی ہے مگر مہرالنسا اپنے شوہر کے مزاج سے واقف تھی اور اس کی طاقت سے بھی جبکہ خود مہرالنسا کا اپنا کوئی بڑا خاندانی بیک گراؤنڈ نہ تھا۔ تاہم چھوٹی سطح کے زمیندار گھرانے سے تو وہ بھی تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے اندر اس چھپے داری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی ہمت تھی نہ جرأت، نتیجتاً وہ گھٹ کر رہ گئی۔ شوہر کی دوسری بیوی کا مطلب مہرالنسا کی نگاہ میں یہی تھا کہ پہلی پر دوسری کو ترجیح دینا۔ اپنے حق پر ڈاکا ڈالنے والی ایک سوتن کو وہ کس طرح قبول کر سکتی تھی؟ اس کا یہی احساسِ کمتری، احساسِ محرومی میں بدل کر اپنی سوکن کے خلاف ایک گھناؤنے محاذ پر اسے اکسانے لگا مگر بظاہر وہ یہ کڑوا گھونٹ پی گئی۔

ادھر ستارہ بیگم بھی زمانہ چشیدہ اور حالات کی ستائی ہوئی تھی، جانتی تھی کہ اس کی ایک سوتن بھی ہے۔ ایک ایسی سوتن جو ایک بیٹی، بیٹے کی ماں بھی تھی۔ ایسی ماں جو یہی سمجھتی ہوگی کہ آنے والی سوتن نے صرف اس کے حق پر ہی نہیں بلکہ اس کے دونوں بچوں کے حق پر بھی ڈاکا ڈالا تھا۔ پھر زہرہ بانو تو الف خان کی اولاد بھی نہیں تھی مگر آنے والی نے بڑی چالاکی سے اس کے نام بھی بہت کچھ کروا لیا تھا۔ اصل آگ سینے میں اٹھنے والی مہرالنسا کی یہی تھی جبکہ ستارہ بیگم کو پہلے سے ان سارے تلخ حقائق کا بخوبی اندازہ تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ چودھری الف خان کی نہ صرف دوسری بیوی بننا چاہتی تھی بلکہ اپنی بیٹی زہرہ بانو کا مستقبل بھی محفوظ کرنا چاہتی تھی اور یہ سب شادی سے پہلے ہی ہونا ممکن تھا اور ستارہ بیگم نے اس لیے الف خان سے ایک مشروط شادی کی تھی اور اس نے بھی ستارہ بیگم جیسی نئی دلہن کو جلد سے جلد حاصل کرنے کے نشے میں اس کی ساری شرائط مان لی تھیں اور جائداد میں بھی اس کا حق محفوظ کر دیا تھا۔

الف خان نے سرسری طور پر اپنی پہلی بیوی مہرالنسا سے کہہ دیا تھا کہ اسے دل برا کرنے کی ضرورت نہیں، اسے بھی اس حویلی میں برابر کے درجے پر رکھا جائے گا اور دونوں کے ساتھ پورا انصاف ہوگا۔

مہرالنسا کو ایسے برابری کے درجے کا انصاف ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔ وہ تو صرف ایک بادشاہ اور ایک ملکہ کی قائل تھی... ایک بادشاہ کے ساتھ دو ملکاؤں کی نہیں مگر مہر بہ لب تھی اور اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنی سوکن ستارہ بیگم کا سرسری استقبال کیا۔۔۔۔ چہرے پر جبراً مسکراہٹ بھی سجائی تھی مگر ستارہ بیگم کو اس مسکراہٹ کی تہ میں چھپی زہر کی تلچھٹ بھی صاف محسوس ہوئی تھی۔

ستارہ بیگم بھی کوئی سیدھی سادی عورت نہ تھی۔ زمانے کے چلن اور اس کے گر جانتی تھی اور یہ بھی کہ وہ جس حویلی میں بیاہ کر آئی ہے وہاں پہلے سے اس کے شوہر کی ایک بیوی موجود ہے جو اس کا اور اس کی بیٹی کا وجود ہرگز گوارا نہیں کرے گی لہٰذا اسے یہاں صرف اپنے دیوانے شوہر الف خان پر ہی انحصار کر کے نہیں رہنا ہوگا اپنے اور اپنی بیٹی زہرہ بانو کے تحفظ کے لیے اسے بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھنا ہوں گی۔ اگر چہ اپنے اور اپنی بیٹی کا مستقبل تو وہ کسی حد تک محفوظ کر ہی چکی تھی مگر ابھی اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ستارہ بیگم نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ وقت گزرنے کے

ساتھ ساتھ اسے مزید اور کیا کرنا ہے۔ کیونکہ ستارہ بیگم کا بہرحال کوئی آگے پیچھے نہ تھا، وہ مکمل طور پر اپنے شوہر پر انحصار کیے ہوئے تھی جبکہ اس کے مقابلے میں مہرالنسا کو اس پر ہر لحاظ سے فوقیت حاصل تھی۔ اسے چودھری الف خان کی پہلی بیوی کی حیثیت سے جو مان تھا وہ اپنی جگہ تھا پھر وہ اس کے دو بچوں کی ماں تھی، ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ بیٹے کی ماں کی حیثیت سے بھی حویلی میں مہرالنسا کی پوزیشن مضبوط تھی کہ اس نے ممتاز خان کی شکل میں چودھری الف خان کو ایک وارث دیا ہے، پھر مہرالنسا کے دو جوان اور شادی شدہ بھائی بھی تھے وہ ان کی اکلوتی بڑی بہن تھی۔ وراثت علی اور رئیس خان جو خود اپنے بہنوئی چودھری الف خان کی وجہ سے علاقے بھر میں اینڈتے پھرتے تھے۔ ایک نمبر کے نالائق، نکمے اور بدقماش تھے۔ باپ ان کا چھوٹی سطح کا زمیندار تھا، اس کے مرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے عیاشیوں اور سیر سپاٹوں میں جو زمینیں تھیں، وہ بھی کھپا دیں۔ اب وہ اس مثال کی زندہ مگر شرمناک تفسیر بنے ایک طرح سے اپنی بہن کی سفارش پر حویلی میں رہتے چلے آرہے تھے۔

لیکن ستارہ بیگم کو ان ساری چیزوں سے کوئی غرض نہیں تھی، نہ ہی اس نے ان کے خلاف اپنے دل و دماغ میں کسی بغض یا کینہ پروری کو جگہ دی تھی۔ وہ فطرتاً صلح جو، امن پسند اور نیک فطرت تھی مگر اپنے اور اپنی بیٹی کے تحفظ کے سلسلے میں کسی مصلحت اندیشی کو خاطر میں لانے والی نہیں تھی۔ اس بات کا اسے بھی احساس تھا بلکہ ایک قلق تھا مہرالنسا کی طرف سے کہ وہ بہرحال اس کے شوہر کی دوسری بیوی بن کر آئی ہے اور ایک طرح سے اس کے حق پہ ڈاکا ڈالنے کے مترادف تھا مگر پھر اسلامی اور دینی رو سے دیکھتی تو اسے اپنے ضمیر کی اس چبھن کا احساس ہلکا ہونے لگتا کہ چودھری الف خان بہرحال ایک مرد تھا اور اسلام میں مرد ایک سے زائد شادی کرسکتا ہے۔ در پردہ یہ سوچ کر بھی ستارہ بیگم خود کو تسلی دیتی کہ مہرالنسا کو اب بھی بہرحال حویلی میں وہی حیثیت حاصل تھی جو پہلے تھی اور وہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی کہ اس میں کمی بھی ہو پھر اس نے خود تو الف خان سے شادی نہیں کی تھی بلکہ الف خان نے اس سے شادی کی تھی۔ مطلب یہ کہ وہ اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوا تھا اور شادی کی ضد کر بیٹھا تھا۔

لیکن ادھر مہرالنسا کے سینے پر تو جیسے ہر دم سانپ لوٹنے لگے تھے، اور اسے شہہ دینے میں اس کے دونوں

شک پرست

ولیم کی ممی شاپنگ سے واپس آئیں تو ولیم کوشش کے باوجود انہیں یہ بتانے کی جرأت نہ کرسکا کہ ان کا چہیتا کتا پیڈی کار کے نیچے آکر ہلاک ہوگیا ہے۔ کچھ دیر گھر کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد ممی نے اچانک پوچھا۔ ''پیڈی کہاں ہے؟''

ولیم نے بڑی ہمت سے کام لیا اور آہستہ سے بولا۔ ''پیڈی کو آج ایک کار نے کچل دیا ہے۔''

ممی نے رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے کھانا لگایا۔ ماں بیٹے نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ممی پڑوس میں چلی گئیں۔ واپس آئیں تو انہیں پھر کتا یاد آیا۔ ''پیڈی کہاں ہے؟''

''میں نے تو آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ پیڈی کو ایک کار نے کچل دیا ہے۔''

ممی یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ہچکیوں میں قدرے کمی آئی تو ولیم نے کہا۔ ''تعجب ہے کہ دوپہر کو جب میں نے پیڈی کی موت کے بارے میں بتایا تھا تو آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا؟''

''نہیں۔'' ممی نے ہچکی لے کر کہا۔ ''میں سمجھی تھی کہ تم نے ڈیڈی کہا ہے۔''

دلیل

ایک دوست کی دوسرے دوست سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنے دوست کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔ ''ارے سلیم! تم بیساکھی استعمال کررہے ہو، کیا ہوا؟''

سلیم نے جواب دیا۔ ''ایک کار سے ٹکر ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر نے کچھ دن تک مجھے بیساکھی استعمال کرائی۔ اب اس کا کہنا ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوچکا ہوں۔''

پہلے دوست نے کہا۔ ''پھر تم ابھی تک بیساکھی کیوں استعمال کررہے ہو؟''

سلیم نے کہا۔ ''ہاں ڈاکٹر تو کہتا ہے کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوچکا ہوں مگر میرا وکیل کہتا ہے کہ مجھے ابھی کچھ دنوں اور بیساکھی استعمال کرنی چاہیے۔''

فاطمہ شاہین...... اسلام آباد

بھائیوں وراثت علی اور رئیس خان کا ہاتھ تھا۔ ان کے اپنے دل کا چور انہیں بے چین کر گیا تھا کہ اب ان کے جھنوئی الف خان کی نئی بیوی ضرور ان کے خلاف کوئی گل کھلائے گی حالانکہ ستارہ بیگم کے دل میں ایسی کوئی بات تھی بھی نہیں مگر مثل ہے کہ لنڈی بھی ہمیشہ گند میں ہی بیٹھتی ہے اور سارا جسم چھوڑ کر زخم کو ہی چھوتی ہے۔ اس لیے وہ ستارہ بیگم اور اس کی بیٹی زہرہ بانو کے خلاف اپنی بہن کے ساتھ مل کر کمر بستہ ہو گئے۔

☆☆☆

بلاشبہ چودھری الف خان نے اپنا وعدہ پوری طرح نبھایا۔ ستارہ بیگم نے جو کہا اس نے وہی کیا۔ تو سالہ زہرہ بانو کے نام شہر (نیو ملتان) میں کوٹھی بنوا دی جو بعد میں بیگم ولا کہلائی۔ ایک کوٹھی گرا ئیں نگر کے نام سے پہلے ہی موجود تھی۔ اس نے نئے پنڈ کی جاگیر میں بھی زہرہ بانو کا حصہ ڈال کر اس کا مستقبل محفوظ کر دیا۔ ستارہ بیگم خوش تھی۔ الف خان اسے والہانہ چاہنے لگا تھا۔ وہ اب بھی اپنے کمرے میں اس کے مدھر سروں میں گیت اور غزلیں سنتا تھا اور اپنا سر دھنتا تھا۔ ستارہ بیگم سے اس کی چاہت میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ شادی کے بعد تو اس کی چاہت میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور ادھر مہر النسا تھی کہ انتظار میں بیٹھی تھی کہ ایک دن آتشِ شوق ہوا ہوا اور وہ موقع تاک کر اپنی سوکن کے خلاف زہر اگلے مگر یہاں عشق تھا کہ سوا ہی ہوتا جا رہا تھا۔ تب مہر النسا کو یقین کرنا پڑا کہ ستارہ بیگم واقعی ایک جادوگرنی تھی اور اس کی اصل فسوں کاری کا راز بھی اسے پتا چل گیا تھا جو اس کی سریلی آواز میں پوشیدہ تھا۔

دو تین بار موقع ملنے پر مہر النسا نے الف خان کو ستارہ بیگم کی حیثیت جتانے کی بھی کوشش چاہی مگر الف خان نے بڑی سنسناتی اور شعلہ بار نظروں سے گھور کے اسے ایسا گھر کا کہ دوبارہ وہ ...... ستارہ بیگم کے خلاف اس کے سامنے کچھ بولنے کی جرأت ہی نہ ہو سکی مگر اس کے سینے میں بھڑکتی رقابت کی آگ۔ اب ایک جوالا مکھی کی طرح پھٹنے کے قریب ہو گئی تھی۔ بغض و رقابت کی آگ اب آتشِ انتقام میں بدلنے لگی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ستارہ بیگم کا گلا ہی دبوچ ڈالے جہاں سے وہ اس کے شوہر کے دل و دماغ میں سحر پھونکا کرتی تھی۔

اس روز وراثت علی نے بڑی رازداری کے ساتھ اپنی بہن کو ایک چھوٹی سی پڑیا تھمائی۔

''یہ کیا ہے وڈے ویرا؟'' مہر النسا الجھن آمیز حیرت بھری نظروں سے بھائی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ اس جادو کا توڑ ہے آپا جی جو اس کمینی کے گلے سے نکل کر چودھری جی کے دل و دماغ میں اتر کر سر چڑھ کے بولتا ہے۔'' وراثت نے سرگوشی میں بہن سے کہا تو مہر النسا جانے کیا سمجھی اور خوف زدہ نگاہوں سے بھائی کو تکتے ہوئے بولی۔

''کک... کک... کیا یہ زہر ہے؟ نن... نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے وڈے ویرا۔ چودھری جی کو پتا چل گیا تو وہ مجھ پر کتے چھوڑ دے گا۔''

''او بس کر... پوری گل تے سن لیا کر آپا جی۔'' وراثت علی نے عادت کے مطابق اپنا ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''زہر نہیں ہے پر زہر سے بھی بڑا کام کرے گی کسی کو شک بھی نہ ہوگا۔''

''یہ ہے کیا پھر؟'' مہر النسا بالآخر متجب ہو کر مستفسر ہوئی۔

''یہ گل بوٹی ہے جسے سیندور بھی کہتے ہیں جسے ہندو زنانیاں اپنے سہاگ کی نشانی کے طور پر اپنی مانگ میں سجاتی ہیں پر اس کو غلطی سے کھالے تو یہ گلے کو جکڑ لیتی ہے مطلب یہ کہ اس سے آواز یعنی گلا ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتا ہے، اب سمجھیں تم؟''

حسبِ موقع رئیس خان بھی موجود تھا۔ وہ غیر مطمئن لہجے میں بولا۔ ''او وڈے ویرا، یہ زہر کی پڑیا ہوتی تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ سنار دی ٹک ٹک سے لوہار کی ایک ہی ٹھک زیادہ چنگی ہوتی ہے۔ اس کمینی کا گلا بند کرنے سے بہتر ہے گلا ہی دبا دیا جائے ہمیشہ کے لیے۔''

''او تو چپ کر نکے۔'' وراثت نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''ان حالات میں ستارہ کی چمک ہلکی کرنا زیادہ بہتر ہے نہ کہ اسے ختم کرنا۔ وہ مر گئی تو ہم تینوں پر الزام آئے گا۔''

مہر النسا بھائی کی بات سمجھ گئی پر وراثت علی نے اس سے کہا۔ ''یہ تم کسی طرح۔ ہوشیاری کے ساتھ ستارہ بیگم کے کھانے میں شامل کر دینا۔ دودھ میں ڈالنے کی ہرگز غلطی نہ کرنا ورنہ دودھ کا رنگ چوکھا نکل آئے گا اور ستارہ بیگم بدک جائے گی، سمجھ گئی؟''

''بالکل سمجھ گئی وڈے ویرا۔'' مہر النسا بھائی کی بات کا مطلب سمجھ کر یک دم خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''اک گل ہور سن...'' وراثت آگے بولا۔ ''تو اپنا رویہ بھی اس نال ذرا بہتر کرلے سمجھ رہی ہے ناں میری گل؟'' مہرالنسا نے فوراً اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

وراثت علی نے بہن کو دو روز بعد اس منصوبے پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی۔ ان دو دنوں میں مہرو نے ستارہ بیگم کے ساتھ بالکل سہیلیوں والا برتاؤ کرنا شروع کردیا۔ چودھری الف خان کو اس پر ایک خوشگوار حیرت ہوئی تھی تاہم وہ خوش تھا مگر ستارہ بیگم کو اپنی سوکن کی یہ دلبری کھٹک گئی۔ اسے کسی سازش کی بو آنے لگی۔ زمانہ چشیدہ تو تھی ہے بہ ظاہر اس نے بھی اس کی سردمہری کو ملائمت آمیزی میں بدلتے ہوئے اس کے ساتھ خوشی کا اظہار کیا۔ وہ یہی سمجھتی تھی کہ شاید مہرو الف خان کے سامنے اچھا بن کر اسے نیچا دکھانے کی کوشش کررہی ہے کہ اس کے جواب میں لامحالہ وہ یعنی ستارہ بیگم ضرور سرد رویہ دکھائے گی تو شوہر کے سامنے خود ہی بری بنے گی لہٰذا یہ سوچ کر ستارہ بیگم نے بھی مہرالنسا کے ساتھ خوش دلی کا رویہ اپنایا وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ دونوں ایک گھاٹ میں شیر وشکر ہوکر رہیں۔

دو دن گزر گئے تیسرے روز مہرالنسا نے اپنی سازش پر عمل کر ڈالا اور سریلی آواز والی ستارہ بیگم کو کھانے میں سیندور کھلا دیا۔

وہ دن خیریت سے گزرا دوسرے دن بھی کچھ نہ ہوا مگر تیسرے روز صبح جب ستارہ بیگم نیند سے بیدار ہوئی تو اسے اپنے گلے میں ہلکی ہلکی خراش سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اسے معمولی بات سمجھا حالانکہ وہ ٹھنڈی کھٹی چیزوں سے مکمل پرہیز کرتی تھی۔ شام تک یہ معمولی سی گلے کی خراش دکھن میں بدل گئی۔ اس نے ہلکے نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر غرارے کیے، افاقہ ہوا مگر عارضی۔ اس رات چودھری الف خان کا گیت سننے کا بھی جی چاہا تھا مگر ستارہ بیگم کی طبیعت کی خرابی کے باعث چپ ہو رہا مگر ستارہ بیگم کو تشویش سی لاحق ہوئی، اس نے دیسی قسم کا گھریلو جوشاندہ بھی بنا کر پیا۔ چوتھے روز تو ستارہ کا گلا ہی سوجھ گیا اور دکھن بڑھ گئی۔ گلے کی جلن کی سوزش کے باعث اس سے کچھ کھایا بھی نہیں جارہا تھا۔ الف خان نے فوراً علاقے کے ایک مشہور حکیم کو حویلی میں بلوا لیا۔ اس نے ٹارچ سے ستارہ بیگم کے حلق کا معائنہ کیا پھر اپنے مطب کی دوائیں دے دیں۔ دو روز میں ہی ستارہ بیگم کو افاقہ ہونے لگا۔ بخار اتر گیا، گلے کی سوزش میں کمی آگئی درد بھی جاتا رہا۔ ستارہ بیگم نے بھی سکون کا سانس لیا۔ اس کے تیسرے روز تو ستارہ بیگم بالکل بھلی چنگی ہوگئی یوں بات آئی گئی ہوگئی۔

الف خان ستارہ بیگم کی نغمہ سرائی کو ترسا ہوا تھا بالآخر اس نے اس رات ستارہ بیگم سے ایک غزل کی فرمائش کر ڈالی۔ ستارہ بیگم مداح سرا ہوئی مگر اسے اپنے گلے اور سُر پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ آواز میں کسی گہن کی طرح بھدا پن عود کر آیا تھا۔ پیہم کوشش اور بار بار کھنکھارنے کے باوجود اپنی آواز کے سریلے پن کا وہ جادو نہ چلا سکی جو اس کا خاصہ ہوا کرتا تھا۔ الف خان کو بھی اس تبدیلی پر حیرت ہوئی، کہاں تو وہ ساری ساری رات گیت، غزل، ٹھمری اور وغیرہ سنتا رہتا تھا لیکن اس رات صرف ایک غزل پر اکتفا کرکے سو رہا۔ ستارہ بیگم اس کی وجہ جانتی تھی وہ بھی چپ ہو رہی۔ الف خان نے اس کا دل چھوٹا کرنا مناسب نہ سمجھا

لب زیرِ لبِ گفتہ

چھوٹا بچہ حجام کی دکان میں داخل ہوا۔ حجام نے بچے کو دیکھتے ہی اپنے گاہک سے آہستہ سے کہا۔

''یہ لڑکا دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ دیکھو ابھی تمہارے سامنے ثبوت پیش کرتا ہوں۔''

حجام نے اپنے ایک ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ رکھا اور دوسرے ہاتھ میں، دو روپے کی ریزگاری رکھی اور بچے کو بلا کر کہا۔ ''بیٹا کون سے ہاتھ والے پیسے لوگے؟''

بچے نے دو روپے کی ریزگاری لی اور دکان سے نکل گیا۔

''دیکھا میں نے کیا کہا تھا... یہ بے وقوف کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا اپنی زندگی میں۔'' حجام نے اپنے گاہک سے کہا۔

گاہک بال کٹوا کر باہر نکلا تو اس نے بچے کو آئس کریم کھاتے ہوئے پایا۔ اپنی معلومات کے لیے اس نے بچے کو روک کر پوچھا۔ ''بیٹے! تم نے دس روپے کے بجائے دو روپے کی ریزگاری لی، ایسا کیوں کیا؟''

بچے نے آئسکریم کھاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ''جس دن میں نے دس روپے کا نوٹ اٹھالیا اسی دن یہ کھیل ختم ہوجائے گا۔''

(کراچی سے جاوید کاظمی کا شگفتہ پارہ)

اور تھکاوٹ کا بہانہ کر کے سو گیا۔

اگلے روز شام میں ستارہ بیگم نے تنہا ریاض کرنے کی کوشش چاہی تو اسے احساس ہو چلا کہ معاملہ واقعی خراب ہے۔ اس نے فوراً شوہر سے کہہ دیا کہ وہ اسے شہر کے کسی بڑے کان، ناک، حلق کے ماہر کے پاس لے جائے۔

بہرحال ستارہ بیگم کو ملتان کے ایک مشہور ENT سرجن کو دکھایا گیا۔ اس نے کچھ ٹیسٹ لکھ دیے، دوائیاں تجویز کیں پھر کچھ روز بعد اس نے انکشاف کیا کہ ستارہ بیگم کے آلۂ صوت میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ.... مسئلہ اب قابلِ علاج نہیں رہا۔ تاہم اس نے اپنے تئیں یہ تسلی ضرور دی کہ اس سے جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک قدرتی آلہ ہوتا ہے اور بہ ظاہر یہ ایک معمولی خرابی ہے فقط آواز اس نقص کی وجہ سے تھوڑی موٹی اور کھردری ہو جاتی ہے۔ اب ڈاکٹر کو کیا معلوم تھا کہ یہ معمولی خرابی ستارہ بیگم کے لیے کتنی بڑی خرابی تھی۔ وہ دل ہولا کر رہ گئی۔

کہاں تو ستارہ بیگم کی سریلی آواز بغیر ساز کے بھی مدھر ہوتی اور الف خان کے کانوں میں رس انڈیلتی مگر اب تکوں میں جیسے تیل ہی نہ رہا۔ وہ بڑی بے توجہی سے یہ مشکل ایک غزل اور ابھی وہ بھی ادھوری سن کے سونے کا بہانہ کر کے لیٹ جاتا مگر ستارہ بیگم کا دل نہیں دکھاتا تھا۔ جان گیا تھا وہ کہ اب ستارہ بیگم کے گلے میں ایک لاعلاج نقص پیدا ہو چکا ہے لہٰذا اب تو اس نے ستارہ بیگم سے گانے کی فرمائش کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔

ستارہ بیگم دل مسوس کر رہ گئی۔ کئی روز تک تو وہ سمجھ ہی نہ پائی کہ ہوا کیا تھا۔ ماتھا تو اس کا اس وقت ٹھنکا جب ایک روز مہر النسا نے اس سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے آج کل مجھے تمہارے کمرے سے گنگنانے کی آوازیں نہیں سنائی دیتیں؟ سچ پوچھو تو تمہاری اس سریلی اور جادو بھری آواز سن کر تو میں بھی تمہارا گیت سننے کے لیے دروازے سے گزرتے وقت کان لگائے کھڑی ہو جاتی تھی۔“ اس کی بات پر ستارہ بیگم ٹھٹکی اور قدرے چونک کر گہری نگاہوں سے اپنی سوتن کے چہرے کا جائزہ لیا تو اسے اس کی آواز میں مکاری اور بظاہر میٹھی مسکراہٹ میں کمینگی چھپی صاف محسوس ہو گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا مگر وہ اندر سے کھٹک گئی۔

ستارہ بیگم نے بالآخر ایک دن شوہر سے دوبارہ اسے شہر کے ایک حکیم کو دکھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ ستارہ بیگم کا وہ عائلی حکیم تھا جسے وہ اکثر اپنی طبیعت وغیرہ دکھاتی رہتی تھی۔

چودھری الف خان اپنی چہیتی بیوی کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا بہرطور اس بار خود تو نہیں گیا مگر ڈرائیور اور ایک خادمہ کے ساتھ اسے شہر جانے کی اجازت دے دی۔ ستارہ بیگم اپنے پرانے حکیم سے ملی اور اسے ساری بات بتا دی کہ اس کے گلے میں اب پہلے جیسا سُریلا پن نہیں رہا۔

حکیم نے بہ غور ستارہ بیگم کے گلے کا معائنہ کیا اور بالآخر انکشاف کیا کہ ستارہ بیگم نے ضرور ایسی کوئی چیز کھائی ہے جس نے اس کے آلۂ صوت کو جکڑ کر اس کی حساسیت کو متاثر کیا اور اس کے ٹشوز مردہ کر کے اس کی سریلی آواز میں ہمیشہ کا نقص پیدا کر دیا ہے۔

ستارہ بیگم کے لیے یہ جانچ کافی ثابت ہوا۔ وہ حویلی لوٹ آئی۔ وہ بہت افسردہ اور غمگین تھی۔ اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ اسے ضرور اس کی سوکن مہر النسا نے ہی کوئی ایسی شے انجانے میں کھلا دی ہے جس سے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی میٹھی اور سریلی آواز سے محروم ہو چکی تھی۔

غم و غصے کا ایک طوفان ستارہ بیگم کے اندر بھی اٹھا تھا۔ انتقام کی جلن اس کے سینے میں مچی تھی اور اس نے الف خان سے اس خفیہ سازش کا ذکر کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا لیکن پھر اپنا ارادہ بدل ڈالا کیونکہ اس کے پاس ایسا کوئی ٹھوس ثبوت نہ تھا۔ ممکن تھا شوہر کا ہی اس کی طرف سے دل کھٹا ہو جاتا کیونکہ مہر النسا شوہر کے سامنے تو اپنی سوکن کے ساتھ میٹھی میٹھی بنی رہتی تھی مگر اس کی غیر موجودگی میں سرد اور استہزائیہ رویہ روا رکھتی تھی۔

ستارہ بیگم، مہرو کے دونوں بھائیوں کے چہروں پر اسے دیکھ کر ابھرنے والی کمینے پن کی مسکراہٹ محسوس کرتی رہی تھی جو بہ زبانِ خاموش یہ دھمکی دیتے ہوئے محسوس ہوتے تھے کہ ”دیکھ لیا ہم سے ٹکرانے کا انجام! خیریت چاہتی ہو تو اپنا بوریا بستر حویلی سے گول کر کے ہمیشہ کے لیے نظروں سے دور ہو جاؤ۔“

”ٹھیک ہے پھر۔“ اس روز خود سے بڑبڑاتے ہوئے ستارہ بیگم نے بھی اپنی کمر کس لی۔ سمجھ تو گئی تھی کہ ان تینوں سازشی بہن بھائیوں کا ہی یہ سب کیا دھرا تھا اور اس کا مقصد بھی وہ جان چکی تھی۔ اسے خود سے زیادہ اپنی معصوم بیٹی زہرہ بانو کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ بے شک دریا میں رہتے ہوئے مگرمچھوں سے بیر نہیں لینا چاہیے مگر ان کے درمیان رہتے ہوئے خوف سے آنکھیں بند کر کے رہنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں ہوتا چنانچہ یہ سوچ کر وہ بھی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئی۔ جانتی تھی اگر وہ اس طرح یک

طرف صلح جو اور امن پسندی کے ساتھ خاموش رہ گئی تو دنیا اور اسے اور اس کی بیٹی کو کھا جائے گی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ سر اٹھا کر جینا پڑے گا۔ اخلاص سے سر جھکانے کو دنیا اب کمزوری پر محمول کرنے لگی تھی۔

ستارہ بیگم نے سب سے پہلے یہ سوچا کہ الف خان نے اپنی جائیداد سے جو کچھ اس کے یا اس کی بیٹی زہرہ بانو کے نام کر رکھا ہے اسے قانونی تصرف میں لانا ضروری تھا۔ بے شک یہ بات اس کے شوہر کو بری لگ سکتی تھی کیونکہ ابھی وہ زندہ تھا مگر مہر النسا اور اس کے دونوں بھائیوں کے سینے پر مونگ دلنے اور ان کے سامنے اپنی حیثیت منوانے کے لیے ستارہ بیگم نے یہ سب کرنا ضروری سمجھا تھا مگر اس طریقے سلیقے کے ساتھ کہ شوہر کو بھی برا نہ لگے۔ چنانچہ ایک روز وہ رجسٹرار آفس چلی گئی۔ چند ضروری کاغذات کی فائل اس کے ہمراہ تھی۔ اس نے کچھ دے دلا کر ان کاغذات کے مختار نامے بنوائے اور انہیں باقاعدہ قانونی شکل دی جس کی وہ اور اس کی بیٹی مجاز تھیں۔

یہ سب کرنے کے بعد وہ حویلی لوٹ آئی۔ اب وہ پریشان اور افسردہ سی نہیں رہتی تھی۔ جانتی تھی اس کی پریشان اور افسردہ صورت دیکھ کر اس کے دشمنوں کو خوشی محسوس ہوتی تھی۔ لہٰذا اس نے اپنے چہرے پر اب طمانیت طاری کر لی تھی اور خوش رہتی تھی جس کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا۔ مہرو اپنی سوکن کی راحت اور طمانیت بری طرح کھٹکنے لگی۔ پہلے وہ ستارہ بیگم کو دیکھ دیکھ کر استہزائیہ اور نفرت انگیزی سے مسکراتی تھی مگر اب وہ ایک نامعلوم سی الجھن آمیز پریشانی کا شکار نظر آنے لگی۔

ایک روز اس نے شوہر سے اجازت لی کہ وہ اور اس کی بیٹی کچھ دنوں کے لیے بیگم ولا میں رہنا چاہتی ہیں۔ الف خان کو حیرانی تو ہوئی تاہم اس نے اجازت دے دی لہٰذا ایک خادمہ کے ساتھ ستارہ بیگم اپنی بیٹی کو لے کر ملتان بیگم ولا آ گئی۔ بیگم ولا کی حالت بہت خستہ اور بکھری بکھری ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً حویلی سے کچھ ملازم بلوا لیے جنہوں نے دو روز میں ہی بیگم ولا کی حالت سدھار دی۔ ستارہ بیگم نے اب وقتاً فوقتاً یہاں آتے رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اس بار جب حویلی میں فصل کی کٹائی اور دیگر آمدنی کا حساب کار منشی فضل محمد ہاتھوں میں رجسٹر تھامے حویلی میں آن وارد ہوا۔ پہلے مہر النسا آمدنی کا جائزہ لیا کرتی تھی جبکہ ستارہ بیگم نے بھی اس کی پروا نہیں کی تھی نہ ہی اسے کوئی دلچسپی تھی مگر اب چونکہ معاملہ جیسا کو تیسا والا تھا لہٰذا وہ بھی اس کمرے میں آ گئی جسے عرف عام میں بیٹھک کہا جاتا ہے۔ منشی فضل محمد کے علاوہ مہر النسا اور اس کے دونوں بھائی بھی تھے۔

یہ سب مونڈھوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ منشی فضل محمد اپنی گود میں بڑا سا رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ مہر النسا اور اس کے دونوں بھائیوں کی نگاہ ستارہ بیگم پر پڑی تو اسے دیکھ کر ان کے چہروں پر تلخی اتر آئی جبکہ منشی فضل احتراماً رجسٹر سنبھالے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم لوگ اس وقت مصروف ہیں، تم ابھی جاؤ یہاں سے۔'' مہر النسا نے کڑوے لہجے میں ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا مگر ستارہ بیگم اسے اور اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر کے منشی فضل محمد کی طرف گھورتی نظروں سے دیکھتے ہوئے تیز اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔

''منشی... تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟''

بے چارہ منشی ستارہ بیگم کی بات پر تھوڑا گڑبڑا سا گیا پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ج... جی... بب... بیگم صاحب... بھلا آپ کو میں کیسے نہیں پہچانوں گا۔ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی چھوٹی بیگم صاحب؟''

''تمہاری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کیے دیتی ہوں۔'' ستارہ بیگم نے کرخت دار اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''آئندہ ایک بات کا خیال رکھنا جب بھی چودھری صاحب کی غیر موجودگی میں کوئی حساب کتاب کرنا ہو تو ہمیں بھی آگاہ کرنا ہوگا، سمجھ گئے تم؟''

''بس... سمجھ گیا چھوٹی بیگم صاحب۔ آئندہ ایسا ہی ہوگا۔''

مہر النسا اور اس کے دونوں سازشی بھائیوں کو ستارہ بیگم کی اس بات پر آگ لگ گئی۔ مہر النسا نے تیوری پر بل ڈال لیے اور نخوت سے بولی۔ ''ستارہ! منشی فضل محمد پرانا آدمی ہے اور چودھری صاحب نے اپنی غیر موجودگی میں ہمیں یہ اختیار دے رکھا ہے کہ ہم...''

''اب ایسا نہیں ہوگا۔'' ستارہ بیگم نے بھی بڑی نخوت سے اس کی بات کاٹ ڈالی اور قریب ایک مونڈھا کھینچ کر بڑے ٹھسے کے ساتھ براجمان ہو گئی۔ انداز و اطوار سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مہرو کی بات تو کیا اس کی موجودگی کو بھی خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر مہر النسا کے بھائی رئیس خان جو مزاجاً گرم دماغ تھا تلخی سے ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولا۔

''خاتون! یہ ہمارا خاندانی معاملہ ہے، کسی باہر کی

عورت کو اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔''

منشی فضل محمد کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ جان گیا تھا کہ یہاں اب جنگ چھڑ چکی ہے اور کہیں ہاتھیوں کی اس جنگ میں وہ نہ پس جائے، وہ پہلے ہی بہت لیے دیے اور رکھ رکھاؤ والا آدمی تھا۔

اپنی سوکن کے بھائی کی مداخلت پر ستارہ بیگم جو پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھی تھی، جلتی سلگتی نظروں سے رئیس خان کی طرف دیکھ کر تڑ سے بولی۔ ''اس خاندان سے میں بھی تعلق رکھتی ہوں جہاں تم بہن کے گھر اپنے بیوی بچوں سمیت مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہو۔ آئندہ مجھ سے اپنی اوقات یاد رکھ کے بات کرنا ورنہ مجھے تمہارے سلسلے میں بڑی تلخ مگر سچی مثال پیش کرنا پڑے گی کہ بہن کے گھر بھائی کس پائے کی حیثیت سے رہتا ہے۔''

اس چوٹ پر رئیس خان کا چہرہ احساسِ تذلیل سے مسخ ہو کر رہ گیا۔ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا جبکہ وراثت علی جو خاصی دیر سے خاموش مگر بھانپتی نظروں سے ستارہ بیگم کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا، اسے اپنی بہن کی سوکن کی تیوریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ خاتون اب باقاعدہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر چکی ہے اور جس بل بوتے پر یہ سب کر رہی ہے وہ اس کی ٹھوس اور مضبوط وجہ بھی جانتا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی کو کرارا جواب پڑتے ہی اور اسے احساسِ ذلت تلے سرخ ہوتے دیکھ کر ستارہ بیگم سے مخاطب ہو کر صلح جُو لہجے میں بولا۔

''محترمہ! میں آپ کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہے لیکن بات کرنے کے کچھ اصول اور ڈھنگ ہوتے ہیں، تم شاید اس سے ناواقف ہو۔'' وراثت علی کی معاملہ فہمی میں مکاری کا دخل کارفرما تھا۔

ستارہ بیگم نے اس کی طرف جلتی سلگتی نظروں سے دیکھا اور ترش لہجے میں بولی۔ ''میں خوب جانتی ہوں کہ کس طرح کے لوگوں سے مجھے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ رہی بات اصول اور ڈھنگ کی تو تمہیں اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کو سمجھانا چاہیے۔''

مہرالنسا جو پہلے ہی سوکن کے ہاتھوں بھائیوں کی اس تذلیل پر جلی بھنی بیٹھی تھی ایک دم آپے سے باہر ہو گئی اور پھر کراٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تم... تم... ایک...''

''خبردار! کوئی غلط بات منہ سے مت نکالنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، سمجھیں تم۔'' ستارہ بیگم نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

وراثت نے اپنی بہن کا ہاتھ تھپتھپا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ستارہ بیگم نے جب منشی فضل محمد سے سارا اگلا پچھلا حساب کھلوا کر تفصیلی پوچھ تاچھ کی تو انکشاف ہوا کہ گندم اور اناج کی کئی من کی بوریاں خرد برد کی جاتی رہی ہیں نیز بہنوئی کے کام میں ہاتھ بٹانے کے نام پر رئیس خان اور وراثت علی نے کھاد اور بیجوں کے علاوہ کاشت کاری سے متعلق خریداری کے سلسلے میں اپنے بہنوئی چودھری الف خان سے دگنی تگنی رقوم بٹوری تھیں۔ یہی نہیں کئی مہنگے زرعی آلات کے لیے خطیر رقم حاصل کرنے کے باوجود ان کا کوئی ریکارڈ نہ تھا۔

ستارہ بیگم نے منشی فضل محمد کو آڑے ہاتھوں لے لیا اور اس غبن اور دھوکا دہی میں اسے برابر کا مجرم گردانتے ہوئے اس کے لتے لے ڈالے۔ منشی کا تو ایک پسینا آرہا تھا دوسرا جارہا تھا۔ مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائیوں کو بھی آج پتا چلا تھا کہ انہوں نے کس ''بلا'' کے ساتھ ٹکر لے لی تھی جس نے ان کے آج سارے کچے چٹھے کھول کر رکھ دیے تھے۔ ان تینوں کو چپ سی لگ گئی تھی۔ ستارہ بیگم بے شک زیادہ پڑھی لکھی نہ تھی مگر میٹرک تک اس نے بھی تعلیم حاصل کی تھی اور اتنا شعور وہ بھی رکھتی تھی کہ اعداد و شمار کی ہیر پھیر کیا ہوتی ہے اور پھر یہ تو بالکل واضح حساب تھا۔ الف خان بے انتہا دولت و جائداد کا مالک تھا۔ ممکن ہے اپنی مصروفیات یا دیگر سرگرمیوں کے باعث اس طرف کم توجہ دیتا ہو یا پھر اپنی بیوی مہرالنسا پر زیادہ ہی بھروسا کرتا ہو۔

ستارہ بیگم نے منشی فضل محمد کو تاڑتے ہوئے درشتی سے کہا۔ ''منشی فضل! تم تو اس خاندان کے پرانے خدمت گار ہو، تمہیں اس سارے معاملے پر پردہ ڈالنے کا کتنا کمیشن ملتا تھا؟''

منشی فضل محمد کی حالت غیر ہو رہی تھی لیکن درحقیقت قصور اس کا بھی نہ تھا۔ وہ مجبور تھا، یہ بھی سچ تھا اس نے ان سے کوئی کمیشن وصول نہیں کیا تھا۔ اس نے فوراً ستارہ بیگم کے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور بولا کہ اس کا کوئی قصور نہیں اور نہ ہی اس نے ہیرا پھیری میں کوئی کمیشن وصول کیا ہے، وہ بس ایک نوکر کی حیثیت سے خاندان کے لوگوں کے سامنے مجبور تھا۔

ستارہ بیگم کو اندازہ ہونے لگا کہ منشی بے قصور تھا۔ یہ نشست برخاست ہونے سے پہلے ستارہ بیگم نے منشی کو فی الفور چودھری الف خان کے سامنے پیش ہونے کا حکم دے

دیا۔
ادھر یہ تینوں سازشی بہن بھائی الگ کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔
''یہ تو بڑی تیز نکلی۔ اگر یہ سب چودھری جی کو پتا چل گیا تو خیر نہیں ہماری، کچھ سوچو کیا کیا جائے؟'' وراثت علی نے پریشان ہو کر کہا تو رئیس خان بولا۔
''منشی کو میں دھمکی دے دیتا ہوں کہ وہ چودھری جی کو ایسا کچھ نہ بتائے بلکہ الٹا الزام چنڈال ستارہ بیگم پر ڈال دے۔''
''ہاں یہی بہتر رہے گا۔'' مہرو نے بھائی کی بات سے اتفاق کیا۔ موجودہ صورت حال سے وہ خود بھی پریشان اور فکر مند تھی کیونکہ اس کی سوکن اب اس پر بھاری پڑنے لگی تھی۔ اگر چودھری الف خان کو سارے کچے چٹھے کا پتا چل جاتا تو نہ صرف اس کا اپنے دونوں مسٹنڈے سالوں کی طرف سے دل خراب ہو جاتا بلکہ مہر النسا سے بھی وہ بددل ہو سکتا تھا۔
''عقل سے کام لو دونوں۔'' وراثت علی نے عادتاً اپنا ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''منشی کی حالت نہیں دیکھ رہے تھے پیلا پڑا جا رہا تھا۔ یہ دھمکی شمکی سے معاملہ اور خراب ہو جائے گا بلکہ اس طرح وہ چنڈال سچی ثابت ہو جائے گی۔''
''وڈے ویرا سچی تو وہ اب بھی ہے۔'' مہرو نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
''بے شک مگر ہمیں مکاری سے کام لینا ہوگا، ہمارے پاس ابھی وقت ہے ہم منشی کو بلا کر اس کے حساب میں گڑبڑ کروا دیتے ہیں۔''
چنانچہ منشی فضل محمد سے جب یہ سب کرنے کو کہا گیا تو اس نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔ اس نے رجسٹر اور کھاتوں میں گڑبڑ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ستارہ بیگم نے پہلے ہی اسے تسلی دے دی تھی کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا اور کرے گا تو پھنسے گا بلکہ سارا الزام اس پر ہی ڈال دیا جائے گا۔
موقع ملتے ہی ستارہ بیگم نے یہ حقیقت منشی فضل محمد سمیت الف خان تک پہنچا دی۔
چودھری الف خان بے شک دولت مند سہی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہ تھا کہ وہ اپنے نقصان کو اس طرح برداشت کر لیتا اور پھر یہ تو مستقل نقصان پہنچانے والا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا پھر جب اسے یہ پتا چلا کہ مستقل نقصان میں مہر النسا اپنے دونوں بھائیوں کی برابر شریک ہے تو وہ چراغ پا ہو گیا۔
اس نے فوراً طیش اور غیظ و غضب میں آ کر چند سخت احکامات جاری کر دیے۔ سب سے پہلا حکم نامہ یہ جاری کیا گیا کہ اس کے دونوں سالے رئیس خان اور وراثت علی فی الفور یہ حویلی چھوڑ کر اپنا الگ بندوبست کریں۔ دوسرے یہ کہ منشی فضل محمد آئندہ صرف اور صرف ستارہ بیگم کو اس کی غیر موجودگی میں حساب کتاب دیا کرے گا۔ مہر النسا کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔
مہرو نے اس پر شوہر سے دبے دبے لہجے میں اعتراض کیا تو الف خان نے بڑی سخت نظروں سے اسے گھورتے ہوئے یہ تک کہہ دیا۔ ''مہرو بیگم! شکر کرو کہ تمہارے ان دونوں نکھٹو بھائیوں کے خلاف میں کوئی قانونی کارروائی نہیں کر رہا ورنہ میں ان سے اپنا نقصان بھی بھروا سکتا ہوں، جیل کی ہوا بھی انہیں کھلا سکتا ہوں، اس رعایت کو کافی سمجھو۔'' مہر النسا کیا جواب دیتی۔
یوں ستارہ بیگم نے اپنے ساتھ کی گئی سینہ در سازش کا بدلہ ان تینوں سازشی بہن بھائیوں سے لے لیا۔ مہر النسا نے ستارہ بیگم کے لیے جو گڑھا کھودا تھا اس میں وہ خود اکیلی نہیں بلکہ اپنے دونوں بھائیوں سمیت جا گری تھی۔ اس کے دونوں بھائی تو حویلی سے ہمیشہ کے لیے بے دخل ہوئے ہی تھے۔ خود مہر النسا کا اعتبار اپنے شوہر کے دل سے بے دخل ہو گیا تھا اور وہ اہمیت بھی جو اسے حویلی میں بڑی بیگم کی حیثیت سے حاصل تھی۔
مہر النسا کے دل میں ستارہ بیگم کے لیے سانپ لوٹ کر رہ گئے۔ جس وقت اس کے دونوں بھائی حویلی سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر رخصت ہو رہے تھے تو ستارہ بیگم کے چہرے پر بھی ویسی ہی خالص فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسی ان تینوں بہنوں بھائیوں نے اس کے خلاف سینہ در سازش کی کامیابی کے وقت اپنے مکروہ چہروں پر سجائی تھی۔
دونوں بھائیوں بڑی معاندانہ نظروں سے ستارہ بیگم کو گھور رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں ایک تنبیہ تھی جیسے کہہ رہے ہو بہت جلد اس کا بدلہ لے کر رہیں گے۔
ستارہ بیگم نے اب پوری طرح شوہر کے دل و دماغ میں اپنی عقل مندی اور وفاداری کی دھاک بٹھا دی تھی لہٰذا اس رات اس نے اس بات کا بھی شوہر سے اظہار کر ڈالا۔
''سرکار! اللہ گواہ ہے کہ میں نے کبھی بھی آپ کا یا اس حویلی کا بلکہ کسی کا بھی برا نہیں چاہا لیکن آج آپ کے سامنے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ بڑی بیگم

مہر النسا اور اس کے دونوں بھائیوں نے مجھے کبھی پسند نہیں کیا۔"

اس کے بعد اس نے اپنے شوہر کو ان کی سینڈور سازش کے بارے میں بھی تفصیلاً آگاہ کر دیا کہ یہ انکشاف اس کے ایک پرانے اور قابل حکیم نے کیا تھا کہ اس کی سریلی آواز کو خراب کرنے کے لیے اسے کوئی ایسی چیز دھوکے سے کھلا دی ہے جس نے اس کے گلے کا آلۂ صوت ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

چودھری الف خان بھی گندم کی روٹی کھاتا تھا۔ عورتوں کے چلتر اور زمانے کی چال بازیوں کا اسے بھی ادراک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ستارہ بیگم کیا کہنا چاہتی تھی۔ وہ غصے میں بھر گیا اور چاہتا تھا کہ اسی وقت مہر النسا کو کمرے میں بلا کر اس کی خبر لے لیکن ستارہ بیگم نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"بات اس طرح ختم نہیں ہوگی سرکار۔" وہ بڑے رسان سے بولی۔ "اصل خطرہ مجھے مہرو کے دونوں بھائیوں سے ہے۔ وہ نظروں نظروں میں مجھے خطرناک نتائج کی دھمکی دے کر گئے ہیں۔ آپ کی وفاداری اور ایمان داری کے صلے میں خدانخواستہ مجھے اور میری معصوم بیٹی زہرہ کو یہاں کہیں بُرے دن نہ دیکھنے پڑ جائیں۔"

"ہم تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہے ہیں ستارہ بیگم۔" چودھری الف خان نے بردباری سے کہا۔

اگلے دن الف خان کا حویلی میں ایک اور حکم جاری ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں سالوں رئیس خان اور وراثت علی کی حویلی میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی تھی البتہ مہر النسا اپنے بھائیوں سے ملنے جا سکتی تھی۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ ستارہ بیگم کو حویلی کے جملہ انتظام و انصرام پر اختیار دے دیا گیا تھا حتیٰ کہ تجوری کی چابیاں بھی مہر النسا کے ہاتھوں سے نکل کر اب ستارہ بیگم کے ہاتھ میں آ گئیں۔

مہر النسا کے تو اب دن و رات کیا بلکہ ہر پل جلتی ہوئی چتا بن کر رہ گئے تھے۔ وہ اب بھی باقاعدگی سے اپنے دونوں بھائیوں سے ملتی تھی اور اپنا رونا روتی رہتی تھی۔ رئیس خان اور وراثت علی بھی ستارہ بیگم اور اس کی معصوم بیٹی پر کم ادھار کھائے نہیں بیٹھے تھے لیکن ستارہ بیگم نے چال ہی ایسی چلی تھی کہ تینوں بُری طرح مار کھا کر اب کونے میں بیٹھے اپنے ہی زخم چاٹنے پر مجبور تھے لیکن وراثت علی کا معاملہ مختلف تھا، وہ غصے اور جوش سے، بجائے دماغ استعمال کرنے کا بھی عادی تھا۔ وہ اب بہن کو ستارہ بیگم کے خلاف نئی نئی پٹیاں پڑھانے لگا۔

بہ ظاہر حالات معمول پر آ گئے تھے۔ وقت ایک مناسب ڈھب سے گزرنے لگا تھا۔ موقع محل کی سب سازشیں عبث ثابت ہوئی تھیں کہ وقت نے گویا چپ چپاتے ایک لمبی زقند بھری۔

☆☆☆

ستارہ بیگم کے بالوں میں اب چاندی اُترنے لگی تھی۔ چودھری الف خان بھی وقت کے بہتے دھارے کو عمر کا خراج دیتے دیتے بوڑھا ہو چکا تھا مگر ستارہ بیگم سے اس کی محبت بوڑھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اسے چاہتا تھا گو چاہت کی نوعیت بدل گئی تھی، اس میں جوانی کا وہ والہانہ پن نہیں تھا مگر محبت تو محبت ہوتی ہے جسمانی تعلق سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع ہو چکی تھی۔

ستارہ بیگم نے یہ طویل ماہ و سال حویلی میں بڑی شان اور وقار سے گزارے تھے۔ وہ بڑی پامردی سے محلاتی سازشوں کا اب تک مقابلہ کرتی آئی تھی۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، ایک وہ وقت بھی تھا جب مہر النسا نے حویلی میں چودھرائن کے حوالے سے ایک شاندار زندگی گزاری تھی پھر ستارہ بیگم کی آمد سے وہ ماند پڑنے لگی۔ اگرچہ ایسی بات تو نہ تھی کہ ستارہ بیگم کی ذات سے اسے کوئی نقصان پہنچا ہو لیکن مہر النسا کی ستارہ بیگم سے رقابت اور چپقلش نے اسے اپنے ہی ہاتھوں نقصان پہنچایا تھا، نہ وہ ستارہ بیگم کے خلاف محاذ قائم کرتی اور نہ وہ حویلی میں اپنا وقار کھوتی۔ حالانکہ ستارہ بیگم کے آنے کے باوجود چودھری الف خان نے اپنی پہلی بیوی کو وہی مقام دیا تھا جو اس کا تھا مگر اس مقام کو مہرو نے خود ہی اپنی رقابت اور عداوت سے کھو دیا تھا۔ یہ آگ اب بھی جوں کی توں مہرو کے سینے میں ایک بھڑکتے ہوئے الاؤ کی صورت میں موجود تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بجائے کمی آنے کے اضافہ ہی ہوا تھا۔ وقت نے ایک اور دلکی چال چلی تھی، اپنا پانسا ایک بار پھر پلٹا تھا اور بالآخر مہر النسا کی کھوئی ہوئی ساکھ ایک بار پھر لوٹنے لگی۔ ایک بار پھر تیر و تفنگ تیکھے کیے جانے لگے وجہ یہ تھی کہ مہر النسا آخر کار اس خاندان کے وارث کی ماں تھی۔ ایک بیٹے کی ماں، چودھری الف خان کے بیٹے ممتاز خان کی ماں۔

الف خان گو اب بوڑھا ہو چکا تھا اس میں جوانی کا وہ دم خم بھی نہیں رہا تھا مگر اب بھی ایک بوڑھے شیر کی سی دھاک جمائے بیٹھا تھا لیکن بعض جذباتی کمزوریوں کا اپنا ایک اثر تھا اور الف خان بھی اسی ایک کمزوری کے زیر اثر بہرحال

آچکا تھا۔

مہرالنسا نے ستارہ بیگم سے منہ کی کھانے کے بعد زخمی ناگن کی طرح موقع کے انتظار میں کنڈلی مار لی تھی۔ اس کی اب ساری توجہ اپنے گبرو جوان...... بیٹے ممتاز خان پر مرکوز تھی۔ اس نے اسے گویا اپنا دودھ نہیں بلکہ زہر پلایا تھا اور ممتاز خان نفرت کا یہ زہر پی کر اژدھا بن گیا تھا۔ باقی رہی سہی کسر اس کے دونوں ماموں رئیس خان اور وراثت علی نے پوری کر دی تھی اور اپنی ماں اور اپنے دونوں ماموؤں کی طرح وہ بھی اپنی سوتیلی ماں اور بہن زہرہ بانو کو اپنا ازلی دشمن سمجھنے لگا۔ مہرالنسا نے بھی جوان بیٹے کو ہتھیار بنا کر استعمال کیا اور اپنی طرح اس کی سرشت میں بھی کمینگی، کینہ اور ظلم کا زہر بھر دیا۔

ممتاز خان کا قد و قامت اپنے باپ چودھری الف خان پر گیا تھا۔ مناسب قد، جسم گٹھا ہوا، آنکھوں میں ہلکورے لیتی ازلی رعونت اور چہرے پر احساسِ برتری کا غرور اور گھمنڈ، کسی کو خاطر میں نہ لانے کا اہانت آمیز رویہ جبکہ زہرہ بانو سرو قد اور اپنی ماں کی طرح حسین تھی۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھیں اور لمبے گھنے ریشمی بال، زمانے کا چلن اور چالبازیوں کو جانچنے والا بارعب لہجہ، اندازِ تخاطب ایسا کہ مدِمقابل خود ہی رعب میں آنے لگتا۔

اپنے جوان بیٹے ممتاز خان کی مہرالنسا نے جس انداز میں تربیت کی تھی اس نے اسے ایک اوباش فطرت، بدقماش اور سرکش بنا دیا تھا۔ وہ آوارہ دوستوں اور آوارہ سرگرمیوں میں پڑ چکا تھا۔ اپنے گرد ہر وقت بدمعاش حواریوں کا ٹولا بنائے رکھتا تھا۔ اس کے دونوں ماموں بھی اس کے ہمراہ پیش پیش رہتے تھے۔

ادھر ستارہ بیگم نے اپنے اچھے اخلاق اور حسنِ سلوک کی وجہ سے حویلی کے ہی نہیں بلکہ جاگیر کے ملازموں کو بھی اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا جبکہ مہرالنسا اسے اس کی مکاری پر محمول کرتی تھی۔

ستارہ بیگم کے خیر خواہوں میں حویلی کا ایک اہم کرتا دھرتا منشی فضل محمد تو ستارہ بیگم اور اس کی بیٹی زہرہ بانو کا گویا معتمدِ خاص بن چکا تھا۔ منشی فضل محمد بھی عمر رسیدہ ہونے لگا تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا کبیل خان، لمبا تڑنگا اور جوان، رنگت سانولی تھی۔ وہ بھی حویلی کے ملازموں میں شامل تھا۔

ادھر ممتاز خان کو جب اپنی ماں مہرالنسا کے ذریعے یہ پتا چلا کہ حویلی اور دیگر جاگیردارانہ معاملات ستارہ بیگم کے سپرد ہیں تو وہ غصے سے پھنک کر رہ گیا۔

اس وقت وہ غصے کے ساتھ اپنی بیٹھک لگائے بیٹھا تھا اور ایک حواری کے ذریعے اس نے منشی فضل محمد کو بلوایا۔

منشی اس وقت اپنے دو کمروں کے ناپختہ گھر میں موجود تھا۔ اتفاق سے اس کا بیٹا کبیل خان بھی تھا۔ اس نے جسم پر صرف ایک چوڑے گھیر والی شلوار پہن رکھی تھی اور گھر کے لمبے چوڑے صحن کے ایک کونے میں نصب چارا کترنے والی مشین جسے کٹر مشین کہا جاتا ہے بھینسوں کا چارا بنانے میں مصروف تھا۔ کبیل کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ دونوں باپ بیٹا ہی اس مکان میں رہتے تھے۔ کبیل تندہی اور جفاکشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھا کہ اس وقت ممتاز خان کا حواری وہاں آن دھمکا۔

''منشی! چھوٹے چودھری تمہیں بلا رہے ہیں اسی وقت۔''

منشی فضل اس وقت صحن میں بچھی چارپائی پر چائے کی پیالی تھامے بیٹھا تھا۔ چھوٹے چودھری یعنی ممتاز خان کے بلاوے پر وہ چونک سا گیا۔ ایک لمحے کو اس کے بوڑھے چہرے پر الجھن سی تیر گئی۔ ادھر چارا کترتے ہوئے کبیل نے حواری کی طرف ایک نظر دیکھا اور دوسری نظر اس نے اپنے باپ کے چہرے پر بھی ڈالی تھی۔

''جی بہت بہتر، ابھی آتا ہوں۔'' منشی فضل محمد نے حواری سے اتنا ہی کہا تھا کہ حواری کھنڈے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ابھی میرے ساتھ چلو بڈھے۔ جانتے نہیں چھوٹے چودھری جی کا غصہ۔'' یکایک چارا کترنے کی مشین کا پہیا رک گیا۔ ناپختہ صحن کی سوندھی سوندھی فضا میں مشین چلنے کی مخصوص کھچ کھچ یکدم تھم گئی۔ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ حواری کے ایسے تضحیک آمیز رویے نے اس کے اندر کڑواہٹ گھول دی، ادھر منشی نے گھبرائے ہوئے انداز میں چوری نظروں سے اپنے جوان کڑیل بیٹے کبیل کی طرف دیکھا پھر چائے کی آدھ بھری پیالی چارپائی پر چھوڑ کر فوراً اٹھتے ہوئے بولا۔

''چلو جی چلو، ابھی چلنے میں کون سی بات ہے۔''

''نہیں بابا، بیٹھ جاؤ تم۔'' دفعتاً کبیل کی بھاری آواز گونجی پھر وہ اس اکھڑ مزاج حواری کو گھورتا ہوا چارپائی کے قریب آیا اور باپ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''اپنی چائے آرام سے پیو بابا۔'' اس کے بعد حواری کے سرخ

پڑتے چہرے کی طرف دیکھ کر درشتی سے بولا۔
''اپنے باپ کی عمر کے آدمی سے اس طرح مخاطب ہوتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ خبردار! آئندہ اپنی زبان کو لگام دے کر رکھنا۔ میرے بابا حویلی کے پرانے خادم ہیں، چھوٹے چودھری کیا بڑے چودھری صاحب بھی ان کی عزت کرتے ہیں، سمجھا تو؟'' حواری کے دائیں بغل سے ہولسٹر جھول رہا تھا یوں بھی ممتاز خان کے سارے قریبی حواری اس کی ہدایت کے مطابق مسلح ہی رہتے تھے۔ کمیل کی بات پر اس کے چہرے پر غصے کی سرخی ابھر آئی اور وہ پرطیش لہجے میں بولا۔
''تم اپنی زبان کو لگام دو، حویلی کے نوکروں کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سر چڑھ جاؤ۔''
''ہم نوکر ضرور ہیں مگر غلام نہیں۔'' کمیل نے ترکی بہ ترکی اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔
''معاملہ عزت کے ساتھ چلتا رہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس نوکری پر ہم...''
''اوبس کر پترے بس کر، چپ ہو جا۔'' دفعتاً فضل محمد اپنے بیٹے کی بات کاٹ کر بولا۔ اپنے جواں سال کڑیل اور غیرت مند بیٹے کو جوش میں آتے دیکھ کر بوڑھا منشی خوف زدہ سا ہو گیا تھا مگر ادھر حواری بھی جیسے کمیل کی ادھوری بات کا مطلب جان گیا تھا۔ اس نے فوراً اپنے ہولسٹر پر ہاتھ رکھ کر شعلہ بار نظروں سے لمبے چوڑے کمیل کی طرف گھورتے ہوئے تنبیہی لہجے میں کہا۔
''میں کہتا ہوں اپنی زبان کو لگام دے کاکے ورنہ چودھری جی اور حویلی والوں کے خلاف بولنے پر تجھے پچھتانے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔''
کمیل کا دماغ الٹنے لگا اس نے بڑی سنسناتی نظروں سے اسے گھورا پھر ایک استہزائیہ نظر اس کے ہولسٹر والے ہاتھ پر اور پھر چہرے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ایسے بانٹے ہوئے خیراتی کھلونوں سے ڈرانا مردوں کا شیوہ نہیں۔ خاموشی سے نکل جاؤ یہاں سے ورنہ... مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' کمیل کی آواز میں نہ جانے کیسی گھن گرج تھی کہ وہ بڑی معاندانہ نظروں سے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔
بے چارہ منشی فضل محمد پریشان ہو گیا اور بیٹے سے بولا۔ ''اوئے پتر! تو نے کیا کر دیا؟ ناراض کر دیا اسے، تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب مجھے سب سے پہلے چھوٹے چودھری جی سے معافی مانگنا پڑے گی۔''

''کس بات کی معافی بابا؟'' کمیل باپ کے چہرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولا۔ ''ہم نے ایسا کون سا جرم کیا ہے، قصور تو اس زر خرید کتے کا تھا جو اپنے باپ کی عمر کے آدمی سے بے ادبی سے بات کر رہا تھا۔''
''چنگا چنگا... اب چپ کر تو۔'' فضل محمد بولا۔ ''تو بیٹھ کر اپنا کام کر، میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ چارپائی کے قریب پڑی جوتیوں کو پہنتے ہوئے بولا تو کمیل نے کہا۔
''بابا! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔'' بیٹے کی بات پر منشی فضل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کی طبیعت سے واقف تھا۔ جانتا تھا یہ اگر اس کے ساتھ چلا تو چھوٹے چودھری کے ساتھ بھی اس کی منہ ماری ہو جائے گی، لہٰذا وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بے بسی سے بولا۔
''اوئے پترا! میرے بڑھاپے کا خیال کر لے۔ تو میرا اک ہی سہارا ہے۔ اپنی جوانی پر رحم کر۔ اب حویلی کا ماحول پہلے جیسا نہیں رہا۔ میں خود معاملہ فہمی سے کام چلا رہا ہوں تو خود کو ان سے علیحدہ رکھ۔'' باپ کو ہاتھ جوڑے دیکھ کر کمیل کا دل پسیج گیا اور اسے خفت محسوس ہونے لگی، اپنے باپ کے دونوں ہاتھوں کو چوم کر احترام سے بولا۔
''بابا! تجھے کتنی بار کہا ہے اس طرح ہاتھ نہ جوڑا کر، اگر تو سمجھ رہا ہے کہ حویلی کا ماحول اب بدل گیا ہے تو چودھریوں کی نوکری چھوڑ کیوں نہیں دیتا؟ میں جوان ہوں روٹی کما سکتا ہوں، تو اب آرام سے بیٹھ اور مجھے بھی اپنی

خدمت کا موقع دے۔''

''چنگا، چنگا... چھوڑ دوں گا نوکری، چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے جانے دے۔ تو بیٹھ آرام سے۔'' بیٹے کو ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر باپ نے اسے دلاسا دیا اور رجسٹر سنبھالے باہر نکل گیا۔ کبیل، سوچتی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

منشی فضل محمد ڈرا سہما حویلی کی بیٹھک پہنچا تو چھوٹے چودھری ممتاز خان کو پُرطیش نظروں سے اپنا منتظر پایا۔ اس کے قریب ہی دیگر چند مسلح حواریوں کے ساتھ وہ حواری بھی موجود اسے بڑی زہریلی نظروں سے گھور رہا تھا جو اسے بلانے آیا تھا اور جس کے ساتھ اس کے بیٹے کبیل کی منہ ماری ہوئی تھی۔

بہر حال منشی فضل محمد نے ڈرتے ڈرتے چودھری ممتاز خان کو سلام کیا تو اس کے کانوں سے شعلہ بار اور گرجتی ہوئی آواز ٹکرائی۔ ''او بڈھے! تو اکیلا کیوں آیا ہے؟ کدھر ہے وہ تیرا پھنے خان بیٹا؟ بڑی اکڑ ہے اس کے دماغ میں؟''

منشی فوراً رجسٹر بغل میں دبا کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''چودھری صاحب! اس کی طرف سے میں معافی مانگ لیتا ہوں، جوان منڈا ہے میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔''

''اوئے، یہ بھی سمجھا دینا اسے کہ اپنی اوقات میں رہ کر آئندہ میرے بندوں سے گل بات کرے۔'' ممتاز خان نے بوڑھے فضل محمد کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے درشتی سے کہا تو منشی فوراً کپکپاتے لہجے میں بولا۔

''سمجھا دوں گا جی، بہت اچھی طرح سے سمجھا دوں گا۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟'' اس نے جیسے موضوع بدلنا چاہا تو ممتاز خان جو ایک مونڈھے پر بڑی شان سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے براجمان تھا، تحکمانہ درشتی سے بولا۔

''آج سے جاگیر سے متعلق سارے معاملات میرے سامنے رکھے گا اور حساب کتاب بھی... سمجھا تو؟''

اس بات کا منشی فضل کو پہلے ہی خدشہ تھا اور اس کا جواب بھی وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا، مؤدبانہ بولا۔ ''ٹھیک ہے چودھری جی بھلا مجھ کمین کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے لل... لیکن وڈے چودھری جی کا حکم ہے کہ...''

''منشی...'' ممتاز خان دہاڑا۔ ''اب اس چھت کے نیچے میرا حکم چلے گا، سن لیا تو نے یا نہیں؟''

بے چارہ فضل محمد دہل کر رہ گیا، بولا۔ ''بالکل جی، بالکل... سن لیا۔''

''اب دفع ہو جا یہاں سے، آئندہ میں تجھے ستارہ بیگم اور زہرہ بانو کے سامنے سر جھکائے کھڑا نہیں دیکھوں۔'' ممتاز خان نے دوسرا حکم صادر کر دیا۔ منشی نے دوبارہ فدویانہ انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور ویسے ہی پلٹنے لگا تو بری طرح ٹھٹک کر رک گیا۔

بیٹھک کے دروازے پر ایک خوبرو اور زہرہ جمال صورت دوشیزہ کھڑی تھی۔ یہ ستارہ بیگم کی بیٹی زہرہ بانو تھی۔ وہ اندر آ کر ممتاز خان سے مخاطب ہو کے بولی۔ ''یہ حکم تو بابا جانی کا ہے بھائی جان، بھلا اس بے چارے بوڑھے کو آپ کیوں ڈانٹ رہے ہو؟''

زہرہ بانو نے ہلکا پھلکا دیدہ زیب لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے ریشمی گھنے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ کشادہ آنکھوں کی کمانیں کھنچی ہوئی تھیں اور ان میں تیز طراری دوڑ رہی تھی۔ ممتاز خان نے اپنی سوتیلی بہن کی طرف انتہائی ناگوار نظروں سے گھورا اور پھر نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اے لڑکی! ہمیں بھائی جان کہہ کر اپنا رشتہ ہم سے جوڑنے کی کوشش مت کر... جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

زہرہ بانو نے شہر میں بھی تعلیم حاصل کی تھی اور تعلیم کے دوران کافی عرصے اپنی نیو ملتان والی کوٹھی ''بیگم ولا'' میں بھی مقیم رہی تھی۔ لہٰذا اس مناسبت سے اس کے اندر شہر اور دیہات کا عجیب امتزاج پایا جاتا تھا۔ اس نے گہری نیلے رنگ کی ٹائٹ جینز پہن رکھی تھی اور سرخ قمیص، گلے میں اسکارف تھا۔ ممتاز خان کی درشتی کے جواب میں اس نے استہزائیہ مسکراہٹ سے اس کی جلتی سلگتی آنکھوں میں بے خوفی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو میرا بھائی جان کہنا اچھا نہیں لگتا تو پھر میں آپ کو ممتاز خان کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔ رہی بات رشتہ جوڑنے کی تو وہ کسی اور نے نہیں بابا جانی نے ہی جوڑا ہے اور مجھے اس پر ہمیشہ فخر رہے گا۔''

''شٹ اپ۔'' ممتاز خان آپے سے باہر ہونے لگا۔ حتیٰ کہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر زہرہ بانو کے دلکش ہونٹوں کی استہزائیہ مسکراہٹ میں چنداں فرق نہ آیا۔ اسی لہجے میں بولی۔ ''ممتاز خان! اپنے غصے اور دماغ کی گرمی کو قابو میں رکھو۔''

پھر وہ ایک طرف ڈرے سہمے کھڑے منشی سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''منشی چاچا! آپ نے وہی کرنا ہے جو بابا جانی (چودھری الف خان) نے آپ کو حکم دے رکھا ہے۔''

وہ بے چارہ کیا جواب دیتا۔ مگر ممتاز خان گویا جتھے سے ہی اکھڑ گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سخت بات کہتا دروازے پر کسی کے بھاری انداز میں کھنکھارنے کی آواز ابھری اور یکلخت جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ بیٹھک میں چودھری الف۔ خان داخل ہو رہا تھا۔ زہرہ بانو نے فوراً باادب ہو کر سلام کیا اور اپنے سر پر اسکارف درست کر لیا۔

''کیا بات ہے دھیئے؟ یہ کیسا شور ہو رہا تھا یہاں؟'' چودھری الف۔ خان زہرہ بانو کو بھی اپنی بیٹی ہی سمجھتا تھا، اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ممتاز خان تو جیسے پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس نے زہرہ بانو کے خلاف باپ کے سامنے شکوے شکایت کی بھرمار کر ڈالی۔ پھر جب زہرہ بانو سے پوچھا گیا تو اس نے باپ کو وہی بتایا جو سچ تھا۔

''منشی فضل محمد کو میں نے ہی حکم دے رکھا ہے، پتر ممتاز! تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟'' چودھری الف خان نے اپنے جوان بیٹے ممتاز خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ بولا۔ ''بابا جانی! اس لڑکی اور اس کی ماں کا بھلا ان معاملات سے کیا تعلق ہے؟ میں آپ کا خون ہوں سگا رشتہ ہے میرا آپ سے، کیا میں آپ کا کچھ نہیں لگتا؟''

بیٹے کی بات پر جہاندیدہ الف خان کو اگرچہ پہلے ہی ماضی کے بعض حوالوں سے کچھ تلخ حقائق اور باتوں کا ادراک تھا تاہم یہ بھی جانتا تھا کہ اب اس کا بیٹا بھی جوان ہو چکا ہے لہٰذا جوان بیٹے کے سامنے وہ کسی قسم کی گرما گرمی کرنے کے بجائے بردباری سے بولا۔

''ممتاز پتر! رشتے بنتے نہیں، بنائے جاتے ہیں۔ چاہے وہ خون کے ہوں یا محبت کے مگر اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ان دونوں میں سے کون سا رشتہ وفا کرے گا لیکن وقت ثابت ضرور کر دیتا ہے۔ اس سے پہلے جاگیر اور حویلی سے متعلق ساری معاملہ داری، تمہاری ماں مہرالنسا اکیلے کے ہی سپرد تھی، مگر اس نے ہمارے اعتماد کو بری طرح سے ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کے بعد سے ہمیں یہ سارا معاملہ مجبوراً ستارہ بیگم کے سپرد کرنا پڑا جو آج تک یہ ذمے داری .... بخوبی انجام دیتی آئی ہے۔ ٹھیک ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو آج سے یہ ذمے داری میں تمہیں سونپتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ قریب احتراماً سر جھکائے کھڑی زہرہ بانو سے مخاطب ہو کے بولا۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں بیٹی؟'' زہرہ بانو نے فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''بالکل نہیں بابا جانی، اگر یہ ذمے داری ممتاز بھائی جان سنبھالتے ہیں تو خوشی کی بات ہو گی اور میں سمجھتی ہوں امی جان (ستارہ بیگم) کو بھی یقیناً اس بات کی خوشی ہو گی، انہیں ویسے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ کی شفقت اور پیار ہی ہم دونوں ماں بیٹی کے لیے کافی ہے۔''

''ہم جانتے ہیں۔'' چودھری الف خان نے مسکرا کر کہا۔ پھر اپنے بیٹے کے قریب آ کر اس کے شانے کو تھپتھپا کر سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''اوئے پتر! تو تو میرا شیر جیسا بیٹا ہے اور شیر کو ان چھوٹے موٹے معاملات سے دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ تو شیر دا پتر ہے... شیر بن... آگے تجھے ہی تو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔ چل اب اپنی بہن کے سر پر ہاتھ پھیر... شاباش۔'' ممتاز خان کے لیے یہ بات قطعاً ناقابل قبول تھی کہ وہ زہرہ بانو کے سر پر دست برادری رکھتا۔ لہٰذا اسے خاموش پا کر زہرہ بانو نے خود ہی مسکرا کر الف خان کو سلام کیا اور واپس جانے کی اجازت لی۔

جس وقت زہرہ بانو بیٹھک سے نکل رہی تھی، منشی فضل محمد بھی باہر نکل رہا تھا۔ وہ زہرہ بانو اور اس کی ماں ستارہ بیگم کے حسن اخلاق و سلوک سے پہلے ہی بہت متاثر تھا۔ اس کے قریب آ کر بولا۔ ''زہرہ بیٹی! تمہارا شکریہ تم اگر بروقت نہ آتیں تو یہ نکا چودھری جانے میرے ساتھ اور کتنا برا کرتا۔'' زہرا مسکرا کر بولی۔

''چاچا! عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے مگر افسوس زمینی ناخدا اس کا ٹھیکا اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور منہ کی کھاتے ہیں۔''

''ویسے زہرہ بیٹی! مجھے اس بات کا افسوس ہوا کہ اب حساب کتاب کے معاملات چھوٹی بیگم (ستارہ بیگم) کے بجائے نکا چودھری دیکھا کرے گا اور وڈے چودھری نے بھی اس کی اجازت دے ڈالی۔''

زہرہ بانو نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے منشی چاچا، مجھے فخر ہے کہ اتنے عرصے امی جان نے یہ حساس نوعیت کا کام سنبھالے رکھا تھا اور بابا جانی کو بھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ اچھا ہی ہوا کہ امی جان بھی سوکھی (بری الذمہ) ہو گئیں۔''

اس وقت منشی فضل محمد چونکا۔ اس کا بیٹا کمیل وہاں آن پہنچا تھا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ کمیل اور زہرہ بانو کا آج پہلی بار آمنا سامنا ہوا تھا اگرچہ غائبانہ تعارف تھا۔

''یہ میرا بیٹا ہے جی کمیل۔'' منشی نے زہرہ بانو سے کہا۔ پھر بیٹے سے بولا۔ ''یہ زہرہ بانو ہے چھوٹی بیگم صاحب

کی بیٹی، سلام کر۔۔۔ چھیتی نال۔''

کمیل جو ایک ثانیے کے لیے یہ تک بھول گیا تھا کہ وہ یہاں آیا کیوں اور کس فکر میں تھا۔ باپ کی بات پر وہ چونکا۔ درحقیقت، باپ کے گھر سے روانہ ہونے کے بعد کمیل بے چین تھا۔ ممتاز خان کے بدمزاج حواری سے تلخ کلامی کے بعد اسے خدشہ تھا کہ کہیں بیٹھک میں اس کے بوڑھے باپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی نہ کی جائے۔ لہٰذا اس فکر سے تھوڑی دیر بعد وہ بھی چلا آیا تھا مگر یہاں پہنچ کر وہ جیسے اپنی سدھ بدھ بھی کھو گیا تھا۔ اس کی وجہ زہرہ بانو تھی۔ اس کے پُرشوخ حسن نے اسے متاثر کیا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہی مبہوت سا ہو کر رہ گیا تھا مگر باپ کے کہنے پر۔۔۔ اور زہرہ بانو کا تعارف ہوتے ہی وہ فوراً ایک روایتی قسم کے احترام کے دباؤ میں آ گیا اور سر جھکا کے زہرہ بانو کو سلام کیا۔ زہرہ بانو نے ہولے سے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔۔۔ اور حویلی کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

بعد میں منشی فضل محمد نے بیٹے کو بتایا کہ زہرہ بانو کی وجہ سے بات سنبھل گئی تو وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔

''بابا! یہ کڑی تو ہے ہی تعریف کے لائق۔'' کمیل نے دل میں کہا تھا مگر اپنی حیثیت بھی جانتا تھا اس لیے چپ ہو رہا۔

حویلی آ کر زہرہ بانو نے اپنی ماں کو ساری بات بتا دی۔ وہ بھی مطمئن تھی کہ ایک اہم ذمے داری کو وہ ایک طویل عرصے تک ایمان داری سے نبھاتی آ رہی تھی اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔ آج بہ احسن خوبی وہ اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہو چکی تھی۔

''لیکن امی جان! ہمیں اپنے حصے کی زمینوں کی دیکھ بھال اور حساب داری خود کرنا ہو گی اور یہ کام اب آپ نہیں میں کروں گی۔'' زہرہ بانو نے سنجیدگی سے کہا تو ستارہ بیگم کے چہرے پر تفکر آمیزی کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ وہ سادہ سے میک اپ اور ہلکے میرون کلر کے نفیس لباس میں۔۔۔۔۔ ایک باوقار خاتون نظر آ رہی تھی۔ بیٹی کی بات پر وہ بولی۔

''زہرہ بیٹی! بے شک جو ہمارے حق میں لکھ دیا گیا وہ ہمارا ہو گا مجھے کبھی بھی دھن دولت کا لالچ نہیں رہا لیکن یہ سب کچھ مجھے تمہاری خاطر اور تمہارے بہتر مستقبل کے لیے مجبوراً کرنا پڑا تھا، اس کی وجہ تم بھی جانتی ہو۔ مگر بیٹی اس وقت حالات اور تھے، چودھری الف خان سے شادی کے بعد میں فطری طور پر اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے کچھ تحفظات کا شکار تھی، اس لیے میں نے چودھری جی سے اپنی یہ شرط منوائی تھی مگر پھر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنے تحفظات، طمانیت کا احساس ہونے لگتا ہے لیکن بیٹی! آج تمہیں جوانی کی دہلیز پر اور خود کو ایک جوان بیٹی کی ماں کے روپ میں دیکھ کر مجھے شدت سے یہ احساس فکرمند کرنے لگا ہے کہ میں شاید اب بھی وہیں کھڑی ہوں۔ ایک کمزور عورت کی صورت۔۔۔ جہاں سے چلی تھی۔'' یہ کہہ کر ستارہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ماں کو رنجیدہ خاطر دیکھ کر، زہرہ بانو تڑپ اٹھی۔ فوراً ماں کے سینے سے جا لگی اور بڑے رسان مگر مضبوط لہجے میں بولی۔ ''امی جان! آپ خود کو کیوں کمزور سمجھتی ہیں؟ آپ کمزور نہیں ہیں۔ عورت ہیں تو کیا ہوا؟ تاریخ بہادر عورتوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ ارادوں کی مضبوطی اور حوصلوں کی بلندی یہ سب میں نے آپ ہی سے تو سیکھا ہے۔'' ستارہ بیگم نے اپنے سرسراتے آنچل کے پلو سے اپنی ٹھہری آنکھوں میں اتری نمی پونچھتے ہوئے پیار سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہولے سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولی۔ ''ہاں بیٹی، ہم کمزور نہیں ہیں۔ تمہیں دیکھتی ہوں تو میں جیسے دوبارہ جینے لگتی ہوں۔ لیکن بیٹی ہمارا یہاں حویلی میں دم خم چودھری جی (الف خان) کی وجہ سے ہے۔ زندگی موت کا کیا بھروسا، میں تو ہر وقت چودھری صاحب کی درازیٔ عمر کی دعا کرتی رہتی ہوں۔ بیٹی! تم ممتاز خان کے منہ نہ ہی لگو تو اچھا ہے، تم تو جانتی ہو نا۔۔۔ ان ماں بیٹوں کی آنکھ میں ہم کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔''

''میں سب جانتی ہوں امی جان۔'' زہرہ بانو مضبوط لہجے میں بولی۔ ''مگر مجھے اور بھی بہت سی باتوں کا بہ خوبی احساس ہے لیکن آپ کی جو بابا جانی سے کمٹمنٹ ہوئی تھی، اس کے مطابق ہمیں جو ملا۔۔۔ وہ ہمارا حق ہے۔ ہم اس حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ آپ مجھ پر بھروسا رکھیں اور میرے لیے دعا کیا کریں، بس۔''

''بیٹی! میں تیرے لیے تو ہر وقت دعا کرتی رہتی ہوں۔'' ستارہ بیگم نے کہا اور زہرہ بانو محبت سے مسکرا دی۔

اس دن سے اپنے حصے کی جاگیر کے معاملات زہرہ بانو نے خود دیکھنا اور سنبھالنا شروع کر دیے۔ ادھر ممتاز خان کو بھی باپ کی طرف سے گویا شہ ملتے ہی پر لگ گئے۔ اس نے سب سے پہلے حویلی کے برسوں پرانے خادم یعنی منشی فضل محمد کو نوکری سے بے دخل کر دیا اور اس کی جگہ کسی

دوسرے آدمی کو رکھ لیا۔ یہ بھی پختہ العمر آدمی تھا مگر فضل محمد کی طرح قابل اور ایمان دار نہیں تھا۔ یہ کمیشن خور تھا۔

زہرہ بانو کو جب منشی فضل محمد کی معزولی کا پتا چلا تو اسے بڑا دکھ ہوا مگر پھر کچھ سوچ کر خوش بھی ہوئی، اس نے فوراً حویلی سے ایک خادم کو فضل محمد کے گھر بھیج کر اسے بلوا لیا اور اسے اپنے حصے کی جاگیر کا منشی رکھنا چاہا تو فضل محمد تذبذب کا شکار ہو گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ منشی ایک کام آدمی تھا۔ اسے شروع سے ہی محنت اور کام کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ ایسا آدمی چاہتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے خود کو مصروف رکھنے کی خاطر... لیکن اسے تذبذب درحقیقت ممتاز خان کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ مگر ستارہ بیگم کے اس پر احسانات بھی بہت تھے۔ لہٰذا وہ اس کی بیٹی کی بات کیسے رد کر سکتا تھا۔

"چاچا! مجھے آپ جیسے ایمان دار اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت ہے اور آپ سے زیادہ اچھا انسان کون ہو گا۔ پھر میں تو آپ کو چاچا بھی کہتی ہوں۔" زہرہ بانو نے آخر میں بڑی محبت سے کہا تو منشی فضل محمد بھی مسکرا کر اور اپنا دستِ شفقت اس کے سر پر رکھتے ہوئے بولا۔

"تو بھی تو میری بیٹیوں جیسی ہے۔ میں اپنی ذمے داری پوری طرح نبھانے کی کوشش کروں گا۔"

ادھر ممتاز خان کے ہاتھ یہ ذمے داری کیا لگی گویا ایک مشغلہ ہاتھ آگیا۔ مہرالنسا خوش تھی، اس نے بیٹے سے کہا۔

"سن ممتاز! جو ڈیرے کی طرف والی زمینیں اور سالونٹ پلانٹ ہے نا وہ ان دونوں (ستارہ بیگم اور زہرہ بانو) کے نام ہیں۔ اس پر بھی اپنا سب..... سے پہلے قبضہ جمائیں، اور ایک بات اور سن یہ سب اپنے کھاتے میں چڑھانے کی بلد سے جلد کوشش کرنا، تیرے دونوں ماموں، رئیس اور وراثت اس معاملے میں تیری مدد کریں گے۔ مختار کار آفس میں ان کی بڑی جان پہچان ہے، سمجھ گیا۔"

"ماں جی! اس کی فکر ہی نہ کر۔ یہ کام تو میں پہلی فرصت میں کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان دونوں ماں بیٹیوں کا ہماری جائداد، بلکہ ہماری حویلی کی ایک اینٹ پر بھی حق نہیں بنتا ہے۔ میں تو بابا جان کی وجہ سے اب تک خود کو روکے ہوئے ہوں ورنہ تو کب کا دونوں کو حویلی سے ہی نکال باہر کرتا۔"

"شاباش پتر۔" مہرالنسا بیٹے کے عزائم جان کر خوش ہو کے بولی۔ "شہر والی کوٹھی بھی ان دونوں ماں بیٹی کے قبضے میں ہے۔ ان دونوں نے تو اس کا نام بھی بیگم ولا رکھ چھوڑا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اس کا نام بھی بدل ڈالو۔"

ماں کی بات پر ممتاز خان..... کینہ پرور لہجے میں بولا۔ "اس کا بندوبست بھی میں نے پہلے سے ہی سوچ رکھا ہے ماں جی، میرے آدمی آہستہ آہستہ وہاں اپنا ڈیرا جما رہے ہیں۔ کل تک یہ کام بھی ہو جائے گا۔ میں خود دو دنوں کے لیے اس کوٹھی (بیگم ولا) میں جا کر بسر کروں گا۔"

"شاوا شے پتر! یہ دونوں کام اب جلدی کر لے۔" مہرالنسا نے مکاری سے کہا اور ممتاز خان نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

زہرہ بانو کو رفتہ رفتہ اور بھی بہت سی باتوں کا احساس ہو چلا تھا۔ ممتاز خان کو اب کھل کر ان ماں بیٹیوں کے خلاف جنگ کرنے کا موقع ہاتھ لگا تھا۔ اس کے اوباش حواری اس میں پیش پیش تھے۔ ان میں وسیم المعروف "چھیما" قابلِ ذکر تھا۔ وہ ایک پچیس تیس سالہ گرانڈیل آدمی تھا اور صورت سے ہی چھٹا ہوا بدمعاش نظر آتا تھا۔

وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے زہرہ بانو بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہونے لگی تھی، اب تک اس کے گرد حویلی کے چند ہی معمولی قسم کے ملازم ساتھ رہتے تھے مگر اب وہ بھی بے چارے ممتاز خان کے ڈر کی وجہ سے زہرہ بانو سے کترانے لگے تھے۔

زہرہ بانو نے اپنے استعمال کے لیے ایک سفید رنگ کی سوزوکی پوٹھوہاری جیپ رکھی ہوئی تھی، اسے سالونٹ پلانٹ کے منیجر شیراز چیمہ کا ایک خفیہ پیغام موصول ہوا جس میں اس نے فقط اتنا ہی کہا تھا کہ وہ کسی دباؤ کی وجہ سے خود تو نہیں آسکتا مگر یہ زحمت اسے کرنا پڑے گی۔ زہرہ بانو کو دال میں کچھ کالا محسوس ہونے لگا۔ اس نے فوراً روانگی کا پروگرام بنایا۔ منشی فضل محمد کو ساتھ لے کر وہ روانہ ہو گئی۔ سالونٹ پلانٹ پہنچی تو ششدر رہ گئی۔ کئی سو ایکڑ پر محیط اس سالونٹ پلانٹ کی زمین پر جدید خطوط پر سسٹم سازی کر رکھی تھی۔ اس پلانٹ سے کئی اور بھوسے سے ایک خاص قسم کا تیل نکالا جاتا تھا۔ آج سے کئی سال پہلے جب یہ پلانٹ چودھری الف خان نے چند زمینوں کے ٹکڑوں اور ملتان والی کوٹھی (بیگم ولا) کو اپنی دوسری محبوب بیوی ستارہ بیگم کی شرط پر ان کی بیٹی زہرہ بانو کے نام کیا تھا تو اس وقت یہ پلانٹ بعض تکنیکی وجوہ کی بنا پر بند پڑا تھا اور کافی عرصے تک بند رہا تھا لیکن ستارہ بیگم کی خصوصی توجہ اور ذمے دار تجربہ کار آدمیوں کی بھرتی کی وجہ سے سالونٹ پلانٹ جلد منافع بخش انداز میں

چل پڑا تھا۔ زہرہ بانو نے جیسے ہی رفتہ رفتہ شعور پکڑا تو ستارہ بیگم نے یہ سب۔ اسے بھی سکھا اور سمجھا دیا تھا کیونکہ آنے والے وقتوں میں زہرہ نے ہی یہ سب سنبھالنا تھا۔

زہرہ بانو جب اپنے منشی فضل محمد کے ساتھ وہاں پہنچی تو اس کے چونکنے کی وجہ وہ مسلح کارندے تھے جو پلانٹ کے وسیع وعریض احاطے کے گیٹ پر متعین تھے اور وہ سب اس کے سوتیلے بھائی ممتاز خان کے آدمی تھے۔ یہی نہیں اس کی جیپ کو بھی اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ زہرہ بانو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جیپ سے اُتری اور بارعب درشتی سے ایک کارندے سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''گیٹ کیوں نہیں کھولا جارہا ہے؟''

''آپ کا داخلہ ممنوع کر دیا ہے چھوٹے چودھری نے۔'' کارندے نے اکھڑپن سے کہا۔

''وہ کون ہوتا ہے مجھے میری پراپرٹی میں داخل ہونے سے روکنے والا... اس پلانٹ کی مالک میں ہوں اور تم یہاں میری اجازت کے بغیر ہتھیاروں کے ساتھ کیوں موجود ہو؟ جانتے نہیں ہو میں کون ہوں؟''

وہی بدتمیز کارندہ جو وسیم عرف چھیما تھا اپنی بڑی بڑی گھنی مونچھوں پہ ہاتھ پھیر کر استہزائیہ مسکراہٹ سے بولا۔ ''بہت اچھی طرح جانتے ہیں جی ہم آپ کو... آپ وڈے چودھری کی دوسری زنانی ستارہ بیگم کی بیٹی ہو۔'' اس نے دانستہ ایسا کہا تھا۔ اس کی زبان سے اپنی ماں کا اس طرح نام سن کر زہرہ بانو آپے سے باہر ہو گئی۔ غصے سے سرخ ہو کے بولی۔

''میری ماں کا تمیز سے نام لو سمجھے، قانونی طور پر اس پلانٹ پر میری ملکیت ہے۔ زیادہ بدمعاشی دکھاؤ گے تو میں ابھی پولیس کو بلاؤں گی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اپنے کتوں سمیت۔'' زہرہ بانو کی جوابی کارروائی نے چھیما کی ٹھیک ٹھاک ٹکور کر دی تھی مگر وہ بھی ڈھیٹ ہنسی کے ساتھ بولا۔

''او بی بی، ذرا ہولا لہجہ رکھو، مجھے اس کا جواب دینا بھی آتا ہے۔ ممتاز صاحب کو ہم صرف وڈے چودھری کا بیٹا سمجھتے ہیں اور ان کے حکم سے ہم یہاں موجود ہیں۔ تم نے جو کھیل کھیلنا ہے جا کر کھیلو۔''

اس اثنا میں منشی فضل محمد نے زہرہ بانو کے کان میں کچھ کہا تو وہ چھیما کی طرف شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک ہے، میں دیکھ لیتی ہوں تم سب کو۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور جب منشی بھی پلٹنے لگا تو دفعتاً چھیما نے اپنے بھاری ہاتھ سے اس کا کاندھا دبوچ لیا۔ فضل محمد چونک کر رکا اور اس کی جانب پلٹا تو چھیما زہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے تہدیدی لہجے میں بولا۔

''اوئے بڈھے! تجھے ممتاز صاحب نے حویلی سے بے دخل کر دیا تھا اب کیا اس عمر میں اس زنانی کی غلامی کرے گا تو؟'' چھیما کی بات پر منشی فضل محمد کے بوڑھے چہرے پر کچھ تفکر آمیزی کے آثار ابھرے تھے، زہرہ بانو کا دماغ بھی ایک بار پھر گرم ہونے لگا۔ تاہم منشی فضل محمد نے آہستگی سے چھیما کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹک دیا اور قریب کھڑی زہرہ بانو کے سر پر ہاتھ رکھ کر فقط اتنا بولا۔

''زہرہ بانو میرے لیے بیٹیوں جیسی ہے۔''

اس کے بعد اس نے زہرہ بانو کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں جیپ میں سوار ہونے لگے۔ اس دوران انہیں چھیما کی خونخوار آواز سنائی دی۔ ''اوئے بڈھے! اپنے بڑھاپے پر رحم نہیں کھاتا تو اپنے بیٹے کی جوانی پر ہی ترس کھا لے، ہماری دشمنی تجھے مہنگی پڑ سکتی ہے۔''

اس کی دھمکی پر ایک لمحے کو بے چارہ منشی دہل کر رہ گیا تھا۔ تاہم زہرہ بانو کے حوصلہ دینے پر وہ خاموش ہو رہا۔ زہرہ بانو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ منشی کو جب زہرہ بانو کے عزائم کا پتا چلا کہ وہ واقعی اس وقت متعلقہ تھانے جانے کا قصد کیے ہوئے ہے تو اس نے سمجھایا۔

''زہرہ بیٹی! ابھی تھانے کا رخ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ آپ کو پہلے اپنی امی جان سے اس کا ذکر کر لینا چاہیے۔''

''نہیں چاچا۔'' زہرہ بانو نے اٹل لہجے میں کہا۔ ''میرا اس وقت تھانے جانا ضروری ہے۔''

منشی خاموش ہو گیا۔ زہرہ بانو کا چہرہ جوشِ غیظ تلے سرخ ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھانے پہنچ چکی تھی۔

تھانہ انچارج ایک سب انسپکٹر تھا۔ تھوڑے دنوں پہلے ایس ایچ او انسپکٹر غلام شبیر کا تبادلہ ہو گیا تھا تو عارضی طور پر تھانے کا چارج جہانزیب نامی ایک سب انسپکٹر کو ملا تھا۔ یہ ایک پکی عمر کا آدمی تھا اور ایمان دار اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا۔ زہرہ بانو نے اپنا تعارف کروایا تو وہ مرعوب نظر آنا لگا پھر جب اصل مسئلہ بیان کیا تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ تاہم پوری بات سننے کے بعد وہ زہرہ بانو کو سمجھانے کے انداز میں بولا۔

''دیکھیں بی بی! یہ جائداد وغیرہ کے تنازعات چونکہ خالصتاً خاندانی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس میں ڈائریکٹ

پولیس کو شامل کرنے سے معاملہ اور گمبھیر ہو سکتا ہے۔ میرا آپ کو مشورہ یہی ہے کہ پہلے آپ اپنے خاندان کے بڑوں سے مشورہ کرلیں تو یہ زیادہ بہتر رہے گا۔''

''انسپکٹر صاحب!'' زہرہ نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے کاٹ دار متانت سے کہا۔

''اگر آپ بھی ممتاز خان سے خوف زدہ ہیں تو ٹھیک ہے پھر مجھے شہر جا کر پولیس انتظامیہ کے کسی اعلیٰ افسر سے ہی بات کرنی پڑے گی۔ آپ کا شکریہ۔'' کہتے ہوئے زہرہ بانو کرسی سے اٹھنے لگی تو انسپکٹر جہانزیب نے اسے روک دیا اور بولا۔

''میں نے تو آپ کے فائدے کی بات کی تھی اگر آپ کچھ اور چاہتی ہیں تو یہی سہی۔ چلیں، میں خود آپ کے ساتھ چل کر معاملے کو سنبھالتا ہوں۔'' کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور میز پر رکھی اپنی ٹوپی اٹھا کر سر پر جمائی، سیاہ رول اٹھایا۔ پانچ چھ پولیس کے آدمی لیے اور سرکاری جیپ میں سوار ہو کے زہرہ بانو کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پلانٹ پہنچنے کے بعد ان کا ٹکراؤ، ممتاز خان سے ہو گیا۔ انسپکٹر جہانزیب اسے جانتا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں، ممتاز خان کا چہرہ مارے طیش کے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے نجانے انسپکٹر سے کیا کہا کہ وہ خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔ زہرہ بانو کو اس پر شدید غصہ آ گیا۔ ممتاز خان نے کرخت لہجے میں زہرہ بانو سے مخاطب ہو کے کہا۔

''لڑکی! میں آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہو ورنہ... تم دونوں ماں بیٹی کے لیے میں بہت بُرا ثابت ہوں گا۔'' اس کھلی دھمکی پر زہرہ بانو کا پارا بھی چڑھ گیا۔ وہ بھی اس طرح ترکی بہ ترکی اور بے خوفی سے ممتاز خان کے چہرے کو گھورتے ہوئے بولی۔

''میں بھی تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں لڑکے...''

اس بار زہرہ بانو نے بھی جواب میں حقارت ظاہر کی تھی۔

''ہم دونوں ماں بیٹی کو کمزور سمجھنے کی غلطی مت کرنا کیونکہ بھیڑیوں کی کچھار میں بھی ہم ماں بیٹی اپنا تحفظ کرنا جانتی ہیں۔ اپنی اوچھی حرکتوں سے باز آ جاؤ... ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی بڑا قانونی قدم اٹھانا پڑ جائے۔'' یہ کہتے ہوئے زہرہ بانو اسے جلتا سلگتا چھوڑ کر وہاں سے اپنی حویلی لوٹ آئی اور اپنی ماں ستارہ بیگم سے یہ ساری بات گوش گزار کر ڈالی۔ وہ بھی پریشان ہو گئی تھی، ادھر ممتاز خان نے ان دونوں ماں بیٹیوں کو نیچا کرنے کا جیسے عہد کر لیا تھا۔ اس نے پہلے اپنی ماں سے یہ ساری باتیں کیں پھر اس سلسلے میں جب خود باپ سے بات کرنا چاہی تو مہر النسا نے اسے منع کر دیا اور مکاری سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ ''نہیں پُتر، ابھی تو چودھری جی کے منہ نہ لگ تو اچھا ہے۔ میں خود پہلے ان سے بات کروں گی۔''

''نہیں بے بے، اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔'' ممتاز خان بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''بابا جان کو اب ایک فیصلہ کرنا ہوگا، ہم یا وہ۔''

ممتاز خان نے اس دن باپ سے زہرہ بانو کی شکایت کر دی۔ چودھری الف خان کو بہرحال یہ بات پسند نہیں آئی کہ زہرہ نے تھانے کا رخ کیا تھا۔ اس نے زہرہ بانو کو طلب کر لیا۔ زہرہ بانو نے بڑے اعتماد کے ساتھ ممتاز خان کی حرکت اور اس کے مسلح حواریوں کی بدتمیزی سے آگاہ کیا۔

''کچھ بھی تھا بیٹی، تمہیں پہلے ہم سے شکایت کرنا چاہیے تھی۔'' چودھری الف خان نے زہرہ بانو سے کہا۔ تو وہ اپنی غیر معمولی فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے بولی۔

''بابا جانی! میں اپنی اس غلطی پر نادم ہوں اور آپ سے معافی چاہتی ہوں لیکن مجھے بھائی ممتاز خان کا تضحیک آمیز رویہ برداشت نہیں۔ مجھے ان کی نیت میں فتور نظر آتا ہے۔ کیا آپ ان سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ انہوں نے سالونٹ پلانٹ میں مجھے داخل ہونے سے کیوں روکا؟''

چودھری الف خان نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''کیوں پُتر! یہ تمہاری کیا حرکت تھی؟''

''بابا جانی! پچھلے کچھ دنوں سے پلانٹ کا کام عدم توجہی کی بنا پر بہت گھاٹے میں جا رہا تھا۔ اس کی وجہ... نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کی بھرتی تھی۔ میں کچھ سود مند تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا تاکہ پلانٹ کو چلایا جا سکے۔''

''پلانٹ کا کام رکا ہی کب تھا؟'' زہرہ بانو نے ممتاز خان کے اس سفید جھوٹ پر کہا، پھر باپ سے بولی۔

''بابا جانی! یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب یہ پلانٹ امی جان کے انتظامی تصرف میں نہیں لایا گیا تھا تب تو یہ بہت زبوں حالی سے دوچار تھا مگر جیسے ہی امی جان نے اس کا انتظام سنبھالا اور نئے تجربہ کار افراد بھرتی کیے تو اس کی حالت تیزی سے سدھرنے لگی۔ اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کریں گے بابا جانی کہ آج اس سالونٹ پلانٹ سے سالانہ کروڑوں کا منافع حاصل ہو رہا ہے تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ بھائی ممتاز خان کو اس میں ایسی اچانک کیا خرابی نظر آنے لگی کہ کامیاب تجربہ کار

لوگوں کو بے دخل کر کے اپنے مسلح کارندوں کا وہاں قبضہ جمانے کی فکر کر رہے ہیں؟''

زہرہ بانو کی بات کو چودھری الف خان نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ وہ تیز نظروں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر متانت سے بولا۔ ''پتر ممتاز! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ کیا تم ایک منافع دینے والے پلانٹ کا ستیاناس مارنا چاہتے ہو؟ یہ تو خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا۔ کل ہم خود جا کر وہاں کا جائزہ لیں گے اور سنو پتر ممتاز! تم آئندہ سے ان معاملات میں بالکل ٹانگ اڑانے کی کوشش نہیں کرو گے جو ہم ستارہ بیگم اور زہرہ بانو کے حوالے کر چکے ہیں۔''

چودھری الف خان کی بات پر دونوں ماں بیٹا یعنی مہر النسا اور ممتاز خان اندر سے جل بھن گئے۔

چند دنوں بعد کی بات تھی۔ یہ چاروں سازشی ذہن کے مالک پھر سر جوڑ کے بیٹھ گئے۔ ممتاز خان کے دل و دماغ میں اس کی ماں مہر النسا نے جو زہر بھر رکھا تھا وہ اب رفتہ رفتہ ایک آتش فشاں کے روپ میں ابھرنے لگا تھا۔

''میں زہرہ بانو کو اب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے اب مرنا ہوگا۔'' وہ نفرت اور سفاک لہجے میں بولا۔ اس روز دونوں ماں بیٹا وراثت علی اور رئیس خان کے ہاں آئے ہوئے تھے اور چاروں ایک کمرے میں موجود تھے۔ بیٹے کے خطرناک عزائم کو پروان چڑھانے میں اگرچہ اس کی ماں کا ہی ہاتھ تھا مگر وہ اس طرح کے خون خرابے سے خوف زدہ تھی۔ لہٰذا بیٹے کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''نہیں پتر! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ میں تیرے باپ کا مزاج جانتی ہوں اور اسے پہلے ہی بہت سی باتوں کا اندازہ ہے۔ اگر ایک بار اس کا دل برا ہو گیا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بچے گا۔''

''ہاں ممتاز!'' بہن کی بات کی تائید میں وراثت علی بھی بھانجے کو سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''وہ دونوں ماں بیٹی ایک نمبر کی مکار عورتیں ہیں۔ تو نہیں جانتا ممتاز! مگر یہ حقیقت ہم بہت پہلے سے جانتے ہیں کہ ستارہ بیگم نے ابتدا ہی سے اپنے چال چلن سے کس طرح چودھری جی کا دل جیتا ہے اور اب بیٹی بھی وہی مکاری کر رہی ہے۔''

''ہاں، ہمیں بھی پہلے چودھری جی کے دل میں اپنی جگہ بنانی چاہیے۔ اس کے بعد آخری پتا پھینکنے کا وقت آئے گا۔''

مہر النسا بولی۔ ''دیکھ پتر ممتاز! ابھی جوش دکھانے کا وقت نہیں آیا۔ چودھری جی زندہ ہیں۔ دونوں ماں بیٹی بھی تب تک ہیں جب تک چودھری جی ہیں۔''

''ہاں ممتاز، اصل اہمیت اور حیثیت صرف تمہاری ہی ہے حویلی میں۔ تم ہی اس پوری جاگیر کے اکیلے وارث ہو۔ یہ بھلا دونوں کمزور عورتیں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں اس لیے غصے میں معاملہ خراب نہ کر۔'' وراثت علی بولا۔

''تو چودھری جی کا دایاں بازو بن کے دکھا۔ اس کا سہارا بن تاکہ وہ کئی اہم معاملات میں تجھ پر بھروسا کرنے لگے، تیرا محتاج ہونے لگے۔''

''میں تم دونوں کی باتوں سے متفق نہیں ہوں۔'' رئیس خان نے کہا۔ ''اس طرح معاملہ لمبا کرنے سے دونوں ماں بیٹیاں اپنا اثر قائم کر چکی ہوں گی، ستارہ بیگم کی میں بات نہیں کرتا مگر اس کی بیٹی زہرہ بانو دو نہیں چار ہاتھ آگے ہے۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے، دیکھتے نہیں تم دونوں کس طرح پُر پرزے نکال رہی ہے۔ فوراً قانون کا دروازہ کھٹکھٹا ڈالا، بہتر یہی ہے ممتاز سچ کہہ رہا ہے نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔ سب سے پہلے زہرہ بانو کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔ اس کے بعد ہمیں کوئی لمبا کھیل کھیلنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔'' ممتاز خان کو اپنے ماموں رئیس خان کی بات پسند آئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں کافی ہم مزاج تھے جبکہ اس کی بات نے مہر النسا اور وراثت علی کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ادھر وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے زہرہ بانو نے کچھ اہم اقدامات اٹھائے تھے۔ اس نے اپنی شخصیت کو بھاری بھر کم اور رعب داب بنانے کے بارے میں سوچا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ اپنے تحفظ اور اپنے مخالفوں پر دھاک بٹھانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے پھر حالات کے حسب منشا بھی تھا یہ سب۔

زہرہ بانو نے عام گھریلو ٹائپ ملازموں کے علاوہ کارندے بھی پالنے پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا تو اس کی پہلی نظر انتخاب منشی فضل محمد کے جوان گبرو بیٹے کبیل پر پڑی جو اس روز پہلی بار آمنا سامنا ہونے پر یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا مگر پھر زہرہ بانو کی ''حیثیت'' اور تعارف کا پتا لگتے ہی اس نے فوراً اپنی نظریں احتراماً جھکالی تھیں۔

وہ اسے خاصا دلیر اور پُر جوش نوجوان محسوس ہوا تھا۔ زہرہ بانو نے منشی فضل محمد سے اس سلسلے میں صلاح مشورہ کیا اور ابھی اس کے بیٹے کبیل سے متعلق کوئی بات نہ کی، تاہم منشی نے بھی اس کے خیال کی حمایت کی کہ اسے بھی اپنے تحفظ کے سلسلے میں مسلح محافظ رکھنے چاہئیں۔

زہرہ بانو نے چُن چُن کر اپنے گرد ایسے محافظوں کا گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ دو عدد باڈی گارڈز اس نے شہر سے حاصل کیے۔ تھے جبکہ تین اسے نئے پنڈ کی جاگیر سے ہی مل گئے تھے۔ انہیں لائسنس یافتہ اسلحہ بھی دلا دیا تھا۔ خود زہرہ بانو نے بھی تھوڑا بہت اسلحہ چلانا سیکھ لیا تھا۔ اپنی جاگیر کے ویران میدانوں میں جا کر وہ ہتھیار چلانے کی پریکٹس بھی کرتی تھی۔ ایک پستول اس نے بھی اپنے پاس رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے باڈی گارڈز جاسوس بن کر اس کے حصے کی جاگیر کی نگرانی وغیرہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے ہی ایک مخبر نے زہرہ بانو کو اطلاع پہنچائی کہ سالونٹ پلانٹ منیجر شیراز چیمہ پر ممتاز خان اپنے حواریوں کے ذریعے دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ یہ نوکری چھوڑ کے چلا جائے، ورنہ اس کی خیر نہیں۔ یہ سن کر زہرہ بانو اسی وقت اپنے دو مسلح کارندوں کے ساتھ وہاں پہنچی تو تب تک ایک اور چونکا دینے والا مگر افسوسناک منظر اس کا منتظر تھا۔

شیراز چیمہ ایک خوش لباس اور اچھی شخصیت کا مالک تھا اور ہر وقت سوٹ بوٹ میں رہتا تھا۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہو رہی تھی، اس کا سوٹ جگہ جگہ سے پھٹ کر لیروں کی شکل میں جھول رہا تھا۔ چہرے اور گردن پر چوٹوں اور خراشوں کے نشانات تھے۔ گریبان چاک تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر صاف نظر آ رہا تھا کہ ایک سے زائد آدمیوں نے ٹھیک ٹھاک پٹائی کر ڈالی تھی۔

زہرہ بانو کو اپنے خوش باش اور ٹک سک سے منیجر کی یہ حالت دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا اور غصے سے وہ بری طرح کانپنے لگی۔ وہیں کسی مزدور ورکر نے اسے بتایا کہ چھیما اور اس کے دو مسلح آدمیوں نے کسی بات پر منیجر کا یہ حشر کیا تھا۔ زہرہ بانو نے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کچھ سوچا۔ اس کے بعد منیجر شیراز سے تھوڑی دیر تک بات چیت کی پھر پلانٹ مل کے تمام ورکرز اور مزدوروں کو ایک میدان میں جمع کر کے تھوڑی دیر میں اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ جس کا لب لباب یہی تھا کہ اس پلانٹ مل کی مالک صرف وہ ہے۔ ممتاز خان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی یہاں کے لوگوں کو ان سے دبنے یا خوف کھانے کی ضرورت ہے۔ آج اگر منیجر کے ساتھ انہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے تو کل... کسی اور کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنا تحفظ خود کریں۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ لوگ کیوں خوف زدہ ہو گئے؟ اور آرام سے اپنے ''صاحب'' کو پٹتے

دیکھتے رہے۔ یہ جگہ آپ کی روزی روٹی کی جگہ ہے۔ کمال ہے آپ اس کا تحفظ بھی نہ کر سکے اور باہر کے چند بدمعاشوں کے آگے دب گئے۔'' اس دوران ایک ورکر نے زہرہ بانو سے مخاطب ہو کر کہا۔

''زہرہ بی بی! آج سے پہلے ہمیں کب یہ معلوم تھا کہ اس مل کی مالک، آپ ہیں چودھری ممتاز خان نہیں۔ ہم تو اس لیے پیچھے ہٹے رہے تھے بلکہ ہمارا تو اپنا دل بھی خراب ہو گیا تھا۔ ہم نوکری چھوڑ کر جانے والے تھے، اپنے منیجر صاحب کو پٹتا ہوا ہم بھی نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ ہمیں سخت شرمندگی ہوئی لیکن آج آپ نے حقیقت بیان کر کے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب کوئی مائی کا لعل ایسی حرکت دوبارہ نہیں کر سکتا۔''

سب نے اس آدمی کی زبان پر ہم آواز ہو کر اتحاد کا اعلان کر دیا تو ایک اور مزدور نے انکشاف کیا۔

''زہرہ بی بی! ہمارا ایک بہادر نوجوان چند ساتھیوں کے ساتھ ان لوگوں کے تعاقب میں گیا ہے، جنہوں نے یہ حرکت کی تھی۔ اسے پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی وہ ہمارا مزدور لیڈر بھی ہے۔''

اس کی بات سن کر زہرہ بانو کو ایک خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔ ابھی یہ مناظرہ جاری تھا کہ ایک ٹرک تیزی سے اندر داخل ہوا۔ سب چونک کر اس طرف متوجہ ہوئے۔ منیجر شیراز بھی وہیں وسیع و عریض احاطے میں موجود تھا۔ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔

زہرہ بانو کی متحرک نگاہ ٹرک پر جمی ہوئی تھی۔ پھر کئی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

ایک لمبا تڑنگا خوبرو جوان مرد اپنے دو تین ساتھیوں سمیت ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن سے نیچے اترا اور پھر پچھلے حصے میں یہ سب چڑھ دوڑے۔ تھوڑی دیر بعد ہی زہرہ بانو کی پھٹی پھٹی نظروں نے دیکھا۔ وہی خوبرو جوان مرد اپنے ساتھیوں کی مدد سے تین چار نڈھال سے آدمیوں کو دبوچ کر نیچے اتار رہا تھا۔ پھر انہیں گھسیٹ کر منیجر شیراز چیمہ کے قدموں پر لا پھینکا۔ مذکورہ نوجوان خاصا جوش اور غضب ناک ہو رہا تھا۔ اس نے منیجر شیراز سے کہا۔

''ان کو پہچان لو منیجر صاحب، یہی تھے نا وہ بزدل کتے جو ہتھیاروں کے زور پر یہاں بدمعاشی کرنے آئے تھے۔ ہم نے ان کی پٹائی کر ڈالی ہے اور آپ کا حساب چکا دیا ہے۔ مزید آپ ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو۔''

زہرہ بانو نے دیکھا وہ چاروں مضروب بری طرح اس مذکورہ جوشیلے نوجوان پر خار کھائے ہوئے تھے۔ اس نوجوان نے شاید ان کی اچھی خاصی درگت بنا ڈالی تھی۔ انہی میں سے ایک نے اس نوجوان کی طرف گھور کے غراتے ہوئے کہا۔ ''تت... تم... زندہ نہیں بچو گے... ہمارے استاد چھیما کو تم نہیں جانتے۔ وہ اس پلانٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔''

''بند کر اپنی بکواس زرخرید کتے۔'' وہ نوجوان شیر کی طرح دہاڑ کر بولا۔ ''تمہارا استاد بھی کسی کا زرخرید کتا ہے۔ اس سے بھی میں اچھی طرح نمٹ لوں گا۔''

زہرہ بانو یک ٹک اس بہادر، جوشیلے اور دلیر نوجوان کی طرف تکے جا رہی تھی۔ اس نے عام سا ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا۔ بال گھنے تھے، باریک مونچھیں اس کے خوبرو چہرے پر خوب جچتی تھیں۔ آنکھیں چمک دار اور روشن تھیں۔ ان میں خود داری اور غیرت مندی کے علاوہ بلند حوصلگی بھڑکتے شعلوں کی طرح ہویدا تھی۔ ابھی تک شاید اس کی نظر زہرہ بانو پر نہیں پڑی تھی اور شاید سرسری پڑی بھی ہو تو اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ پھر فوراً ہی ایک مزدور نے اس نوجوان کے کان میں کچھ کھسر پھسر کی تو وہ نوجوان قدرے چونک کر پہلی بار زہرہ بانو کی طرف متوجہ ہوا۔ اب دونوں کی نگاہیں چار ہوئی تھیں۔ اپنے لہجے کی گھن گرج، جوشیلے انداز اور عمل جنگجوانہ کے باعث وہ زہرہ بانو کو پہلی ہی نگاہ میں متاثر تو کر ہی گیا تھا لیکن اپنی مردانہ وجاہت اور خوبروئی کے علاوہ چمک دار روشن روشن آنکھوں کے باعث بھی وہ زہرہ بانو کے دل میں پہلی ملاقات میں گھر کر چکا تھا۔ زہرہ بانو کو یہ جفاکش مزدور نوجوان گویا پہلی ہی نگاہ میں بھا گیا تھا۔

''آپ... زہرہ بانو ہیں؟ چودھری ممتاز خان کی بہن؟'' دفعتاً ایک دل میں کھب جانے والی آواز نے زہرہ بانو کی محویت کو توڑ ڈالا۔ وہ خود کو فوراً ہی قدرے سنبھالتے ہوئے بولی۔

''میں صرف زہرہ بانو ہوں، وڈے چودھری الف خان کی دوسری بیگم ستارہ بیگم کی بیٹی۔''

شاید زہرہ بانو نے اس کے لہجے کی استفساریہ چبھن کو محسوس کر کے دانستہ اپنا تعارف اس انداز میں کروایا تھا اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا کیونکہ یہ سن کر نوجوان کی آنکھوں میں اب الجھن سی تیر گئی تھی۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس نے جس انداز سے زہرہ بانو سے اس کے بھائی ممتاز خان کے حوالے سے استفسار کرنا چاہا تھا وہ اس ضمن میں زہرہ بانو سے کوئی سخت بات کہنے والا تھا۔

''دیکھیں بی بی! ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کا تعلق بھی حویلی والوں سے ہے۔'' نوجوان نے بالآخر زہرہ بانو کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ ''وڈے چودھری یا ممتاز خان تک آپ ہمارا پیغام پہنچا دیں کہ ہم غریب مزدور ضرور ہیں مگر محنت اور مزدوری کر کے یہاں حلال روزی کماتے ہیں لیکن کسی قسم کی کوئی بدمعاشی یا بے عزتی ہم ہرگز برداشت نہیں کریں گے بلکہ اس کا بھرپور جواب دیں گے اور آج سے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک ممتاز خان اور اس کے کارندوں کا یہاں عمل دخل ختم نہیں ہوتا پلانٹ کا کام جام کر دیا جائے گا۔''

زہرہ بانو اب تک اندازہ لگا چکی تھی کہ یہی وہ مزدور لیڈر ہے جس کے بارے میں تھوڑی دیر پہلے ایک ورکر نے اسے بتایا تھا۔

زہرہ بانو اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرائی تھی۔ نوجوان کو عجیب سی الجھن ہونے لگی۔ اس وقت ایک مزدور ساتھی نے جو پختہ عمر کا تھا آگے بڑھ کر اس نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''لئیق پتر... یہ پلانٹ تکے چودھری ممتاز خان کی ملکیت نہیں ہے۔ اس میں بھلا زہرہ بی بی کا کیا قصور؟ یہ تو خود ممتاز خان اور اس کے غنڈوں سے عاجز آئی ہوئی ہیں۔''

پھر ایک ورکر نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہونے والی زہرہ بانو کی تقریر کے بارے میں نوجوان کو آگاہ کر دیا۔

زہرہ بانو بولی۔ ''آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟'' اس کی مراد پورا نام تھا۔

''لئیق شاہ۔'' نوجوان نے بتایا۔

''دیکھو لئیق شاہ! تم شاید یہاں کے مزدور لیڈر ہو۔ اگر میری بات کا یقین کرو تو مجھے یہ سب دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ تم نے بہادری کے ساتھ ممتاز خان کے بدمعاش کارندوں کو بھرپور جواب دیا اور میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی تقریر میں یہی ان سب سے کہا تھا کہ آئندہ بھی ان بدمعاشوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ ڈرو کسی سے بھی نہیں... یہ پلانٹ میری ملکیت ہے مگر مجھے اپنا ساتھی سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' زہرہ بانو نے دیکھا پہلی بار اس نوجوان لئیق شاہ کے خوبرو چہرے پر اثر پذیری کی چمک ابھری تھی۔ وہ اس سے متاثر نظر آنے لگا تھا۔

''بلکہ میں خود تم لوگوں کے ہاتھ مضبوط کروں گی۔ اب یہاں ہتھیار بہ دست محافظ گیٹ پر ہر وقت موجود رہیں گے۔''

''آپ کا شکریہ بیگم صاحبہ! بس ایک درخواست اور کرنا تھی آپ سے۔'' لئیق شاہ نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''ان مزدور ورکروں کو کوئی بونس نہیں ملتا حالانکہ دوسری جگہ یہ روایت قائم ہے۔''

''تم لوگوں کے جائز مطالبے منظور ہوں گے، میں سال میں ایک بونس کا اعلان کرتی ہوں۔''

احاطے میں ''بیگم صاحبہ'' زندہ باد کے نعرے لگ گئے۔ لئیق شاہ مسکراتی اور متاثر کن نظروں سے زہرہ بانو کی طرف دیکھنے لگا۔ زہرہ بانو بھی مسکراتی مگر گہری نگاہوں سے لئیق شاہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے پہلی بار اپنا دل بے طرح انداز میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ حالانکہ وہ بہت ریزرو اور لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی، سمجھ دار، سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی اور باشعور تھی، لیکن نہیں جانتی تھی کہ تقدیر کی ایک لکیر ایسی بھی ہوتی ہے جس کا نہ چاہتے ہوئے بھی انسان اسیر ہو جاتا ہے اور اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔

بہرحال معاملہ نمٹا دیا گیا۔ بدمعاشوں کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ منیجر شیرازی کے ساتھ مار پیٹ کی رپورٹ لکھوائی گئی۔ وہ بھی اب زہرہ بانو کے اقدام سے مطمئن نظر آتا تھا۔

زہرہ بانو نے اس دن کچھ مزید مسلح گارڈز بھرتی کر کے پلانٹ کے اندر باہر تعینات کر دیے۔

ادھر منشی فضل محمد کے ذریعے کپیل کو زہرہ بانو سے متعلق سارے واقعات کا علم ہوتا رہا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ زہرہ بانو میں جذباتی قسم کی دلچسپی لینے لگا تھا۔ اپنے اس جذباتی رجحان پر وہ خود کو کوستا بھی تھا کہ وہ ایک ایسے چاند کی آرزو کیے ہوئے تھا جسے دور سے دیکھا تو جا سکتا ہے مگر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یوں جب وہ اپنا اور زہرہ بانو کا موازنہ کرتا تو یہ زمین آسمان کا تفاوت دیکھ کر اور اپنی کم

مانگی محسوس کر کے اپنا دل مسوس کر رہ جاتا اور اپنی کھلنڈرانہ نادانی پر پھیکی ہنسی ہنس کر رہ جاتا۔ مگر اس پھیکی ہنسی کی تہ میں دکھ کی ایسی تلچھٹ بھی ہوتی تھی جو اسے بے دم سا کیے ڈالتی۔

کبیل جانے کیوں اب تک شادی سے جی چراتا آیا تھا۔ ماں بے چاری اس کے سر پر سہرا سجانے کی آرزو دل میں لیے اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اس کی عمر کے کئی نوجوان نہ صرف شادی شدہ ہو چکے تھے بلکہ باپ بھی بن چکے تھے۔ ایک جگہ کبیل کی نسبت بھی طے ہوئی تھی۔ لڑکی کا نام نوری تھا۔ گاؤں کے مزارع کی بیٹی تھی۔ کبیل کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا مگر جب کبیل سے اس کی شادی ہونے والی تھی تو چند روز پہلے ہی نوری کا انتقال ہوگیا.... اسے کسی سانپ نے ڈس لیا تھا۔

پھر پتا نہیں کیوں اس روز کے بعد سے کبیل نے شادی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے خود کو کام میں مصروف کر ڈالا تھا۔ بھینسوں کا چارا کترتا یا پھر باپ کے چھوٹے موٹے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتا، وہ چودھری الف خان کی زمینوں پر ٹریکٹر بھی چلایا کرتا تھا۔ یاری دوستیاں بھی اس نے گانٹھ رکھی تھیں مگر رفتہ رفتہ اس نے خود کو تنہائی پسند بنا لیا تھا۔ زہرہ بانو سے متعلق تازہ ترین حالات اور یہ جان کر کہ انہیں محافظ درکار ہیں تو ایک دن اس نے کچھ سوچ کر باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

باپ غسل سے فارغ ہوا تو دونوں باپ بیٹے چارپائی پر بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ وہ خاموشی سے مگر سوچتی نظروں کے ساتھ باربار پیالی کے افق سے باپ کے چہرے کو تکتا۔

منشی فضل محمد کی گھاگ نظروں نے فوراً تاڑ لیا کہ اس کا بیٹا اسے گاہے بگاہے کچھ سوچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر مسکرا کر بیٹے سے خود ہی بول پڑا۔

''کبیل پترا کیا بات ہے۔ کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں تو کچھ بے چین دکھائی دیتا ہے۔ کیا گاؤں کی کوئی کڑی شڑی پسند آگئی ہے؟'' باپ نے آخر میں ایک آنکھ میچ کر معنی خیز انداز میں کہا تو کبیل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ چور تو اپنے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ یہی حال کبیل کا تھا مگر پھر وہ اسے باپ کی ایک روایتی سوچ پر محمول کر کے ہنس کر بولا۔

''اونہیں پیو، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں چاہتا ہوں تو اب آرام کر۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا تو ایک جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے اس عمر میں کام پر لگا ہوا ہے۔'' منشی فضل بھی ایک باپ تھا پھر جب ایک باپ بیٹے کے درمیان ''ماں'' نہ ہو تو باپ بیٹے کا یہ رشتہ ''دوستی'' میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ان دونوں میں بھی کچھ ایسی قسم کا رشتہ تھا، وہ بولا۔

''اوئے نالائق... تجھے آج اتنے دن بعد میرے بڑھاپے کا کیسے خیال آگیا؟''

کبیل پریشان سا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ باپ کے ذہن کی کھٹک کو شک کی پٹری سے کس طرح اتارے؟ اس کے سوا اصل بات کرنے سے وہ ہچکچا رہا تھا۔ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''میں تو تجھے شروع سے کہتا آرہا ہوں بھول گیا تو؟ مجھے واقعی اب تیرا اس عمر میں کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔''

''چنگا، تو تو مجھے ویلا بٹھا کر بیمار کرنا چاہتا ہے؟'' فضل محمد ہنس کر بولا۔ ''اوئے بے وقوف! مصروفیت انسان کو صحت مند رکھتی ہے۔ اچھا چل اصل گل بتا تو چاہتا کیا ہے؟'' بوڑھے فضل محمد کی سوئی اس کھٹک آمیز تجسس پر اٹکی ہوئی تھی جس نے کبیل کو اصل بات کرنے سے اب تک روکا ہوا تھا۔

وہ جھلا کے بولا۔ ''او پیو، مجھے بے وقوف نہ کہا کر، میں نہیں بات کرتا تجھ سے۔'' کبیل نے عورتوں کی طرح منہ پھلا لیا۔ باپ کی مسلسل شک بھری کھٹک اسے اصل بات کرنے سے مانع رکھے ہوئے تھی۔ اس بات نے اس پر جھلاہٹ طاری کر دی تھی۔ بوڑھا فضل محمد ہنستے ہوئے بولا۔

''چنگا مر... چنگا پتر! ناراض نہ ہو، بتا تو سہی تو چاہتا کیا ہے؟''

کبیل مسکرا کر بولا۔ ''نہیں پیو، بھلا میں تجھ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔ بس میں ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ وہ... میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''کام کرنا چاہتا ہے؟'' فضل محمد حیرت سے بولا۔ ''تو تو ویلا کب ہے پُترے؟ کرتا تو ہے سارا ادن کام۔''

''یہ کوئی کام نہیں ہے پیو۔'' کبیل منہ بسور کر بولا۔ ''بھینسوں کو سنبھالنا، چارا کترنا، یہ تو ویسے بھی ہو جائے گا۔ میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہوں۔ ہٹکے شٹکے والا... اپنی پسند کا کام۔ مردوں والا۔''

''شاواں بھئی، ذرا بتا تو... کون سا مردوں والا کام کرنا چاہتا ہے تو؟'' فضل محمد بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھ کر بظاہر سنجیدگی سے بولا کہ کہیں پھر وہ ناراض نہ ہو جائے۔

''پیو، میں نے سنا ہے زہرہ بی بی کو کچھ محافظوں کی ضرورت ہے... میں چاہتا ہوں... زہرہ بی بی کی نوکری کرلوں۔''

بیٹے کی بات سن کر فضل محمد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کے بوڑھے چہرے پر ایک پریشان کن اور سوچتی ہوئی الجھن نظر آنے لگی۔ بڑے غور سے اس نے اپنے جوان کڑیل بیٹے کے چہرے کو دیکھا پھر بولا۔

''پتر! مجھے کوئی اعتراض تو نہیں، کیونکہ یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ آج کل ستارہ بی بی اور زہرہ بی بی پر بُرا وقت آیا ہوا ہے۔ میں نے ان دونوں ماں بیٹیوں کا نمک کھایا ہے اور ان کے دکھوں سے بھی واقف ہوں۔ اللہ وڈے چودھری کو لمبی عمر دے۔ جب تک وہ زندہ ہے تو سب ٹھیک ہے مگر...'' اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو لوہا گرم دیکھ کر کمیل نے فوراً کہا۔

''یہی بات، تو میں نے بھی محسوس کی ہے... حویلی میں ستارہ بی بی اور زہرہ بی بی کی حیثیت صرف وڈے چودھری کے دم خم سے قائم ہے۔ ممتاز خان، اس کی ماں اور اس کے دونوں بھائی کس بری طرح سے ان دونوں ماں بیٹی پر خار کھائے ہوئے ہیں۔ یہ سب میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔''

بیٹے کی اس صراحت بھری جان کاری پر بوڑھا باپ ششدر رہ گیا اور حیرت سے پھٹی پھٹی نظروں کے ساتھ بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''پتر ے! تجھے ان ساری باتوں کا کیسے پتا ہے؟''

''اوہو...! تو خود ہی تو مجھے حویلی والوں کی ساری باتیں بتاتا ہے۔'' کمیل، بات کو آئی گئی کرنے کے انداز میں بولا۔ ''اور پھر میں وڈے چودھری کی زمینوں میں ٹریکٹر چلاتا ہوں۔ حویلی کے نوکروں سے میری بھی سلام دعا اور اٹھک بیٹھک رہتی ہے، ان سے بھی مجھے بہت سی باتوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔''

بیٹے کی بات پر فضل محمد تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتا رہا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے، تیری یہ مرضی ہے تو میں زہرہ بی بی سے بات کروں گا۔'' باپ کی بات سن کر کمیل ایک دم خوش ہو گیا جبکہ فضل دین دزدیدہ اور سوچتی نظروں سے بیٹے کے چہرے کی دیدنی خوشی کے تاثرات کو بھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کے بیٹے کو واقعی زہرہ بی بی کی نوکری سے دلچسپی تھی یا وجہ کچھ اور تھی؟

اگلے دن اس نے زہرہ بانو سے اس کی بات کی تو وہ خوش ہو کے بولی۔ ''چاچا! یہ تو میرے لیے خوشی کی بات ہو گی، کیونکہ تمہارا بیٹا بھی یقیناً تمہاری طرح قابلِ اعتبار اور ایمان دار آدمی ہو گا، اسے میرے پاس بھیج دینا۔''

کمیل کو باپ نے جب زہرہ بانو کا عندیہ دیا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سمایا۔

منشی جب بیٹے کو لے کر زہرہ بانو کے پاس پہنچا تو کمیل کے دل و دماغ کی عجیب سی حالت ہونے لگی۔ اس کا منہ خشک ہو گیا اور وجود میں ایک مضطربانہ ارتعاش محسوس ہونے لگا۔

''اسے لے آیا ہوں، بی بی جی۔ اس کو آپ کی خدمت کرنے کا شوق چرا گیا ہے۔'' منشی نے ہنستے ہوئے زہرہ بانو سے کہا۔ وہ مسکرا کر ایک نگاہ کمیل پر ڈالتے ہوئے بولی۔

''اچھی بات ہے۔ ہم اسے اس کی خدمت کا پورا صلہ دیں گے۔''

پھر وہ براہِ راست کمیل سے مخاطب ہو کے بولی۔

''تمہارا پورا نام یہی ہے؟''

''نہیں جی، بچپن سے ہی میں یار لوگ دادا کہتے تھے جی۔ میں شرارتی ہوتا تھا نا جی بہت... پھر میرا دادا نام پڑ گیا۔ کمیل دادا۔''

''ہوں... کمیل دادا۔'' زہرہ بانو نے زیرِلب بڑبڑایا۔ ''تمہارا اب یہی نام صحیح رہے گا۔ اس میں رعب اور دبدبہ ہے، کیوں ٹھیک ہے؟'' زہرہ بانو نے مسکراتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ زہرہ بانو نے مزید کچھ سوالات کیے۔ کمیل دادا نے اسے بتا دیا کہ وہ صرف پانچ جماعتیں پڑھا تھا۔ گاڑی چلانا جانتا تھا جبکہ پستول بھی اسے چلانی آتی ہے۔

''تم کل سے میرے ساتھ رہو گے، میرے باڈی گارڈ بن کر۔ تمہاری تین ہزار تنخواہ ہو گی۔'' بالآخر زہرہ بی بی نے کہا اور کمیل دادا نے دبی دبی مسرت سے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ دن کمیل دادا کے لیے مسرتوں بھرا دن تھا۔ زہرہ بانو نے اسے کچھ رقم ایڈوانس دے دی تھی تاکہ وہ اپنے لیے صاف اور ڈھنگ کا مطلوبہ لباس خرید لے۔ یوں کمیل دادا بھی ایک ''ٹور'' میں آ گیا۔

زہرہ بانو کے تجربہ کار محافظوں نے کمیل دادا کو زہرہ بانو کی ہدایت پر کچھ دن اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس دوران زہرہ بانو کو پتا چلا کہ اس کی شہر والی کوٹھی ''بیگم ولا'' میں ممتاز خان کے کارندوں اور اس کی ملازمہ قسم کی عورتوں کا عمل دخل بڑھتا جا رہا ہے تو زہرہ بانو فوراً کمیل دادا کے ساتھ ملتان جا پہنچی۔ بیگم ولا کے گیٹ پر تعینات چوکیدار بھی اس

کے لیے اجنبی تھا۔ اس نے زہرہ بانو کی گاڑی دیکھ کر بھی گیٹ نہیں کھولا تھا۔ زہرہ بانو غصے سے لال پیلی ہوتے ہوئے جیپ سے اُتری اور چوکیدار سے درشت لہجے میں بولی۔

''کون ہو تم؟ اور تمہیں میری اجازت کے بغیر کس نے یہاں رکھا ہے؟''

چوکیدار ایک کسرتی جسم مگر درمیانے قد کا خرانٹ آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے ملیشیا رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی اور ہاتھ میں ماؤزر تھا۔ جواباً وہ زہرہ بانو کو تلخ نظروں سے گھورتے ہوئے نہایت بدتمیزی سے بولا۔ ''او مائی! تیرا دماغ خراب ہے۔۔۔ یہ کوٹھی چودھری۔۔۔''

ابھی وہ اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ زہرہ بانو کے عقب میں کھڑے کبیل دادا نے فقط ایک قدم اور ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے اس بداخلاق چوکیدار کی گردن کبیل دادا کے آہنی ہاتھ کے شکنجے میں آگئی۔۔۔ چوکیدار نے اپنا ماؤزر سیدھا کرنے کی کوشش چاہی مگر۔۔۔ دوسرے ہی لمحے کبیل دادا کا ہتھوڑا نما دوسرا ہاتھ حرکت میں آیا اور چوکیدار کو اپنے دائیں جبڑے پر قیامت ٹوٹتی محسوس ہوئی۔ اس کا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا۔ اس کے منہ سے خون ابل پڑا۔ وہ چند قدم لڑکھڑا کر بند گیٹ سے اس زور سے ٹکرایا کہ اس کے ہاتھ سے ماؤزر گر پڑا۔ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ کبیل دادا کی دائیں ٹانگ چوکیدار کی چھاتی سے آن لگی اور وہ ہلنے جلنے سے معذور ہو گیا۔ اس لمحے کبیل دادا کا بھیانک تاثرات والا چہرہ چوکیدار کی دہشت زدہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے قریب تھا۔

''دوبارہ بیگم صاحبہ کے بارے میں ایسے نازیبا الفاظ بکنے کی جرأت بھی نہ کرنا۔۔۔ ورنہ تیری گردن مروڑ دوں گا۔'' کبیل دادا نے پُرغیظ لہجے میں غراتے ہوئے کہا اور پھر اپنی گن سیدھی کر لی۔

''فوراً دفع ہو جا یہاں سے۔ دوبارہ نہ دیکھوں ادھر تجھے۔'' چوکیدار کی پہلے ہی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ وہ دُم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ زہرہ بانو تحسین آمیز نگاہوں سے اپنے اس تیز اور بہادر باڈی گارڈ کو تکے جا رہی تھی۔ کبیل دادا نے گیٹ پورا کھول دیا اور پھر دونوں جیپ میں سوار ہو کے اندر داخل ہو گئے۔

زہرہ بانو کے ہمراہ دو مسلح محافظ اور بھی تھے۔ اندر بھی انہیں کچھ اجنبی چہرے نظر آئے، ان میں اِکا دُکا ہی شناسا چہرے تھے جو زہرہ بانو کو پہچان کر فوراً اس کی جانب لپکے۔

زہرہ بانو نے بڑے دبنگ لہجے میں ان سے پوچھا۔

''یہ کون اجنبی لوگ ہیں؟ انہیں فوراً نکال باہر کرو۔''

اس اثنا میں تین چار مسلح افراد جو یقیناً ممتاز خان کے کارندے تھے، ان میں کچھ زہرہ بانو کی شناخت رکھتے تھے، قریب آ کر ایک نے کہا۔

''ہمیں چودھری ممتاز خان نے یہاں بھیج رکھا ہے۔''

''کیوں؟ اور کس کی اجازت سے؟'' زہرہ بانو نے سلگتی نظروں سے گھور کر پوچھا۔

''مالکوں کو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' ایک دوسرے حواری نے درشت لہجے میں کہا تو کبیل دادا نے پُرطیش نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''خبردار! بیگم صاحبہ سے تمیز سے بات کرو۔ اس کوٹھی کی مالک صرف بیگم صاحبہ ہیں اور یہاں انہی کا حکم چلے گا۔ تم لوگ اسی وقت یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

کبیل دادا کی بات پر تینوں حواری اسے خوف ناک نظروں سے گھورنے لگے۔ اس بحث و مباحثے کے دوران اندر سے کچھ عورتیں اور مرد بھی باہر آ گئے۔ ان میں کچھ زہرہ بانو کو پہچان کر مرعوب بھی نظر آنے لگے۔ تاہم زہرہ بانو نے دونوں طرف کی بگڑتی صورتِ حال کو سنبھالتے ہوئے غیر متعلقہ افراد کو کوٹھی سے اپنی عورتوں سمیت نکل جانے کا حکم صادر کر دیا۔ بہ صورتِ دیگر اس نے پولیس کی دھمکی دے ڈالی۔ یوں بھی اب زہرہ بانو کا وہاں پلڑا بھاری نظر آ رہا تھا۔ وہاں موجود زہرہ بانو کے چند خادموں کے حوصلے بھی بڑھ گئے تھے۔

ممتاز خان کے حواریوں نے ایک گھنٹے کے اندر اندر بیگم ولا خالی کر دیا۔

زہرہ بانو نے کبیل دادا کو بیگم ولا کا منتظم بنا دیا اور اسے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی کہ وہ یہاں کسی غیر متعلقہ فرد کو گھسنے نہیں دے گا۔ چاہے وہ ممتاز خان ہی کیوں نہ ہو۔

یہ بہت مشکل اور سخت حکم تھا۔ کبیل دادا نہایت ادب سے زہرہ بانو کو مخاطب کر کے بولا۔ ''بیگم صاحبہ! میرا خیال ہے چھوٹے چودھری ممتاز صاحب کے سلسلے میں یہ فیصلہ مناسب نہ ہو گا۔ بہرحال وہ آپ کے بھائی ہیں چاہے سوتیلے سہی۔۔۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے کسی آدمی کو یہاں مستقل طور پر برداشت نہیں کریں گے، یہاں تصرف جمانے کا ارادہ ہو۔ معاملہ خاندانی بھی ہے جو بگڑ بھی سکتا ہے۔''

زہرہ بانو کو کبیل دادا کی بات میں وزن محسوس ہوا، اسے خوشی ہوئی کہ اس کا یہ ذاتی گارڈ صرف دیکھنے میں جنگجو نظر نہیں آتا، عقل و فہم بھی رکھتا ہے، وہ بولی۔ ''ٹھیک ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

زہرہ بانو نے چند دنوں کے لیے کبیل دادا کو یہاں رکنے کا حکم دیا۔ اسے اعتراض تو نہ تھا مگر اسے اپنے بوڑھے باپ کی فکر ہونے لگی تاہم وہ مجبور تھا۔ یہ سوچ کر کہ چند دنوں کی بات تھی پھر وہ دوبارہ گاؤں چلا جائے گا۔ اس کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ بیگم صاحبہ اسے خود سے دور نہ کرے، بولا۔ ''بیگم صاحبہ! آپ کا یہ حکم سر آنکھوں پر... لیکن میری خواہش تھی کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر میں آپ کے ساتھ ہی رہتا تو زیادہ بہتر تھا۔''

''نہیں، ابھی تمہارا یہاں موجود رہنا زیادہ ضروری ہے۔ تم منشی چاچا کی فکر نہ کرو۔ میں انہیں بتا دوں گی، چند روز بعد میں تمہیں نئے پنڈ بلوا لوں گی۔'' کبیل دادا نے فدویانہ انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی تھی۔

زہرہ بانو وہاں سے نئے پنڈ لوٹ آئی تو ایک چونکا دینے والی اطلاع اس کی منتظر تھی۔ وڈے چودھری الف خان کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ بدقسمتی سے یہ حملہ بائیں جانب ہوا تھا اور دل کو بھی متاثر کیا تھا مگر ابھی شاید ان کی زندگی اللہ کو منظور تھی، وہ زندہ تو بچ گئے تھے مگر بستر کے ہو کر رہ گئے تھے اور اپنے جسم کو حرکت دینے حتیٰ کہ بولنے تک سے قاصر ہو گئے تھے۔ زہرہ بانو فوراً ان کے کمرے میں پہنچی اور الف خان کے سرہانے جا بیٹھی۔ ستارہ بیگم بھی مغموم چہرے کے ساتھ وہاں موجود تھی، ایک ڈاکٹر کو شہر سے بلایا گیا تھا جبکہ حکیم صاحب بھی موجود تھے۔

ممتاز خان وہاں نہیں تھا۔ البتہ اس کی ماں مہرالنسا موجود تھی۔ زہرہ بانو سے الف خان کا کوئی ایسا خونی رشتہ تو نہ تھا مگر یہ اعتراف زہرہ بانو کو ہی نہیں ستارہ بیگم کو بھی تھا کہ الف خان نے زہرہ بانو سے آج تک ایک سگے باپ جیسا ہی برتاؤ کیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ زہرہ بانو بھی الف خان کے لیے اپنے دل میں ایک بیٹی اور باپ کا درد رکھتی تھی۔ اس نے نہایت محبت سے، اس کا بے جان ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور نمناک آنکھوں اور مغموم چہرے کے ساتھ باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے مرتعش لہجے میں بولی۔

''بابا جان! آپ جلد اچھے ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ بابا جان! آپ... آپ...'' فرطِ جذبات سے وہ اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر پائی اور دکھ سے سسک پڑی۔ باپ کی بے جان لاشے جیسی حالت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ صرف اپنے بوڑھے ہونٹوں کو جنبش دے سکتا تھا یا پھر آنکھوں کو دائرے کی صورت میں حرکت دیتا۔ سن بھی رہا تھا اور دیکھ بھی رہا تھا مگر بولنے اور جسم کو حرکت دینے سے قاصر تھا۔

ستارہ بیگم بھی غم زدہ تھی، بیٹی کے کاندھے پر آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھ کر ازراہ تشفی تھپتھپانے لگیں تو زہرہ ماں سے جا لگی اور رو پڑی۔ پھر ڈاکٹر اور حکیم صاحب سے باپ کی طبیعت وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ دونوں نے اسے دعا کی تلقین کی اور جلد صحت یابی کی تسلی بھی دی۔

ایک طرف کھڑی مہرالنسا ان دونوں ماں بیٹی کو چبھتی نگاہوں سے گھورے جا رہی تھی اور اندر ہی اندر جل بھن بھی رہی تھی، بالآخر جلن کا احساس بڑھا تو بولی۔ ''چودھری صاحب کو آرام کرنے دو... زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھنا ان کے آرام میں خلل کا باعث بنے گا۔'' زہرہ بانو اس کی نظروں اور لہجے کی چبھن کا مطلب سمجھ گئی تھی... مہرالنساء کو... ان ماں بیٹیوں کی چودھری جی کے پاس موجودگی کھٹک رہی تھی، یوں بھی زہرہ منہ پھٹ تھی، سوتیلی ماں کی طرف دیکھ کر دانستہ بولی۔

''امی جی، کیا ممتاز بھائی ابھی تک نہیں پہنچے؟''

مہرالنسا کے لیے زہرہ کا یہ سوال ایک کاری وار ثابت ہوا تھا۔ اسے اس سوال پر اپنے صاحب فراش شوہر کے سامنے سبکی کا احساس ہوا تھا اور زہرہ نے ایسا دانستہ بھی کیا تھا۔ وہ کسی سے دبنے والی کہاں تھی؟

''ہاں، وہ... وہ... ممتاز بیٹا جاگیر کے ایک ضروری کام کے سلسلے میں کہیں گیا ہوا ہے۔'' مہرالنسا بات بناتے ہوئے بولی۔ زہرہ بانو کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ کیونکہ وہ پہلے ہی معلوم کر چکی تھی کہ وہ کہاں سیر سپاٹے میں مصروف تھا مگر باپ کی حالت کے پیشِ نظر اسے مزید کسی غمناک دباؤ میں ڈالنے کے بجائے وہ چپ ہو رہی۔

سب کمرے سے نکل گئے مگر زہرہ بانو کافی دیر باپ کے سرہانے بیٹھی رہی۔ وہ مختلف آیاتِ کریمہ زیرلب پڑھ پڑھ کر باپ پر ہولے ہولے پھونک مارتی جاتی۔

تھوڑی دیر اور گزری تو اسے کمرے سے باہر کسی کے زور زور سے بولنے کی آواز آئی۔ زہرہ کو غصہ آیا تاہم وہ آواز پہچان گئی تھی، یہ ممتاز خان تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ابھی کمرے کے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ اسے مہرالنسا کی آواز سنائی دی جو اپنے ''لاڈلے'' بیٹے سے سمجھانے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پتر ممتاز! اس وقت ذرا برداشت سے کام لے۔ وہ دونوں ناگن ماں بیٹی تیرے پیو سے سگی بن رہی ہیں۔ بڑی محبتیں جتا رہی ہیں دونوں، تیرا یوں غصے میں شور مچانا تیرے پیو کو بُرا لگے گا۔ اس ویلے اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش کر۔"

لیکن ممتاز خان کو مہرالنسا نے جو زہر پلا رکھا تھا وہ اب سر چڑھ کے بولنے لگا تھا۔ وہ جواباً ماں سے غیظ آلود لہجے میں بولا۔ "ماں جی! جو بھی ہو میں اس حویلی کا وارث ہوں۔ مجھے کسی کے سامنے نمبر بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کتیا نے مجھے بدمعاشی دکھانی شروع کردی ہے۔ میرے آدمیوں کو پٹوایا ہے۔ آج وہ رہے گی یا میں، ہٹ جا میرے آگے سے ماں... میں اندر جا کے اس حرافہ سے نمٹتا ہوں۔"

"نہیں پتر نہیں... صبر کر... سب ٹھیک ہونے والا ہے۔ بھول گیا اپنا منصوبہ...؟" ماں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا۔

زہرہ ٹھٹک گئی... پھر اس نے دانستہ کمرے سے نکلنے کا ارادہ ترک کردیا اور دروازے سے لگی رہی۔

"پتر! غصے سے کام بگڑ جائے گا۔ اس جوش کو نکالنے کے آگے مواقع ملتے رہیں گے مگر ابھی نہیں... جا پتر... شاد شے موڈ ٹھیک کر اپنا اور اندر جا کے پہلے اپنے پیو کو اپنا چہرہ دکھا دے اور اس کمینی کے منہ نہ لگنا۔" زہرہ کو سخت طیش آرہا تھا مگر اس نے بھی ہار نہ ماننے اور ان دونوں ماں بیٹے کے سینے پر مونگ دلنے کی قسم کھا رکھی تھی، فوراً دروازے سے ہٹ گئی اور دوبارہ آکر خاموشی سے باپ کے سرہانے جا بیٹھی۔

اس کے ذرا ہی دیر بعد ممتاز خان اندر داخل ہوا اور ایک شعلہ بار نگاہ باپ کے سرہانے بیٹھی زہرہ بانو پر ڈالتا ہوا گردن اکڑا کے آگے بڑھا اور انتہائی نخوت سے زہرہ بانو کو "ہٹ پرے" کہا۔ اس سلوک پر زہرہ بانو غصے کا کڑوا گھونٹ بھر کے رہ گئی مگر مصلحتاً کچھ نہ بولی اور خاموشی سے اٹھ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی، تاہم اس دوران جب اس کی نگاہ باپ کے چہرے پر پڑی تو چونک پڑی۔ وہاں ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ وہ سمجھ گئی باپ کو بہن کے ساتھ بیٹے کا یہ ناروا رویہ بُرا لگا تھا۔

ممتاز خان باپ کے قریب کرسی پر براجمان ہوگیا۔ خانہ پری کے انداز میں چند ہمدردی کے الفاظ ادا کیے پھر اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے وقت ایک طرف خاموش کھڑی زہرہ کو پُرطیش نظروں سے گھورا پھر بولا۔

"تم ذرا باہر آؤ۔" کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ زہرہ بانو کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس دوران اس کی ماں ستارہ بیگم بھی اندر آگئی۔ اس نے بھی شاید ممتاز خان کے زور زور سے بولنے کی آواز سن لی تھی اور چہرے سے متوحش سی نظر آرہی تھی۔

"امی جان! آپ بابا جانی کے پاس بیٹھیں۔" زہرہ نے ہولے سے کہا۔

"تت... تم کہاں جارہی ہو بیٹی؟ وہ... وہ ممتاز... غصے میں نظر آرہا تھا۔ تجھ سے جھگڑا تو نہیں کرے گا؟" ستارہ بیگم پریشان ہو رہی تھی۔ زہرہ بانو نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر آگئی۔ ایک ہال کمرے میں ممتاز خان اپنی ماں کے ساتھ کھڑا غصے سے بل کھاتا نظر آرہا تھا۔ زہرہ کو دیکھتے ہی پھٹ پڑا۔

"تم... تم... اپنی اوقات میں رہو سمجھیں... میں بہت برا آدمی ہوں۔ ذرا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔"

زہرہ بانو خائف ہوئے بغیر تن کر کھڑی رہی اور سنجیدگی سے بولی۔ "میں جانتی ہوں تم کتنے بُرے آدمی ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو۔ تم نے میرے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ میری وجہ سے اب تک خاموش ہیں ورنہ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔"

"انہوں نے بدمعاشی کی تھی۔ میرے پلانٹ کے منیجر شیرازی کو مارا پیٹا تھا۔ تمہارے بدمعاش کارندوں نے میری شہر والی کوٹھی بیگم ولا میں قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی۔" زہرہ بانو بھی بے خوفی سے بولی۔ "تم بھی سن لو۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا مجھے بھی آتا ہے۔ میں دبنے والی نہیں ہوں۔ اپنے حق کی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔ تم غنڈے پال سکتے ہو تو میں بھی یہی سب کچھ کرسکتی ہوں۔" زہرہ بانو کے اس ترکی بہ ترکی جواب سے ممتاز خان کا پارا چڑھ گیا مگر مہرو نے اسے سنبھالا دیا اور زہرہ سے ناک بھوں چڑھا کر برہمی سے بولی۔

"اے لڑکی! تمہیں یہ سب زیب نہیں دیتا، عورت ذات ہو عورت بن کر رہو۔"

اسی دوران ستارہ بیگم بھی شوہر کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ مہرو سے بولی۔ "بہن! جہاں ظلم و زیادتی اور ناانصافی پروان چڑھے گی تو ایسے حالات بھی خود بہ خود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ تم بھی ذرا اپنے بیٹے کو سمجھاؤ، وہ کسی کے حق پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش نہ کرے... یوں بھی یہ وقت ایسی

باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ اندر چودھری جی بیمار پڑے ہیں۔ ہمیں آپس میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں۔''

مہرانسا نے نفرت بھری نظروں سے اپنی سوکن کو گھورا اور پھر غصے سے دانت پیس کر بولی۔ ''میں خوب سمجھتی ہوں تم دونوں میاں بیٹی کی مکاری کو۔'' پھر اپنے لاڈلے سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''چلو بیٹا! ان کے منہ نہ لگو، یہ تو ہمیں حویلی میں نیچا دکھانے کا موقع ڈھونڈتی رہتی ہیں۔''

ستارہ بیگم کو اپنی سوکن کی اس بات پر دکھ ہوا۔ بڑی ملائمت آمیز رسانیت سے بولی۔ ''مہرو بہن! خدا گواہ ہے کہ میں نے یا میری بیٹی زہرہ نے آپ لوگوں کے خلاف کبھی بھی اپنے دل میں بغض نہیں رکھا۔ ہم تو خود محبت اور امن چاہتے ہیں۔''

''اونہہ... محبت اور امن...'' مہرو نے حقارت سے سوکن کی طرف دیکھ کر ہونٹ سکیڑ کر زہریلے لہجے میں کہا۔ ''دوسروں کے حق پہ ڈاکا ڈالنے والے بھلا امن اور محبت کیا جانیں۔ چلو بیٹا۔'' مہرو نے بیٹے کا شانہ تھپتھپایا۔ ممتاز، زہرہ کو معاندانہ نظروں سے گھورتا ہوا غصے سے پاؤں پٹخ کر چلا گیا۔

یہ اس سے اگلے دن کا ذکر تھا۔ زہرہ بانو اپنی سفید پوٹھوہار جیپ میں حویلی سے روانہ ہوئی۔ جیپ وہ خود ڈرائیو کررہی تھی۔ دو مسلح گارڈز عقبی سیٹوں پر موجود تھے۔ وہ حسب معمول اپنی زمینوں کی طرف جارہی تھی۔ منشی فضل محمد کی آج طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہ ساتھ نہیں تھا۔ جیپ کھیتوں کے درمیان بل کھاتے کچے راستے پر دوڑی جارہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ زمینوں پر پہنچی اور معاملات کا جائزہ لیا۔ وہاں کچھ دیر ہو گئی۔ شام ڈھلنے تک اس نے ایک فلورل کا دورہ کیا اور آخر میں سالونٹ پلانٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔

گاؤں، دیہات میں ویسے بھی سرِشام ہی رات کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس وقت بھی اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ زہرہ بانو تھکاوٹ سی محسوس کررہی تھی اس لیے ڈرائیونگ سیٹ اب اس کے ایک گارڈ نے سنبھال لی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھی۔ وہ ابھی پلانٹ سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر کی مسافت پر تھی کہ ایک کیکر کے گھنے جھنڈ والے تنگ موڑ سے جیپ گھومی اور یکلخت فضا میں گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری۔ زہرہ بانو غیر ارادی طور پر فوراً نیچے جھک گئی۔ کئی گولیاں زناٹ... جیپ کی باڈی میں پیوست ہوگئیں۔ ونڈ اسکرین دھماکے سے ٹوٹی... پھر ایک لرزہ خیز چیخ ابھری۔ یہ ڈرائیور کی چیخ تھی۔ اسی وقت ٹائر برسٹ ہونے کا بھی دھماکا ہوا۔ زہرہ بانو کے حلق سے چیخیں خارج ہوگئیں۔ موڑ کاٹتے ہوئے جیپ چونکہ ہلکی رفتار میں تھی اس لیے توازن بگڑنے کے باعث الٹنے سے بچ گئی تاہم ایک جھنڈ میں جا گھسی۔ دوسرے گارڈ نے جیپ کے اندر بیٹھے بیٹھے اندھادھند فائرنگ کردی جبکہ نامعلوم حملہ آوروں کی طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ جاری تھی۔

''بیگم صاحبہ! آپ دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کریں، جلدی...'' گارڈ نے چلا کے کہا۔ اس وقت زہرہ بانو کا چہرہ خون سے بھر گیا۔ ایک برسٹ نے گارڈ کا بھیجا اڑا دیا تھا۔ زہرہ بانو دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ تاہم اس نے اپنے مختل پڑتے حواسوں پر مقدور بھر قابو پایا اور ایک دروازے کو لات مار کے کھولا پھر گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتی ہوئی باہر تاریکی میں کود گئی۔ فائرنگ جیپ کے عقب سے اور دوسرے رخ سے ہورہی تھی۔ لہٰذا نیچے اترتے ہوئے اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا اس طرف گھنا جھنڈ تھا۔ وہ اس کے اندر جا دبکی۔ فائرنگ یکلخت بند ہوگئی۔ ایک طوفان بدتمیزی تھا جس کے تھمتے ہی چہار اطراف دھڑکتا ہوا سناٹا طاری ہوگیا تھا... زہرہ بانو کو اپنے دل کی دھڑکنیں تک سنسناتی کنپٹیوں پر سنائی دینے لگیں۔ وہ دم سادھے ادھر ہی دبکی رہی۔ مگر جانتی تھی کہ وہ یہاں زیادہ دیر تک نامعلوم حملہ آوروں کی نظروں سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اب تک اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ نامعلوم دشمن اس کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں جن کے ہاتھوں اسے اپنے دونوں گارڈز کی بے گناہ اور عبرت اثر موت کا دکھ برداشت کرنا پڑا۔ سرِدست تو زہرہ بانو کو اپنی زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

''اصل شکار بچ کر بھاگ نکلا ہے استاد۔'' دفعتاً ایک غراتی ہوئی آواز دم بخود سناٹے میں ابھری۔

زہرہ بانو کے دل کی دھڑکنیں جیسے یکلخت رک گئیں۔ اس نے بھانپ لیا کہ اسی کے بارے میں کہا جارہا تھا۔

''کدھر گئی وہ؟ آسمان کھا گیا۔ ڈھونڈو اسے اور نظر آتے ہی گولی ماردو۔ وہ زندہ بچ گئی تو ہمارے لیے مصیبت کھڑی کردے گی۔'' اس آواز کو پہچان کر زہرہ بانو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ خونخوار اور غراتی ہوئی آواز ممتاز خان کے کارپرداز وسیم عرف چھیما کی تھی۔ شبہ تو زہرہ بانو کو

پہلے ہی ہو چکا تھا کہ یہ حملہ کون کروا سکتا ہے تاہم اب اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ زہرہ بانو کے دل و دماغ میں اب خوف کے ساتھ ایک سلگتے ہوئے جوش کی ملی جلی کیفیات پیدا ہونے لگی تھیں لیکن ابھی اسے ان خونی ہرکاروں سے اپنی جان بچانا تھی اور یہی دہشت اس پر زیادہ غلبہ پائے ہوئے تھی۔ تاہم اس مشکل گھڑی میں اس نے اللہ کو یاد کیا اس سے مدد کی دعا مانگی۔ پھر وہ کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو اسے احساس ہوا، اس جیپ کے گرد جو مسلح انسانی ہیولے نظر آرہے تھے ان کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی اور ان سب کی توجہ ابھی جیپ کے معائنے پر ہی مرکوز تھی۔ چنانچہ ایک راستہ خالی تھا وہ بے آواز مگر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس طرف رینگ گئی۔

اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ اپنا پستول نہیں لائی تھی۔ یوں بھی وہ کبھی کبھار ہی اسے اپنے پاس رکھتی تھی۔ پھر اسے اپنے مردہ گارڈ کی گن سنبھالنے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یہ سب اس کے ساتھ آج پہلی بار اور اچانک ہوا تھا۔ بہرطور، وہ جس طرف رینگ کر نکلی تھی اس کے دوسری جانب قدرے نشیبی ڈھلان تھی، جھکتی شام کی بڑھتی سیاہی اسے کسی حد تک دشمنوں کی خونی نظروں سے اب تک بچائے ہوئے تھی۔ وہ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نسبتاً کچے کے مختصر کھلے راستے پر تیزی کے ساتھ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتی ہوئی دوسری جانب نشیب میں اتر گئی۔ یہاں سے اسے ذرا دور ملگجی سی تاریکی میں سالوینٹ پلانٹ کی بتیاں نظر آرہی تھیں۔ فرطِ جوش سے اس کا دل یہ سوچ کر تیزی سے دھڑکنے لگا کہ اگر وہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو جان بچنے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔ مایوسی کے اندھیاروں میں اُمید کی ٹمٹماتی جوت کیا جگی کہ زہرہ بانو کو اپنے شکستہ وجود میں جیسے ایک نئی طاقت کی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں۔ دشمن بھی دور نہیں تھے، کسی وقت بھی ملک الموت کی طرح اس کے سر پر پہنچ سکتے تھے۔ اور وہ ان کی متوقع گرفت سے باہر بھی نہیں تھی مگر امید کی ہلکی روشنی نے زہرہ بانو کی ہمت اور حوصلے کو سوا ضرور کر دیا تھا اور پھر اللہ کا نام لے کر اس نے قدِ آدم خودرو جھاڑیوں کی آڑ میں دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ جھنڈ زیادہ طویل نہ تھا۔ آگے جا کر چٹیل اور بنجر میدان آگیا۔ زہرہ بانو کی سانسیں بُری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا تھا، اس کی حتی الامکان یہی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ان خون کے پیاسے بھیڑیوں سے بچ کر پلانٹ کی حدود میں داخل ہو جائے۔ چٹیل میدان میں کہیں کہیں ٹیلے ٹبوں کے آثار نظر آتے تھے، مگر وہ ذرا فاصلے پر تھے۔ وہ ان کی آڑ تک پہنچنا چاہتی تھی۔ اس نے دوڑ لگا دی۔ بھیانک اور یقینی موت اس کے تعاقب میں تھی، اور وہ اس سے بچنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروفِ کار... دفعتاً عقب سے گولیوں کی سنسناتی ہوئی آواز اُبھری اور زہرہ بانو چیخ مار کر گری۔ خوف و دہشت کی فضا میں زہرہ بانو کی اضطراری اور غیر اختیاری حرکت تھی اور شاید اس حرکت کے باعث وہ عقب سے داغے ہوئے گولیوں کے برسٹ سے بال بال بچی تھی۔ گرتے ہی وہ بھربھری مٹی والی زمین پر دور تک گھسٹتی چلی گئی مگر ہمت اس نے پھر بھی نہیں ہاری اور ایک بار پھر اٹھ کر دوڑی۔ عقب میں شاید دور کہیں موجود متعاقب خونی بھیڑیوں نے اس کا تاریکی میں متحرک ہیولا تاڑ لیا تھا۔ زہرہ بانو پر اس وقت ہر ممکن طور پر اپنی جان بچانے کا جنون سوار تھا اور اس جوش تلے وہ دوڑتی ہوئی بالآخر ایک ٹیلے کی آڑ تک جا پہنچی۔ رک کر اس نے عقب میں دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس تیزی

فضول باتیں

شوہر نے اپنی بیوی کو اسپتال سے میسج کیا:

”صبح دفتر کے قریب ایک وین نے سڑک پار کرتے ہوئے مجھے زبردست ٹکر ماردی۔ داہنی پنڈلی اور ایک بازو ٹوٹ گیا۔ سر میں دس ٹانکے لگائے گئے ہیں... پسلیوں پر سوجن تھی۔ ایکسرے سے پتا چلا ہے کہ تین پسلیاں بھی ٹوٹی ہیں۔ چہرے پر بھی زخم آئے ہیں۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ مجھے کم از کم چار ہفتوں کے لیے اسپتال کے بستر پر رہنا ہوگا۔ ٹکر لگتے ہی میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ بے چاری زویا نے بڑی مشکل سے مجھے ایک ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال پہنچایا۔ وہ مدد نہ کرتی تو جریانِ خون سے میں مر ہی گیا ہوتا۔ وہ ابھی بھی میری دیکھ بھال کر رہی ہے۔ جلدی آؤ تاکہ وہ بے چاری جا سکے۔“

بیوی نے جواب میں میسج کیا۔ ”فضول باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ یہ کمینی زویا کون ہے جسے بے چاری کہے جا رہے ہو؟“

زاہد صادق، لاہور

سے درمیانی فاصلہ ٹکتی ہوئی ٹیلوں کی طرف آرہی تھی۔ جان جانے کا خوف ایک بار پھر اسے جکڑنے لگا۔

وہ جلدی سے ایک ایسے ٹیلے کی ''ڈھلوانی آڑ'' میں جا دُبکی جہاں خودرو جھاڑیوں کے متعدد جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سانس تک روکے وہاں دُبکی رہی۔ مگر دھونکنی کی طرح چلتی تیز تیز سانسوں کی ڈور کو کھینچنا اس کے لیے مشکل تھا۔ زہرہ اس کے آگے نکل جانے کی دعائیں مانگنے لگی مگر دشمن بھی کائیاں تھا۔ گاڑی ایک پرانے ماڈل کی لینڈ کروزر تھی۔ وہ اس کے سامنے، جدھر وہ خودرو جھاڑیوں کی آڑ میں سینے کے بل تقریباً لیٹی ہوئی تھی، ذرا دور جا کر رک گئی۔ پھر دروازے کھلنے کی دھمک ابھری، زہرہ بانو کی دھڑکتی نگاہیں ان پر لگی ہوئی تھیں۔

وہ سب مسلح تھے اور نیچے اتر آئے، ان میں چھیما بھی تھا۔ دشمن کو قریب پا کر زہرہ بانو کا حلق سوکھنے لگا۔ چھیما کی تحکمانہ آواز ابھری۔ ''وہ ادھر ہی کہیں قریب چھپی ہوئی ہے، پھیل جاؤ چاروں طرف۔''

وہ اپنے ایک مسلح ساتھی کے ساتھ وہیں کھڑا رہا۔ باقی تین چار ساتھی، دائیں بائیں پھیل گئے۔ شکر تھا کہ عقب میں کسی نے قدم نہیں بڑھائے تھے۔ زہرہ بانو کا ذہن ایک بار پھر اس مشکل گھڑی سے نکلنے کے لیے تیزی سے کام کرنے لگا۔

دفعتاً اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ چھیما بلند آواز میں اپنے ساتھ کھڑے حواری سے کہہ رہا تھا۔

''ادھر آؤ... ہم عقب کا جائزہ لیتے ہیں۔'' اور پھر وہ اس سمت مڑا جدھر زہرہ دبکی ہوئی تھی۔ بے رحم موت کو ایک بار پھر سامنے دیکھ کر زہرہ کا دم خشک ہونے لگا۔ اس نے پُرسوچ انداز میں اپنے سوکھے پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور تب ہی ایک خیال بہ سرعت اس کے اندر ''کلک'' ہوا۔

اس نے نہایت ہوشیاری اور چابک دستی کے ساتھ ان دونوں کے قریب پہنچنے سے پہلے اپنی جگہ بدلی اور رینگتی ہوئی ٹیلے کا گویا طواف کرتی ہوئی اس سمت آن پہنچی جہاں سے محض چند قدموں کے فاصلے پر دشمنوں کی لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ زہرہ کا دل ایک بار پھر پرجوش انداز میں زور سے دھڑکا، گویا تقدیر نے چند پل کے لیے اس کے ساتھ یاوری کی تھی۔ اس کا جی چاہا وہ دیوانہ وار دوڑ کے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھالے اور جیپ میں جا سوار ہوجائے کہ اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری۔ وہ بُری طرح دہل گئی۔ پھر جلد ہی اس نے صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے بے اختیار ایک گہری سانس خارج کی۔ چھیما اور اس کا ساتھی، اریب قریب کی جھاڑیوں میں اندھادھند فائرنگ کررہے تھے کہ اگر ان کا شکار ادھر کہیں چھپا بیٹھا ہو تو اس کا وہیں قصہ پاک ہوجائے، زہرہ بانو اگر بروقت اپنی جگہ نہ چھوڑتی، تو یہ اندھی فائرنگ وہیں جھاڑیوں میں اس کا کام تمام کردیتی۔

زہرہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے تھکے ماندہ وجود میں ایک جنونانہ جوش کی طاقت مجتمع کی اور لینڈ کروزر کی طرف دوڑ لگائی، جب تک چھیما اور اس کا ساتھی اس طرف متوجہ ہوتے، وہ پھرتی کے ساتھ لینڈ کروزر کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھی۔ انجن اسٹارٹ تھا گیئر بدلنے کی دیر تھی، کامیابی کے جوش سے اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہوگیا۔ اس نے گیئر بدلا اور ایکسلریٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ لینڈ کروزر بھڑکے ہوئے درندے کی طرح غرائی اور ایک طوفانی جھٹکے سے آگے بڑھی۔ پھر زہرہ کو کچھ نہ سوجھا۔ وہ اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ اس پر گولیوں کے پورے پورے برسٹ فائر کیے گئے۔ اور بدقسمتی سے ایک بھولی بھٹکی گولی لینڈ کروزر کے بیک اسکرین کو چٹخاتی ہوئی زہرہ کے دائیں شولڈر اور ہنسلی کی ہڈی کے بیچ میں پیوست ہوگئی۔ زہرہ بانو کو یکلخت ایک جھٹکا لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے جلتی ہوئی سلاخ گھسیڑ دی ہو۔ اس کے حلق سے کرب ناک چیخ ابھری۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہکے۔ بدمست ہاتھی کی طرح دوڑتی پرانے ماڈل کی لینڈ کروزر ڈولنے لگی اور کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ الٹ جاتی۔ مگر زہرہ بانو اپنی ''لب بام'' فتح کو... ہاتھ سے جانے کیسے دیتی؟ اس نے فوراً درد کی اذیت کو پی لیا اور ڈولتی ہوئی لینڈ کروزر کو سنبھالا دیا۔ یوں بھی ناپختہ اور کچے ناہموار راستے پر وہ بری طرح ہچکولے بھی کھارہی تھی۔ اگر وہ جلد اپنے حواس اور اسٹیئرنگ پر گرفت نہ جماتی تو یقیناً لینڈ کروزر الٹ چکی ہوتی۔

سالونٹ پلانٹ کی وسیع عریض باؤنڈری وال کراس کرتی ہوئی گاڑی آبادی کی طرف ہولی تھی مگر تب تک زہرہ کی اپنی حالت غیر ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وجہ دائیں کاندھے کا زخم اور اس سے تیزی سے بہنے والا خون تھا اور جریانِ خون کے باعث زہرہ پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی، وہ ایک نازک اندام اور کم عمر دوشیزہ تھی۔ پہلے بھی وہ ایسے حالات اور تکلیف سے نہیں گزری تھی نتیجتاً غشی اور نقاہت کے باعث بار بار اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگتا اور چکر آنے کی وجہ سے کئی بار اس کا سر اسٹیئرنگ پر ڈھلک کر زور سے ٹکرایا بھی تھا۔

آبادی پر سناٹا طاری تھا ہر سو تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کچے اور گارے مٹی کے گھروں کے صحن ویران پڑے تھے۔ دروازے بند تھے، لینڈ کروزر ان کے سامنے سے دوڑتی ہوئی گزر رہی تھی، ایک موقع پر زہرہ بانو کی ہمت جواب دینے لگی اور اس نے متوقع حادثے سے بچنے کے پیش نظر فوراً بریک پر پاؤں رکھ دیے۔ وہ نڈھال سی ہو رہی تھی، گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکی تھی۔ سر اسٹیئرنگ پر عین ہارن کے اوپر آن ٹکا تھا۔ رات کی دم بخود خاموشی میں لینڈ کروزر کا ہارن مسلسل چیخنے لگا۔

☆☆☆

ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک بالکل اجنبی جگہ پر پایا۔ پہلے تو ذہن پر غنودگی سی طاری رہی۔ مگر دھیرے دھیرے حواس بحال ہوئے۔ کچھ سوچنے سمجھنے کا یارا ہوا تو اس نے خود کو ایک صاف ستھرے بستر پر لیٹے پایا تھا۔ وہ کمرا بھی زیادہ بڑا نہ تھا، کچی دیواریں تھیں جن میں فریم کی ہوئی کچھ افراد کی بلیک اینڈ وائٹ تصاویر تھیں۔ آہستہ آہستہ اسے اپنے اوپر بیتے ہوئے حالات و واقعات یاد آنے لگے۔ پھر درد کی ایک ٹیس بھی اسے اپنے دائیں کاندھے پر محسوس ہوئی۔ اس نے زخم چھونے کی بے اختیار کوشش چاہی تو اس کے حلق سے ہلکی سے کراہ خارج ہوگئی۔ اس نے دیکھا اس کے زخم پر مرہم پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کمرے میں ہلکا پھلکا عام گھریلو سامان پڑا نظر آرہا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی دوسرا کمرے میں موجود نہ تھا۔ البتہ اس کے پیروں کی طرف دروازہ تھوڑا بھڑا ہوا تھا جس کی درمیانی متوازی لکیر سے باہر صحن میں ہونے والی روشنی اسے نظر آئی، ایک بار پھر اس کے دل کو انجانے خطرات اور اندیشناک وسوسوں نے گھیر لیا۔ اسے پیاس محسوس ہوئی، حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔

وہ دھیرے سے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھنے کی سعی کرنے لگی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ کاندھے کے زخم سے دوبارہ ٹیس ابھری اور وہ پھر بے سدھ ہو کر چارپائی پر لیٹ گئی۔ قریب تپائی پر کچھ دوائیں بھی رکھی تھیں۔

''کک... کون؟ کک... کوئی ہے؟ کک کون ہے یہاں... میں کہاں ہوں؟''

وہ متوحش ہو چلائی تو باہر صحن میں کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری، پھر دروازہ پورا کھلا۔ اس نے لیٹے لیٹے اپنے پیروں کی سمت دروازے کی طرف دیکھا اور جوان خوبرو مرد کو دیکھ کر اس کا دل ایک لمحے کو جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ نوجوان کے چہرے پر میٹھی مسکراہٹ تھی۔

وہ... وہی بہادر نوجوان تھا۔ لئیق شاہ... لمبا چوڑا، مردانہ وجاہت کا حامل... جو اس کے سالونٹ پلانٹ کا مزدور لیڈر تھا۔

''تت... تت... تم... مم... مجھے یہاں... کیسے لائے؟ میں تو... میں تو...'' حیرت و الجھن کی ملی جلی کیفیات اور کمزوری کے باعث اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی اور ہانپنے لگی۔ لئیق شاہ چند قدم چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور ملائمت سے بولا۔

''بیگم صاحبہ! آپ یہاں بالکل محفوظ ہیں۔ یہاں کوئی مائی کا لعل آپ کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا... آپ پریشان نہ ہوں۔''

لئیق شاہ کے ہمدردانہ اور پُرخلوص لہجے اور الفاظ نے اسے متاثر کیا۔ بے اختیار نہ جانے کس جذبے کے تحت زہرہ بانو کے نرم لبوں پر الوہی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کی کشادہ آنکھوں کے ڈوروں میں رمزیہ تہرائی کا شائبہ بھی اتر آیا۔ بولی۔ ''تمہارا شکریہ لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں یہاں کیسے اور...؟ اور تم...''

''آپ کو کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں بیگم صاحبہ۔'' وہ بولا۔ ''لگتا ہے آپ کے ساتھ بہت بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ آپ کی گاڑی جس گھر کے دروازے کے سامنے رکی تھی اس کے صحن میں، میں چارپائی ڈالے لیٹا تھا کہ باہر مسلسل بجنے والے ہارن پر چونک کر باہر نکلا تو آپ کو دیکھ کر مجھے شدید حیرت اور تشویش بھی۔ آپ زخمی تھیں اور شاید خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو چکی تھیں۔ آپ کے ساتھ آخر ہوا کیا تھا؟''

مختصراً صراحت بیان کرنے کے بعد لئیق شاہ نے آخر میں پوچھا۔ اس کی بات سن کر زہرہ بانو بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی اور پھر چند ثانیوں بعد اس نے اپنے ساتھ پیش آمدہ حالات کے بارے میں دھیرے دھیرے اسے تفصیل سے بتا دیا جسے سن کر لئیق شاہ کے چہرے پر پہلے تو سخت تشویش کے آثار نمودار ہوئے، اس کے بعد اس کی بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں غیظ و غضب کے شعلے سے پھوٹنے لگے اور پھر وہ اسی جوش تلے جیسے خود کلامیہ بڑبڑایا۔

''یہ اچھا نہیں کیا... چھوٹے چودھری نے... میں اس مردار بدذات چھیمے کا بُرا حشر کردوں گا۔''

ایک بار پھر اپنے لیے اس گرانڈیل خوبرو مگر دیہاتی

نظر آنے والے لئیق شاہ کو قہر بار کیفیات میں پا کر زہرہ بانو کے دل میں، ایک عجیب سے تفاخر کا احساس جاگا۔ تاہم وہ بولی۔ ''میری گاڑی باہر موجود ہو گی؟ وہ ''کھرا'' تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی آسکتے ہیں۔ تم مجھے کسی طرح حویلی پہنچا دو۔۔۔ میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکتی۔''

اس کی بات سن کر لئیق شاہ ایک دم بے چین سا ہو گیا، بولا۔ ''بیگم صاحبہ! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں نے آپ پر احسان نہیں کیا۔ آپ تو ہم غریب مزدوروں کے لیے ایک مہربان اور ہمدرد مالک ثابت ہوئی ہیں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں جہاں آپ کہیں گی، میں بہ حفاظت آپ کو وہاں اپنی جان پر بھی کھیل کر پہنچا دوں گا لیکن آپ اس بات سے بے فکر ہو جائیں کہ وہ بدذات کھرا ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔''

معاً دروازے کے پاس کسی کے ہولے سے کھانسنے کی آواز ابھری اور دو عمر رسیدہ مرد اور خاتون اندر داخل ہوئے۔ مرد نے جسم پہ صدری پہن رکھی تھی اور نیچے پرانی سی چار خانوں والی لنگی، عورت نے بھی عام سا گھریلو لباس زیب تن کر رکھا تھا۔

''یہ۔۔۔ میرے ماں باپ ہیں۔'' لئیق شاہ نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زہرہ بانو سے کہا۔

''سلام۔'' زہرہ نے چارپائی پر لیٹے لیٹے۔۔۔ تکیے پر دھرے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر کہا۔

''جیتی رہ پتری۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اب تیری؟'' لئیق شاہ کے باپ نے پرشفقت لہجے میں کہا۔ اس کی ماں بھی زہرہ بانو کے سرہانے آن بیٹھی اور ہولے سے اپنا ایک ہاتھ زہرہ کی پیشانی پر رکھتے ہوئے کہا۔

''تاپ (بخار) تو اتر گیا۔ حکیم جی نے پٹی تو ٹھیک باندھی۔''

''میں ٹھیک ہوں ماں جی اب۔'' زہرہ نے ہولے سے لئیق شاہ کی ماں کو مخاطب کر کے کہا پھر لئیق شاہ کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ اس کا مطلب سمجھ کر بولا۔

''بیگم صاحبہ! آپ آرام کریں۔ صبح ہوتے ہی میں آپ کو حویلی چھوڑ دوں گا، آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔''

''میری امی جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' زہرہ نے ہولے سے مگر متفکر لہجے میں کہا۔ لئیق شاہ نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اس کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

لئیق شاہ نے زہرہ بانو کو گاڑی کا دروازہ کھول کے اس میں سوار کرا دیا پھر خود بھی دوسری جانب سے گھوم کر اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان ہو گیا۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ حویلی پہنچ گئے۔ وہاں زہرہ بانو کی ڈھونڈ پڑی ہوئی تھی۔ ستارہ بیگم اپنی بیٹی کو دیکھ کر پرسکون تو ہوئی مگر پھر اسے زخمی حالت میں دیکھ کر سخت متفکر اور تشویش زدہ بھی ہو گئی۔

زہرہ بانو نے انہیں ساری بات بتا دی۔ مکار مہرالنسا بھی ماں بیٹی کا ''حال'' جاننے کے لیے وہاں آن موجود ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی الجھن طاری تھی۔ تاہم بعد میں زہرہ بانو نے اپنے خدشات سمیت اکیلے میں ماں کو ساری حقیقت بیان کر دی۔

ادھر لئیق شاہ نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو زہرہ بانو نے ایک ملازم کو گاڑی میں اسے گھر تک چھوڑ آنے کا کہہ دیا۔ رخصت ہوتے وقت زہرہ نے لئیق شاہ کا شکریہ بھی ادا کیا۔

واپس آ کے لئیق شاہ چارپائی پر پڑے پڑے نیند کو مہربان کرنے کے لیے کروٹیں بدلتا رہا مگر نیند تھی کہ اس کی آنکھوں سے کوسوں دور۔۔۔ وہ اس مزاج کا آدمی تھا نہ اس قبیل کا کہ کسی نوجوان حسینہ پر یوں بری طرح فریفتہ ہو جاتا مگر محبت کی ایک اپنی خوشبو اور کشش ہوتی ہے بلکہ اسے ''بے اختیاری'' کہا جائے کہ لئیق شاہ کی آنکھوں کے سامنے بار بار زہرہ بانو کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ کئی بار اسے خود سے ہمکلام ہونا پڑا۔ وہ کیوں بیگم صاحبہ کے بارے میں ایسا سوچ رہا تھا۔ کیا اسے ان کے اور اپنے درمیان واضح ''فرق'' نہیں نظر آ رہا تھا؟ کس قدر طبقاتی تفاوت تھا دونوں کے درمیان۔ اس طرح پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی، صبح بے دلی سے چائے پاپا کھا کے وہ جب کام پر نکلنے لگا تو ماں کی نظروں نے اس کے چہرے کی رت جگے کی تھکاوٹ بھانپ لی اور پیار سے بولی۔

''پتر لئیق! تو ساری رات کا جگا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے نیند ٹوٹنے کے بعد دوبارہ نہیں سو سکا ہے، آج چھٹی کر کے آرام کر لے۔''

''نہیں ماں جی، میں چھٹی نہیں کر سکتا۔۔۔ چلتا ہوں۔'' ماں سے کہہ کر وہ چلا گیا۔

آج واقعی اس کا کام پر بھی دل نہیں لگ رہا تھا مگر بے دلی سے وہ کام میں مصروف رہا۔ ادھر زہرہ بانو کے ساتھ بھی کم و بیش یہی صورتِ حال تھی بلکہ کچھ سوا ہی تھی، وہ پرجوش

کٹیلا اور کڑیل نوجوان لئیق شاہ اس کے سنگھاسنِ دل پر تو اسی دن ہی جاگزیں ہو چکا تھا جب اس نے پہلی بار پلانٹ کے احاطے میں اسے مخاطب ہوتے دیکھا تھا پھر اب شب گزشتہ کی تازہ کارروائی اور اس قدر قربت کی حامل ''مڈبھیڑ'' نے تو زہرہ بانو کو اور بھی دلی و جذباتی طور پر اس کے قریب کر دیا تھا۔ وہ صبح ہونے تک بھی اس اہم اور خوں ریز جان لیوا واقعے کی متعلقہ تھانے میں رپورٹ کروانا بھی بھولی رہی۔ تاہم اسے جب یاد آیا تو وہ خود ہی تھانے جا پہنچی۔ وہی سب انسپکٹر جہانزیب اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ مہرالنسا نے اسے ساری بات بتائی، وہ فوراً حرکت میں آیا اور جائے وقوعہ پر اس نے زہرہ کی جیپ اور اس کے بدنصیب گارڈز کی لاشیں بھی دریافت کرلیں۔ چھیما اور اس کے نامعلوم ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر کٹ گئی۔ زہرہ تو براہِ راست ممتاز خان کے خلاف بھی کارروائی کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت ہمراہ ستارہ بیگم اور کچھ لوگ بھی تھے۔ تاہم ستارہ بیگم نے ہی انسپکٹر جہانزیب کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد ممتاز خان کے خلاف مصلحتاً پرچہ نہیں کٹوایا۔ مشورے کے مطابق ممتاز خان پر سرِدست پرچہ کٹوانا مناسب نہ ہوتا۔ بات لمبی ہوسکتی تھی اور کیس بھی طول پکڑ جاتا اور کمزور بھی۔ چھیما، ممتاز خان کا دستِ راست تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس کے منہ سے یہ اگلوانا پولیس کا کام ہوتا کہ اس نے یہ سب خونی کارروائی کس کے حکم پر کی تھی۔ یوں بھی بعد میں بہت سے شواہد مل جاتے کہ وسیم عرف چھیما کس کا آدمی تھا، وغیرہ۔

چھیما کو پولیس ڈھونڈنے لگی اور بالآخر اسے اس کے چند ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ پھر جب زہرہ بانو کے سامنے ان سب کی شناختی پریڈ کروائی گئی تو اس نے چھیما سمیت ان سب کو پہچان لیا۔

زہرہ بانو مطمئن تھی۔ یہ اس سے اگلے دن کا ذکر ہے۔ زہرہ بانو اپنے علاج کی خاطر شہر آئی ہوئی تھی اور بیگم ولا میں مقیم تھی۔ البتہ چھیما اور اس کے ساتھیوں کو متوقع قرار واقعی سزا دلوانے کے لیے اس نے منشی فضل محمد اور لئیق شاہ کو سخت ہدایات دی تھیں کہ وہ روزانہ تھانے جا کر مذکورہ مجرموں کی سزا وغیرہ کے سلسلے میں بلاناغہ انسپکٹر جہانزیب سے ملتے رہیں۔ ادھر بیگم ولا میں پہلے سے محافظ گارڈز کے سربراہ کی حیثیت سے مقیم کمیل دادا کو جب زہرہ بیگم کے زخمی ہونے اور اس واقعے کا پتا چلا تو وہ سخت تشویش اور تفکر کا شکار ہوگیا۔

''بیگم صاحبہ! آپ بُرا نہ منائیں تو اب مجھے یہاں

چھوڑ کر مت جائیں۔ یہ وقت کی ضرورت ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔''

زہرہ بانو نے اس کی بات پر غور کرنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔ ''میری حفاظت کے لیے اللہ کافی ہے۔ جب موت آنی ہوگی تو کیا تمہارے ہوتے ہوئے نہیں آئے گی؟'' بیگم صاحبہ کی بات پر کبیل دادا لاجواب ہوگیا۔

وہ بولا۔ ''بیگم صاحبہ! اللہ تعالیٰ تو سب کا پالن ہار ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان آنکھیں بند کر کے آگ کے دریا میں چھلانگ لگا دے۔ اپنی حفاظت کا بھی آخر حکم اللہ نے ہی دیا ہے۔ میرا خیال ہے میں یہاں خود کو ضائع کر رہا ہوں۔''

''کیسے ضائع کر رہے ہو تم خود کو؟'' زہرہ بیگم نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم یہاں کسی جھونپڑی کی حفاظت پر مامور نہیں کیے گئے ہو کبیل! یہ کروڑوں کی پراپرٹی ہے جس پر میرے اپنے حریصانہ نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک بہادر اور جی دار انسان ہو۔ اس لیے تو میں نے تمہاری ہمت تمہاری دلیری اور جاں نثاری کو پہلے ہی بھانپتے ہوئے تمہیں یہاں متعین کر رکھا ہے۔''

''پر بیگم صاحبہ! آپ کی جان اس کوٹھی سے تو زیادہ قیمتی ہے نا۔'' کہتے ہوئے کبیل دادا نے گہری نظر بیگم صاحبہ کے حسین چہرے پر ڈال کر جھکا لی۔

''تم اس کی فکر نہ کرو کبیل دادا... ایک تمہارے جیسا ہی بہادر اور وفادار ساتھی نئے پنڈ میں بھی موجود ہے اور مجھے تم دونوں پر ہمیشہ فخر رہے گا۔'' اس کی بات سن کر کبیل دادا چپ ہو رہا۔

زہرہ بانو نے آخر میں اس کی بھی تعریف کرتے ہوئے اس فخر کا اظہار کیا تھا کہ اس نے بڑی جی داری اور بہادری کے ساتھ بیگم ولا سے ممتاز خان کے حواریوں کا نہ صرف قبضہ چھڑایا تھا بلکہ انہیں مار بھگایا بھی تھا۔

بیگم صاحبہ کے لبوں سے اپنی تعریف سن کر کبیل دادا بالکل بچوں کی طرح خوش ہوگیا۔

زہرہ بانو تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی تیسرے دن لئیق شاہ نئے پنڈ سے سیدھا بیگم ولا پہنچا۔

وہاں متعین گارڈز کو کبیل دادا کی طرف سے سخت تاکید تھی کہ جو بھی نو وارد آئے سب سے پہلے اسے اس کے پاس لایا جائے۔ لہٰذا لئیق شاہ کو سب سے پہلے کبیل دادا کے کمرے میں لایا گیا جو بیگم ولا کے وسیع و عریض احاطے کے بڑے گیٹ کے قریب ہی بنا ہوا تھا۔

لئیق شاہ ان کے لیے نو وارد ہی تھا کیونکہ وہ پہلی بار بیگم ولا آیا تھا اور زہرہ بانو کو ایک اہم چونکا دینے والی اطلاع پہنچانے آیا تھا۔ وہ تنہا تھا اور مسافر لاری میں آیا تھا۔

بیگم ولا کے قوانین کے مطابق جب لئیق شاہ کو کبیل دادا کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اپنے جیسے ایک گرانڈیل اور لمبے چوڑے نوجوان کو دیکھ کر تھوڑا چونکا تھا تاہم کھنڈی ہوئی سنجیدگی سے بولا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''لئیق شاہ۔''

''کہاں سے آئے ہو؟ اور بیگم صاحبہ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

جواباً لئیق شاہ نے سپاٹ متانت سے جواب دیا۔ ''میں نئے پنڈ سے بیگم صاحبہ کے لیے ایک اہم خبر لایا ہوں اور تم اب سوالوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے بیگم صاحبہ کو فوراً میری آمد کی اطلاع دو۔''

لئیق شاہ کا لہجہ کبیل دادا کو پسند نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں کبیل دادا، لئیق شاہ سے ایک نامعلوم سی رقابت محسوس کرنے لگا ــ اب اس بے چارے کو کیا پتا تھا کہ جس شخص کو وہ سوال جواب کی کسوٹی میں پرکھنے میں مصروف ہے وہ اس کی بیگم صاحبہ کے دل میں کیا مقام رکھتا ہے۔

''ہولے کا کے! ذرا ہولے... یہ یہاں کے اصول ہیں۔ بیگم صاحبہ کو کب سے جانتے ہو؟''

کبیل دادا نے ہلکے سے چڑ کر کہا۔ اسے لگا تھا کہ اس کا یہ سوال قطعاً غیر متعلق تھا اور نہ جانے کس خفتہ جذبے تلے اس کے ہونٹوں پر آیا تھا۔ ادھر لئیق شاہ کا بھی پارا چڑھنے لگا۔ جوشیلا وہ بھی کم نہ تھا۔ کبیل دادا کو گھور کے بولا۔

''تم صرف بیگم صاحبہ سے یہ کہہ دو کہ نئے پنڈ سے لئیق شاہ آیا ہے۔ تمہیں سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔''

اس کے یوں پُراعتماد لہجے میں یہ الفاظ ادا کرنے پر نہ جانے کیوں یکلخت کبیل دادا کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوگئیں۔

خونی رشتوں کی خودغرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

نسیم انجم

منظر امام

شادی ہر دل کا خواب ہوتا ہے... اسے بھی اپنے لیے ایک حسین و دلکش لڑکی کی تلاش تھی... حسنِ اتفاق سے یہ گوہرِ نایاب وہ اپنے گھر کے آس پاس ہی دریافت کر بیٹھا... شادی سے پہلے کی بے قراریاں اور اس کے بعد کی خود سپردگیاں اس کے پردۂ ذہن پر ان مٹ نقوش ثبت کر گئیں... فنکار گھرانے سے ٹکراؤ کا سنسنی خیز و پُرشگفتہ احوال...

اس جاوداں لمحے کے مضمرات جو اسے تمام زندگی جھیلنے تھے... لبوں پر تبسم بکھیر دینے والا شگر پارہ...

بہت پیاری لڑکی تھی۔

وہ لڑکی مجھے سبزی کے ٹھیلے کے پاس کھڑی دکھائی دی اور میں بھی سبزی لینے کے بہانے اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ابھی میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ سبزی والے نے پوچھا۔ ”کیا چاہیے بھائی جان۔“

”بھائی، پہلے اِن کو نمٹا دو۔“ میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”ان کی فکر نہ کریں بھائی جان، ان کو بہت کچھ لینا

ہے۔ آپ اپنی بات کریں اور روانہ ہو جائیں۔''

عجیب بدتمیز قسم کا سبزی والا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی بھی زیرِلب مسکرا رہی تھی۔ میں نے مجبوراً دو کلو آلو خریدے اور آگے بڑھ گیا۔

اگر وہ لڑکی سبزیاں خرید رہی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسی محلے کی ہے۔ ورنہ محلے سے باہر کے لوگ یہاں آ کر سبزیاں نہیں خریدیں گے۔

میں کچھ فاصلے پر جا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ لڑکی اور سبزی والا مجھے نہ دیکھ سکیں۔ کچھ دیر بعد لڑکی شاپر اٹھائے ایک طرف جاتی دکھائی دی۔

میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ اس کا گھر دیکھ لوں۔ ابھی تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ کسی نے آ کر میرا شانہ پکڑ لیا۔ میں نے جھنجلا کر دیکھا۔ یہ وہی سبزی والا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''صاحب آپ اپنی یہ ٹوپی میرے ٹھیلے پر بھول آئے تھے۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک بے ڈھنگی سی ٹوپی کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں بھائی، یہ میری ٹوپی نہیں ہے۔'' میں غصے سے بولا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بھائی جان، میرے ٹھیلے پر آپ اور اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی آیا ہی نہیں تھا اور یہ ٹوپی اس لڑکی کی تو نہیں ہو گی۔''

''کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو؟'' میں غصے سے چلانے لگا۔ ''نہیں ہے یہ میری ٹوپی۔''

''اچھا اچھا نہیں ہو گی۔ ناراض کیوں ہو رہے ہو بھائی جان۔''

وہ ٹوپی لے کر واپس چلا گیا لیکن اتنی دیر میں وہ لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ اس کم بخت سبزی والے نے سارا کام خراب کروا دیا تھا۔

بہرحال وہ لڑکی آنکھوں کے راستے میرے دل میں اتر چکی تھی۔ اگر وہ اسی محلے کی تھی تو کبھی نہ کبھی دوبارہ ضرور ملتی۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے۔ جذبۂ عشق سلامت ہو تو انشاء اللہ۔ کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے۔ میں دو کلو آلو گھر لے کے آ گیا۔

اب میری نگاہیں اسی کو تلاش کیا کرتیں اور ایک دن وہ پھر دکھائی دے گئی۔ اس بار بھی وہ اکیلی ہی تھی اور کسی دکان سے گروسری لے رہی تھی۔ میں بھی چینی لینے کے بہانے اس دکان پر کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکی نے مجھے دیکھا۔۔۔ اس کی آنکھیں یہ ظاہر کرنے لگیں کہ وہ مجھے پہچان چکی ہے اور شاید اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہو گا کہ میں اس کو دیکھ کر رکتا ہوں اور خوامخواہ کی خریداری کرنے لگتا ہوں۔

وہ لڑکی اس دکان دار سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے پرسوں جو مجھے کولڈ کریم دی تھی، وہ تو ایکسپائر تھی۔''

''تو آپ واپس لے آتیں نا۔''

''بس لانا بھول گئی۔ ابھی صرف بتا رہی ہوں۔ آپ ایسی چیزیں شاپ پر نہ رکھ کریں۔''

اس وقت میں نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اتفاق سے یہ اچھا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ ''یہی تو پرابلم ہے محترمہ کہ ہمارے یہاں کے لوگ ایسی باتوں پر دھیان ہی نہیں دیتے۔ نہ دکان دار اور نہ خریدار۔''

''جی ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' لڑکی نے کہا۔

ابتدا ہو چکی تھی۔ اب میں اس سے کچھ اور کہنے والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ وہی سبزی والا تھا۔ دل چاہا کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔ ''اب کیا بات ہو گئی؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟''

''صاحب! آپ کو یاد کیوں نہیں آ رہا کہ وہ ٹوپی آپ ہی کی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا بکواس ہے۔'' میرا پارا اب گرم ہو گیا تھا۔ ''تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔''

''بھائی جان، برا نہ مانیں، یہ میری عادت ہے جب تک کسی کی چیز اس کو واپس نہ چلی جائے، مجھے نیند نہیں آتی اس لیے جب میں نے آپ کو یہاں دیکھا تو دوڑا ہوا یہاں تک چلا آیا۔''

اب اتنی دیر میں وہ لڑکی پھر غائب ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے اس کا مجھ سے کیا تعلق تھا جو میری خاطر دکان پر کھڑی رہتی۔

یہ کم بخت سبزی والا تو میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ دونوں دفعہ جب میں اس لڑکی کے قریب ہونے لگا تو یہ کم بخت ٹپک پڑا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ تیسری بار بھی کچھ ایسا ہی ہو جائے۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ اب اس ٹوپی کا معاملہ ختم ہی کر دوں تو بہتر ہے۔

''ہاں یار۔'' میں نے افسوس کے انداز میں اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ''یار! میں بھی واقعی بہت بھلکّڑ ہو گیا ہوں۔ بہت سی باتیں یاد ہی نہیں رہتیں۔ وہ ٹوپی میری ہی ہے۔ بہت بہت شکریہ بھائی کہ تم نے اسے سنبھال کر رکھا ہوا

ہے۔ لاؤ دے دو مجھے۔"

"وہ تو آپ کی امانت ہے بھائی لیکن مجھے ایک اور بات یاد آرہی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"وہ اے نائن والے محمود صاحب بھی ایسی ہی ٹوپی پہن کر آتے ہیں۔ بس ایک بار اُن سے پوچھ لوں پھر آپ کو دے دوں گا۔"

میرا تو بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔ کم بخت کیسا آدمی تھا۔ وہ اپنے ٹھیلے کی طرف واپس چلا گیا اور میں ہونقوں کی طرح وہیں کھڑا رہا۔

"جی بھائی جان آپ فرمائیں، آپ کو کیا لینا ہے؟" دکان دار نے مخاطب کیا۔

"کچھ نہیں بھائی۔" میں بہت بددل ہو کر غصے میں وہاں سے واپس آ گیا۔ کم بخت سبزی والے کی وجہ سے سارا کام ایک بار پھر خراب ہو گیا تھا۔

دو چار دنوں کے بعد وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ وہ اس بار بھی کسی دکان پر تھی۔ پتا نہیں کیا شوق تھا اس کو۔ اب مجھے تو کچھ لینا نہیں تھا پھر بھی میں اس سے قرب کی خاطر اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہاں جا کر پتا چلا کہ وہ دکان میک اپ کے سامان کی تھی اور وہ لڑکی نیل پالش لینے آئی تھی۔ اب میں کیا کرتا۔ میں تو نیل پالش لینے سے رہا۔

اس لڑکی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور اس بار اس نے خود مخاطب کیا۔ "تو جناب! آج کیا چیز لینی ہے آپ کو۔"

"وہ سبزی والا کچھ لینے کی مہلت دے تب تو لوں۔" میں ہنس کر بولا۔

تو یہ تھی اس لڑکی سے پہلی باضابطہ قسم کی گفتگو۔ "مجھے جمشید کہتے ہیں۔" میں نے فوراً ہی اپنا نام بتایا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کا نام تو نہیں پوچھا تھا؟" لڑکی نے کہا۔

"ہاں پوچھا تو نہیں تھا لیکن بتا دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"چلیں، آپ نے بتا دیا ہے تو میں بھی بتا دوں۔ میں نسیم انجم ہوں۔" اس نے کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتا، وہی سبزی والا پھر ٹپک پڑا۔ اس کو دیکھتے ہی میرا پارا چڑھ گیا۔ کم بخت ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

"اب کیا بکواس کرنے آئے ہو؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"صاحب! آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کس بات کی معافی؟"

"وہ ٹوپی اے نائن والے محمود صاحب ہی کی تھی۔ میں خوامخواہ آپ کے پیچھے پڑا رہا۔"

"ابے تو بات تو ختم ہو گئی تھی نا، اب میرے پاس دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"نہیں صاحب، یہ تو میرا اخلاقی فرض تھا۔" اس نے کہا۔ "مجھے کل رات بھر نیند نہیں آئی۔ یہی سوچتا رہا کہ کس طرح آپ سے معافی مانگوں۔"

"اچھا اب جاؤ۔" میں نے غصے سے کہا۔

شکر ہے کہ سبزی والے سے گفتگو کے دوران میں وہ لڑکی کھسک نہیں گئی بلکہ وہیں کھڑی ہنسے چلی جا رہی تھی۔ سبزی والے کے جانے کے بعد اس نے کہا۔ "یہ سبزی والا تو آپ کے پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔"

"لعنت ہو اس پر، کم بخت اسی وقت ٹپک پڑتا ہے جب میں آپ سے کچھ کہہ رہا ہوتا ہوں۔"

"ہاں، کچھ لوگ ایسے ہی بے موقع ظاہر ہوتے ہیں۔"

"اب اگر دوبارہ آیا تو ہاتھ مار دوں گا سالے کو۔"

لڑکی نیل پالش لے چکی تھی۔ وہ دکان سے ہٹ گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ ہم ایک طرف کھڑے باتیں کرنے لگے۔

لڑکی نے بتایا کہ وہ لوگ اس محلے میں نئے آئے ہیں۔ اس کے باپ کی صدر میں دکان ہے اور پانچ بہنیں ہیں۔ وہ خود کالج میں پڑھ رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے بھی اسے اپنے بارے میں بتا دیا کہ میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں۔

وہ جتنی خوب صورت تھی، اس کے بولنے کا انداز بھی اتنا ہی دلکش تھا۔ بہت بھولا بھالا انداز تھا اس کا۔ کچھ دیر بعد اس نے چونک کر کہا۔ "اچھا جی، میں تو چلتی ہوں۔"

"کیا میں امید رکھوں کہ تم سے پھر ملاقات ہو سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تو آپ سبزی والے سے پوچھ لیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "اگر اس نے اجازت دے دی تو ضرور ملاقات ہو گی۔"

میرے منہ سے سبزی والے کے لیے گالی نکلتے نکلتے رہ گئی۔

''لعنت بھیجو جی سبزی والے پر۔'' میں نے کہا۔ ''تم بتاؤ تم ملو گی یا نہیں۔''

''میں شام پانچ بجے اسٹائلش کوچنگ سینٹر جاتی ہوں۔'' اس نے بتایا۔ ''چھ بجے وہاں سے نکلتی ہوں۔''

بس اس نے اشارہ دے دیا تھا کہ میں اسٹائلش کوچنگ سینٹر پر آ کر مل سکتا ہوں۔ اس کے بعد ہماری باقاعدہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔

وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے ساتھ فلرٹ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اسے جیون ساتھی بنایا جا سکتا تھا۔ میں اس کے لیے روز بروز سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک دن جب ہم ایک ریسٹوران میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''نسیم ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہارا کہیں رشتہ وغیرہ ہوا ہے؟''

''نہیں، ابھی تک نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''رشتے آتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا نہیں آیا ہے جس پر غور کیا جا سکے۔''

''کیا میرے لیے غور کر سکتی ہو؟''

وہ شرما گئی۔

''بتاؤ نا، کیونکہ اب میں اپنی زندگی میں تمہاری ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔''

''اب میں خود کیا جواب دوں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ اپنا رشتہ لے کر کسی کو ہمارے یہاں بھیج دیں۔''

''تمہارے والدین کی کچھ شرائط وغیرہ تو نہیں ہیں؟''

''شرائط کیا ہوتی ہیں، بس یہی کہ لڑکا پڑھا لکھا اور مہذب ہو۔'' اس نے کہا۔

''وہ تو خیر میں ہوں۔''

''آپ کے یہاں کوئی ہے جو آ سکے؟'' اس نے پوچھا۔

''میری ایک خالہ ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''تو بس اُن کو بھیج دیں لیکن ذرا جلدی۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کیس آپ کے ہاتھ سے نکل جائے۔''

میں دوسرے ہی دن خالہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئیں۔ کیونکہ میں جب بھی ان کے پاس جاتا۔ ان کے ہاتھ پر ہزار پانچ سو ضرور رکھ دیتا۔ اس بار بھی میں نے ہزار کا نوٹ سلام دعا کرتے ہی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''ارے بیٹا، اتنے دنوں کے بعد کیوں آتا ہے؟''

''بس خالہ کیا بتاؤں، رات دن کی مصروفیت رہتی ہے۔''

''میں تو کہتی ہوں شادی کر لے۔''

''اسی لیے تو آج آیا ہوں خالہ۔'' میں نے کہا۔ ''لڑکی دیکھ لی ہے میں نے۔''

''سچ بتا۔''

''ہاں خالہ۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اس پسند کرنے لگا ہوں۔''

''اور لڑکی؟ اس کا کیا خیال ہے تیرے بارے میں؟''

''وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔''

''ہائے ہائے کیا اندھی لڑکی ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو خالہ؟'' میں بھڑک اٹھا۔ ''مجھ میں کیا خرابی دیکھ لی تم نے؟''

''ارے ناراض کیوں ہو گیا۔ چل چھوڑ۔ یہ بتا نام کیا ہے اس لڑکی کا؟'' خالہ نے پوچھا۔

''نسیم انجم۔''

''ہاں، نام تو اچھا ہے۔''

''لڑکی بھی بہت اچھی ہے خالہ۔'' میرا موڈ کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ ''تم ان کے گھر چلی جاؤ۔ میرے ہی محلے میں رہتی ہے۔ شریف لوگ ہیں۔''

''چلی جاؤں گی بیٹا۔'' خالہ نے کہا۔ ''بس کچھ دن لگیں گے۔''

''کیوں؟''

''ارے بیٹا! اس مہینے مکان کے کرائے کا بندوبست کرنا ہے۔'' خالہ نے کہا۔ ''تم تو جانتے ہو بیٹا، آٹھ ہزار کرایہ دیتی ہوں۔ پانچ ہزار کا بندوبست ہو گیا ہے۔ تین ہزار رہتے ہیں۔ وہ ہو جائیں تو چین مل جائے۔''

''خالہ بلیک میل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا۔'' میں جھلا کر بولا۔ ''تین ہزار مجھ سے لے لینا۔''

''پھر تو میں آج ہی چلی جاؤں گی۔''

''بات پکی کر کے آنا خالہ۔''

''بس تو میرا کارنامہ دیکھ لینا۔''

شام کے وقت میں نے خالہ کو نسیم انجم کے گھر پہنچا دیا۔ اس دوران میں نسیم انجم مجھے اپنے مکان کا ایڈریس سمجھا چکی تھی۔

میں نے خالہ سے کہہ دیا تھا کہ میں کونے والے ہوٹل میں بیٹھا ہوں۔ ''بس خدا کا نام لے کر جاؤ اور کوئی اچھی سی خبر لے کر آجاؤ۔''

خالہ کی واپسی آدھ گھنٹے بعد ہی ہوئی تھی۔ ''ارے بیٹا، کیا قسمت ہے تیری۔ وہ لوگ تو جیسے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ فٹافٹ رشتہ منظور کر لیا۔''

''کیا کہہ رہی ہو خالہ؟'' مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''ہاں بیٹا، اب اس کا باپ تمہیں دیکھنے کے لیے آئے گا۔ میں نے تیرے گھر کا پتا بتا دیا ہے۔''

''کب آئیں گے خالہ؟''

''پرسوں۔''

''خالہ، یقین جانو، تم نے کیا کام دکھایا ہے۔'' میں خوشی سے نہال ہوا جارہا تھا۔ ''تم نے جو کہا، وہ کر دکھایا ہے۔''

''پرسوں شام کو میں بھی آجاؤں گی تیرے پاس۔ کچھ ناشتے وغیرہ کا بندوبست کر لینا۔''

''تم اس کی فکر مت کرو خالہ۔ ایسا بندوبست کروں گا کہ سب حیران رہ جائیں گے۔''

''اور ہاں، ایک بات اور۔ یہ بنّے میاں ذرا مختلف قسم کے انسان ہیں۔ دوٹوک بات کرتے ہیں۔''

''اور یہ بنّے میاں کون ہیں؟''

''ارے وہی لڑکی کے ابا۔'' خالہ نے بتایا۔ ''ایسی باتیں کرتے ہیں کہ سامنے والا سلگ کر رہ جائے لیکن ان کے سامنے بالکل ٹھنڈے رہنا۔ ان کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔''

''اچھا ہوا خالہ جو تم نے سمجھا دیا۔ اب میں دیکھ لوں گا بنّے میاں کو۔''

مقررہ دن اور وقت پر وہ لوگ آگئے۔ صرف میاں بیوی تھے۔ نسیم انجم کے ماں اور باپ۔ جبکہ خالہ دوپہر میں آگئی تھیں۔

میں نے کیک، بسکٹ اور مٹھائی کا بندوبست کر دیا تھا جبکہ خالہ نے شامی کباب بنا لیے تھے۔

سلام دعا کے بعد بنّے میاں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ مکان تمہارا ہی ہے؟''

''جی جناب۔''

''اسی لیے اتنا بیکار ہے۔'' بنّے میاں نے کہا۔ ''لوگوں کے پاس پیسا تو آجاتا ہے لیکن اچھا ذوق نہیں آتا۔ کتنی بے ڈھنگی کلر اسکیم ہے اس کی۔''

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ''جناب! یہ مکان میرے والد نے بنوایا تھا۔'' میں نے بتایا۔

''ماشاء اللہ!'' اس نے اپنی گردن ہلائی۔ ''دونوں باپ بیٹے ایک ہی مزاج کے ہو۔''

میں نے سوچا کہ ایسی شادی پر لعنت بھیج دوں۔ یہ شخص تو مسلسل توہین کیے چلا جارہا ہے۔ میں نے خالہ کی طرف دیکھا تو وہ بے چاری آنکھ کے اشارے سے سمجھا رہی تھیں کہ خبردار خاموش رہو۔ بولنے دو اس کو۔

خدا بھلا کرے اس کی بیوی کا۔ اس نے عین وقت پر بنّے میاں کو ٹوک دیا۔ ''یہ آپ نے کیسی باتیں شروع کر دیں۔ لڑکے سے کچھ پوچھیں تو سہی۔''

''کیا پوچھوں، یہ تو صورت ہی سے بے وقوف نظر آرہا ہے۔''

میرا خیال ہے کہ رشتے کے سلسلے میں ایسی گفتگو شاید کسی نے نہ سنی ہوگی۔ یا تو وہ شخص پاگل تھا یا مجھے پاگل بنانے آیا تھا۔

''دیکھو میاں۔'' اس نے اس بار لہجہ بدل کر کہا۔ ''تم تو مجھے پہلی نظر میں اچھے لگے تھے۔ خاندانی شرافت تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی ہے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔'' میں نے ادب سے گردن جھکالی۔ اب میرا موڈ بھی یکسر بدل گیا تھا جبکہ خالہ اطمینان کی سانسیں لے رہی تھیں۔

''میں صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ تم میں کتنی قوتِ برداشت ہے۔'' بنّے میاں نے کہا۔ ''کتنا صبر ہے تم میں۔ کیونکہ آج کل کے لڑکے بہت جلدی ہائپر ہوجاتے ہیں۔''

''نہیں جناب، میں ویسا نہیں ہوں۔''

''وہ تو دیکھ لیا ہے میں نے۔'' اس نے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ چھوڑ کر بھاگ تو نہیں جاؤ گے؟''

''چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا؟'' میں نے حیرت سے اس کو دیکھا۔ ''کس کو چھوڑ کر بھاگوں گا؟''

''ارے میاں، جس سے تم نے شادی کا سوچا ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب۔ میاں بیوی کا رشتہ کوئی کھیل نہیں ہوتا۔ زندگی بھر کا ساتھ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوجاتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ مسکرا دیا۔ ''ویسے یہ سوال بھی میں نے اس لیے پوچھا تھا کہ آج کل کے لڑکے بہت موڈی ہیں اسی لیے ہر بیٹی کے باپ کو خدشہ رہتا ہے۔''

''نہیں جناب آپ اطمینان رکھیں۔ ایسی کوئی بات

نہیں ہوگی۔ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا جب میں نسیم انجم کو چھوڑنے کا سوچوں گا۔"

"ہائے ہائے دیکھیں تو سہی۔" اس کی بیوی نے کہا۔ "لڑکا کتنے اچھے اچھے ڈائیلاگ بول رہا ہے۔ اب تو ہاں کردیں۔"

"چلو، اب تو ہاں کردیتا ہوں۔" بتے میاں نے کہا۔

"مبارک ہو۔" خالہ بھی بول پڑیں۔

"اب جلدی سے برات کی تیاری کرلو میاں۔"

"جی جناب، میری طرف سے تو بالکل تیاری ہے۔"

"تو بس ہمیں بھی تیار سمجھو۔ اب کسی دن تاریخ طے کرلیتے ہیں۔"

سب کچھ جھٹ پٹ ہوگیا تھا۔ تاریخ بھی طے ہوگئی اور شادی بھی ہوگئی۔ ہاں اس دوران میں ایک بار بھی نسیم انجم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ہم ایک ہونے والے تھے۔

بہر حال شادی ہوگئی جو سادگی سے ہوئی تھی۔ ویسے بھی دھوم دھڑکا کیا کرنا تھا۔ شاید یہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ جب نسیم انجم جیسی لڑکی میری بیوی بن گئی تھی۔

اب میرا اس کا جنم جنم کا ساتھ تھا۔ میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اس کو خوش رکھنے کے لیے دن رات محنت کروں گا۔ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔

خدا خدا کر کے رات ایک بجے کے قریب مہمان رخصت ہوئے تو میں حجلۂ عروسی میں آگیا۔ نسیم انجم دلہن بنی گھونگھٹ نکالے بیٹھی تھی۔

میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ "دیکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سبزی والا یہاں بھی ٹپک پڑے۔"

"کون سبزی والا؟"

"کیا تم سبزی والے کو بھول گئیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "ارے وہی جو بار بار ہمارے درمیان آجاتا تھا۔"

"پتہ نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

اور اس وقت مجھے خیال آیا کہ اس کی تو آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے اس کا گھونگھٹ ہٹا دیا۔ او خدا! یہ تو کوئی اور تھی۔ ایک بھدی سی لڑکی۔ موٹے موٹے ہونٹ اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔

"کون ہو تم؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"میں نسیم انجم ہوں۔ آپ کی بیوی۔"

"بکواس کرتی ہو۔ تم نسیم انجم نہیں ہو۔"

"خدا کے لیے یقین کریں مجھ پر، میں نسیم انجم ہوں۔"

"تو پھر وہ کون ہے۔ دبلی پتلی سی جس کے ہونٹوں کے پاس تل ہے۔"

"وہ میری بہن ہے۔ نسیم انجم۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ وہ بھی نسیم انجم ہوگئی۔"

"ہاں، آپ یقین کریں۔ ہم پانچ بہنیں ہیں۔ اور سب کے نام نسیم انجم ہیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہے سرتاج، میں نسیم انجم اول ہوں۔ میرے بعد والی نسیم انجم دوم ہے۔ اس کے بعد والی نسیم انجم سوم ہے۔ اس کے بعد چہارم اور پنجم ہیں۔ آپ جس نسیم انجم میں بات کررہے ہیں، وہ نسیم انجم سوم ہے۔"

"یہ کیسا لغتی خاندان ہے۔"

"ایسا ہی ہے سرتاج۔" اس نے کہا۔ "نسیم انجم دوم اور چہارم کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ ان دونوں کے شوہر بھی نسیم انجم ہیں۔"

"پھر تو تمہاری اماں اور بابا بھی نسیم انجم ہوں گے۔" میں جل کر بولا۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔ ابا کا نام نسیم انجم سینئر ہے اور اماں نسیم انجم جونیئر ہیں۔"

"لیکن تمہارے ابا کا نام تو بتے میاں ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ تو پیار کا نام ہے۔ اصل نام نسیم انجم ہی ہے۔ اور ہاں ایک بات اور بتا دوں۔ آپ میری جس بہن کی بات کررہے ہیں، وہ نسیم انجم سوم ہے اور اس کی منگنی بھی نسیم انجم ہی سے ہونے والی ہے۔"

اب اس کے بعد میرے پاس کچھ سننے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اس لیے میں اس کمرے سے نکل بھاگا۔

اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کیسی کہانی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔ لیکن میں اگر آپ کو سمجھا دوں تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

فرض کریں ہمارے اربابِ اختیار نسیم انجم ہیں اور وہ لوٹ کھسوٹ میں مبتلا ہیں اور ان کی شرط یہی ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ جو آکر ملے گا، اسے بھی نسیم انجم بننا پڑے گا۔ تو آپ ذرا نظر دوڑائیں کیا اوپر سے نیچے تک سب ہی نسیم انجم نہیں ہیں۔ کیا ہر ادارے میں نسیم انجم نہیں بیٹھے ہیں؟"

ذرا سوچ کر جواب دیں... صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

گہری سازش

عکس فاطمہ

کسی بھی سازش کے جوڑ توڑ کو بھانپنا... قتل کی وجوہ دریافت کرنا... باریک بیں ذہن کی کارگزاری و کارکردگی پر مشتمل ہوتا ہے... ایک ایسے ہی پیچیدہ معما کیس کی دلچسپ روداد... قاتل تمام تر ثبوت و شواہد کے ساتھ موجود تھا... مگر اسے کوئی قاتل تسلیم کرنے پر راضی نہ تھا... سراغرسی سے دلچسپی رکھنے والے مداحوں کے لیے کامیابی سے قریب تر ہونے کے نکات و مشاہدات کا بہترین شاہکار نامہ...

ایک البیلی و نشیلی دوشیزہ کے شب و روز اس نے اپنے عشاق کے دلوں میں حسد و رشک کے شعلے بھڑکا دیے تھے...

روہنگ اپنے کمرے میں بیٹھا ایک میگزین پڑھ رہا تھا کہ گھنٹی کی آواز نے اسے اپنی جگہ سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لیے سیڑھیاں اتر کر نیچے گیا۔ وہاں ایک درمیانی عمر کا شخص عمدہ تراش خراش کا سوٹ پہنے ایک ہاتھ میں بریف کیس لیے کھڑا تھا۔

''میرا نام جھانگ ہے اور میرا تعلق ہوالین کاؤنٹی پولیس بیورو سے ہے۔ ہماری فون پر بات ہو چکی ہے۔''

''اندر آجاؤ۔'' روہنگ نے کہا اور اسے اپنے ساتھ

لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ جھانگ نے صوفے پر بیٹھ کر بریف کیس سے ایک لفافہ نکالا اور روہنگ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کیپٹن تانگ نے یہ خط بھیجا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ایک نظر دیکھ لو۔''

روہنگ نے لفافہ کھول کر خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ ''جھانگ میرا اچھا دوست ہے اور بیڈمنٹن کورٹ قتل کیس کی تحقیقات کر رہا ہے جو اپنی نوعیت کا انوکھا اور ناقابلِ تشریح معما ہے۔ تم نے گزشتہ کیس میں جو ہماری معاونت کی تھی، اس کے پیشِ نظر میں نے جھانگ کو تم سے مشورہ کرنے کے لیے کہا ہے۔ امید ہے کہ مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ تانگ چونگ کن۔''

روہنگ نے اسے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری مدد کر کے خوشی ہوگی لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس واقعے کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔''

''یونیورسٹی انتظامیہ کی درخواست پر اخبارات کو بہت کم تفصیلات فراہم کی گئی تھیں لہٰذا تمہیں یہی تاثر ملے گا کہ یہ ایک سیدھا سادہ کیس ہے جس میں قاتل نے سزا کے خوف سے خودکشی کر لی۔''

''بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کیا اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے؟'' روہنگ نے پوچھا۔

''ہاں، اندر کی کہانی کچھ اور ہے گو کہ تمام ثبوت ایک ہی نتیجے کی جانب اشارہ کرتے ہیں لیکن ایک دو باتیں اس کے حق میں نہیں ہیں۔''

''ایک سراغ رساں کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ وہ معمولی سے شک پر بھی پوری توجہ دے۔ تم کہو، میں سن رہا ہوں۔''

جھانگ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ قتل ایک ماوئبل جمنازیم میں ہوا تھا۔ یہ ایک چار منزلہ عمارت ہے جس کی پہلی منزل پر ڈیپارٹمنٹ آف فزیکل ایجوکیشن کے دفاتر ہیں۔ دوسری منزل پر تمام سہولتوں سے آراستہ اسپورٹس ہال ہیں جن میں مختلف اِن ڈور گیم کھیلے جاتے ہیں جن میں ٹیبل ٹینس، باسکٹ بال، والی بال، بیڈمنٹن اور ٹینس وغیرہ شامل ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکالا اور روہنگ کو پکڑاتے ہوئے بولا۔ ''یہ جمنازیم کا نقشہ ہے۔''

روہنگ نے غور سے نقشہ دیکھا۔ جھانگ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''لاش بیڈمنٹن ہال میں پائی گئی جو مشرقی تائیوان میں بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس میں چار بیڈمنٹن کورٹ ہیں۔ بدھ چھبیس نومبر کی شام ساڑھے سات سے ساڑھے نو بجے تک بیڈمنٹن ٹیم نے معمول کے مطابق ہفتہ وار پریکٹس کی۔ اس ٹیم میں کوچ کے علاوہ سولہ کھلاڑی ہیں لیکن اس شام صرف نو کھلاڑیوں نے پریکٹس میں حصہ لیا۔ سات غیر حاضر کھلاڑی جائے وقوعہ سے اپنی غیر موجودگی ثابت کر چکے ہیں اور پولیس کی تحقیقات سے یہ تصدیق ہوگئی کہ قتل کی واردات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

''ایک جونیئر کھلاڑی جیانگ ویسن نے آٹھ بج کر بیس منٹ پر کوچ سے جانے کی اجازت چاہی۔ کوچ خاصا نرم مزاج ہے چنانچہ اس نے اجازت دے دی۔ جانے سے پہلے جیانگ نے لباس تبدیل کیا چونکہ نومبر کے آخری ہفتے میں سردی بڑھ جاتی ہے لہٰذا اس نے جیکٹ اور سر پر اسکارف بھی باندھ لیا۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے اپنا بیگ لے کر وہاں سے روانہ ہوئی اور پھر کبھی واپس نہیں آئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی ٹیم کے کھلاڑی پریکٹس کرتے رہے۔ کوچ اور دو کھلاڑی بالترتیب ساڑھے نو اور نو بج کر چالیس منٹ پر روانہ ہوئے جبکہ بقیہ چھ کھلاڑیوں کی روانگی دس بجے کے قریب ہوئی جب کورٹ منیجر سیو جھی منگ وہاں آیا۔ اس نے تمام کھڑکیاں چیک کیں اور روشنیاں گل کر دیں۔ ان چھ کھلاڑیوں نے بھی اسے ہال کے دروازے کو تالا لگاتے دیکھا اور پھر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔''

''کیا کھڑکیوں کے علاوہ صرف وہی دروازہ ہال میں داخل ہونے کا واحد راستہ ہے؟'' روہنگ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' جھانگ نے جواب دیا۔ ''یہ سیو کا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ رات دس بجے کے قریب دفتر سے کمروں کی چابیاں لیتا اور اوپر جا کر کمروں اور ہال کی روشنیاں گل کر کے دروازوں کو تالا لگا دیتا اور دوسرے روز صبح آٹھ بجے وہی سارے تالے کھولتا تھا۔ اس رات وہ نو بج کر پچاس منٹ پر چابیاں لے کر اوپر گیا اور دس بج کر پانچ منٹ پر اس نے چابیاں واپس کر دیں پھر وہ جمنازیم کی عمارت سے روانہ ہوگیا۔ اس کی تصدیق دفتر میں موجود دو افراد سے ہوگئی ہے۔ ان میں ایک مسٹر چین اور دوسرا اس کا دوست ہے۔ وہ بھی سیو کے جانے کے بعد وہاں سے روانہ ہوگئے۔ درحقیقت چین ہی وہ شخص ہے جو تمام چابیاں ایک باکس میں رکھتا ہے۔ جب سیو نے چابیاں واپس کیں تو اس نے انہیں باکس میں رکھ کر تالا لگا دیا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اگر چابیوں والا باکس مقفل

ہوتو چین کے، علاوہ کوئی بھی شخص جیم کے کسی دروازے کی چابی حاصل نہیں کر سکتا۔''

''بالکل، اس کے علاوہ جمنازیم کو بند کرنے کی ذمے داری بھی اسی کی ہے۔ اس نے اس روز بھی ایسا ہی کیا اور سیو کے جانے کے بعد وہ بھی اپنے دوست کے ہمراہ وہاں سے چلا گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ اس رات جمنازیم میں کوئی شخص نہیں تھا۔ دوسری صبح آٹھ بجے تیان ہی یونیورسٹی کے دو طالب بیڈمنٹن کھیلنے کے لیے وہاں آئے تھے لیکن اس وقت بیڈمنٹن ہال کا دروازہ مقفل تھا۔ عین اسی وقت سیو بھی وہاں آ گیا۔ اس نے ہال کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی اندر قدم رکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ دونوں لڑکے بھی اس کے پیچھے گئے اور اندر کا منظر دیکھ کر ان کے قدم زمین پر جم گئے۔ دروازے کے پاس ہی ایک لڑکی فرش پر چت پڑی اور اس کی گردن کے گرد ایک اسکارف لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور زبان باہر نکل آئی تھی۔ سب سے عجیب بات یہ کہ اس کی لاش کے گرد تین قطاروں میں شٹل کاک رکھی ہوئی تھیں جو ایک سفید مثلث کی شکل میں نظر آ رہی تھیں۔ سیو نے اس لڑکی کی نبض دیکھی، وہ مر چکی تھی۔ شاید ان دونوں لڑکوں نے پہلی بار کوئی لاش دیکھی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب پولیس نے ان سے پوچھ گچھ کی تو ان میں سے ایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تاہم سیو بالکل پرسکون رہا۔ اس نے ان لڑکوں سے کہا کہ وہ نیچے جا کر پبلک ٹیلی فون سے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دیں اور وہ خود چیئرمین اور دوسرے اسٹاف ممبرز کو فون کرنے جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے چلا گیا، اس وقت تک دونوں طالب علم بھی صدمے کی کیفیت سے باہر آ چکے تھے۔ وہ بھی سیو کی ہدایت کے مطابق پولیس کو فون کرنے چلے گئے۔ وہ واپس آئے تو دیکھا کہ چیئرمین اور کئی اسٹاف ممبرز بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ دس منٹ بعد پولیس بھی وہاں آ گئی۔''

''مقتولہ کون تھی؟'' روہنگ نے پوچھا۔

''وہی لڑکی جیانگ جو وقت سے پہلے پریکٹس چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس کے گلے میں سرخ اسکارف کا پھندا ڈال کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔''

''میرے ذہن میں بھی اسی کا نام آیا تھا۔'' روہنگ نے کہا۔

''اب میں جو بات بتانے والا ہوں، وہ اس معاملے کا سب سے حیران کن نکتہ ہے۔'' پولیس کیپٹن پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''ان چھ کھلاڑیوں کے کہنے کے مطابق جو اس رات سب سے آخر میں گئے تھے، وہ جگہ بالکل خالی تھی اور تمام کھڑکیاں بند تھیں۔ ان کی اس بات سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے وہ کھڑکیاں چیک کی تھیں۔ انہیں اتنی مضبوطی سے بند کیا گیا تھا کہ ان میں سے ایک دھاگا بھی نہیں گزر سکتا۔ انہی چھ لوگوں نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ ہال کا دروازہ کورٹ منیجر نے بند کیا تھا اور اس کی چابی دفتر میں موجود بکس میں رکھوا دی تھی۔ ایسی صورتِ حال میں کوئی شخص رات دس بجے کے بعد بیڈمنٹن ہال میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں کسی لاش کا پایا جانا ناقابلِ یقین ہے۔''

''واقعی یہ ایک غور طلب سوال ہے۔'' روہنگ نے کہا۔

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مقفل کمرے میں لاش پہنچ جائے۔ قاتل نے یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا ہوگا؟''

''ایک منٹ۔'' روہنگ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''قتل کا وقت کیا تھا؟ پہلے ہمیں ایک ایک کر کے واقعے کا جائزہ لینا چاہیے اس کے بعد ہی کوئی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہوں گا کہ تم مجھے دروازے کی حالت کے بارے میں بتاؤ؟''

''میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ کے مطابق اس کی موت ساڑھے نو اور ساڑھے گیارہ کے درمیان واقع ہوئی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ جیانگ کورٹ سے جانے کے بعد بہت تھوڑی دیر زندہ رہی۔''

''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' جھانگ نے کہا۔ ''جہاں تک دروازے کا تعلق ہے تو اس پر بھی کھڑکیوں کی طرح کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی۔ دراصل صرف دو دن پہلے ہی دوسری منزل کے تمام تالے تبدیل کیے گئے تھے اور اگر دروازے پر زور آزمائی کی گئی ہوتی تو فوراً پتا چل جاتا۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ اس دروازے یا کھڑکیوں کے علاوہ اس ہال میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں کوئی روشن دان یا ایسا خلا ہو جس میں سے ایک آدمی بہ آسانی گزر سکے۔''

''ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے وہاں کوئی خفیہ راستہ یا پوشیدہ جگہ نہیں ہے۔ اگر دروازہ اور کھڑکیاں بند ہوں تو وہ ہال مکمل طور پر مقفل ہو جاتا ہے۔''

''اس لاش کے حوالے سے کوئی قابلِ توجہ بات؟''

''نہیں۔'' یہ کہہ کر جھانگ نے بریف کیس کھولا اور

اس میں سے ایک تصویر نکال کر روہنگ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ ''یہ لاش کی تصویر ہے۔''

تصویر میں لڑکی کا چہرہ بل کھایا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس کے دونوں بازو پھیلے ہوئے تھے اور دبلی ٹانگیں لکڑی کے مانند سخت نظر آرہی تھیں۔ اس کا ایک جوتا دائیں پاؤں کے برابر پڑا تھا جبکہ دوسرا بائیں پاؤں کے پنجے سے باہر آرہا تھا۔ اس کی گردن کے گرد ایک سرخ رنگ کا اسکارف پٹا ہوا تھا۔ لاش کے گرد شٹل کاک کی مثلث ایک پُراسرار منظر پیش کررہی تھی۔ روہنگ نے تصویر واپس کرتے ہوئے کہا۔

''لڑکی کا ایک جوتا پیر سے نکلا ہوا ہے۔ اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟''

''لگتا ہے کہ قاتل نے لاش کو بغلوں سے پکڑ کر گھسیٹا ہے اور اسی کشمکش میں جوتا پاؤں سے نکل گیا۔''

''کیا تمہارے پاس ہال کا نقشہ ہے؟'' روہنگ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' یہ کہہ کر جھانگ نے اپنا بریف کیس کھولا اور ایک کاغذ نکال کر روہنگ کو پکڑا دیا۔ ہال میں چار کورٹ ایک قطار میں بنے ہوئے تھے اور لاش کورٹ اے میں ملی تھی جو دروازے کے ساتھ اور مشرقی اسٹور کے سامنے تھا۔ جھانگ نے کہنا شروع کیا۔ ''کورٹ اے، دروازے سے بالکل قریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ قاتل نے لاش گھسیٹ کر وہاں اسی لیے رکھی، تاکہ دروازہ کھولتے ہی اس پر نظر جائے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' روہنگ نے کہا۔ ''اگر تمہاری بات کو درست مان لیا جائے تو تمام اشارے کورٹ منیجر سیو کی طرف جاتے ہیں، وہی ایک ایسا شخص ہے جو یہ قتل کرسکتا ہے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

''ہاں، جو چھ طالب علم سب سے آخر میں وہاں سے رخصت ہوئے ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہال بالکل خالی تھا اور کسی بھی کورٹ میں کوئی لاش نہیں پڑی ہوئی تھی بلکہ مشرقی اور مغربی اسٹور روم میں بھی انہوں نے کوئی لاش نہیں دیکھی۔''

''ان اسٹورز میں کیا رکھا جاتا ہے؟''

''جھاڑو، ماپ، کچرے کی ٹوکریاں، غیر استعمال شدہ نیٹ، شٹل کاک کے ڈبے اور دوسرا صفائی کا سامان۔''

''تمہیں وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی؟''

''ہم نے دونوں اسٹورز کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ وہاں کوئی لاش چھپادی جائے اور اس تمام تحقیق کے بعد ہم اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس رات دس بجے کے قریب بیڈمنٹن ہال میں کورٹ منیجر اور ان چھ کھلاڑیوں کے سوا کوئی اور زندہ یا مردہ شخص نہیں تھا۔ دس بج کر پانچ منٹ پر ہال کے دروازے کی چابی دفتر میں موجود باکس میں رکھ دی گئی جسے اگلے روز صبح آٹھ بجے کھولا گیا۔ اگر ان خطوط پر سوچا جائے تو صرف ایک مختصر وقفہ ایسا ہے جس میں مقتولہ کو بیڈمنٹن ہال تک رسائی ہوسکتی ہے یعنی دس اور دس بج کر پانچ منٹ کا درمیانی وقفہ جس میں سیو کو ہال میں تالا لگانے اور چابی چین کے حوالے کرتے دیکھا گیا۔''

''وہی پانچ منٹ بہت اہم ہیں۔'' روہنگ نے کہا۔

''اس کے علاوہ کسی اور وقت مقتولہ ہال میں داخل نہیں ہوسکتی تھی۔ گو کہ ان چھ کھلاڑیوں نے سیو کو ہال کے دروازے میں تالا لگاتے دیکھا تھا لیکن وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جانے کے بعد سیو نے وہ تالا کھولا ہوگا۔ اس جرم میں چین کا ملوث ہونا خارج از امکان ہے کیونکہ اسے وہاں کام کرتے ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے۔ ویسے بھی جائے وقوعہ سے اس کی غیر موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس رات ساڑھے گیارہ بجے تک اپنے دوست کے ساتھ تھا۔''

''میرا وجدان بھی یہ کہتا ہے کہ چین کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔'' روہنگ نے کہا۔

''ڈپلی کیٹ چابی استعمال کرنے کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ دوسری منزل کے تمام تالے وقوعہ سے صرف دو روز پہلے ہی تبدیل کیے گئے تھے اور چین کو پورا یقین ہے کہ دن بھر میں سیو کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے چابی کو ہاتھ نہیں لگایا اور وہ بھی ہمیشہ اسے فوراً ہی واپس کردیتا تھا۔''

اس کے بعد جھانگ نے اپنے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکالا۔ ''یہ خط لاش کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ اس پر بھی ایک نظر ڈال لو۔''

یہ ایک چھوٹا سا مستطیل نما کاغذ کا ٹکڑا تھا جس پر ایک مختصر سی تحریر ٹائپ کی گئی تھی۔ ''رات دس بجے بیڈمنٹن کورٹ میں ملو، وہاں صرف میں اور تم ہوں گے، سیو منگ۔''

''اس تحریر کے حوالے سے سیو سب سے زیادہ مشتبہ شخص بن جاتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیو نے بدھ کے دن کسی وقت یہ رقعہ جیانگ کو دیا ہوگا اور اسی لیے وہ وقت سے پہلے پریکٹس چھوڑ کر چلی گئی جبکہ سیو معمول کے

مطابق اپنے کام میں مصروف رہا۔ سب لوگوں کے جانے کے بعد جیا تنگ، وہاں پہنچی اور سیو نے دوبارہ تالا کھول دیا اور اس کے ساتھ ہال کے اندر چلا گیا۔''

''وہ دونوں بیڈ منٹن ہال میں کیوں گئے تھے؟'' روہنگ نے پوچھا۔

''ممکن ہے کہ وہ تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہتے ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جیا تنگ کو قتل کیا؟''

''میں صرف امکانات پر بات کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ اس نے فوری اشتعال کے تحت اسے قتل کیا ہو اور اس کے لیے لڑکی کا اسکارف استعمال کیا یا اس نے کسی تیز دھار آلے سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہو لیکن اسکارف دیکھ کر اس کا ارادہ بدل گیا ہو۔''

''دونوں ہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔'' روہنگ نے کہا۔

''میرے پاس ایک اور ثبوت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیو نے یہ قتل ایک منصوبے کے تحت کیا۔ میں وہ بعد میں دکھاؤں گا۔ بہرحال سیو نے لڑکی کی گردن میں پھندا ڈال کر اسے مار ڈالا پھر ایک اسٹور روم سے ساتھ شٹل کاک نکالیں اور لاش کے گرد تین قطاروں میں رکھ دیں پھر اس نے ہال میں تالا لگایا اور چابی نیچے دفتر میں واپس کر دی۔''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ شٹل کاک اسٹور سے نکالی گئی تھیں؟''

''بظاہر یہی لگتا ہے کیونکہ اسٹور روم میں پرانی یا استعمال شدہ شٹل کاک رکھی جاتی ہیں اور لاش کے گرد بھی ایسی ہی شٹل کاک رکھی گئی تھیں۔ اس لیے یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ قاتل نے وہ شٹل کاک اسٹور روم سے ہی نکالی ہوں گی۔''

''اگر سیو ہی قاتل ہے تو کیا اس کے لیے ممکن تھا کہ وہ پانچ منٹ میں جیا تنگ کو قتل کرے، اس کی لاش کے گرد شٹل کاک ترتیب سے رکھے اور چابی واپس کر دے۔ یہ مت بھولو کہ اسے دوسری منزل کے دوسرے کمروں کو بھی چیک کرنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان سب کاموں کے لیے پانچ منٹ ناکافی ہیں۔'' روہنگ نے کہا۔

''کیونکہ اس رات وہ نو بج کر پچاس منٹ پر اوپر آ گیا تھا تو اس نے پہلے دوسرے کمرے بند کر دیے ہوں گے ایسی صورت میں اس کے پاس قتل کرنے کے لیے کافی وقت تھا۔'' جیا تنگ اپنے موقف پر قائم تھا۔

''ٹھیک ہے، میں نے اس جانب غور نہیں کیا تھا۔'' روہنگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب بھی ایک بڑا سوال موجود ہے۔ تمہارا کہنا ہے کہ کمپیوٹر پر ٹائپ شدہ یہ تحریر مقتولہ کے سیدھے ہاتھ میں تھی۔ لگتا یہی ہے کہ پرنٹ نکالنے کے بعد اس کاغذ کو کسی قینچی سے کاٹا گیا ہے اور اس میں صرف چودہ الفاظ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اتنی مختصر تحریر ٹائپ کرنے، اس کا پرنٹ نکالنے اور اسے قینچی سے کاٹنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ یہ تحریر ہاتھ سے بھی لکھ سکتا تھا۔ کیا وہ کمپیوٹر کا اتنا زیادہ استعمال کرتا تھا کہ اسے چینی زبان کے حروف لکھنے میں دشواری ہونے لگی تھی؟''

''میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ ممکن ہے کہ اسے یہی طریقہ پسند ہو۔''

''اگر سیو کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تو پھر ہمیں اس سوال کو مختلف زاویے سے دیکھنا ہوگا۔'' روہنگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن سیو اس موقع سے فائدہ اٹھانے والا واحد شخص تھا۔''

''کیا کسی شخص نے سیو کو ان پانچ منٹوں کے دوران دیکھا تھا؟''

''بدقسمتی سے نہیں، وہاں سے جانے والے آخری شخص نے تصدیق کی ہے کہ اس وقت تمام ہال بند ہو چکے تھے۔''

''مجھے اس مقدمے کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا۔'' روہنگ نے کہا۔ ''تمام ثبوت سیو کو ہی قاتل ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سیو نے اس لاش کو کہیں اور دفن کرنے کے بجائے بیڈمنٹن ہال میں کیوں بند کر دیا؟''

''میرا خیال ہے کہ اس پر لاش کی اتنی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔''

''یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس قتل کو نہ چھپانا چاہ رہا ہو۔''

''ہم یہ ساری گفتگو اس مفروضے کی بنیاد پر کر رہے ہیں کہ سیو نے یہ قتل کیا ہے کیونکہ مجھے اس پر شک ہے اور اسی لیے میں تم سے مدد لینے آیا ہوں۔ اب میں تمہیں کہانی کا بقیہ حصہ سناتا ہوں جس کے بعد سیو کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' روہنگ نے کہا۔

''وقوعہ کے کچھ دیر بعد پولیس وہاں پہنچی اور تحقیقات شروع کر دی۔ اسی دوران ایک غیر متوقع بات یہ ہوئی کہ سیو

لاپتا ہو گیا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" روہنگ نے پوچھا۔

"لاش دیکھنے کے بعد وہ فوراً ہی چابیاں واپس کرنے دفتر میں آیا۔ اس وقت چین ہی وہاں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ سیو نے اس سے کوئی بات کیے بغیر چابیاں باکس میں رکھیں اور اپنی میز پر ایک خط رکھ کر وہاں سے چلا گیا لیکن اس بار یہ خط ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔" یہ کہہ کر جھانگ نے اپنے بریف کیس سے ایک کاغذ نکال کر روہنگ کو پکڑا دیا۔ یہ ایک عام سا خط تھا جس میں لکھا ہوا تھا۔

"مجھے افسوس ہے، اب میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے چلا جاؤں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟" روہنگ نے خط واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

"فزیکل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین کیاؤ رونگ شن کے کہنے کے مطابق سیو گھبرایا ہوا اس کے دفتر میں آیا اور بولا۔ بیڈمنٹن ہال میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔

"کیا چیئرمین نے یہ دیکھا کہ وہ کس طرف گیا ہے؟"

"نہیں پھر اس نے اسٹاف کے دوسرے لوگوں کو بلایا اور وہ سب بیڈمنٹن ہال کی طرف چل دیے۔"

"کیا کسی اور نے سیو کو چیئرمین کے دفتر سے جانے کے بعد دیکھا؟"

"نہیں، کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کیمپس کے عقبی گیٹ سے بھی جا سکتا ہے۔ وہاں پارکنگ لاٹ کے سوا کوئی اور عمارت یا شاپ نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ واقعہ صبح آٹھ بجے پیش آیا جب تیان ہی یونیورسٹی کے دو طالب علم بیڈمنٹن ہال کھلنے کا انتظار کر رہے تھے؟"

"ہاں، ہم نے پورے ٹائم ٹیبل کا جائزہ لیا ہے۔ آٹھ بجے جمنازیم کے کھلنے پر دونوں طالب علم سیڑھیاں چڑھ کر بیڈمنٹن ہال کی طرف گئے۔ آٹھ بج کر ایک منٹ پر چین نے باکس کا تالا کھولا۔ آٹھ بج کر دو منٹ پر سیو دفتر میں داخل ہوا اور چابیاں لے کر چلا گیا۔ آٹھ بج کر تین منٹ پر اس نے بیڈمنٹن ہال کا دروازہ کھولا۔ میرے پاس ایک ایک منٹ کا حساب موجود ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" روہنگ نے کہا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"پولیس نے فوراً ہی اس کی تلاش شروع کر دی۔ ایک آدمی اس کے گھر تک گیا جہاں وہ تنہا رہتا تھا لیکن وہ گھر واپس نہیں پہنچا۔ ہم نے اس کے کئی دوستوں سے پوچھا لیکن کوئی نہیں بتا سکا کہ وہ کہاں ملے گا۔ دوسری صبح اس کی لاش پیسفک اوشین یونیورسٹی جمنازیم کے قریب جھاڑیوں میں ملی۔"

"تمہارے خیال میں اس نے خودکشی کی ہوگی؟" روہنگ نے پوچھا۔

"بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔ اس کی موت زہر خورانی کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے ایک خط بھی چھوڑا ہے۔" یہ کہہ کر جیانگ نے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکال کر روہنگ کو پکڑا دیا جس میں لکھا ہوا تھا۔

"میں نے جیانگ ویسن کو مار ڈالا کیونکہ وہ کسی اور سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس کی نظر میں محبت بھی کپڑے تبدیل کرنے کے برابر تھی۔ میں اس کی نظروں سے اتر چکا تھا۔ اس لیے میں نے اسے مارنے کا ارادہ کر لیا۔ میں نے اسے رات دس بجے بیڈمنٹن ہال میں بلایا۔ وہ دوسرے کھلاڑیوں کے جانے کے بعد وہاں آئی۔ میں نے بیڈمنٹن ہال کا دروازہ کھولا اور اسے اندر بلا لیا۔ پہلے میرا ارادہ ہتھیار استعمال کرنے کا تھا لیکن اس کے گلے میں اسکارف دیکھ کر اسے ہی استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس کی گردن میں اسکارف مضبوطی سے باندھا اور وہ مر گئی۔ اس نے ایک دفعہ کہا تھا کہ بیڈمنٹن اس کا پسندیدہ کھیل ہے چنانچہ میں نے اس کی لاش کے گرد شٹل کاک رکھ دیں۔ اس رات میں دہشت کی وجہ سے ایک پل کے لیے بھی سو نہ سکا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں چنانچہ میں نے ایک خط لکھا تاکہ اسے اپنی میز پر رکھ کر کہیں دور چلا جاؤں۔ دوسری صبح اس کی لاش دیکھ کر میں تقریباً پاگل ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ میں نے اس لڑکی کو قتل کر دیا جس سے محبت کرتا تھا۔ میں نیچے دفتر میں گیا۔ چابیاں واپس کیں اور وہ خط اپنی میز پر رکھ دیا۔ میں نے چیئرمین کو لاش کے بارے میں مطلع کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ مرنے سے پہلے اس خط کے ذریعے اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہوں تاکہ میری روح کو سکون مل سکے۔ مجھے اپنے فعل پر کوئی پچھتاوا نہیں لیکن اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

روہنگ نے خط پڑھنے کے بعد واپس کر دیا اور بولا۔ "یہ خط بھی کمپیوٹر پر ٹائپ ہوا ہے۔ اب ہمارے پاس سیو کے تین خط ہیں جن میں دو ٹائپ شدہ اور ایک ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ یہ ٹائپ شدہ خطوط نقلی بھی ہو سکتے ہیں گو کہ

ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں جس سے سیو کی بے گناہی ثابت ہو سکے لیکن مجھے یہ معاملہ کچھ مبہم نظر آرہا ہے۔"

"ابہام کی بات تو یہ ہے کہ میڈیکل ایگزامنر نے بھی اس کی کلائیوں پر زخموں کے نشانات دیکھے ہیں لیکن اس کے سوا کوئی اور ثبوت نہیں ملا۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیا تم نے ان تمام معلومات سے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟"

"ابھی نہیں، میں مزید تفصیلات جاننا چاہتا ہوں۔" رونگ نے کہا۔ "ہم سیو سے ہی شروع کرتے ہیں۔"

"اس کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی۔" جھانگ نے کہنا شروع کیا۔ "وہ مقامی باشندہ ہے اور دو سال سے کورٹ منیجر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ عورتوں کا رسیا تھا اور ہمیشہ کسی نہ کسی سے چکر چلائے رکھتا تھا۔ اپنی شخصیت کو جاذب نظر بنانے کے لیے پھول دار قمیص، چمڑے کے جوتے اور سن گلاسز استعمال کرتا تھا۔ ایک سال پہلے بھی اس کا ایک لڑکی سے معاشقہ چلا اور اس بے چاری کو اسکول سے نکال دیا گیا۔ سیو بڑی مشکل سے اپنی نوکری بچانے میں کامیاب ہوا لیکن بعد میں اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔"

"کیا کسی اور کو جیانگ کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں علم تھا؟"

"اس کے ساتھ رہنے والی ایک لڑکی اس بارے میں جانتی تھی۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ دو ماہ پہلے ان کے تعلقات ختم ہو گئے تھے لیکن وہ بیڈمنٹن کھیلنے آتی رہی اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس کے ساتھ جاتی تھی۔ وہ مضبوط اعصاب والی فیشن ایبل لڑکی تھی۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں یونین کی نائب صدر بھی منتخب ہو چکی تھی۔ اسی لیے اسے پسند کرنے والے بہت تھے۔"

"بیڈمنٹن ٹیم کے دوسرے کھلاڑیوں کے بارے میں کیا کہو گے؟" رونگ نے پوچھا۔

جھانگ نے اپنی نوٹ بک نکالی اور صفحے پلٹتے ہوئے بولا۔ "میں نے کوچ سمیت ان تمام لوگوں سے پوچھ گچھ کی ہے جو اس رات وہاں موجود تھے۔ پہلے ہم کوچ جھو جھونگ جھی کی بات کرتے ہیں۔ وہ ایک سیدھا سادہ شخص ہے اور ٹیم کے تمام کھلاڑی اسے پسند کرتے ہیں۔ جیانگ کے ساتھ اس کا تعلق کوچ اور کھلاڑی جیسا تھا۔ وہ ساڑھے نو بجے کورٹ سے روانہ ہو گیا تھا اور پونے دس بجے گھر پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ گھر پر ہی اپنے تین دوستوں سے ساڑھے گیارہ بجے تک باتیں کرتا رہا۔ اس کی تصدیق ان دوستوں

واپسی

ایک صاحب اپنی بیوی کو سپرد خاک کرنے کے بعد قبرستان سے گھر واپس آئے۔ دروازے کا تالا کھول ہی رہے تھے کہ ہوا کے ایک زوردار جھکڑ کی وجہ سے چھجے پر رکھا ہوا گملا ان کے کندھے پر آگرا۔ کندھے کو سہلاتے ہوئے ان صاحب نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے وہ فوراً ہی گھر میں واپس آگئی ہے۔"

عبدالغفار زاہد، ایبٹ آباد کا تعاون

سے بھی ہو گئی ہے۔"

"دوسرا نام ٹیم کے کپتان لی یوسانگ کا ہے۔ یہ بھی عورتوں کا رسیا ہے اور اس کی سابقہ گرل فرینڈز کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں جیانگ بھی شامل تھی۔ یہ تعلق اس وقت ختم ہوا جب وہ موجودہ گرل فرینڈ لنگ فی یان کی محبت میں گرفتار ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جیانگ کے دل میں لنگ کے لیے بغض تھا اور ان دونوں کے درمیان کئی مرتبہ لڑائی بھی ہو چکی تھی۔ لی نے جیانگ کو ایسا کرنے سے روکا۔ میں نے سنا ہے کہ اب ان کے جھگڑوں میں کمی آگئی تھی، کون جانتا ہے کہ پردے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔"

"اگر ان تینوں کے درمیان اتنے اختلافات تھے تو وہ ایک ٹیم میں کیوں رہے؟ کیا اس طرح معاملات میں بگاڑ پیدا نہیں ہوا؟"

"جیانگ کی روم میٹ کا کہنا ہے کہ وہ ایک ضدی اور خودسر لڑکی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی بیڈمنٹن پریکٹس جاری رکھنا چاہتی تھی بلکہ ان دونوں کے سامنے رہ کر ان سے انتقام بھی لے رہی تھی۔"

"لی کے پاس جائے واردات سے غیر موجودگی کا کوئی ثبوت ہے؟"

"لی اور لنگ نو بج کر چالیس منٹ پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ رات انہوں نے اپنے کمرے میں گزاری جہاں وہ اکٹھے رہتے ہیں لیکن کسی نے ان کے بیان کی تصدیق نہیں کی۔"

"ایسی صورت میں سب سے پہلے انہی پر شک کیا

جاسکتا ہے۔'' روہنگ نے کہا۔ ''تیسرا کون ہے؟''

''سو یاؤ چھو، ان چھ کھلاڑیوں میں سے ایک ہے جو رات دس بجے جمنازیم سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے ایک قریبی مارکیٹ میں کھانا کھایا اور دس بج کر پچاس منٹ پر ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ سو کا کہنا ہے کہ وہ گھر چلی گئی تھی لیکن ساڑھے گیارہ بجے تک وہ کہاں رہی، یہ واضح نہیں ہے۔''

''کیا اس کے پاس جیا تنگ کو قتل کرنے کا کوئی محرک تھا؟''

''یہ کہنا بہت مشکل ہے گو کہ وہ جیا تنگ کی اچھی دوست تھی۔ لیکن، ایک افواہ یہ بھی ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ سیو کے بھی بہت قریب تھی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ صرف دوست تھے اور اس نے سیو سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ ہم اس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اس نے حسد کی وجہ سے جیا تنگ کو قتل کیا ہوگا۔''

''تم اسے بھی مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل کر سکتے ہو۔'' روہنگ نے کہا۔

''جہاں تک بقیہ پانچ کھلاڑیوں کا تعلق ہے تو ان میں سے تین جائے وقوعہ سے اپنی غیر موجودگی ثابت کر چکے ہیں۔ بقیہ دو کھلاڑی ڈونگ اور وانگ یوجی مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان میں سے وانگ کی جائے واردات سے غیر موجودگی کی تصدیق ہوگئی ہے جبکہ ڈونگ بھی جیا تنگ کو شدت سے چاہتا تھا۔ اس نے صرف اس کے قریب رہنے کے لیے بیڈمنٹن ٹیم میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن جیا تنگ نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا لہٰذا شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے مایوسی کے عالم میں اسے قتل کر دیا ہوگا۔ وانگ کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ لی پر فدا ہوگئی تھی جب اس کا جیا تنگ سے افیئر چل رہا تھا، اس بات پر دونوں میں لڑائی بھی ہوئی اور وانگ نے اسے قتل کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ یہ چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔''

''کچھ لوگوں کی نفرت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔'' روہنگ نے کہا۔

''درست، ایک افواہ یہ بھی ہے کہ بعد میں اس نے جیا تنگ سے معافی مانگ لی تھی۔'' یہ کہہ کر اس نے نوٹ بک بند کر دی اور کہا۔ ''میرے پاس مشتبہ لوگوں کے حوالے سے یہی معلومات تھیں۔''

''جیا تنگ کی رہائش کہاں پر تھی؟ کیا وہ ساڑھے آٹھ بجے کورٹ سے روانہ ہونے کے بعد گھر گئی تھی؟''

''وہ اسکول کے قریب ہی ایک کرائے کے کمرے میں تنہا رہتی تھی۔ کسی نے اسے واپس آتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کمرے میں اس کا بیڈمنٹن بیگ موجود تھا۔''

''ایک اور بات بتاؤ، تمہارا کہنا ہے کہ تیان ہی یونیورسٹی سے آنے والے دو لڑکوں کا پیکنگ اوشین یونیورسٹی میں اپنے کسی دوست سے ملاقات کا وقت طے تھا۔ کیا ان کی اس دوست سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں۔'' جیا تنگ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو میں جانتا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ کس نتیجے پر پہنچے ہو؟''

''پہلے تم اپنی رائے بتاؤ۔'' روہنگ نے کہا۔

''میرے خیال میں سیو کو پھنسایا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ چودہ سطروں کا خط اس نے لکھا ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر وہ قاتل ہوتا تو بھی مقتولہ کی لاش بیڈمنٹن ہال میں بند نہ کرتا جس کے نتیجے میں وہ مشتبہ ہوگیا۔ اس نے خودکشی کرنے سے پہلے اپنے خط میں قتل کی جو وجہ بیان کی وہ بھی مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی لیکن حقائق یہی بتاتے ہیں کہ یہ قتل اسی نے کیا ہے گو کہ میرا دل یہ بات نہیں مانتا لیکن ثبوت مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ اس حقیقت کو تسلیم کرلوں۔ اب سیو اس دنیا میں نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی سچ بھی دفن ہوگیا۔'' جھانگ نے ایک لمحے توقف کرنے کے بعد کہا۔ ''اب تم اپنی رائے دو؟''

''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں کہ سیو کو پھنسایا گیا ہے۔ وہ قاتل ہے اور نہ ہی شریک جرم بلکہ بالکل بے گناہ ہے۔ یہ اسکرپٹ کسی بہت ہی ذہین شخص نے لکھا ہے۔ اس کے مطابق وہی شخص قاتل ہے جس نے احساس جرم سے مغلوب ہوکر خودکشی کرلی اور ایک خط چھوڑ دیا تاکہ اصلی قاتل کبھی ہاتھ نہ آسکے۔''

''لیکن قاتل نے یہ کام کس طرح کیا اور لاش کے گرد شٹل کاک کیوں رکھ دیں۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ حیران کن بات یہی ہے۔''

''اپنی رائے بتانے سے پہلے میں کچھ باتوں کی تصدیق چاہتا ہوں۔'' روہنگ بولا۔ ''تمہارا کہنا ہے کہ جب سیو صبح کے وقت چابی لینے اور واپس کرنے گیا تو اس وقت چین دفتر میں اکیلا تھا۔''

''ہاں کیونکہ چین کے علاوہ دوسرے لوگ دفتر میں بہت کم ٹھہرتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کیمپس میں گھوم پھر کر اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان

میں سے کچھ لوگ۔ اس وقت تک دفتر ہی نہ پہنچے ہوں۔''
''وہ فون کہاں رکھا ہوا ہے جس سے ان لڑکوں نے پولیس کو اطلاع دی تھی؟''
''جمنازیم کی عمارت کے مرکزی دروازے کے ساتھ ہی۔''
''کون سی سیڑھیاں فون سے قریب پڑتی ہیں؟''
''اگر ہم سامنے والے دروازے سے عمارت سے داخل ہوں تو دائیں ہاتھ پر ہی جنوبی سیڑھیاں ہیں۔''
''کیا سیو نے ان لڑکوں کو بتایا تھا کہ فون دروازے کے ساتھ ہی رکھا ہوا ہے؟''
''ہاں کیونکہ انہیں ٹیلی فون ڈھونڈنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔''

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد سراغ رساں روہنگ کی آنکھوں میں چمک ابھری اور اس نے کہنا شروع کیا۔ ''سب سے پہلے تو اس قتل میں سیو کے کردار کا یقین کرنا ہوگا جو تین طرح کا ہو سکتا ہے یعنی قاتل، شریک جرم یا بے گناہ۔ اگر اسے قاتل مان لیا جائے تو اس نے اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش کیوں نہیں کی اور خاموشی سے موت کو گلے لگا لیا۔ اگر وہ شریکِ جرم ہے تو قاتل نے اسے جیانگ کو مارنے کے لیے استعمال کیا اور بعد میں اسے قربانی کا بکرا بنا دیا لیکن یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے جرم کرنے کے لیے ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا کہ سارے ثبوت اس کی جانب اشارہ کریں۔ کیا وہ اتنا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ مقتولہ کے ہاتھ میں اپنا خط پکڑا دے۔ اسی لیے میں اسے بے گناہ سمجھتا ہوں۔ یاد کرو کہ اس کی کلائیوں پر رسی سے باندھے جانے کے نشانات تھے جس کا مطلب ہے کہ اسے قید میں رکھا گیا۔ اب ہم قتل کے محرک کی طرف آتے ہیں۔ قاتل جو کوئی بھی ہے وہ جیانگ کے معمولات سے واقف تھا۔ اسی لیے اس نے واردات کے لیے بیڈمنٹن کورٹ کا انتخاب کیا۔ اس نے خودکشی سے پہلے سیو کی جانب سے لکھے جانے والے جعلی خط میں قتل کا محرک حسد بتایا ہے جو اس کے اپنے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔''
''اگر سیو قاتل نہیں ہے اور جیانگ نے خودکشی نہیں کی تو اصل قاتل نے بیڈمنٹن ہال میں آنے اور جانے کے لیے کوئی گہری چال چلی ہوگی کیونکہ مجھے دروازے اور کھڑکیوں پر تو ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔'' جھانگ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔'' روہنگ بولا۔ ''حقائق بتاتے ہیں کہ ہال کی چابی دفتر میں رکھے باکس میں محفوظ تھی۔ اس لیے رات دس بجے سے صبح آٹھ بجے کے درمیان نہ کوئی شخص بیڈمنٹن ہال میں جا سکتا تھا اور نہ ہی وہاں لاش چھپائی جا سکتی تھی پھر قاتل اور مقتولہ اس مقفل ہال میں کیسے داخل ہوئے اور اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قاتل نے جیانگ کو کسی اور جگہ قتل کیا اور بعد میں لاش بیڈمنٹن ہال میں رکھ دی۔''
''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟'' جھانگ نے کہا۔ ''ہم نے دروازہ اور تمام کھڑکیاں چیک کی تھیں۔ ان میں سے ایک دھاگا بھی نہیں گزارا جا سکتا۔''
''اس نے ہال کا دروازہ کھولنے کے لیے چابی استعمال کی تھی۔'' روہنگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''لیکن چابی تو باکس میں رکھی ہوئی تھی۔'' جھانگ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔
''لاش کی منتقلی کا کام اس نے صبح آٹھ بجے کے بعد کیا جب بیڈمنٹن ہال کا دروازہ کھولا جا چکا تھا۔''
جھانگ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''لیکن لاش تو صبح آٹھ بجے بیڈمنٹن ہال میں پائی گئی تھی۔''
''یہ بھی ایک چال تھی۔ جس جگہ ان دو لڑکوں نے لاش دیکھی وہ بیڈمنٹن ہال نہیں بلکہ اس کے برابر والا دالی بال ہال تھا۔''
''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' جھانگ حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''
''میں سمجھاتا ہوں۔'' روہنگ نے جمنازیم کا نقشہ میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''قاتل نے جیانگ کو نو بج کر پچاس منٹ پر والی بال ہال میں بلایا۔ وہ جانتا تھا کہ سیو پہلے دوسرے کمرے چیک کرے گا اور جمنازیم بند ہوتے وقت والی بال ہال میں کوئی نہیں ہوگا چنانچہ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ چند منٹ پہلے ہی والی بال ہال میں چلا گیا اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ جیسے ہی جیانگ وہاں آئی، اس نے وقت ضائع کیے بغیر اسی کے اسکارف سے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر اس نے ساتھ عدد شٹل کاک بھی اس کی لاش کے گرد رکھ دیں جو وہ پہلے ہی بیڈمنٹن ہال سے لے آیا تھا اور وہ جعلی خط بھی مقتولہ کے ہاتھ میں تھما دیا تاکہ قتل کا الزام سیو پر آئے، پھر وہ والی بال ہال کے دروازے پر کھڑے ہو کر سیو کا انتظار کرنے لگا۔ جب سیو آیا تو اس نے کہا کہ وہ صرف دروازہ مقفل کر دے کیونکہ وہ پہلے ہی کھڑکیاں چیک کر چکا ہے۔ ہال کی بتیاں بند تھیں اس

لیے سیو نے اندر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے بعد قاتل نوائنٹ میں چلا گیا اور اس وقت تک وہاں چھپا رہا جب تک سیو اور بیڈمنٹن ٹیم کے کھلاڑی نیچے نہیں چلے گئے۔ اس کے بعد وہ باہر آیا اور انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں ہال کے دروازے پر لگی ہوئی تختیاں بدل دیں۔ شاید وہ پہلے ہی ان میں لگے ہوئے اسکرو ڈھیلے کر چکا تھا تاکہ انہیں آسانی سے نکالا جاسکے۔''

''دوسرے دن قاتل آٹھ بجے سے کچھ پہلے ہی جمنازیم پہنچ گیا۔ اس نے دفتر سے چابیاں لیں اور ہال کا دروازہ کھولنے اوپر چلا گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ان دو لڑکوں سے ہوئی جو بیڈمنٹن ہال کے دروازے کے باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ دراصل والی بال ہال ہے پھر قاتل نے دروازہ کھولا اور یہ ظاہر کیا جیسے وہ لاش کو دیکھ کر حیران ہو گیا ہو۔ اس نے ان لڑکوں سے کہا کہ وہ نیچے جا کر پولیس کو فون کر دیں اور یہ ظاہر کیا کہ وہ خود بھی دوسرے لوگوں کو بلانے جا رہا ہے لیکن وہیں سیڑھیوں پر کھڑا رہا اور لڑکوں کے جانے کے بعد دوبارہ اوپر آ گیا۔

''پھر اس نے بڑی تیزی سے کارروائی کی۔ اس نے بیڈمنٹن ہال کا دروازہ کھولا اور لاش کو وہاں منتقل کر دیا اور جلدی جلدی وہ ساری شٹل کاک بھی تین قطاروں میں لاش کے گرد رکھ دیں۔ شاید اس کام کے لیے اس نے اسٹور میں رکھی ہوئی ٹرالی استعمال کی ہو۔ دراصل یہ دونوں ہال ایک ہی جیسے ہیں اور ان میں فرق محسوس کرنا مشکل ہے۔ ویسے بھی وہ لڑکے پہلی بار وہاں آئے تھے اور لاش کو دیکھ کر اتنے حواس باختہ ہو گئے کہ کسی اور بات کی طرف دھیان ہی نہ دے سکے۔ قاتل نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ لاش کے گرد شٹل کاک رکھ دیں تاکہ بیڈمنٹن کورٹ کا تاثر دیا جاسکے۔

''لاش اور شٹل کاک منتقل کرنے کے بعد سب سے اہم مرحلہ تختیاں بدلنے کا تھا۔ قاتل کو یہ اطمینان تھا کہ اس وقت تک اسٹاف کے دوسرے لوگ نہیں پہنچے ہوں گے۔ اس لیے اس کے دیکھے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ شمال میں واقع سیڑھیوں سے اتر کر دفتر میں گیا۔ اس نے چابیاں واپس کیں، سیو کی میز پر خط رکھا اور باہر آنے کے بعد اس نے چیئرمین کے دفتر میں قدم رکھا اور پھول دار قمیص، چمڑے کے جوتے اور سن گلاسز اتار دیے.....''

''کیا.....؟'' جھانگ تقریباً چلاتے ہوئے بولا۔

''میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس روز صبح کے وقت اپنے آپ کو سیو ظاہر کرنے والا شخص دراصل فزیکل ایجوکیشن کا چیئرمین کیاؤ رونگ شن تھا اور وہی جیانگ کا قاتل ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' جھانگ بے یقینی سے بولا۔

''اگر تم واقعات کا تجزیہ کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس روز صبح کے وقت اپنے آپ کو سیو ظاہر کرنے والے شخص کی ملاقات صرف تین افراد سے ہوئی تھی۔ ان میں باہر سے آئے ہوئے دو طالب علم تھے جنہوں نے پہلے کبھی سیو کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ جعلی سیو کو ہی کورٹ منیجر سمجھتے رہے۔ تیسرا شخص چین ہے جس نے جعلی سیو کو چابیاں لیتے اور واپس رکھتے ہوئے دیکھا لیکن ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، اس کے علاوہ چین کو دفتر میں آئے ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے۔ اس لیے وہ سیو کا روپ دھارے ہوئے چیئرمین کو نہیں پہچان سکا۔''

''اس کے بعد کیاؤ نے اپنا حلیہ تبدیل کیا اور دوسرے ممبر اسٹاف کو لے کر اوپر آ گیا۔ اس بار اس نے جنوب کی جانب بنی ہوئی سیڑھیوں کا انتخاب کیا جہاں سے وہ دونوں طالب علم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔''

''ناقابل یقین۔'' جھانگ اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سیو قاتل نہیں ہے لہٰذا اس روز وہاں آنے والا سیو جعلی تھا پھر وہ کون ہو سکتا ہے۔ نقلی سیو ان طالب علموں سے یہ کہہ کر نیچے گیا تھا کہ وہ چیئرمین کو اس قتل کی اطلاع دینے جا رہا ہے، بعد میں چیئرمین نے بھی گواہی دی کہ سیو اس کے پاس آیا تھا اور پھر غائب ہو گیا جو کہ سچ نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی اور کو سیو کے روپ میں دیکھ کر نہ پہچان سکے۔ یہ ڈراما صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو سیو کے مخصوص لباس، اس کے طریقہ کار، جمنازیم کے نقشے، اسٹاف کی آمدورفت اور چابیوں کی رکھوالی سے واقف ہو۔ کیاؤ ہی کو ان معمولات سے مکمل آگاہی تھی۔ خاص طور پر اسے یہ معلوم تھا کہ صبح کے وقت دفتر میں چین کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔ اس لیے سیو کے روپ میں اس کے پہچانے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صرف وہی ایک شخص وقوعہ کی شب جیانگ کو قتل کرنے کے بعد سیو کو کہہ سکتا تھا کہ وہ والی بال ہال کے بجائے دوسرے دروازے چیک کر لے۔''

''لیکن سیو کہاں چلا گیا تھا؟ وہ دوسرے روز کام پر کیوں نہیں آیا؟'' جھانگ نے پوچھا۔

''اسے کیاؤ نے اغوا کر کے کسی جگہ نظر بند کر دیا تھا۔ کیاؤ نے اس کے کپڑے اتار کر خود پہن لیے اور دوسری صبح کام پر چلا گیا۔ سیو کی ٹوپی پہن لینے سے اس کا ہیئر اسٹائل بھی چھپ گیا تھا۔ لاش ملنے کے بعد وہ دوبارہ سیو کے پاس گیا اور اس کے کپڑے اسے پہنا دیے پھر اس نے سیو کو نشہ آور دوا پلائی اور اس کی لاش کیمپس کے نزدیک جھاڑیوں میں پھینک دی۔ ساتھ ہی سیو کی جانب سے لکھا ہوا جعلی خط بھی رکھ دیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔''

''لیکن کیاؤ نے ایسا کیوں کیا۔ اسے جیانگ یا سیو سے کیا دشمنی تھی؟''

''میرا خیال ہے کہ ان خطوط کا مقصد صرف تفتیش کو غلط راستے پر ڈالنا تھا۔ قاتل صرف یہ تاثر پیدا کرنا چاہ رہا تھا کہ سیو نے محض حسد کی بنا پر جیانگ کو قتل کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود حسد کی آگ میں جل رہا تھا کیونکہ کسی زمانے میں وہ بھی جیانگ کا عاشق رہ چکا تھا۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا کیونکہ جیانگ نے اسے دھوکا دیا اور سیو سے محبت کرنے لگی۔ اس طرح کے واقعات صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ کیاؤ نے اپنی نفرت کو عملی جامہ پہنایا اور اس شیطانی اسکیم پر عمل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔'' جھانگ نے کہا۔ ''مان لیا کہ کمپیوٹر ٹائپ کیے ہوئے دونوں خط جعلی تھے لیکن سیو کی میز سے، جو خط ملا وہ اس کی اپنی ہینڈ رائٹنگ میں ہے، اس بارے میں کیا ہوگا؟''

''بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ سیو نے یہ خط غصے کے عالم میں لکھا ہوگا جب اس کا جیانگ سے جھگڑا ہوا تھا۔ شاید جیانگ نے وہ خط کیاؤ کو دکھایا ہو اور اس نے چالاکی سے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ بعد میں اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکے۔''

جھانگ نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری باتوں پر یقین ہے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔''

''تم اگر سیو کے کپڑوں اور جیانگ کی لاش کے گرد رکھی ہوئی شٹل کاک کو چیک کرو تو تمہیں ان پر کیاؤ کی انگلیوں کے نشانات مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ وہ اس رات جائے وقوعہ سے اپنی غیر موجودگی ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس رات کیاؤ کی نقل و حرکت کے بارے میں جان سکو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے سیو کو کہاں نظر بند کیا تھا۔ سب سے اہم ثبوت یہ کہ دوسری منزل پر واقع کمروں کی چابیوں پر اس کی انگلیوں کے نشانات ہو سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، میں تمہاری ہدایات کے مطابق کارروائی کرتا ہوں۔'' جھانگ نے کہا۔ ''میں نے اپنی زندگی میں ایسا انوکھا اور منفرد کیس نہیں دیکھا۔''

''اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔'' روہنگ نے کہا۔

''بہرحال میں تمہاری رپورٹ کا انتظار کروں گا۔''

''جیسے ہی کوئی حتمی بات معلوم ہوگی، میں تمہیں اطلاع دے دوں گا۔'' جھانگ نے کہا۔ ''آج کی ملاقات کے لیے بہت بہت شکریہ۔''

اگلے روز شام کے وقت ایک بار پھر جھانگ کی سیڈان کار روہنگ کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی اور وہ پُرجوش انداز میں روہنگ سے کہہ رہا تھا۔ ''کیاؤ نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ دروازے کی چابیوں پر اس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں تو اس کے پاس سچ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''کیا اس نے قتل کے محرک کے بارے میں کچھ بتایا؟''

''ہاں وہ جیانگ سے محبت کرتا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ جیانگ اس کے بجائے سیو سے محبت کرنے لگی ہے تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ چنانچہ اس نے دونوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس ہوشیاری سے ڈراما اسٹیج کیا کہ سارا الزام سیو پر آجائے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس المیہ پر تو کیوپڈ بھی شرمندہ ہو گیا ہوگا۔'' روہنگ نے کہا۔

''مجھے تو ڈر تھا کہ شاید یہ معما بھی حل نہ ہو لیکن تمہاری مدد سے ہم اصل قاتل تک پہنچ گئے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے تصورات کی بنیاد پر نتائج کیسے اخذ کر لیے، واقعی تم ایک عظیم سراغ رساں ہو۔''

روہنگ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ کبھی وہ خود بھی اس منزل سے گزر چکا تھا۔ اسے بھی کسی سے حسد ہو گیا تھا اور اس نے اپنے ذہن میں اسی قسم کا منصوبہ ترتیب دیا تھا لیکن وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے منصوبوں پر عمل کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور وہ تصور میں ہی اپنے منصوبوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ شاید ایک سراغ رساں اور قاتل میں یہی فرق ہے۔

بے جا خواہشات سمندر کے مانند ہوتی ہیں... جو کم ہونے کے بجائے پھیلتا ہی چلا جاتا ہے... وہ بھی ایک ایسے ہی سمندر کا ماہر تیراک تھا... تیرنا اسے بخوبی آتا تھا... اس لیے ڈوبنے کا کوئی خیال اس کے ذہن میں نہ آسکا... اور نہ ہی اس کے قدم ڈگمگائے ... مگر سمندر بے حد بے رحم ہوتا ہے... جب اس میں جوار بھاٹا اٹھتا ہے تو ہر شے کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے...

ذہن کی گتھیوں کو مسلسل الجھا دینے والی نکتہ در نکتہ کہانی کے عجیب و غریب موڑ...

تنویر ریاض

دھوکا

میں نے اپنی گاڑی حویلی کی مضبوط لوہے کی باڑھ کے ساتھ کھڑی کی اور باہر آ گیا۔ میرا کزن ہیری سامنے والے لان میں کھڑا کسی کاریگر سے باتیں کر رہا تھا۔ آنٹی اگاتھا کے انتقال کے بعد ہیری نے اسی حویلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہ گزشتہ سات سال سے یہیں مقیم تھا۔ اس دوران میں وہ مسلسل حویلی کی تزئین و آرائش میں لگا رہا۔ اس روزانہ کی توڑ پھوڑ سے میں تنگ آ گیا تھا اور میں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے حویلی میں واقع اس چھوٹے سے مکان کو چھیڑنے کی کوشش کی جو آنٹی اگاتھا کی وصیت کے مطابق میری ملکیت تھی تو میں عدالتی کارروائی سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ میری بات سن کر اس نے زوردار قہقہہ لگایا تھا کیونکہ یہ وصیت اسی نے تحریر کی تھی اور جانتا تھا کہ وہ جب، چاہے میری قیام گاہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

مجھے دیکھ کر وہ کاریگر جانے کے لیے مڑا اور بولا۔ ’’ٹھیک ہے مسٹر وائٹ سائیڈ، موسم بہتر ہو جائے تو میں کام شروع کرتا ہوں۔‘‘

اس کے جانے کے بعد ہیری مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ’’تمہاری ریہرسل ختم ہو گئی؟‘‘

میں نے زمانۂ نوجوانی سے ہی تھیٹر میں کام شروع کر دیا تھا گو کہ اداکاری کو کبھی ذریعۂ روزگار نہیں بنایا تاہم میں اب بھی اس میں حصہ لینا پسند کرتا تھا کیونکہ اس طرح خواتین سے تعلقات بڑھانے کے مواقع ملتے تھے لیکن میری روزی کا ذریعہ پرائیویٹ سراغ رسانی تھا جو میں زیادہ تر ہیری کے لیے ہی کرتا تھا۔

’’رات کے کھانے پر ایک دوست ملنے آ رہی ہے۔‘‘ ہیری نے مجھے اطلاع دی۔ ’’اس موقع پر مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت ہوگی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ حویلی کے اندر چلا گیا۔

جینی ماسٹرز کے بارے میں جو سوچا تھا وہ اس سے مختلف ثابت ہوئی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کے ساتھ ہیری شانہ ملا کر چل سکتا۔ اس نے صرف جینز اور ٹی

شرٹ پہن رکھی تھی اور ہیری کے مقابلے میں کافی کم عمر لگ رہی تھی گو کہ وہ دونوں ہم عصر تھے۔

''جینی کے بھائی ریان پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے۔'' ہیری نے کہا۔ ''اور اسے میری بلکہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' ہیری وکیل تھا اور جب وہ اپنے امیر اور مشہور دوستوں سے وعدہ کر کے پھنس جاتا تو اسے میری مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ اس نے یہ قتل نہیں کیا۔'' جینی آگے کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔ ''وہ ایلس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اسے کبھی تکلیف نہیں پہنچائی۔''

میں نے بھی گزشتہ مہینے اخبارات میں یوگا ٹیچر کے قتل کی خبر پڑھی تھی۔ اس کے سر پر شدید ضرب لگائی گئی تھی اور بعد میں اس کی لاش کو یوگا اسٹور کے عقبی کمرے میں رکھ دیا گیا جہاں وہ یوگا کی تربیت دیا کرتی تھی۔ اخبارات نے اس کے قتل کی خبر کو صفحۂ اول پر شائع کیا کیونکہ وہ ایمپائر بینک کے سینئر وائس پریزیڈنٹ ڈیوڈ کارلائل کی بیوی تھی اور اسی وجہ سے ڈسٹرکٹ اٹارنی نے براہِ راست ثبوت کی عدم موجودگی کے باوجود ریان پر الزام عائد کرنے میں جلدی دکھائی۔ ریان کو مشتبہ قرار دینے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ ایلس کا سابق شوہر تھا جسے چھوڑ کر ایلس نے اپنے سے بہت زیادہ عمر کے ڈیوڈ کارلائل سے شادی کر لی تھی۔ اخبارات نے دعویٰ کیا تھا کہ ایلس کو گمنام اور شرارت آمیز ای میلز موصول ہو رہی تھیں جو ریان کے لیپ ٹاپ سے بھیجی گئی تھیں۔ جس رات ایلس کا قتل ہوا اس سے کچھ دیر پہلے اس کی فیس بک پر ریان کا دھمکی آمیز پیغام بھی موصول ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسٹوڈیو کے دو طالب علموں نے بھی یہ بیان دیا تھا کہ انہوں نے ایک ہفتہ قبل ریان سے ملتی جلتی قامت کے ایک شخص کو رات کے وقت یوگا اسٹوڈیو کے آس پاس منڈلاتے دیکھا تھا۔ ریان کے پاس جائے وقوعہ سے عدم موجودگی کی کوئی شہادت نہیں تھی بلکہ ریان کی ویب ڈیزائن کمپنی میں کام کرنے والے ایک ملازم لیمن کریک کا کہنا تھا کہ دوسرے روز صبح جب ریان کام پر آیا تھا تو وہ خاصا مضطرب اور بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ یہ تمام واقعاتی شہادتیں تھیں جنہیں بنیاد بنا کر ریان کو ملزم ٹھہرایا جا رہا تھا۔

''ایلس اس کے لیے زندگی سے بڑھ کر تھی پھر وہ اسے کیسے قتل کر سکتا ہے؟'' جینی نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ ہیری اسے ٹوک دے گا کہ وہ ایسی باتیں کر کے سرکاری وکیل کا کام آسان نہ کرے۔ شیکسپیئر کے المیہ ڈراموں میں اسی یک طرفہ محبت کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ میں نے بھی کچھ عرصہ قبل ایک ایسے ہی ڈرامے میں کام کیا تھا جس میں فریق مخالف کی جانب سے محبت کا جواب گرم جوشی سے نہ دیے جانے پر محبوب کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ریان، پولیس کی توجہ کا مرکز بن گیا ہو۔ یہ ایک طاقتور محرک ہو سکتا تھا اور اس کی بنیاد پر وہ یقیناً مجرم ٹھہرایا جا سکتا تھا لیکن میری توقع کے برعکس ہیری نے اس سے ریان کے کاروبار کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔

''اس کا کام بہت اچھا چل رہا تھا۔'' جینی نے کہا۔ ''ایلس سے علیحدگی کے بعد ریان نے مکمل طور پر اپنے آپ کو ویب ڈیزائن بزنس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس نے مزید ڈیزائنرز کی خدمات حاصل کیں اور اپنے کام کو بڑھانے لگا۔ میگی کا کہنا تھا کہ وہ سال کے وسط تک بیس لاکھ ڈالرز کا ہدف حاصل کر لیں گے۔''

''یہ میگی کون ہے؟'' ہیری نے پوچھا۔

''ریان کی شریک کار، اس کا پورا نام میگی وارنر ہے۔'' جینی نے کہا۔ ''شاید تمہیں یاد ہو کہ وہ اسکول میں مجھ سے ایک سال آگے تھی۔ وہ بہت ہی ذہین اور مقبول طالب علم تھی۔ وہ سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی تھی۔''

ہیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں مجھے یاد آ گیا۔ وہ بہت خوب صورت تھی۔ وہ کون خوش نصیب تھا جس سے اس کی شادی ہوئی۔''

جینی مسکراتے ہوئے بولی۔ ''آج کل کی عورتوں کو زندگی گزارنے کے لیے شادی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا تم اس سے اختلاف کرو گے ہیری؟''

ہیری جواب میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس لمحے مجھے یوں لگا جیسے اس کمرے میں میری موجودگی غیر ضروری ہے لیکن اچانک ہی ہیری مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو؟''

وہ اب بھی مسکرا رہا تھا اور اس کی نظریں مسلسل جینی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے کافی عرصے بعد مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور یہی چیز میرے لیے حیرت کا باعث تھی۔ ہیری غیر معمولی شخصیت کا حامل تھا۔ چھ فٹ چار انچ قد کا ہیری مجمع میں سب سے ممتاز اور منفرد نظر آتا تھا۔ اس کے لیے عورتوں کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن اس نے ابھی

اپنے اردگرد نظر آنے والی امیر اور خوب صورت عورتوں میں سے کسی ایک میں دلچسپی نہیں لی تھی لیکن اس وقت وہ جینی پر کچھ زیادہ ہی فریفتہ ہو رہا تھا۔

''کیا تمہارا بھائی ان دنوں کسی اور عورت سے مل رہا تھا؟'' میں نے جینی سے پوچھا حالانکہ اخبارات میں اس جانب اشارہ دیا گیا تھا کہ وہ ابھی تک ایلس کو دل میں بسائے ہوئے تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس بھی انہی خطوط پر کام کر رہی ہوگی۔ میں نے محض وقت گزاری کے لیے یہ سوال کیا تھا جب تک میرے ذہن میں کوئی اور کارآمد سوال نہ آجائے۔ اسی لیے جینی کا جواب میرے لیے حیرت کا باعث بنا۔

''ایلس اس کی محبت تھی۔'' جینی نے کہا۔ ''لیکن ریان عورتوں کے معاملے میں پارسا نہیں ہے۔ وہ عورتوں سے ڈیٹنگ کرتا رہتا ہے اور اپنے ساتھ کام کرنے والی کسی بھی عورت سے اس کا عارضی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی تنہا شخص نہیں تھا جیسا کہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔''

''لیکن وہ ای میلز؟'' میں نے پوچھا۔

جینی اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''اس کا کہنا ہے کہ یہ ای میلز اس نے نہیں بھیجی تھیں اور مجھے اس کی بات پر یقین ہے۔ ایلس کی فیس بک پر جو پیغامات ہیں ان کا غلط مطلب لیا گیا ہے۔ ریان اسے دھمکی نہیں دے رہا تھا بلکہ اسے تنبیہ کر رہا تھا۔''

''کس قسم کی تنبیہ؟'' میں نے کہا۔

جینی کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں تمہیں ریان سے بات کرنی چاہیے۔ اسے خود یہاں آنا چاہیے تھا لیکن وہ بہت زیادہ پریشان ہے اور اس نے اپنے آپ کو گھر تک محدود کر لیا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں سے دور رہے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہوگا کہ تم اس کے لیے کسی اچھے وکیل کا انتظام کرو جو اس کا دفاع کر سکے۔''

''مس وارنر نے جیکسن اینڈ کلے کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔'' ہیری نے کہا۔ ''اور وہ ہم سے مشورہ کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔''

میں پہلو بدل کر رہ گیا۔ ایش جیکسن، ہیری کے اسکول کے زمانے کا ساتھی تھا۔ یہ محض حالات کا تقاضا تھا کہ یہ دونوں حریف ایک ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گئے تھے لیکن

پریت کی ریت

''ٹھہریے! آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''پیار۔''

''کس کا پیار؟''

''عورت کا۔''

''عورت کے تو بہت سے روپ ہیں۔ عورت ماں ہے، بہن ہے، بیوی ہے۔ چلو فرض کرو۔۔۔۔ اگر آپ کو ماں کا پیار مل جاتا ہے تو؟''

''تو دنیا و آخرت میرے لیے جنت ہے۔''

''اگر بہن کا پیار مل جاتا ہے تب؟''

''تو میری پگ محفوظ رہے گی۔''

''لیکن اگر بیوی کا پیار مل جائے تو؟''

''تو باقی سب کچھ چھوڑ دوں گا۔ آخر کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی تو پڑتا ہے۔''

عقیل احمد کی عقل مندی ضلع قصور سے

ان کے رویے میں کسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کے ہاتھ ایک دوسرے کی گردن پر ہی رہتے اور میں ان کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ جاتا۔

☆☆☆

دوسری صبح میں مرکز شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کی نقل حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ریان اور ایلس کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ اور ایلس کی فیس بک پر ریان کی جانب سے بھیجے جانے والے پیغامات کی نقل حاصل کر سکوں گا۔ میں نے ٹیلی فون پر جیکسن اینڈ کلے کی ایڈمن آفیسر سے یہ فائلیں ای میل کرنے کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ایش مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہ رہا تھا لہٰذا میں اس سے ملنے پہنچ گیا۔

جیکسن اینڈ کلے کا دفتر ریورز بلڈنگ کی تیرھویں اور چودھویں منزل پر واقع تھا۔ سجے سجائے قیمتی دفتر دیکھ کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کی تزئین و آرائش میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی تھی۔ دیواروں پر قیمتی لکڑی کے فریم، فرش پر دبیز قالین، نرم صوفے اور آرام دہ کرسیاں غرضیکہ ہر چیز قیمتی اور خوب صورت تھی۔ یہاں تک کہ استقبالیہ پر بیٹھی شیری بھی

اپنے سیاہ لباس میں بے حد پُرکشش نظر آ رہی تھی۔
''ایش مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
اس نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم بیٹھو، میں اسے بتاتی ہوں۔''
چند منٹ بعد ایش اپنے کمرے سے برآمد ہوا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کرنے یا ہیلو کہنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اور بولا۔ ''اس کیس میں مزید کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی حقیقی ثبوت نہیں، صرف واقعاتی شہادتیں ہیں جو میرے موکل کو ملزم ثابت کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ تم سے آخری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوشش کر کے دیکھ لو اور کوئی کارآمد بات معلوم ہو تو مجھے ضرور بتانا......''
میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گزشتہ برس میں اور ہیری اس کے ساتھ ایک کیس پر کام کر چکے تھے۔ میں نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ ''ہم اس کیس کو حل کر چکے تھے۔ درحقیقت ہم نے اپنے موکل کو بہت بڑا فیور دیا۔ جبکہ وہ ساری عمر خود کو اس شک سے آزاد نہیں کروا سکے گا کہ وہ بے گناہ ہے۔''
''میں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنی قابلیت پر بہت زعم ہے۔'' ایش برہم ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ جینی کی خواہش ہے کہ ہیری کو اس معاملے میں شامل کیا جائے۔ میں نے اسے منع بھی کیا لیکن وہ اپنے ارادے پر سختی سے قائم ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک مرتبہ ثبوتوں کا جائزہ لے لو اور اسے بتا دو کہ سب کچھ ہمارے کنٹرول میں ہے۔''
ہیری کبھی میری بات پر توجہ نہ دیتا اور نہ ہی اس معاملے سے الگ ہوتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایش کو بھی اس بارے میں شبہ تھا اور اس نے مجھ سے بات کر کے ہیری کو اس کیس سے الگ کرنے کی آخری کوشش کی تھی۔
''کیا میں وہ دستاویزات دیکھ سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے پہلے ہی اپنی سیکریٹری کو کہہ دیا ہے کہ وہ ان بیانات کی نقول تیار کر لے جو ہم نے گواہوں کے انٹرویوز کی مدد سے تیار کیے تھے لیکن ان میں کوئی خاص بات نہیں۔ کوئی بھی گواہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس نے کسی مشتبہ شخص کو اسٹوڈیو کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے خیال میں یہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا اور ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''
مجھے غصہ آ گیا۔ کیا اس نے یہی بات کہنے کے لیے مجھے بلایا تھا۔ میں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ایسی بات ہے تو تمہیں اور جینی ماسٹرز کو بھی اس کیس سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔''
میں اسے مشتعل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔ ''میں بہت مصروف ہوں اور تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے موکل کو اس الزام سے بری کروالوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہیری کی مداخلت سے کام بگڑ جائے۔ مجھے امید ہے کہ ان کاغذات کو دیکھ کر تمہاری تسلی ہو جائے گی اور اس معاملے میں مجھے تمہاری مدد کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں سیکریٹری کے ذریعے ان کاغذات کی نقول بھجوا دوں گا۔''
اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ایک خوب صورت سی لڑکی کاغذات کا پلندا لیے آئی اور مجھے پکڑا دیا۔ ایش ہر ممکن طریقے سے میرے لیے مشکلات پیدا کر رہا تھا۔ اس نے مجھے کمپیوٹر پر فائلوں تک رسائی دینے کے بجائے ان کے پرنٹ میرے حوالے کر دیے۔ اب مجھے خود ہی انہیں اسکین کرنا تھا۔ لابی میں رک کر میں نے وہ کاغذات سیکیورٹی ڈیسک پر رکھے اور انہیں ترتیب دینے لگا۔ اچانک ہی عقب سے ایک آواز سنائی دی۔
''تم ہیری وائٹ سائیڈ کے لیے کام کرتے ہو، کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''
میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے سامنے ڈیوڈ کارلائل کھڑا تھا۔ اس نے قیمتی سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور بال سلیقے سے بنائے ہوئے تھے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولا۔ ''سنا ہے کہ وہ میری بیوی کے قتل کی تحقیقات کر رہا ہے؟''
''ہاں۔'' میں نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
''تم دونوں ہی ماسٹرز کے لیے کام کر رہے ہو؟'' کارلائل سرد لہجے میں بولا۔ ''لیکن ریان جھوٹ بول رہا ہے۔ میں اور ایلس بہت خوش تھے، البتہ میری بیوی ان ای میلز کی وجہ سے پریشان تھی جو ریان نے اسے بھیجی تھیں۔ بہتر ہوگا کہ تم اس سے دور رہو۔''
اس کے لہجے میں دھمکی کا عنصر نمایاں تھا۔ میں نے اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔ ''میں ہیری وائٹ سائیڈ کے لیے کام کرتا ہوں اور وہی فیصلہ کرتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ کس کے لیے کام کرنا ہے اور کس کے

لیے نہیں۔''

کارلائل نے اپنے معاون کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اسے وہیں چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند قدم بعد پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ اسی لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا جس سے چند منٹ پہلے میں باہر آیا تھا اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ ایش کے پاس جا رہا تھا۔ یہ ریان کے مفاد میں نہیں تھا کہ اس کا وکیل مقتولہ کے موجودہ شوہر کو زیادہ عزت دے شاید اسی لیے مجھے ایش کی نیت میں فتور نظر آ رہا تھا۔

واپس آنے کے بعد میں نے دوپہر کا بیشتر حصہ ان کاغذات کو پڑھنے میں گزار دیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق ایلس کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے سر کے عقبی حصے اور گردن پر بھی زخموں کے نشانات تھے لیکن ابھی یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ یہ زخم کس طرح آئے۔ کیا اس کے لیے کوئی چیز استعمال کی گئی۔ اگر ریان کے دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ قاتل نے کوئی ایسا ہتھیار استعمال کیا جس کے ذریعے وہ ہمارے مؤکل کو پھانس سکے۔

میں نے فی الوقت اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی اور ان ای میلز کو دیکھنے لگا جو ریان نے مبینہ طور پر ایلس کو بھیجی تھیں گو کہ پولیس نے سرکاری طور پر انہیں ظاہر نہیں کیا تھا لیکن معتبر ذرائع نے ان کے اصلی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک ای میل میں لکھا تھا۔ ''تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔''

''بازاری عورت۔'' دوسری ای میل میں لکھا تھا۔

دوسری ای میلز میں بھی ایسی ہی بے ہودہ زبان استعمال کی گئی تھی اور جو کچھ جینی نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا تھا، یہ اس سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ اب بھی ایلس سے محبت کرتا تھا۔

جینی کا اصرار تھا کہ اس کا بھائی ایسی ای میلز نہیں لکھ سکتا۔ اس نے ہر محبت کرنے والی بہن کی طرح اپنے بھائی کو شریف اور مہربان قرار دیا۔ اس سے محبت کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ شاید اس کے مشاہدات مکمل طور پر درست نہ ہوں۔ اس لیے ضروری تھا کہ مزید تحقیقات کرنے سے پہلے میں ایک دفعہ خود ریان سے مل لوں۔

ہیری حسب معمول لائبریری میں تھا۔ اس کی نظر نقشے پر تھی جو اس نے لائبریری کی تعمیر نو کے لیے بنوایا تھا۔ اس نے پہلے ہی لائبریری خالی کر کے تمام کتابیں ایک محفوظ جگہ پر منتقل کر دی تھیں۔ آنٹی اگاتھا نے اپنے ذاتی الاؤنس کا بڑا حصہ ان کتابوں کو خریدنے پر صرف کیا تھا۔ ان میں سے بعض کتابیں بہت نایاب اور قیمتی تھیں اور اب ان کی قیمت کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ اس لیے ہیری نے پرانی لائبریری کی جگہ ایک جدید ائر کنڈیشنڈ لائبریری تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ یہ کتابیں موسم کی سختیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

وہ تھوڑا مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا کوئی مسئلہ ہے؟''

ہیری نے جھٹکے سے سر اٹھایا جیسے وہ گہری نیند سے بیدار ہوا ہو پھر بولا۔ ''جیک، تم جینی کے بھائی سے بات کیوں نہیں کرتے؟''

''میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم انہیں فون کر کے بتا دو، میں ان سے ملنے کے لیے آ رہا ہوں۔ ایش سے ملنے کے بعد یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔''

''واقعی؟'' ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں جینی کو فون کر کے کہہ دیتا ہوں کہ تم وہاں پہنچ رہے ہو۔''

☆☆☆

دروازہ جینی نے ہی کھولا تھا۔ وہ مجھے لے کر کچن میں چلی گئی جہاں اس کا بھائی ریان میز پر بیٹھا کافی کے گھونٹ لے رہا تھا اور اس کی نظریں خلا میں جمی ہوئی تھیں۔ اس کے برابر میں سنہرے بالوں والی ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ ریان بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مجھ سے مصافحہ کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ اپنی بہن سے عمر میں چھوٹا تھا۔

''یہ میگی وارنر ہے، میری بزنس پارٹنر اور دوست۔'' ریان نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دی اور اس نے بھی مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔

''میرے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا۔'' اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے وکیل کا خیال اس سے مختلف ہے۔'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہا۔

وہ شکایت کرنے کے انداز میں بولا۔ ''مجھے بلاوجہ پھنسایا جا رہا ہے اور پولیس والے اصل قاتل کو تلاش نہیں کر رہے۔''

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ قتل اس کے شوہر نے کیا ہے۔ پولیس والے میری باتوں پر ہنستے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اسے

ایلس اور اس کے نئے بوائے فرینڈ کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔"

"بوائے فرینڈ؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ اب تک میں نے اس بارے میں نہیں سنا تھا اور نہ ہی ایش نے مجھے ایسی کوئی بات بتائی تھی۔

"ہاں، میں نے اسے مرنے سے ہفتہ بھر پہلے ایک شخص کے ساتھ دیکھا تھا۔" اس نے کہا۔ "اور اس سے ایک دن پہلے بھی۔ اسی لیے میں نے اسے وارننگ دی تھی اور بتا دیا تھا کہ اسے محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ خطرہ اس کے بہت نزدیک منڈلا رہا ہے۔ یہ واحد موقع تھا کہ میں نے اسے کوئی پیغام بھیجا ہو۔ میرا خیال تھا کہ اسے متنبہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ کارلائل مجھ جیسا نہیں، وہ اس بات کو بھی برداشت نہیں کرے گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اس کا کسی کے ساتھ چکر چل رہا تھا؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن وہ شخص دیکھنے میں ایسا ہی لگ رہا تھا۔" ریان نے کہا۔ "اور جو کچھ وہ دونوں کر رہے تھے، اس سے مجھے بھی شک ہوا۔"

"تم جانتے ہو کہ وہ اجنبی شخص کون ہے؟"

ریان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔"

"وہ کہاں تھے؟ کیا کسی اور نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، دونوں بار وہ شخص ایلس کی کار میں تھا۔"

"اور تم اس کی کار کی نگرانی کر رہے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ہاں شاید۔"

ریان اگر یہی بات عدالت میں کہہ دیتا تو اس کے لیے مشکل ہو جاتی۔ سابق بیوی کا پیچھا کرنا ایک مشتبہ اقدام تھا شاید اسی لیے ایش نے اس پر پردہ ڈال دیا تھا۔ کسی ثبوت کے بغیر کوئی بھی ریان کی بات پر یقین نہ کرتا۔

"تم ایسا کیوں کر رہے تھے، اس کی کار کی نگرانی کرنے کا مطلب جانتے ہو؟"

"وہ میری غلطی تھی۔" میگی نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ ایلس کے ساتھ کچھ صحیح نہیں ہو رہا لہٰذا میں نے ریان سے اس کا تذکرہ کر دیا۔"

"تم ایلس کو جانتی ہو؟" میں نے میگی سے پوچھا۔

میگی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، میں نے ریان اور ایلس کی شادی میں شرکت کی تھی اور جب اس نے یہاں یوگا کا اسکول کھولا تو سب سے پہلے میں نے اس کی کلاس اٹینڈ کی تھی۔ یہاں تک کہ طلاق کے بعد بھی میں ہفتے میں دو مرتبہ اور کبھی کبھی تین بار اس کے اسٹوڈیو جایا کرتی تھی اور بعض اوقات وہ مجھے علیحدہ سے بھی پڑھاتی تھی۔"

میں نے ریان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم ایلس کے لیے پریشان تھے پھر تم نے کیا کیا؟"

ریان اپنی کرسی پر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے شروع سے معلوم تھا کہ کارلائل سے اس کی شادی کامیاب نہیں ہوگی کیونکہ دونوں کے مزاج بالکل مختلف ہیں۔ جب میگی نے مجھے بتایا کہ ایلس کتنی اداس اور پژمردہ نظر آ رہی تھی تو میں نے سوچا کہ شاید میرے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے اور میں ایک بار پھر ایلس کو حاصل کر سکتا ہوں۔"

"وہ واقعی ناخوش نظر آ رہی تھی اور میں نے ریان سے اس کا تذکرہ کر کے غلطی کی۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنا چاہیے تھی۔" میگی نے کہا۔

"نہیں میگی، تم نے مجھے بتا کر اچھا کیا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری تھا۔" ریان بولا۔

"لہٰذا تم نے اپنی سابقہ بیوی کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بلکہ میں اس کی تلاش میں گیا تھا۔" ریان نے کہا۔ "میں نے اسے شیڈی سائیڈ کے کافی شاپ میں دیکھا جہاں وہ عموماً جایا کرتی تھی۔ میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا لہٰذا میں نے کار تک اس کا پیچھا کیا اور تبھی میں نے اس شخص کو اس کی گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا جب اس نے سینٹرا یونیو کے پارکنگ لاٹ میں اپنی کار کھڑی کی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"انہوں نے کچھ دیر باتیں کیں پھر ایلس نے گاڑی چلا دی۔ میں بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں نے انہیں ایک اپارٹمنٹ کمپلیکس میں داخل ہوتے دیکھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ایلس نہ دیکھ لے اس لیے میں وہاں نہیں رکا۔"

"کیا تم نے اس کے بعد بھی اس کا تعاقب جاری رکھا اور اس کے یوگا اسٹوڈیو کے آس پاس منڈلاتے رہے؟"

"نہیں۔"

"لیکن تم نے اسے دوبارہ اس شخص کے ساتھ دیکھا۔

اتفاقیہ طور پر ہی سہی۔‘‘
میگی نے ایک بار پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔
’’چند دنوں بعد میں نے اسے بتایا کہ ایلس کافی شاپ میں بیٹھی رو رہی تھی۔‘‘
’’لہٰذا میں ایک بار پھر اسے دیکھنے گیا اور میں نے اسے اس شخص کے ساتھ کار میں دیکھا۔‘‘ ریان نے کہا۔ ’’میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ میں نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا، پھر وہ اسی اپارٹمنٹ میں چلے گئے لیکن مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ وہی شخص تھا جس کے ساتھ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔‘‘
’’تم نے پولیس والوں کو یہ بات بتائی؟‘‘ میں نے پوچھا۔
’’ہاں لیکن لگتا ہے کہ انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ یہاں تک کہ میرے وکیل ایش نے اس پر توجہ نہیں دی اور کہا کہ میں اس کا تذکرہ نہ کروں کیونکہ اس سے مجھے فائدے کے بجائے نقصان ہی ہوگا۔‘‘
میگی اس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ ’’یہ یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ ایلس کا کسی کے ساتھ معاشقہ چل رہا تھا۔‘‘
’’اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔‘‘ ریان نے غمزدہ آواز میں کہا۔ ’’گو کہ اس نے کارلائل کی خاطر مجھے چھوڑ دیا لیکن میں آج بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟‘‘
’’یہ اپارٹمنٹ کہاں ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔ ’’ممکن ہے کہ کسی اور نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ وہاں جاتے ہوئے دیکھا ہو۔‘‘

☆☆☆

گارڈن اپارٹمنٹ کمپلیکس دیکھنے میں ایک باوقار رہائش گاہ معلوم ہو رہی تھی اور میرے حساب سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ انتہائی مناسب جگہ تھی۔ وہاں جانے سے پہلے جینی نے مجھے ایلس کی کچھ تصاویر دے دی تھیں۔ میں نے اس امید پر وہاں رہنے والوں کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا کہ شاید کسی نے ایلس کو وہاں آتے جاتے دیکھا ہو۔ تقریباً سبھی لوگوں نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں مایوس ہو کر اپنی کار کی طرف واپس جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بوڑھے شخص پر گئی جو سامان کا تھیلا ہاتھ میں لیے چلا آ رہا تھا۔ میں نے اسے ایلس کی تصویر دکھاتے ہوئے پوچھا کہ کیا اس نے کبھی اس عورت کو یہاں آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
اس کی عمر اسی سال سے زیادہ تھی اور میں نے محسوس کیا کہ اسے سامان اٹھا کر چلنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ازراہ ہمدردی وہ تھیلے پکڑ لیے اور باتیں کرتا ہوا اس کے اپارٹمنٹ تک آ گیا۔ تقریباً تیس منٹ تک میں اسے کریدتا رہا۔ بالآخر وہ بول ہی پڑا۔
’’اس کا نام بوب نکسن ہے اور اس کمپلیکس میں وہ واحد کنوارا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی شاید اکاؤنٹنٹ یا وکیل ہے۔ میں نے کبھی اس عورت کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا حالانکہ وہ کئی عورتوں کو اپنے ساتھ لاتا رہتا ہے۔‘‘
میں نے کار میں بیٹھ کر اپنے سیل فون کے ذریعے انٹرنیٹ پر بوب نکسن کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ اس کی ویب سائٹ سے فون نمبر کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نمبر ملانے پر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ دفتر سے نکل چکا ہے، چنانچہ میں نے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ وقت گزاری کے لیے میں قریبی ریسٹوران میں چلا گیا اور عمر رسیدہ ویٹرس کو ہمبرگر اور چپس کا آرڈر دے دیا۔
ایلس کے مبینہ معاشقے نے مجھے الجھا دیا تھا۔ ہیری سے بات کرنے سے قبل مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا کوئی اور بھی ریان کے لیپ ٹاپ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے میں نے ریان کو فون کیا تو وہ بولا۔
’’میرا لیپ ٹاپ چوبیس گھنٹے میرے پاس ہی ہوتا ہے۔ میں اسے گھر یا دفتر میں ساتھ رکھتا ہوں۔ میں نے پوری ہسٹری چیک کر لی ہے۔ صرف ایک رات میں کسی تقریب میں گیا ہوا تھا اور لیپ ٹاپ گھر پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے اسی دوران کسی نے اسے استعمال کیا ہو۔ کارلائل کے پاس اتنا پیسا ہے کہ وہ کسی ماہر کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔‘‘
پولیس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ایلس کو دھمکی آمیز ای میلز اس کے قتل سے کئی ہفتے پہلے موصول ہوئی تھیں جو ریان کے لیپ ٹاپ سے بھیجی گئی تھیں۔ اگر کارلائل یا اس کے کسی ساتھی نے یہ کام کیا ہوتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ لیپ ٹاپ ان کے پاس دن رات رہتا اس لیے یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ کارلائل نے یہ سب کچھ کیا ہوتا وقتیکہ ریان کے دفتر کا کوئی شخص اس سازش میں ملوث نہ ہو۔ شاید یہ وہی ملازم ہو سکتا ہے کہ جس نے دعویٰ کیا تھا قتل کے اگلے روز ریان کافی ہیجان زدہ نظر آ رہا تھا۔

اپارٹمنٹ کمپلیکس میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی لہٰذا میں نے ریان سے اگلے روز صبح اس کے دفتر میں ملنے کا فیصلہ کیا اور ریستوران سے باہر آ گیا۔ کمپلیکس کا پارکنگ لاٹ تقریباً بھر چکا تھا لیکن مجھے نکسن کے اپارٹمنٹ کے قریب ہی گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ مل گئی۔ میں نے گھنٹی بجائی، دروازہ اسی نے کھولا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے سامنے تیس سال پہلے کا ڈیوڈ کارلائل کھڑا ہوا ہے۔

''میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے ایلس کی تصویر اسے دکھائی اور کہا۔ ''تمہیں کئی مرتبہ اس عورت کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور میں اس بارے میں تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا تم پولیس والے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں اور ایلس کارلائل کے قتل کی تحقیقات کر رہا ہوں۔''

''پولیس اس شخص کو جانتی ہے جس نے یہ قتل کیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے اپنا پاؤں آگے بڑھا کر اسے یہ موقع نہیں دیا۔

''مجھے یقین ہے کہ پولیس تم سے بھی کچھ پوچھنا چاہے گی کیونکہ تمہارا ایلس سے معاشقہ چل رہا تھا۔''

اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''تم بہت اچھے سراغ رساں نہیں ہو۔ ہمارے درمیان کوئی افیئر نہیں تھا بلکہ میں شادی ختم کرواتے میں اس کی مدد کر رہا تھا اور ایسا طریقہ تلاش کر رہا تھا کہ وہ جیل جانے سے بچ جائے۔''

''ایلس جیل کیوں جاتی؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے کہا۔

''اگر وہ تمہاری مؤکلہ تھی تو تم اسے لے کر یہاں کیوں آئے؟''

نکسن نے الماری سے دو گلاس نکالے اور ان میں پانی بھر کر ایک گلاس مجھے پکڑا دیا۔ ''یہ اسی کی خواہش تھی۔''

''میں نے سنا ہے کہ تم کئی عورتوں کو یہاں لاتے رہتے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''کیا وہ سب تمہاری مؤکلہ تھیں؟''

''ہاں، وہ اپنے ظالم شوہروں سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ ایلس کارلائل بھی ایسی ہی عورت تھی؟''

''یہ بھی میرا اور مؤکلہ کا معاملہ ہے۔''

میں نے مزید چند منٹ اسے کریدنے کی کوشش کی۔ میں ایلس، اس کی شادی شدہ زندگی اور اس کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا لیکن نکسن نے بڑی ہوشیاری سے میری ہر کوشش ناکام بنا دی۔ مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بولا۔ ''ہم رات کے کھانے پر گفتگو جاری رکھ سکتے ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ ہم نے اس موضوع پر کافی بات کر لی ہے۔'' نکسن نے ایک بار پھر میرا وار ناکام بنا دیا۔

''تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور میرا ساتھی جو در اصل باپ بھی ہے، اس پر خوش نہیں ہوگا۔ تم ہمارے ساتھ ڈنر کیوں نہیں کرتے تاکہ وہ بھی دیکھ سکے کہ تم کتنی خوب صورتی سے سوالوں کو ٹال دیتے ہو۔''

''یقیناً۔'' اس نے کہا۔ ''کیوں نہیں۔''

میں نے ہیری کو فون کر کے بتا دیا کہ کھانے پر ایک مہمان ہمارے ساتھ ہوگا اور نکسن کو لے کر حویلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہیری نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا اور رسمی علیک سلیک کے بعد بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم ایلس کے وکیل تھے لیکن تم تو خاندانی مقدمات لیتے ہو۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ تم شوہر سے طلاق لینے میں اس کی مدد کر رہے تھے؟''

نکسن نے اثبات میں سر ہلایا تو ہیری بولا۔ ''اسے اپنے شوہر سے کیا شکایت تھی؟''

''وہ اسے زبانی اور جذباتی طور پر تکلیف دیتا تھا۔'' نکسن نے جواب دیا۔ ''میں نے اس طرح کے کئی کیسز ہینڈل کیے ہیں اور ایسے معاملات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خراب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایلس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ اس شخص سے چھٹکارا حاصل کر لے۔''

''طلاق لینے میں کیا مسئلہ تھا؟'' ہیری نے پوچھا۔

نکسن کے جواب دینے سے پہلے ہی ویٹر نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم تینوں کھانے کی میز پر آ گئے۔ ہیری کی عادت تھی کہ وہ کھانے کے دوران میں اپنے کام کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا تھا لہٰذا ہم نے ہلکی پھلکی باتیں شروع کر دیں۔ میرے کان اس وقت کھڑے ہوئے جب میں نے نکسن کو ہیری کے پرانے اسکول کے بارے میں بولتے ہوئے سنا۔ وہ وہاں کے نئے ہیڈ ماسٹر کے بارے میں بتا رہا تھا۔

''والٹر ڈبنن میں بالکل بھی انتظامی صلاحیت نہیں۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ اسے اسکول کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ٹیچرز بھی اسے پسند نہیں کرتے۔ بورڈ نے صرف اسے اسکول کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے رکھا ہے لیکن اس سے یہ کام بھی نہیں ہو رہا۔ اگر اس کی بیوی کا حال ہی میں انتقال نہ ہوتا تو سابق طلبا کی تنظیم اسے اب تک نکال چکی ہوتی۔ ریان، مسٹرز اس سلسلے میں پیش پیش تھا لیکن اب وہ خود مشکل میں ہے۔''

''تمہیں ہیڈ ماسٹر کے بارے میں اتنی معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟'' ہیری نے پوچھا۔

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کارلائل اس کی پشت پناہی کر رہا تھا اور ایلس نے کئی مرتبہ اس بارے میں اپنے شوہر کو اسکول کے ٹرسٹیز سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔''

''تمہارے خیال میں کارلائل ایک نااہل شخص کی حمایت کیوں کر رہا تھا؟''

نکسن نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''اسی طرح وہ اسکول پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتا تھا۔''

''کارلائل نے تمہیں ملازمت سے کیوں فارغ کر دیا تھا؟'' ہیری نے بالکل غیر متوقع طور پر سوال کر دیا۔

''شاید اس لیے کہ وہ تم پر شک کرنے لگا تھا۔''

نکسن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں، اس نے مجھے نکال دیا تھا کیونکہ میں......''

اس نے لمحہ بھر رک کر کمرے کا جائزہ لیا جیسے جواب دینے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہو پھر بولا۔ ''قانون کی تعلیم حاصل کرنے سے پہلے میں اس کے لیے یورپ میں کام کیا کرتا تھا۔ اس وقت میری عمر کم تھی، میں مختلف شہروں میں جاتا اور نئے نئے لوگوں سے ملتا لیکن اس کا خاتمہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ہوا۔''

ہیری کچھ نہ بولا۔ نکسن نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''وہ جب بھی یورپ کے دورے پر جاتا تو میں پہلے سے وہاں موجود ہوتا۔ میرے فرائض میں شامل تھا کہ اس کے لیے ساتھی تلاش کروں۔''

''لیکن تم زیادہ عرصے یہ کام نہ کر سکے۔'' ہیری نے کہا۔

''وہ شخص اذیت پسند ہے۔ ایک دفعہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ جنسی تسکین حاصل کرنے کے لیے کس طرح اپنے ساتھی کو اذیت دیتا ہے تو میں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے نتیجے میں میری ملازمت ختم ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے قدم قدم پر میرے لیے رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ میں جس قانونی فرم میں جاتا یہ مجھے وہاں سے نکلوا دیتا۔ میں ہر جگہ سے ناکام ہو کر اپنے شہر آ گیا اور پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔''

''اسی لیے جب ایلس کارلائل تمہارے پاس آئی تو تم اس کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے؟'' ہیری نے کہا۔

''وہ اسے ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ یہاں ایک نئی زندگی شروع کرنے آئی تھی اور شوہر کے سوا اس کا کوئی نہ تھا لیکن وہ بھی اپنے کام میں مصروف رہتا۔ کارلائل نے اس کی تنہائی کا فائدہ اٹھایا اور اسے ورغلانے میں کامیاب ہو گیا۔ باتوں باتوں میں اس نے ایلس کا وہ راز بھی معلوم کر لیا جس کی وجہ سے وہ مضطرب رہا کرتی تھی۔ کارلائل نے اندازہ لگایا کہ اس کے لیے ایلس سے اچھی بیوی کوئی نہیں ہو سکتی اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ اسے اپنے اشاروں پر نچا سکتا تھا۔''

''ایسی کیا بات تھی جس نے ایلس کو پریشان کر رکھا تھا؟''

''گاڑی چلاتے ہوئے اس نے ایک شخص کو ٹکر مار دی تھی لیکن کسی کو اس پر شبہ نہیں ہوا تھا۔''

''وہ تو ایک حادثہ تھا۔'' ہیری نے کہا۔

''بالکل لیکن وہ اپنے ضمیر کی خلش سے نجات نہ پا سکی۔ ریان سے شادی کے بعد وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ اس واقعے کو بھول جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور میں اسے اس بوجھ سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

بہت باتیں ہو گئی تھیں۔ ہیری نے مجھے اشارہ کیا اور میں نکسن کو اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا۔ اس نے راستے میں انکشاف کیا کہ ریان کی شریکِ کار میگی وارنر نے پیرس میں اس وقت اس کی مدد کی تھی جب کارلائل نے اسے ملازمت سے فارغ کر دیا تھا۔ اس وقت وہ ایک مالیاتی کمپنی کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس نے بڑی بہن کی طرح اس کا خیال رکھا اور لاء کالج میں داخلہ لینے میں اس کی مدد کی تب سے ہی وہ دونوں رابطے میں تھے۔

☆☆☆

میں بستر پر لیٹا میگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کارلائل کے طبعی رجحان کے بارے میں جانتی تھی لہٰذا جب اس نے ایلس کو پریشان دیکھا تو ریان کو فوراً ہی بتا دیا۔

اسے امید تھی کہ وہ اپنی سابقہ بیوی کی مدد کر سکے گا۔ میں ریان سے صرف ایک مرتبہ ملا تھا لیکن مجھ میں لوگوں کے چہرے پڑھنے کی صلاحیت تھی اور اسی صلاحیت نے مجھے بتا دیا تھا کہ ریان کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ کارلائل کا معاملہ دوسرا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں وہی وحشت دیکھی تھی جو کسی قاتل کی ہو سکتی ہے۔

فون کی گھنٹی کی آواز سن کر مجھے بستر سے اٹھنا پڑا۔ دوسری طرف ہیری تھا۔ ”جیک، تمہیں کل صبح مس وارنر سے ملنا ہے۔ وہ اور نکسن پیرس میں مل چکے ہیں۔“

میں نے اسے نکسن سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنانے کے بعد کہا۔ ”اب یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ کارلائل ہی ہمارا مطلوبہ شخص ہے۔“

ہیری نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوسرے دن میں میگی سے ملنے کے لیے لیمن کیک کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ عمارت شہر کے وسط میں واقع تھی۔ ریان کا موڈ کافی خراب تھا۔ اس کی وجہ مجھے جلد ہی معلوم ہو گئی۔ ایلس نے اسے فون کر کے بتایا تھا کہ ڈسٹرکٹ اٹارنی آئندہ چند روز میں اس کے خلاف چالان عدالت میں پیش کرنے والا ہے۔ وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایلس کی کار میں بیٹھنے والا شخص نکسن تھا۔

”میں اسے جانتا ہوں۔“ ریان نے کہا۔ ”اس سے میری ایک ملاقات کسی تقریب میں ہوئی تھی۔ یہی وہ شخص ہے جس سے ایلس ان دنوں مل رہی تھی۔“

”ہاں لیکن جو تم سمجھ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔“ میں نے کہا پھر میں نے اسے نکسن سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

”وہ ایلس کا وکیل تھا۔“ ریان آگے کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایلس نے کارلائل کو اس حادثے کے بارے میں کیوں بتایا۔ اس نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی۔“

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ”کیا میگی یہاں موجود ہے؟ مجھے اس سے کچھ سوالات کرنے ہیں؟“

”وہ اس وقت گھر پر دوپہر میں ہونے والی ایک میٹنگ کی تیاری کر رہی ہے۔“

مجھے خیال آیا کہ ریان کے اس ملازم سے بھی بات کر لینی چاہیے جس نے پولیس کو بتایا تھا کہ ریان، ایلس کی موت کے بعد بہت مضطرب نظر آ رہا تھا۔ ریان نے اس کا نام مائیک بتایا اور یہ بھی انکشاف کیا کہ پولیس کو بیان دینے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس معاملے میں ملوث نہیں ہونا چاہتا۔ میگی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا۔

”کیا وہ قابلِ اعتبار ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ ریان نے کہا۔ ”لیکن اس روز میں واقعی مشتعل تھا کیونکہ مجھے ایلس کی ایک ای میل ملی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ میں اس سے دور رہوں اور اسے پریشان کرنا چھوڑ دوں۔ اب میں سمجھا کہ اس نے ایسا کیوں کہا۔ اسے میرے کمپیوٹر سے بھیجی گئی جوابی میلز مل رہی تھیں، یہ انہی کا جواب تھا لیکن اس صبح مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ میں نے اسے فون کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس وقت تک وہ مر چکی تھی۔“

اس نے اپنے سیل فون کے ذریعے مجھے مائیک کا فون نمبر بھیج دیا اور بولا۔ ”مائیک یہی کہے گا کہ اس روز میں مشتعل تھا کیونکہ اس وقت دفتر میں وہی واحد شخص تھا جس نے مجھے پریشان دیکھا۔“

”تمہارے پاس بہت قیمتی کمپیوٹر اور مانیٹر ہیں۔ سڑک پر چلتا ہوا کوئی بھی آدمی اندر آ کر بہ آسانی استعمال نہیں کر سکتا۔“ میں نے استقبالیہ ڈیسک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں کوئی موجود نہ تھا۔

”ہمارے ہاں ڈیوٹی کے اوقات مقرر نہیں ہیں۔ لوگ اپنی سہولت کے مطابق آتے اور کام کر کے چلے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج استقبالیہ کلرک بیماری کی وجہ سے نہیں آئی۔“

”کیا تمہارا لیپ ٹاپ محفوظ ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی اس تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے؟“

”پاس ورڈ کے بغیر اسے کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ میں نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اسے محفوظ رکھنے کے لیے مزید اقدامات کروں۔“

مجھے اس کی خود اعتمادی پر ہنسی آ گئی۔ میں کوئی کمپیوٹر ایکسپرٹ نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ پاس ورڈ کھولنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ریان کے دفتر میں اس کے لیپ ٹاپ تک رسائی کے کئی مواقع تھے۔ اس کے دفتر کا کوئی بھی فرد بہ آسانی اس کے اکاؤنٹ سے وہ بے ہودہ ای میلز ایلس کو بھیج سکتا تھا۔ مائیک نے پولیس کو صرف ریان کے رویے

کے بارے میں ہی نہیں بتایا بلکہ مجھے شبہ تھا کہ ریان کو پھانسنے میں اس کا زیادہ مؤثر کردار ہو۔

وہاں سے رخصت ہونے کے بعد میں نے اپنی کار سے مائیک کو فون کیا لیکن اس سے کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہو سکی پھر میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے ریان کی ملازمت کیوں چھوڑ دی تو اس نے بتایا کہ یہ مشورہ میگی نے اسے دیا تھا کیونکہ پولیس کو بیان دینے کے بعد اس کا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔

''ریان کے کہنے کے مطابق ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ تم نے کیا تھا؟''

''نہیں میگی نے مجھ سے استعفیٰ دینے کے لیے کہا تھا بلکہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ نئی ملازمت کے سلسلے میں میری مدد کرے گی۔''

مائیک سے گفتگو کر کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایسا شخص نہیں جو ریان کے لیپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ کر سکے لیکن ملازمت چھوڑنے کے حوالے سے اس کے اور ریان کے بیانات میں تضاد تھا۔ ان میں سے کون جھوٹ بول رہا تھا اس کا فیصلہ میگی سے ملنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

میگی مجھ سے ملاقات پر آمادہ ہو گئی اور جب میں اس سے ملنے کے لیے پہنچا تو اس نے دروازے پر ہی کہہ دیا کہ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے پھر وہ مجھے کچن میں لے گئی اور میرے سامنے کافی کا کپ رکھتے ہوئے بولی۔

''تم مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہ رہے ہو؟''

''بہت سی باتیں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مائیک جیکسن کو فارغ کیا تھا؟''

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''نہیں بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ اس کا وہاں رہنا مناسب نہیں۔ میں نے اسے کنٹریکٹ پر کام دینے کی پیشکش کی تھی اور اسے دوسری جگہ ملازمت دلوانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اگر وہ دوسری جگہ ملازمت کرتا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔''

''گویا تم نے اسے ریان کی ملازمت چھوڑنے پر اکسایا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بات تم نے ریان کو کیوں نہیں بتائی؟''

''کیونکہ وہ اسے واپس لانے کی کوشش کرتا۔ میں نے سوچا کہ یہ سب کے لیے بہتر ہوگا کہ اگر پولیس اس معاملے کی مزید تحقیقات نہ کرے۔ میں ریان کو ذہنی طور پر پرسکون رکھنا چاہ رہی تھی۔''

''کیا تم سمجھتی ہو کہ مائیک، ریان کے کمپیوٹر میں کوئی گڑبڑ کر سکتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ اس کے ذریعے کوئی ای میل بھیج سکے؟''

اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ ''شاید لیکن میں نہیں سمجھتی کہ وہ ایسا کیوں چاہے گا۔ میں نے اسے کبھی پیسوں کے لیے پریشان نہیں دیکھا۔''

پھر وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ ''مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔ کیا تم کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟''

''ایلس کی کار میں بیٹھنے والا شخص باب نکسن تھا۔ کیا تم اسے جانتی ہو؟''

وہ دوبارہ اسٹول پر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''کیا تم جانتے ہو کہ وہ ایک دوسرے سے.....''

''نہیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایلس کا وکیل تھا۔''

''لیکن وہ تو طلاق کے مقدمے لیتا ہے۔ کیا ایلس اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہ رہی تھی مگر کیوں؟''

''کیونکہ کارلائل ایک غیر مہذب شوہر تھا۔''

میگی نے مجھے غور سے دیکھا اور بولی۔ ''لیکن ایلس نے کبھی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔''

''لیکن تم نکسن اور کارلائل کے بیرون ملک تعلق کے بارے میں جانتی ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کارلائل کے لیے کیا کام کرتا تھا۔''

''اس وقت وہ کم عمر تھا اور اسے اچھے برے کی تمیز نہیں تھی۔ میں نے اس کی مدد کی اور اسے لاء کالج میں داخلہ دلوا دیا۔ میں اب بھی اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی کارلائل سے نفرت کرتا ہے۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اس نے کارلائل کی جنسی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے؟''

''میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اس وقت وہ بہت کم عمر تھا اور اس نے بڑے بڑے خواب دیکھ رکھے تھے بہرحال ایلس کا اس سے ملنا اچھا نہیں ہوا۔ وہ بہت خوب صورت تھی، ممکن ہے کہ باب بھی اس پر فریفتہ ہو گیا ہو۔''

گھر واپس آکر میں نے ہیری کو میگی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور کہا۔ ''میگی نے نکسن کو جھوٹا تو نہیں کہا لیکن وہ سمجھتی ہے کہ نکسن مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہے۔''

''تم کس کی بات کا یقین کرتے ہو؟'' ہیری نے پوچھا۔

''ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ کارلائل ایک برا شخص ہے اور مجھے یقین ہے کہ نکسن نے اس کے بارے میں جو کہا، وہ سچ ہے۔ ممکن ہے میگی کسی وجہ سے اس کے خلاف نہیں بولنا

چاہتی یا وہ اسے شک کا فائدہ دے رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کارلائل نے ہی اپنی بیوی کو مارا ہے جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اسے چھوڑنا چاہ رہی ہے۔"

میں نے اسے مائیک اور میگی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "پہلے میرا خیال تھا کہ مائیک نے ریان کا لیپ ٹاپ استعمال کیا ہے لیکن اس سے بات کرنے کے بعد یہ خیال غلط نکلا۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کارلائل نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروایا؟" ہیری نے کہا۔

"وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ ریان کے دفتر میں کام کرنے والے کسی شخص کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرسکے۔ ریان کے دفتر کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور سڑک پر چلتا ہوا کوئی بھی شخص بہ آسانی اندر جاسکتا ہے۔"

"تھوڑی دیر میں ایش اور جینی یہاں آنے والے ہیں اور تم نے باب نکسن کے بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے وہ اس پر بات کرنا چاہیں گے۔" ہیری نے انکشاف کیا۔

ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ہیری نے انہیں اپنی اسٹڈی میں بٹھایا۔ میں نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور باب نکسن سے کارلائل کے بارے میں ملنے والی معلومات ان کے گوش گزار کردیں۔ ایش بیزاری کے عالم میں پہلو بدلتا رہا۔ جب میں اپنی بات ختم کرچکا تو وہ بولا۔ "تمہیں بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"نکسن کے بیان کی روشنی میں کارلائل پر بھی اس قتل کا شبہ کیا جاسکتا ہے اور تم اس بیان کو اپنے حق میں استعمال کرسکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔"

ایش نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ ریان پر اگر فردِ جرم عائد ہوگئی تب بھی اسے سزا نہیں ہوسکے گی کیونکہ پولیس کے پاس واضح ثبوت نہیں ہیں اور ہم کارلائل کو گھسیٹے بغیر بھی ریان کو بری کرواسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ نکسن جھوٹ بول رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا ایلس سے معاشقہ چل رہا ہو اور محبت میں ناکام ہونے پر اس نے ایلس کو قتل کردیا ہو، پھر تم یہ کیسے ثابت کروگے کہ نکسن واقعی ایلس کا وکیل تھا۔ کیا اس نے ایلس کی جانب سے کوئی وکالت نامہ داخل کیا تھا یا کبھی اس سے اپنی خدمات کا معاوضہ طلب کیا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ گیا۔" ہیری نے کہا۔ "تم کارلائل کے ساتھ ساتھ نکسن پر بھی اس قتل کا شبہ ظاہر کرسکتے ہو، اس طرح تمہارے موکل کے خلاف مقدمہ اور بھی کمزور ہوجائے گا۔ کیا ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے؟"

"میں نے اسے منع کیا ہے۔" جینی نے کہا۔ "ڈیوڈ کارلائل ایک خطرناک شخص ہے۔" پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے جو کچھ معلومات حاصل کی ہیں ان سے صرف شبہات پیدا ہورہے ہیں لیکن ریان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کارلائل یا نکسن پر الزام عائد کیا جاسکے گا۔ ایش کا کہنا ہے کہ ہم ان میں سے کسی کو ملوث کیے بغیر بھی ریان کو بری کرواسکتے ہیں۔" پھر وہ ہیری سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ "معاف کرنا ہیری، مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تمہیں اس معاملے میں شامل کیا۔ میں صرف یہ چاہ رہی تھی کہ اپنے بھائی کی ہر ممکن مدد کرسکوں اور مجھے امید تھی کہ تم اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت تلاش کرلوگے۔"

"اب تمہیں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔" ایش نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تمہاری مختصر تحقیقات ختم ہوئی۔"

ہیری کی خاموشی پر مجھے حیرت ہوئی۔ ابھی تو میری تحقیقات شروع ہوئی تھیں۔ میں کارلائل کے ماضی کے بارے میں جاننے کی کوشش کررہا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس کے سیاہ کارناموں کے کچھ مزید ثبوت حاصل کرسکوں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔

ایش اور جینی کے جانے کے بعد ہیری نے مجھ سے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ تم نکسن سے مل کر اسے مزید کریدنے کی کوشش کرو۔ اس نے میگی کو کارلائل کے بارے میں بتایا تھا اور یہ کہ اس نے کسی اور سے بھی کارلائل کے قصے بیان کیے۔ اسے کوئی ایسی عورت یاد ہے جس کا کارلائل سے تعلق رہا ہو۔"

میں نکسن سے ملنے اس کے دفتر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ فارغ تھا۔ میں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ان عورتوں کے بارے میں کچھ بتاسکتا ہے جنہیں وہ کارلائل کے لیے لایا کرتا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر مجھے ٹالنے کی کوشش کی کہ اسے ان میں سے کسی کا نام یاد نہیں۔

"لیکن تم نے کسی کاغذ پر ان کے نام پتے اور فون نمبر تو لکھ رکھے ہوں گے۔ تمہیں کافی محتاط رہنا ہوتا ہوگا۔ راہ چلتے تو کسی عورت سے بات نہیں کرسکتے تھے۔ تمہیں یقینا

ایسے ٹھکانوں کا علم ہوگا جہاں سے اس کے مطلب کی عورت مل سکتی تھی۔''

''یہ بہت پرانی بات ہوگئی۔'' نکسن نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کبھی کسی کا نام، پتا نہیں لکھا بس اس مقصد کے لیے ہوٹلوں اور کلبوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔''

''کیا تم نے میگی وارنر کے علاوہ بھی کسی اور کو اس بارے میں کچھ بتایا تھا؟''

''میگی پہلی اور واحد فرد تھی جس سے میں یہ بات کرسکتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ کارلائل کتنا طاقتور شخص ہے اس لیے کسی اور سے بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔''

''تم ایلس کے وکیل تھے۔ کیا تم نے کوئی وکالت نامہ تیار کیا تھا یا کوئی ایسا ثبوت جس سے ظاہر ہو کہ وہ تمہاری مؤکلہ تھی؟''

''ابھی ہمارے درمیان ابتدائی بات چیت ہورہی تھی۔'' اس نے کہا۔ اسی دوران اسے سیل فون پر ایک پیغام موصول ہوا۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی اور بولا۔ ''معاف کرنا، مجھے ایک کام سے جانا ہے۔'' پھر وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں جتنا سوچتا ہوں، مجھے اس قتل میں کارلائل کا ہاتھ ہی نظر آتا ہے اگر کوئی ثبوت نہ ملا تب بھی میں عدالت میں اس کے خلاف گواہی ضرور دوں گا۔''

ہم ایک ساتھ ہی دفتر سے باہر آئے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہم دونوں سڑک پار کررہے تھے کہ اچانک ہی اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر دھکا دیا۔ میں لڑکھڑایا اور میں نے دیکھا کہ نکسن سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ ایک کار اسے ٹکر مار کر چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہی وہاں مجمع اکٹھا ہوگیا پھر ایک پولیس کار سائرن بجاتی ہوئی آئی۔ لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کررہے تھے لیکن میری نظر نکسن پر جمی ہوئی تھی۔ اسے ایمبولینس میں ڈالا گیا پھر ایک پولیس والے نے مجھ سے پوچھا۔ ''کیا تم اس کار کو پہچان سکتے ہو؟''

میں نے نفی میں سرہلا دیا۔ پولیس والے نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے ہیری کو فون کیا لیکن اس نے کال اٹینڈ نہیں کی۔ میں نے وائس میل پر پیغام چھوڑ دیا پھر میں قریبی اسپتال پہنچا تو نرس نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ نکسن کی ماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ پھر میں پولیس اسٹیشن گیا اور وہاں سے حادثے کی ابتدائی رپورٹ حاصل کی۔ گھر پہنچا تو جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ہیری نے مجھے اسٹڈی میں بٹھایا اور میرے لیے چائے بناتے ہوئے بولا۔

''نکسن کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نہیں جانتا کہ ہیری کو یہ کیسے معلوم ہوا جبکہ نرس نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ یقیناً اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کرلیا ہوگا۔ میں نے کہا۔ ''پولیس کے خیال میں یہ ایک حادثہ ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس شخص کی حرکت ہے جس نے ایلس کو قتل کیا۔''

''نکسن سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟'' ہیری نے پوچھا۔

میں نے اسے نکسن سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ بتایا اور کہا کہ میں اس سے مزید کچھ معلوم کرسکتا تھا لیکن اسے سیل فون پر ایک پیغام موصول ہوا اور وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔

''اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہ پیغام کس کا تھا تو ہم یہ بھی جان سکیں گے کہ اس کار کو چلانے والا کون تھا۔'' ہیری نے کہا۔

ہیری نے کئی جگہ فون کرکے اس کے سیل فون کے بارے میں معلوم کرنا چاہا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جب نکسن دفتر سے باہر سڑک پر آیا تو فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ ممکن ہے کہ کار کی ٹکر لگنے کے بعد فون اس کے ہاتھ سے گر گیا ہو اور کسی نے اسے اٹھا لیا ہو۔

''ابھی تک کسی کو معلوم نہیں کہ وہ فون کہاں ہے۔'' ہیری نے کہا۔

میں نے اپنے سیل فون سے نکسن کا نمبر ملایا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے کہا۔ ''ممکن ہے وہ فون ابھی تک وہیں پڑا ہو اور کسی کی اس پر نظر نہ گئی ہو۔'' یہ کہہ کر میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو مجھے اپنی ٹانگ میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔

''تم کہاں جارہے ہو؟'' ہیری نے پوچھا۔

''نکسن کا فون تلاش کرنے۔'' میں نے کہا۔ ''اس شخص نے میری جان بچائی ہے۔ اس کے احسان کا بدلہ اسی طرح اتارا جاسکتا ہے کہ میں کار ڈرائیور کا نام معلوم کرلوں۔''

ہیری میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے لیکن محتاط رہنا۔ میں بھی اپنی طرف سے کوشش کرتا رہوں گا۔ اگر تمہیں کچھ معلوم ہو تو مجھے فون کردینا۔''

جب میں نکسن کے دفتر پہنچا تو اس وقت بھی بارش ہورہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر نکسن کے نمبر پر فون کیا لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کاروں کے نیچے، یہاں تک کہ قریب میں واقع

جھاڑیوں تک میں جھانک کر دیکھ لیکن نکسن کا فون کہیں نظر نہیں آیا۔ کئی مرتبہ کوشش کرنے کے باوجود مجھے ناکامی ہوئی تو میں گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

میں نے فریج میں رکھا ہوا کھانا نکال کر پیٹ کی آگ بجھائی اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہیری میرے کمرے میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ”جیک، ہم نے ابھی تک اس ہتھیار کے بارے میں نہیں سوچا جس سے ایلس کو ہلاک کیا گیا۔“

اس نے جواب کا انتظار کیے بغیر میرا لیپ ٹاپ کھولا اور ایلس کے یوگا اسٹوڈیو کی تصویریں دیکھنے لگا پھر اس کی نظر ایک تصویر پر جم گئی جس میں عقبی دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا شیلف لگا ہوا تھا۔

”اس شیلف میں چٹائیاں، بلاک، تکیے اور ریت کی بوریاں نظر آ رہی ہیں۔“ ہیری نے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یوگا اسٹوڈیو میں ریت کی بوریاں کیوں رکھی ہوئی تھیں۔ ہیری میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں نے باہر رکھی ہوئی بوریوں میں سے ایک کو جزوی طور پر خالی کیا۔“ اس نے زیرِ تعمیر لائبریری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہاں تک کہ اس کا وزن دس پونڈ رہ گیا۔ وہ بالکل اس تصویر میں نظر آنے والی بوریوں کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے باوجود میں اس کی مدد سے کیچڑ میں گہرا گڑھا ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔“

دوسرے لفظوں میں ہیری ریت کی بوری کو آلۂ قتل قرار دے رہا تھا۔ میں نے فوراً اس کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ ”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اس کی لاش کے قریب ایسی کوئی بوری موجود نہیں تھی۔“

”لیکن شیلف میں تو ریت کی بوریاں نظر آ رہی ہیں۔“ ہیری نے کہا اور مجھے ایک نئی الجھن میں گرفتار کر کے چلا گیا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر ہیری کچھ تصویریں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک تصویر میرے ہاتھ میں تھمائی جس میں میگی ایک گنجے شخص کی کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی۔

”یہ والٹر ڈیٹن ہے۔“ ہیری نے بتایا۔ ”ہمارے اسکول کا موجودہ ہیڈ ماسٹر۔“

”کیا اس وقت ہیڈ ماسٹر کی بیوی زندہ تھی جب یہ تصویر کھینچی گئی؟“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”ہاں۔“ ہیری نے کہا۔ ”لیکن اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟“

”میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا۔“

”تم نے ٹھیک ہی کہا تھا جیک کہ ایک قاتل دوبارہ بھی قتل کر سکتا ہے۔ وہ بھی ایک کار کے حادثے میں ہلاک ہوئی تھی اور موقع پر کوئی گواہ موجود نہیں تھا۔“

یہ کہہ کر اس نے تصویریں سمیٹیں اور بولا۔ ”ہم لنچ کلب میں کریں گے۔“

راستے میں اس نے بتایا کہ ڈیوڈ کارلائل اور میگی وارنر کو بھی لنچ پر بلایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا کارلائل سے براہِ راست مقابلہ کرنا مناسب ہوگا تو اس نے میرے خدشات کو رد کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم قاتل کے قریب پہنچ چکے ہیں اور اب ہمیں تیزی سے کارروائی کرنا ہے۔“

میں خاموش ہو کر ہیری کی بات پر غور کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ جس شخص نے ہیڈ ماسٹر کی بیوی کو ہلاک کیا تھا وہی نکسن کو بھی مارنا چاہ رہا تھا اور اسی نے ایلس کو بھی قتل کیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات تو آ رہی تھی کہ کارلائل اپنی بیوی کو قتل کر کے اس کا الزام ریان پر ڈال سکتا ہے۔ وہ نکسن کو بھی مارنے کی کوشش کر سکتا ہے لیکن وہ ہیڈ ماسٹر کی بیوی کو کیوں قتل کرے گا۔

ہم کلب پہنچے تو میگی پہلے سے وہاں موجود تھی۔ ہیری کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم نے پانچ آدمیوں کے لیے میز مخصوص کروائی ہے۔ کیا کوئی اور بھی آ رہا ہے؟“

ہیری نے دروازے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا جہاں سے ڈیوڈ کارلائل اندر داخل ہو رہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کا رنگ زرد پڑ گیا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ قابو پا لیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایش جیکسن بھی آ گیا اور بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وقت پر پہنچ گیا ہوں۔“

ہیری نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ ”اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔“ پھر وہ دوسرے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ”ایک گھنٹا قبل میں مسٹر جیکسن کو ایلس کارلائل کے قتل کے بارے میں ہونے والی تحقیقات کی فائنل رپورٹ دے چکا ہوں۔“

”یہ سب کیا ہے؟“ کارلائل نے ہیری سے پوچھا۔ ”تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس میری بیوی کے قاتل کے بارے میں کچھ نئی معلومات ہیں جبکہ سب جانتے ہیں کہ اسے ریان ماسٹرز نے قتل کیا ہے۔ میرے پاس کسی فائنل رپورٹ کو سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

ہیری نے مینیو سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”بیٹھ جاؤ ڈیوڈ۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہاری بیوی کو کس نے قتل کیا

ہے اور وہ ریان ماسٹرز نہیں تھا۔"

کارلائل نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بیٹھ گیا۔

ویٹر کے جانے کے بعد ہیری نے اس سے پوچھا۔ "مس وارنر تمہیں کب سے بلیک میل کر رہی تھی؟"

میگی نے چونک کر ہیری کو دیکھا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس سوال پر میرا چونکنا بھی فطری تھا جبکہ کارلائل پتھر کا بت بنا... بیٹھا تھا۔ ہیری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں بوب ٹکسن سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن تم یہ نہیں جانتے تھے کہ انہی دنوں پیرس میں مس وارنر کی اس سے دوستی ہوگئی تھی۔ اسے کمزور لوگوں سے دوستی کرنا پسند ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں وہ ایسی چند عورتوں کا پتا لگانے میں کامیاب ہوگئی جن سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ یہاں واپس آنے کے بعد اس نے تم سے رابطہ کیا اور پیسوں کا مطالبہ کرنے لگی۔ اس نے مختلف مواقع پر تم سے دس دس ہزار ڈالر مانگے اور تم ہر بار اس کا مطالبہ پورا کرتے رہے ورنہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نالائق ہیڈ ماسٹر کی بھی حمایت کی جو اس کا محبوب تھا۔"

میگی کو اچانک ہی ہوش آگیا اور وہ بولی۔ "یہ سب تصوراتی اور احمقانہ شبہات ہیں۔ تمہیں ایسا کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

ڈیوڈ کارلائل سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ میگی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے ایلس اور والٹر کی بیوی کا قتل کیا اور ٹکسن کو بھی گاڑی سے ٹکر ماری۔"

"اس کا کوئی ثبوت نہیں۔" وہ غراتے ہوئے بولی۔ "یہ سب احمقانہ باتیں ہیں۔ میں کیوں کسی کو قتل کروں گی؟"

"تم نے اپنے محبوب کی بیوی کو اس لیے قتل کیا تاکہ اس کی جگہ لے سکو۔" ہیری نے کہا۔ "ایک بار قتل کرنے کے بعد تمہارے لیے دوبارہ ایسا کرنا آسان ہوگیا تھا۔ تم ریان کے کاروبار پر بھی قبضہ کرنا چاہ رہی تھیں لیکن اسے قتل نہیں کرسکیں چنانچہ تم نے اسے ایلس کے قتل میں ملوث کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تم نے ریان کے کمپیوٹر سے ایلس کو دھمکی آمیز ای میلز بھیجیں اور ایک دن جب یوگا کی کلاس کے دوران ایلس نے تمہیں بتایا کہ وہ ڈیوڈ کارلائل سے طلاق لے رہی ہے تو تمہارے ذہن میں اسے ختم کرنے کا خیال آیا اور تم نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ریت کی بوری اٹھا کر اس کی گردن پر دے ماری اور پھر اس بوری کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس وقت تک تم نہیں جانتی تھیں کہ بوب ٹکسن، ایلس کا وکیل تھا۔ جب تمہیں معلوم ہوا کہ اس کی کار میں سوار ہونے والا وہی تھا تو تم نے اس سے رابطہ کیا اور جب اس نے تمہیں بتایا کہ وہ ڈیوڈ کارلائل کا کچا چٹھا بیان کرنے والا ہے تو تم نے اسے بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی کیونکہ کارلائل تمہارے لیے دودھ دینے والی گائے کے مانند تھا۔"

"بہرحال یہ سب واقعاتی شہادتیں ہیں۔" ایش نے ہیری سے کہا۔ "ہمیں کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہوگی۔"

اسی وقت میرے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ فون سنتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور میں نے ہیری سے کہا۔ "بوب ٹکسن کا سیل فون مل گیا۔"

یہ سنتے ہی میگی اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "میں ٹکسن سے رابطے میں تھی۔ میں نے اسے لنچ پر بلایا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس حادثے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

جیسے ہی وہ جانے کے لیے مڑی تو کارلائل نے اسے روک لیا اور بولا۔ "سب کچھ سامنے آجائے گا۔ تم نے ہی ان دونوں کو قتل کیا ہے اور پولیس جلد ہی ثبوت بھی تلاش کرلے گی۔"

جب میگی اپنے گھر پہنچی تو پولیس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ ٹکسن کی ماں کو وہ سیل فون اپنے بیٹے کے کمرے سے ملا تھا۔ جب اس نے فون پر میرے متعدد پیغامات دیکھے تو مجھ سے رابطہ کیا اور پولیس کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ اس فون پر آخری بار میگی نے ہی ٹکسن سے رابطہ کیا تھا۔ مزید تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ میگی نے ہی اپنی کار سے ٹکسن کو ٹکر ماری تھی اور اسی نے ایلس اور جولی ڈیٹن کا قتل بھی کیا تھا۔

ڈیوڈ کارلائل اور ہیڈ ماسٹر دونوں نے ہی میگی کے ساتھ اپنے تعلق کا اعتراف کرلیا لیکن وہ اپنی بیویوں کے قتل میں ملوث نہیں تھے۔ یہ منصوبہ میگی کا تھا جس نے اپنے مفادات کی خاطر پہلے جولی اور پھر ایلس کو اپنے راستے سے ہٹایا۔ اس نے ریان کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کی اور اس کی جانب سے ایلس کو جعلی ای میلز بھجوا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی۔ اسے یقین تھا کہ ایلس کو قتل کرنے کے جرم میں ریان کو سزا ہوجائے گی اور وہ بلا شرکت غیرے اس کے کاروبار کی مالک بن سکے گی لیکن ہماری وجہ سے اس کا منصوبہ غارت ہوگیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

بیسویں قسط

جواری

احمد اقبال

شیکسپیئر کا کہا ہوا ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ زندگی ایک اسٹیج ہے جس پر ہم سب اداکار ہیں جو اپنا اپنا کھیل دکھا کے چلے جاتے ہیں... یہی اداکار زندگی کے آغاز سے انجام تک ایک جوا کھیلتا ہے... جس میں خطرات اور حادثات کی بازی پہلی سانس کے ساتھ لگتی ہے اور آخری سانس تک جاری رہتی ہے... تخلیق کے نقائص ہوں یا بیماریاں... وہ زندگی کے ہر نومولود کو شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں مگر زندگی مقابلہ کرتی ہے اور یہ کھیل انسانی تدبیر اور نوشتۂ تقدیر کے ساتھ زندگی کے تمام اہم اور غیر اہم فیصلوں میں جاری رہتا ہے... خوشی... غم... نفع... نقصان... دوستی... دشمنی... محبت اور نفرت... سب ہار جیت کے وہ روپ ہیں جن سے ہر انسان ایک جواری بن کے سامنا کرنے پر مجبور ہوتا ہے... جواری... انسانی جذبوں کے ردِعمل سے جنم لینے والی وہ کہانی ہے جو نگر نگر گلی گلی اور گھر گھر نئی بھی لگتی ہے اور پرانی بھی... آپ بیتی بھی اور جگ بیتی بھی... تجسس اور حیرانی کے سارے رنگ دکھلاتی جادو اثر تحریر...

زندگی کی بساط پر اندھا جوا کھیلنے والے کھلاڑی کی ہوشربا داستان

سکندر کے غائب ہو جانے سے اسپتال کے عملے پر بدحواسی طاری تھی۔ میں نے اسپتال کے ایم ایس سے رجوع کیا۔ وہ غیر ضروری طور پر بددماغ آدمی تھا۔
اس نے بیزاری سے کہا۔ "اب مریض نہیں مل رہا تو میں کیا کروں، خود تلاش کروں اُسے؟"
میں نے غصے کو ضبط کیا۔ "یہ آپ کی مرضی ہے، خود تلاش کریں یا عملے سے کہیں۔"
"ابھی آپ نے بتایا کہ وہ ہر جگہ دیکھ چکے۔"
"دیکھیے میرے کہنے کی بات اور ہے آپ سختی سے کہہ سکتے ہیں۔"
اس نے میرا مضحکہ اُڑانے کے انداز میں کہا۔ "یعنی سختی سے کہنے سے آپ کا مریض مل جائے گا؟"
اب میں نے لہجہ بدلا۔ "لک ہیئر مسٹر ایم ایس! میں نے مریض کو اسپتال میں داخل کرایا تھا، کسی یتیم خانے میں نہیں اس کی سیکیورٹی آپ کی ذمے داری تھی۔"
"اگر یتیم خانہ نہیں تو یہ جیل خانہ بھی نہیں... ہم مریضوں کو باندھ کے نہیں رکھتے۔" وہ برہمی سے بولا۔ "آپ کا مریض بھاگ گیا ہوگا۔"
"کیا مریض یہاں سے بھاگ بھی جاتے ہیں؟"
"بس... دو بِن ادا کیے بغیر بھاگ گئے۔ ایک تو اوپر والے کمرے کی کھڑکی سے فلمی انداز میں لٹک کے نکل گیا۔ وہ بھی رات کے وقت... ہمارا لاکھوں کا نقصان ہوا۔"
"لیکن یہ مریض سکندر بخت تھا۔ کروڑپتی بلڈر... اسی لیے وی آئی پی روم میں تھا۔ اس کی ادائیگی ایڈوانس میں تھی اور وہ نفسیاتی مریض تھا۔"
"پھر تو اسپتال ذمے دار نہیں۔ اگر ایک پاگل بھاگ جائے، آپ جا سکتے ہیں۔" وہ ترشی سے بولا۔
میں نے ایک دم میز پر مکا مارا۔ "میں کہاں جا سکتا ہوں، یہ بھی بتا دوں آپ کو... میں سیدھا پولیس میں اسپتال کے خلاف ایف آئی آر لکھوانے جاؤں گا کہ مجھے شک ہے اسپتال والوں نے اس کے گردے نکال لیے۔ اس کا بلڈ لے لیا۔ شاید اس کا جگر بھی اور اس کا بون میرو بھی۔ جب وہ مر گیا تو اسے پوسٹ مارٹم کے لیے کسی میڈیکل کالج کو بیچ دیا یا خاموشی سے دفنا دیا۔ اور اس کیس کی رپورٹ کل کے اخبارات میں شائع ہوگی تو تمہارا اور تمہارے اسپتال کا نام بھی ہوگا۔ پھر آ جانا میرے خلاف ڈی فیم کرنے کا کیس کرنے۔ میں بھی کوئی معمولی وکیل نہیں کروں گا۔ تمہاری گرفتاری کے وارنٹ نہ جاری کرا دیے تو میرا بھی نام ملک سلیم اختر نہیں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "سی یو اِن کورٹ۔"
جو شخص کسی بیوروکریٹ کے رعب داب سے بات کر رہا تھا ایک دم کوئی غرض مند درخواست گزار بن گیا۔
"ملک صاحب، ملک صاحب! آپ تو بلاوجہ ناراض ہو گئے۔ میں ابھی عملے کو اور سیکیورٹی والوں کو طلب کرتا ہوں۔ مل جائیں گے شاہ صاحب... پلیز بیٹھیے۔"
اب اس کا سارا غصہ عملے پر اترا۔ اس نے ایک ایک کو برطرفی اور جیل کی دھمکی دی۔ "مریض کو تلاش کر کے لاؤ دس منٹ میں ورنہ کسی کی خیر نہیں۔" اس نے دہاڑ کے کہا۔
آدھے گھنٹے میں اس نے بڑے اصرار اور عاجزی کے ساتھ مجھے چائے پینے پر مجبور کیا اور یقین دلاتا رہا کہ مریض ضرور ملے گا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ابھی تک میں نے ایک امید پر انور سے بات نہیں کی تھی۔ اب میں نے ایم ایس کا فون استعمال کرتے ہوئے انور کو بتایا کہ سکندر شاہ اسپتال سے غائب ہے اور تلاش کے باوجود نہیں ملا۔
دوسری طرف وہ ہنسا۔ "ملے گا کیسے... وہ ابھی پانچ منٹ پہلے گھر پہنچا ہے۔"
"سکندر شاہ گھر پہنچ گیا ہے؟" میں بھونچکا رہ گیا۔ "اچھا میں آتا ہوں۔"
میں نے اخلاقی طور پر ایم ایس سے معذرت کی اور اس کی بات سنے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ میری پریشانی ضرور ختم ہو گئی تھی لیکن اسپتال والوں کی غیر ذمے داری پر اب بھی غصہ تھا۔ عام طور پر اسپتال میں حفاظتی نظام ایسا ہوتا ہے کہ مریض فرار نہ ہو پائے۔
مراد ہاؤس میں عجیب منظر تھا۔ سکندر شاہ کی آواز ایک کمرے سے سنائی دے رہی تھی اور دروازہ بند تھا۔ ریشم کے ساتھ روبی کچھ حیران پریشان لاؤنج میں بیٹھی تھی اور شاید انہیں میرا ہی انتظار تھا۔ مجھے دیکھ کر دونوں کھڑی ہو گئیں۔
میں نے کہا۔ "انور کہاں ہے؟"
دونوں نے ایک ساتھ بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "اندر شاہ جی کے ساتھ۔" ریشم بولی۔
"دروازہ کیوں بند ہے؟"
انور نے شاہ جی کو روک رکھا ہے۔" روبی نے کہا۔ "اندر جا کے دیکھ لو۔"
میں نے ناک کیا تو انور نے دروازہ کھولا اور پھر بند کر دیا۔ سکندر شاہ کمرے میں چکر لگانے لگاتے ذرا سی دیر

کے لیے رکا۔ ''اچھا کیا تو آ گیا ملک... اس اُلّو کے پٹھے نے بند کر رکھا ہے مجھے۔ میں کوئی پاگل ہوں۔''

''بالکل نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مگر جانا کہاں ہے آپ کو؟''

''ارے وہاں ایک حرام زادہ آ گیا تھا میرے پاس۔'' اس نے غصے میں کہا۔ ''میرے کمرے میں آ گیا۔ اتنی بڑی داڑھی تھی اس کی۔''

''وہاں سپتال کے کمرے میں؟'' میں نے پوچھا۔ ''کون تھا؟ کوئی ڈاکٹر؟''

وہ چکر لگانے لگا۔ ''نہیں یار، مجھ سے کہنے لگا کہ بیٹا تو گنوا دیا تم نے... اب یہ دو بھی مارے جائیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ ہم سے پنگا نہ لیں۔ ورنہ جو ہو چکا، اس سے بھی برا ہوگا۔ بس نے اسے گالیاں دیں تو بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے دوڑا۔''

''اور دوڑتے ہوئے گھر تک آ گئے؟'' میں نے کہا۔ ''نام نہیں پوچھا اُس کا؟''

''اس نے کہا کہ نام کو چھوڑو۔ میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔'' بس نے کہا کہ تم جیسے ایک سو ایک میں گاڑ چکا ہوں۔ تم نے بات نہ مانی ہماری تو سب کو ایک ہی قبر میں دبا دوں گا... رانا ہے میرا نام۔''

میں تقریباً اچھل پڑا۔ ''رانا! یہی نام بتایا تھا اُس نے؟''

''ہاں، اور میں نے کہا کہ میں ہوں رانا کا نانا... نانا بانکر۔ وہ ایک دم نکل گیا۔ میں اس کے پیچھے لپکا تو وہ بھاگا اور میں اس کے پیچھے رہا۔ لیکن باہر نکل کے وہ بیٹھ گیا ایک موٹر سائیکل پر... جو کوئی اور چلا رہا تھا اور بھاگ گیا۔''

میں نے کہا۔ ''آپ کو نہیں روکا کسی نے، گیٹ پر؟''

''وہ تو کچن میں گھس گیا تھا۔ پھر پیچھے دیوار تھی اس کے اوپر سے کود گیا۔ وہاں مجھے دیر ہو گئی۔ پتھر تو مارا تھا میں نے اسے، لگا بھی تھا اسے... میں دیوار پر چڑھنے لگا تو گرا، دوبارہ چڑھا اتنی دیر میں وہ بھاگ گیا۔''

''تو اب کہاں جا کے ماریں گے آپ اُسے؟'' میں نے کہا۔

''میں نے موٹر سائیکل کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ میں اسے تلاش کر لوں گا۔ میرا دوست ہے موٹر رجسٹریشن میں... چھوڑوں گا نہیں اُسے، میں اسے گولی مار دوں گا۔ ایٹم بم گرا دوں گا اس پر، سالے کو پتا بھی نہیں چلے گا اور بوم...'' وہ قہقہہ مار کے ہنسا۔

صاف نظر آتا تھا کہ اس کی کیفیت ہذیانی ہے۔ وہ رفتہ رفتہ دیوانگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی کیفیت جنونی ہو گی۔ نہ میں ماہرِ نفسیات تھا اور نہ ڈاکٹر... اس کی یہ حالت ایک دن میں نہیں ہوئی تھی اور اس میں بہتری بھی ایک دن میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ طویل عرصے تک زیرِ علاج رہے۔ کسی الگ تھلگ جگہ پر جہاں سے نہ وہ بھاگ سکے اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکے عرفِ عام میں ایسی جگہ پاگل خانہ ہی کہلائے گی لیکن وہ عام غریب لوگوں کے لیے سرکاری علاج کی جگہ ہے، جہاں ان کی دیکھ بھال بھی ایسی ہی ہوتی ہے کہ جو وہاں ایک بار پہنچ گیا اسے نہ عزیز و اقارب نے یاد رکھا اور نہ دنیا نے۔ جو یاد رکھا تو بس فرشتہ اجل نے۔

''کیا خیال ہے چل کے اُسے تلاش کریں؟'' انور بولا۔

میں چونکا۔ ''ہاں، آخر اس کی ہمت کیسے ہوئی شاہ جی کے ساتھ بدتمیزی کی۔''

''اور پھر بھاگ گیا۔ مرد کا بچہ تھا تو ٹھہرتا۔''

میں نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں، رانا کو۔''

''تم جانتے ہو؟'' شاہ جی نے خوش ہو کے کہا۔

میں نے کہا۔ ''مجھے موٹر سائیکل کے نمبر سے یاد آیا۔ آخر میں چار سو بیس ہے نا... وہ ہے پکا چار سو بیس، بدمعاش۔''

''بس تو پھر چلتے ہیں، انور وہ تمہارے ابا تو شکاری تھے نا، ان کی بندوق کہاں ہے؟'' شاہ جی بولا۔

''رکھی ہے۔ جاتے وقت اٹھا لیں گے لیکن پہلے کھانا کھائیں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔'' میں نے کہا۔

اس کے بعد جو ہوا میری اور انور کی سادہ سی پلاننگ تھی۔ ہم نے اسے باتوں میں الجھا لیا اور روبی نے اس کو کھانے میں خواب آور دوا دے دی۔ ہم ڈاکٹر کو بلاتے تو وہ بدک جاتے۔ سکندر شاہ کو بہت جلدی تھی۔ اس نے کھانے میں دیر نہیں لگائی مگر ہم وقت گزارتے رہے اور اسے بہلاتے رہے۔ ہمارے نزدیک یہی کامیاب حکمتِ عملی تھی۔ پھر انور نے کہا کہ وہ بندوق لے آئے تو چلتے ہیں۔''

سکندر شاہ نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔ ''اس سالے رانا کی قضا ہی آئی تھی کہ سکندرِ اعظم سے پنگا لیا۔ مارا جائے گا آج، تم گولی وہ ڈالنا جو سؤر مارنے کے کام آتی ہے۔ بہت مارے ہیں میں نے پہلے بھی۔''

رفتہ رفتہ وہ پُرسکون اور خاموش ہوتا گیا اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی پھر وہ ایک طرف لڑھکا اور سو گیا۔ ہم نے اسے اٹھا کے گاڑی میں پیچھے لٹایا اور اسے واپس وہیں لے گئے جہاں سے وہ فرار ہوا تھا۔ دونوں لڑکیوں کے چہروں پر فکر، مایوسی اور پریشانی کے آثار عیاں تھے۔

ریشم نے مُنہ سے پوچھا۔ ''بھائی! یہ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا؟''

میں نے اس کو حوصلہ دینے کے لیے کہا۔ ''کیوں نہیں ٹھیک ہوں گے۔ اسی لیے تو لے جا رہے ہیں۔ آج کل میڈیکل سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے۔''

روبی زیادہ سمجھ دار تھی کیونکہ اپنی بڑی بہن شاہینہ کی طرح وہ ذہنی امراض کی دواؤں کے بارے میں زیادہ جانتی تھی اور اپنی سسر کے علاج اور دوا دارو کا خیال آخری وقت تک اسی نے رکھا تھا۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فکرمندی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہم جو کر رہے ہیں اچھا کر رہے ہیں اور ہم ہی کر سکتے ہیں۔ ابھی تک گھر کے ملازمین کو بھی شک نہیں ہوا تھا کہ اس عظیم الشان سلطنت کے بانی اور مالک کا دماغ چل گیا ہے۔

ملتان جانے والی سڑک پر آتے ہی انور نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ان کو واپس وہیں لے جانا کوئی عقل مندی نہیں۔ وہ معمولی نفسیاتی مسائل سے تو نمٹ سکتے ہیں۔ شاہ جی کا کیس مختلف ہے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''شاہ جی کو محفوظ اور الگ جگہ پر رکھنے کا انتظام ضروری ہے پھر کہاں لے جائیں؟''

''لاہور'' انور قطعیت سے بولا۔ ''مجھے دلی میں ایک پاکستانی ڈاکٹر ملا تھا۔ اس نے وہاں سے دماغی امراض کے علاج میں اسپیشلائز کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ واپس جا کے وہ چھانگا مانگا میں ایک مینٹل اسپتال قائم کرے گا۔ وہاں شیخوپورہ کے علاقے میں ان کی آبائی زمین تھی۔ اس کی دیکھ بھال باقی چار بھائی کرتے تھے۔ والد صاحب مدت سے سیاست میں لگے ہوئے تھے جیسے میں نے اس جاگیرداری نظام سے بغاوت کی، وہ بھی ڈاکٹر بنا اور یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خدمتِ خلق کا جذبہ تھا جس نے اسے یہ اسپتال قائم کرنے کی ضرورت پر قائل کیا مگر یہ ہے کہ پیسے کا اسے مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ رفاہی اسپتال بھی بنانا نہیں چاہتا تھا۔ بس اسے نو پرافٹ نو لاس کی بنیاد پر چلانے کا خواہش مند تھا۔ وہ ایک سیاح تھا، میری طرح۔''

''بعد میں رابطہ ہوا کبھی؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کا نام تھا ڈاکٹر محسن! وہ بھی واپس جا رہا تھا وہیں جا کے معلوم ہو گا۔ اس کا باپ بہرحال مشہور آدمی ہے۔ اگر اسپتال ہو گا تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اخراجات کا کوئی مسئلہ نہیں۔''

''یہ رانا کیسے پہنچ گیا اسپتال میں۔''

''اب اس کا کیا ڈسکس کریں۔ وہ لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے یا تو ہم ان کی بات مان لیں اور سو فیصد غیر اخلاقی، غیر قانونی کاروبار میں سے اپنا منافع لیتے رہیں... یا چیلنج قبول کر لیں کہ ہم نہیں یا تم نہیں۔

''اگر یہ صرف میرا فیصلہ ہوتا تو کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن فیصلہ ہے روبی کا۔ میں اسے نہیں روک سکتا اور مجبور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ وہ اکیلی لڑکی ہے۔ ڈر جاتی ہے اور ان لوگوں کا ناجائز مطالبہ مان لیتی ہے تو اس کی مرضی اور وہ میری طرح سوچتی ہے تو ہمارا کیا، لڑکی کیا کرے گی۔ وہ مجھ سے ہی توقع رکھے گی، میں اسے انکار کیسے کر سکتا ہوں۔''

میں سامنے کار کے نیچے بہہ کر گزرتی سیاہ سڑک کو دیکھتا رہا۔ ''اور میں؟ کیا میں انکار کر سکتا ہوں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔''

''میں اس قسم کے کسی کاروبار میں شریک بننے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ لوگ بردہ فروش ہیں۔ عورتوں، لڑکیوں کو اٹھاتے ہیں اور نہ جانے کہاں بیچتے ہیں۔ منشیات کی مافیا سے ان کا تعلق ہے لیکن ایک بات جو شاید تیرے علم میں بھی نہ ہو جب ہم اس سے مل کر واپس آ رہے تھے نادر شاہ سے... تو میں نے ایک جگہ دیکھا تھا کہ لوگ کسی زیرِ زمین راستے سے نکل رہے تھے۔ یوں جیسے اُگ رہے ہوں یا اُبل کے باہر آ رہے ہوں۔''

اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔ ''کہاں؟''

''مجھے نام نہیں معلوم اس جگہ کا جو ڈرائیور ہمیں واپس لایا تھا، اس نے میرے سوال کا جواب گول کر دیا تھا مگر اس جگہ کو پہچان لوں گا۔ وہاں ایک باغ تھا یا جنگل۔ اس میں کوئی مزار تھا جس پر لگا ہوا سبز جھنڈا ہوا میں لہرا رہا تھا۔ وہ سب لوگ سیاہ وردی میں تھے۔ ایک جیسے حلیے تھے سب کے۔ جیسا ہمارے ڈرائیور کا تھا اور ان کے کندھوں پر کلاشنکوفیں تھیں۔ اس انڈر گراؤنڈ راستے پر وہ کہاں سے آئے تھے اور مزار پر کلاشنکوف کا کیا کام؟''

انور مجھے دیکھتا رہا۔ ''تو نے اس وقت نہیں بتایا تھا؟''

سکتا ہوں۔ ساری آبائی زمین کو ٹھکانے لگاؤں پھر بھی مجھے پیسے کی کمی نہ ہو گی مگر روبی... ایک کمزور لڑکی... ایک بیوہ... میری کزن... وہ کیا کرے گی؟''

''کیسی ناقابلِ یقین بات ہے۔ تین گھرانے ختم ہو گئے اور تب پتا چلا کہ سب کا دشمن ایک ہی ہے۔ جب میں آیا تھا تو یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ نادر شاہ کون ہے۔''

''اسے جاننے کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے ہم نے... ہم سب نے... میں تجھے روک نہیں سکتا کیونکہ تو ابھی تک ہم میں سے نہیں ہے۔ اجنبی ہی مانتا ہے خود کو... مگر میں روبی کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔''

''تو اسے قائل کر لے گا کہ نادر شاہ کی ہر بات مان لے اور اپنا کام کرے... اسے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔''

انور بولا۔ ''میں کوشش تو کروں گا کہ روبی مان جائے لیکن یہ بات میرے ضمیر کے خلاف ہو گی۔ پتا نہیں میں کر سکوں گا یا نہیں، پھر روبی... تجھے اندازہ ہے کچھ کہ وہ کتنی ضدی لڑکی ہے۔''

''ضدی یا مستقل مزاج اور حوصلہ مند۔''

''کچھ بھی سمجھ لے۔ وہ نہ مانی تو پھر... تو جا میں تو نہیں جاؤں گا۔''

''اُلّو کے پٹھے... یہی سمجھا ہے تُو نے مجھے اتنے عرصے میں؟ کیا واقعی میں اتنا خود غرض کمینہ اور ذلیل ہوں؟''

انور مسکرایا۔ ''میرا یقین یہی تھا کہ آپ یکواس فرما رہے ہیں۔''

شیخوپورہ سے پہلے ہی کسی دشواری کے بغیر ہمیں ڈاکٹر محسن کا کلینک مل گیا۔ اس نے علاج گاہ کا نام ''نفسیاتی بحالی کا مرکز'' رکھا تھا۔ یہ شائستہ الفاظ تھے جو وہاں رہنے والوں پر بھی خوش گوار اثر رکھتے ہوں گے۔ معلوم نہیں جسمانی یا

''اب بتا رہا ہوں۔ مجھے شک ہے کہ وہاں سے بھی اسلحہ کہیں جاتا ہے۔ اسمگل ہو کے آتا ہے یا اسمگل ہوتا ہے۔ نادر شاہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ہم دنیا کے سارے دھندے کرتے ہیں جو ناجائز سمجھے جاتے ہیں مگر ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔ روبی کی مرضی ہے مگر میں ایسے کسی دھندے میں نہ شامل ہو سکتا ہوں اور نہ خاموش رہ سکتا ہوں، میں چلا جاؤں گا اپنے راستے... میں بھاگ جاؤں گا۔''

''بھاگ جائے گا؟'' انور نے بے یقینی سے دہرایا۔

''ہاں، موت برحق ہے لیکن خودکشی حرام ہے۔ پہلے بھی نادر شاہ نے مجھے پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا تھا اور میں بہت مطمئن تھا کہ وہ بات پرانی ہو گئی۔ اب میں محفوظ ہوں۔ زندہ رہ سکتا ہوں تو انتقام وغیرہ کو بھول کے اپنی زندگی جیوں۔ لیکن اتنے عرصے بعد اچانک میری تمام غلط فہمی دور ہو گئی۔ اس نے ایک ماہ کی مہلت دی ہے مجھے پھر وہ مجھے واپس وہیں پہنچا دے گا تختۂ دار پر... اور بعد میں تم سے نمٹنا رہے گا۔ تم بھی بچ نہیں سکتے اس کو انکار کر کے۔''

''مجھے بہت افسوس ہے ملک، اتنا عرصہ ساتھ گزار کے تیرے دل میں میرے لیے یا ریشم کے لیے کوئی جذبات نہیں؟ تو اتنی آسانی سے جانے کی بات کر رہا ہے؟''

''تو نے دیکھا انور، میرا دشمن تمہارا بھی دشمن ہے آج... جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ تو اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پیر سائیں پر اسی نادر شاہ کا دستِ شفقت ہے۔ کیسے وہ اچانک سامنے آ گیا۔ وہ سکندر شاہ اور پیر سائیں کی ذاتی دشمنی تھی جس نے پردہ اٹھا دیا۔ مراد مارا گیا۔ پیر سائیں، شاہینہ اور اس کی ماں... سب مارے گئے تو جیت کس کی ہوئی۔ سکندر شاہ کی؟ مجھے منیر نیازی کا ایک شعر یاد آتا ہے جو سو فیصد حسبِ حال ہے... اِک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو... میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ سکندر اپنی دشمنی کو پیر سائیں تک محدود رکھتا مگر وہ طاقت کے غرور میں تھا۔ جیت کے بعد اسے پتا چلا کہ اصل میں تو پیچھے نادر شاہ ہے۔''

''آج میں بھی اسی کو سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہوں۔ اس نے میرے آباؤ اجداد کی نشانی اس حویلی کو ختم کر دیا اور میری ماں کو مار دیا۔ وہ تو کسی دشمنی کے کھیل میں فریق نہ تھی۔ اب وہ مجھے بھی دھمکی دے رہا ہے کہ روبی کو راضی کرو، ورنہ میری بھی خیر نہیں۔ سکندر شاہ کی بھی خیر نہیں تو میں کیا کروں؟ ریشم کو ساتھ لے کر میں بھی نکل جاؤں؟ کہ میرے پاس ڈگری ہے تعمیرات کی اور میں کہیں بھی سہولت کی زندگی گزار

ذہنی طور پر معذور بچوں کو "اسپیشل چلڈرن" کہنے کے ان پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں یا نہیں۔ اصل اہمیت عوامی ردعمل کی ہے۔ عام افراد کے لیے یہ پاگل خانہ ہی تھا۔ اس کا پہلا سائن بورڈ مین روڈ پر ایک تیر سے مرکز کی نشاندہی کررہا تھا۔ ایک سائڈ روڈ پر اس کا فاصلہ تقریباً تین کلومیٹر تھا۔ یہ چھانگا مانگا کے وسیع جنگل کا عقبی حصہ تھا۔ بیشتر درخت قدرتی تھے لیکن یو شیپ میں پھیلی ہوئی وسیع عمارت کا درمیانی حصہ باغبانی کی مہارت سے وجود میں آیا تھا۔ وسط میں فوارہ اور اس کے اردگرد سرسبز ہموار گھاس کے قطعات تھے۔ کناروں پر بیس بیس فٹ کے فاصلے سے بینچیں لگائی گئی تھیں اور ان کے سامنے رنگین پھولوں کی کیاریاں تھیں۔

ابھی شام تھی کہ مرکز کے باسی لان پر ٹہل رہے تھے یا بینچوں پر بیٹھے باتیں کررہے تھے لیکن چند بالکل تنہا اور گم صم بھی بیٹھے تھے۔ صرف ایک تھا جو سر کے بل قلابازیاں کھاتا لان کی لمبائی کو طے کررہا تھا اور دوسرا اس کو ایک ڈنڈی سے ہانک رہا تھا۔ دونوں کا ہنس ہنس کے برا حال تھا۔ پاگل پن یہ بھی نہیں تھا۔ ایک نظر میں یہ جگہ کسی ہوسٹل یا ہوٹل کے جیسی لگتی تھی۔ پاگل پن کی کوئی مسلسل کیفیت نہیں ہوتی۔ بیشتر لوگوں کو جب دورہ پڑتا ہے تو وہ پاگل نظر آتے ہیں۔ دورے کی شدت کم یا زیادہ ہوسکتی ہے اس سے اسپتال والے ٹسٹ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر محسن ہمیں برآمدے میں مل گیا۔ دو اجنبی چہرے دیکھ کر وہ ٹھٹکا پھر اس نے انور کو پہچان لیا اور بڑے پُرجوش طریقے پر اس سے ملا۔ "سوری مجھے صورت یاد ہے، نام نہیں۔ ہم اٹلی میں۔ ملے تھے۔"

"یس، میں چودھری انور ہوں۔ آرکیٹیکٹ۔" انور نے مصافحہ کرکے میری طرف اشارہ کیا۔ "یہ میرے دوست ہیں ملک سلیم اختر۔"

ڈاکٹر محسن خوش شکل، خوش مزاج اور خوش لباس آدمی تھا۔ "ویلکم ویلکم... آپ دونوں داخل ہوں گے؟" وہ بولا اور پھر ہنسا۔

انور نے کہا۔ "جگہ دیکھ کے دل تو چاہتا ہے۔ اِدھر آتے ہوئے مجھے پورا یقین نہیں تھا کہ تمہارا خیال ایک حقیقت بن گیا ہوگا۔ باقی باتیں ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے آپ گاڑی میں سے میرے انکل سکندر شاہ کو اتار لیں۔ ہم انہی کو داخل کرانے آئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے سر ہلایا اور مزید سوال کیے بغیر دو ماتحتوں کو طلب کیا جو وردی پہنے پھر رہے تھے۔ ان کی وردیاں عام نرسنگ اسٹاف کی طرح سفید یا گرے نہیں تھیں۔ وہ سب کارٹون کردار بنے پھر رہے تھے۔ ایک "مکی ماؤس" تھا۔ دوسرا "پوپائے دی سیلر" تیسرا "پنک پینتھر" یہ سب ٹی وی اور فلم کارٹون کریکٹر بے حد مقبول تھے اور ان کی موجودگی سے ماحول کی سنجیدگی ختم ہوگئی تھی۔ ان کو انہی ناموں سے بلایا جاتا تھا اور یہ مینٹل اسپتال سے زیادہ ڈزنی لینڈ لگتا تھا۔ خود عمارت ست رنگی تھی۔ سرسبز درختوں میں... رنگ برنگی عمارت سے سارا ماحول خوشگوار اور کسی تفریح گاہ جیسا ہوگیا تھا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ مریضوں کو خوش رکھنے کے لیے وہاں کھیل تماشے، فلم شو سب ہوتے تھے اور ان کی کسی خواہش کو حتی الامکان مسترد نہیں کیا جاتا تھا خواہ وہ آدھی رات کو چاکلیٹ مانگیں یا کسی سے کہیں کہ میرے ساتھ ڈانس کرو۔ "یہ آئیڈیا کیسے آیا آپ کے ذہن میں؟"

میں نے اس طریق کار کی بہت تعریف کی۔

"میں گیا اور میرا ذہن کھلا۔ یورپ میں پھرا تو کچھ ہیلتھ ریسورٹ دیکھے۔ جہاں لوگ آرام اور صحت یابی کے لیے قیام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے دولت مند ہی افورڈ کرسکتے ہیں۔ پھر ایک دو نفسیاتی آرام گاہ جیسے سینٹر دیکھے جہاں علاج ہوتا تھا۔"

"آپ اسے کاروباری انداز میں چلا رہے ہیں؟ مطلب یہ کہ آمدنی کے لیے؟"

"نو، پیسے کی مجھے اتنی ضرورت نہیں تھی مگر میں اسے اپنے خرچ پر بھی چلانا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی تو چل جاتا۔ لیکن اداروں کو قائم رہنا چاہیے خواہ افراد رہیں نہ رہیں۔ تو میں نے کچھ مدد لی۔ ڈونیشن، بہت تھوڑا مریضوں سے لیا۔ وہ بھی جتنا لواحقین نے دیا۔ کسی نے برائے نام دیا تو دوسرے نے زیادہ دے دیا۔ بس کام چل رہا ہے اور چلتا رہے گا انشاء اللہ۔ میرے ساتھ دو ڈاکٹر ہیں فل ٹائم... ایک ہر روز لاہور سے آتا ہے۔ سب والنٹیئر ہیں۔ رضا کار نرسیں، ٹیچر یا اسٹوڈنٹس ہیں جن کو ہم نے تربیت دی ہے۔ ہماری گاڑی ان کو لاہور سے پک اپ کرتی ہے اور وہیں چھوڑتی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ابھی رضا کار زیادہ ہیں کام کم خیر، آپ پہلے اپنا مسئلہ بتائیں۔"

مسئلہ انور نے بتایا۔ کاروبار کا اعصابی دباؤ، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خود ساختہ خوف، ڈاکٹر نے کچھ دیر لکھنے کے بعد قلم رکھ دیا۔ "تو چودھری صاحب! مجھے تفصیل چاہیے... واقعات بتائیں بغیر تبصرے اور ترمیم کے... صرف اتنا بتائیں کہ کیا ہوا۔ نتیجہ ہم خود اخذ کریں

گے۔ اگر آپ نے پوری بات نہ کی یا کاٹ چھانٹ کے ساتھ بتائی تو نقصان میرا یا آپ کا نہیں، مریض کا ہوگا۔ رازداری ہر ڈاکٹر کی اخلاقی ذمے داری ہوتی ہے۔ وہ میری بھی ہے۔ اعتماد نہیں تو چھوڑ دیں۔ اتنے عرصے بعد ملاقات اچھی رہی۔ چائے پئیں اور جائیں۔ اپنے مریض کو کہیں اور لے جائیں۔''

ظاہر ہے اس کے بعد ہم نے سب بتایا۔ اس کا مجھے پتا نہیں چلا کہ ڈاکٹر صرف ہماری سن نہیں رہا ہے، ریکارڈ بھی کررہا ہے۔ بعد کی کسی غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا۔ اخراجات کا سرے سے مسئلہ نہ تھا۔ ہم رات گئے واپس لوٹے۔ خوف اور تشویش سے دونوں لڑکیوں کا برا حال تھا۔ ہم نے انہیں بھی نہیں بتایا کہ سکندر شاہ کو کہاں چھوڑ کے آئے ہیں۔ ''لیکن وہ پاگل خانہ نہیں ہے۔ لاہور کا بہترین پرائیویٹ اسپتال ہے۔''

''ہم اُن سے مل سکتے ہیں نا؟''

''جب تک انتہائی ضروری نہ ہو۔ کچھ دن میں وہ ٹھیک ہو کے خود ہی آجائیں گے۔''

''کتنے دن میں؟'' روبی نے پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کون بتا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ملیریا نہیں کہ دو دن میں ٹھیک ہو جائے۔ دو چار ہفتے... دو چار مہینے... یا دو چار سال۔''

''کوئی پوچھے گا تو کیا بتائیں گے؟'' ریشم بولی۔

میں نے کہا۔ ''وہ ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ یہاں وہ غیر محفوظ تھے۔ بس اور آپ دونوں سے کوئی پوچھے تو کہیں کہ انور کو پتا ہوگا یا مجھے۔''

اگلے دن ہم نے تمام انتظامی اختیارات کا جائزہ لیا۔ تمام مالی امور اور فیصلوں میں سکندر شاہ نے پاور آف اٹارنی کے ذریعے روبی کو مختار کل بنا دیا تھا اور جب تک وہ خود زندہ تھا، یہ مختار نامہ ہمیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا تھا۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں تین افراد تھے۔ میرے اور انور کے شیئرز پچیس پچیس فیصد تھے چنانچہ روبی پچاس فیصد سے چیئرمین یا ایم ڈی ہوتی تھی۔ کمپنی کا قانونی مشیر ایک بیرسٹر تھا جو نوجوان اور ذہین تھا۔ اس کی فرم سالانہ معاہدے کی بنیاد پر تمام امور سنبھالتی تھی۔ اگلے تین دن میں ہم نے سارے اکاؤنٹس کو دیکھا اور کمپنی کے اثاثے دیکھے۔

انور نے چند دن قبل ہی تمام عملے کو تین ماہ کے لیے تنخواہ دے کر فارغ کر دیا تھا کیونکہ کمپنی کا فی الحال مزید کسی نئے پروجیکٹ میں ہاتھ ڈالنے کا ارادہ نہ تھا۔ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ جب ضرورت ہوگی انہیں پھر طلب کرلیا جائے گا۔

اصل مسئلہ تھا سیکیورٹی عملے کی تبدیلی یا برطرفی... مجھے اور انور کو ہروقت احساس رہتا تھا کہ وہ نادر شاہ کے زرخرید ہیں جن کی نظر ہماری ہر عمل و حرکت پر رہتی ہے اور جو اسے باخبر رکھتے ہیں۔ رانا یہاں سے زندہ سلامت فرار ہونے کے بعد اسپتال پہنچ گیا تھا۔ اس جیسے اور بھی تھے جو کسی بھی تخریبی کارروائی کے لیے مراد ہاؤس میں داخل ہو سکتے تھے۔ انہیں روکنے والا کون تھا۔ یہاں تو ان کے مددگار موجود تھے۔ اگر ابھی تک کچھ ہوا نہیں تھا تو اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ ہمارے پاس نادر شاہ کی دی ہوئی مہلت کا آدھا وقت باقی تھا۔ آدھا وقت گزر چکا تھا اور ہمیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ ہم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ کیا کرے گا۔

فیصلہ ضروری اور ناگزیر تھا۔ ہاں یا نہ... ہم نادر شاہ کے ساتھ ہیں یا نہیں۔ ہم اخلاق اور انسانیت، ضمیر اور قانون کو تسلیم کرتے ہیں یا اس کے کاروبار میں شراکت کو... اقرار میں سلامتی تھی۔ انکار میں موت۔ یہ نادر شاہ جیسے پرانے جواری کے لیے کھیل تھا۔ ہم جیسے اناڑیوں کے لیے خودکشی... یا ضمیر کی موت یا جسم کی... فیصلے کی گھڑی قریب آرہی تھی۔ اسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔

میں اور انور کوئی رازداری کی بات کرتے تھے تو لان میں کرسیاں ڈال کے بیٹھ جاتے تھے۔ گھر کے اندر پہلے بھی یہ اندیشہ تھا کہ ہماری نقل و حرکت کو کیمرے دیکھ رہے ہیں اور ہماری گفتگو کو خفیہ حساس مائیکروفون ریکارڈ کر رہے ہیں۔ یہ ہوسکتا تھا کہ ہم شہر سے سیکیورٹی ماہرین کو بلالیں جو ان کا سراغ لگائیں اور انہیں ناکارہ کردیں لیکن یہ بھی سیکیورٹی اسٹاف کو نکال باہر کرنے کی طرح جارحانہ قدم ہوتا جس سے دشمنوں کو ہمارے عزائم کا اندازہ ہو جاتا۔ ابھی ہم نے ایک قدم ہی لیا تھا کہ کاروبار بند کیا تھا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر تھی سکندر شاہ اسے چلانے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

سکندر شاہ فی الحال محفوظ تھا۔ اسے علاج کے لیے چھوڑنے کے بعد چوتھے دن میں نے صبح روبی کو اکیلا اور اداس بیٹھے دیکھا، عام طور پر میں پہلے اٹھتا تھا۔ اور باہر آتا تھا تو مجھے روبی گھاس پر ٹہلتی ملتی تھی۔ پھر ہم عادت کے مطابق بیڈ ٹی پیتے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے تھے۔

میں دبے پاؤں اس کے پاس جا پہنچا تو وہ چونکی اور اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش بھی کی لیکن میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ ''کیا بات ہے روبی؟'' میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''سوچ رہی تھی وقت کیسے گزر جاتا ہے، پتا بھی نہیں چلتا۔''

''کوئی خاص بات، ہوئی ہے آج؟''

''خاص بات؟'' وہ خلا میں دیکھنے لگی۔ ''مراد کی موت خاص بات ہی تھی، کتنی پرانی بات ہوگئی آج۔''

''وقت ایسے ہی گزرتا ہے۔''

''چار مہینے دس دن ہوگئے آج۔'' وہ بولی۔

''اوہ... یہ میرے ذہن میں نہیں تھا۔'' میں نے خفت سے کہا۔

''میری عدت کا زمانہ پورا ہوگیا۔ اب میں آزاد ہوں ساری عمر بیوہ رہنے اور کہلانے کے لیے۔''

میں نے کہا۔ ''تم جیسی باہمت لڑکی میں نے نہیں دیکھی روبی۔''

وہ بولی۔ ''یہ ہمت نہیں، خودغرضی کی بات ہے۔ میں مراد کے بغیر زندہ رہ سکتی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تم سب کی مجبوری ہوتی ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ مر نہیں سکتے، خود کو الزام مت دو۔'' میں نے کہا۔

ایک خادم دو کپ چائے دے کر لوٹ گیا۔ وہ کپ اٹھا کے ٹہلنے لگی۔ ''رات بھر جاگتی رہی میں... اکیلی۔''

''تم ریشم کو جگا سکتی تھیں، یا مجھے...''

اس نے شکر گزاری سے مجھے دیکھا۔ ''تم ہی میرا سب سے بڑا سہارا تھے اس مشکل وقت میں۔''

''انور بھی...'' میں نے کہنے کی کوشش کی۔

''ہاں، لیکن اس کی مجبوریاں تھیں۔ میرا اور اس کا تعلق ماضی کے حوالے سے کچھ ایسا ہی تھا۔ پہلے اس نے انکار کیا پھر قبول کیا پھر میں نے انکار کیا پھر ایک زبردستی کا ڈراما نکاح کا بھی ہوا۔ ریشم کو سب معلوم ہے۔ کزن کا رشتہ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے فاصلہ رکھتا ہے۔ اس کی نیک نیتی اور دیانت پر مجھے شک نہیں۔ شاہ جی نے اسے صحیح منتخب کیا تھا اور نہیں بھی... ورنہ کیا ہوتا۔''

''کیا ہوتا؟ دنیا چلتی رہتی ہے روبی اور چلتی رہے گی... کسی کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔''

وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ''یہ خیال تو کسی بھی لڑکی کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتا۔ شادی سے پہلے یا اس کے بعد...''

''کیسا خیال؟'' میں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ ''کیسا خیال؟''

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''یہ کہ اگر اس کا شوہر شادی کے بعد کسی حادثے میں مر گیا تو وہ کیا کرے گی۔ یہ ناممکن نہیں۔ حادثات میں لڑکیاں رخصتی سے قبل یا شبِ عروسی ہی میں بیوہ ہوگئیں۔ میں نے بھی یہ نہیں سوچا تھا لیکن اب یہ خیال آتا ہے کہ یہ اعمال کی سزا تھی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو، تمہارے اعمال کی سزا خدا نے مراد کو کیوں دی؟ اور کون سے اعمال...''

''یہی... میں نے ماں باپ کا دل دکھایا۔ ان کی رسوائی ہوئی میری وجہ سے۔''

اسے تسلی دینے کے لیے میں نے کہا۔ ''اگر میری مانو تو انہیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ زبردستی تمہاری شادی کریں۔ بالغ مرد اور عورت اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بلاوجہ کا احساسِ جرم ہے تمہیں۔''

''دراصل، ایک بات اور بھی ہے۔ مجھے اس وقت تو کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ حادثے کے بعد میری آنکھ اسپتال میں کھلی۔ کئی دن بے ہوش پڑی رہی تھی۔ اس وقت تک مراد کی تدفین ہوچکی تھی۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں مراد کے ساتھ تھی اور ہم گاڑی میں تھے اور عین اسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں حادثہ پیش آیا تھا اور میں نے دیکھا کہ کسی نے اوپر سے بھاری پتھر لڑھکایا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا جس نے ملیشیا شلوار قمیص پہن رکھا تھا اور اس کی گھنی سیاہ داڑھی تھی۔ وہ پہاڑی کے اوپر کھڑا تھا جہاں سے سڑک گھوم کے کچھ نشیب کی طرف جاتی ہے۔ راولپنڈی سے جہلم کی طرف آتے ہوئے دینا سے آگے اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ تم نے دیکھا ہے یہ علاقہ؟''

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''بہت اچھی طرح۔''

''میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ مجھے بہت مختلف لگا۔ اس سے پہلے میں ٹرین سے گئی تو سرنگ دیکھی تھی۔ خیر، اس شخص نے جو پہاڑ کی آدھی بلندی پر اکیلا کھڑا تھا، ایک پتھر نیچے لڑھکایا۔ اس کو وہ اٹھاتا تو خاصا زور لگتا مگر وہ کسی چٹان کے کنارے پر تھا اور اونچائی بھی مشکل سے سو فٹ ہوگی۔ مراد نے کار موڑی اور وہ پتھر سڑک پر آگرا۔ سڑک پر ٹریفک رہتی ہے مگر چند سیکنڈ کے لیے وہاں مراد کی گاڑی کے سوا کچھ نہ تھا اور یقیناً مراد نے اس پتھر سے گاڑی کو بچایا مگر بائیں جانب کھائی تھی۔ یہ چند سیکنڈ کا منظر تھا۔ میں نے چیخ ماری اور مراد کا نام لیا۔ بس پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اس وقت تو اہمیت نہیں دی مگر بعد میں بہت سوچا کہ میں نے تو حادثے کے وقت کچھ دیکھا بھی نہیں تھا اور مجھے دو دن

بعد ہوش آیا تھا پھر خواب میں یہ منظر کہاں سے آگیا؟ وہ داڑھی والا، اس کا لڑھکایا ہوا پتھر... وہ موڑ... میری چیخ... ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور رفتہ رفتہ مجھے یقین آنے لگا کہ نہیں ایسا ہی ہوا ہوگا۔ لیکن اس ایک سیکنڈ کے سین کے بعد بلیک آؤٹ ہوگیا۔ سب کچھ میری نظر سے اور دماغ سے اوجھل ہوگیا۔ جیسے کوئی تصویر البم سے نکل کر دوسری تصویروں کے نیچے چلی جائے اور پھر کسی دن اچانک نکل آئے۔ تم کیا کہتے ہو؟"

میں چونکا۔ "بالکل! میں اتفاق کرتا ہوں تم سے، ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

"پھر یہ مجھے یاد کیوں نہیں رہا۔ اتنے عرصے بعد کیوں یاد آیا؟"

میں نے معذرت کی۔ "یہ دماغ کی گتھیاں کوئی ماہر نفسیات ہی سلجھا سکتا ہے۔ ایک بات معلوم ہے مجھے کہ حافظہ اور انسان کی یادداشت ایک گورکھ دھندا ہے۔ کہتے ہیں کہ دماغ کے تین خانے ہیں۔ ایک میں روزمرہ کے کام کی ہر چیز رہتی ہے۔ اس کے پیچھے کبھی کبھار کے کام کی چیز جیسے کسی کا نام یا چہرہ جو برسوں نظر نہ آئے اور زیادہ تر معلومات کا خزانہ... سب سے پیچھے بچپن کی یادیں بھی ہو سکتی ہیں اور تلخ حادثات بھی۔"

"اور یہ جو بھولنے کا مرض ہوتا ہے؟"

میں نے کہا۔ "اس کا تعلق عموماً عمر سے ہوتا ہے مگر اس مرض میں ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آپ ابھی کی بات بھول جاتے ہیں آج کی یا کل کی یا گزشتہ ہفتے کی۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ بوڑھے کھانا کھا کے بھول جاتے ہیں اور بھوک کی شکایت کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ کہ حال کی بات تو یاد رہتی ہے، پرانی باتیں یاد نہیں رہتیں۔ میرے خیال سے کچھ ایسا ہی ہوا کہ دماغ نے پہلے تم سے حقیقت چھپائی اور جب تمہاری حالت سنبھل گئی تو بتا دی۔ اب مجھے ایک بات بتاؤ، وہ داڑھی والا کون تھا؟ غور کرو، اس کی صورت دماغ میں لاؤ۔"

روبی نے نفی میں سر ہلایا۔ "صورت تو ذہن میں ہے مگر دیکھی ہوئی نہیں لگی۔"

"او کے، پھر دیکھو گی تو پہچان لوگی؟" میرے دماغ میں رانا کی شبیہہ گھوم رہی تھی۔

اس نے کہا۔ "ہاں، پہچان لوں گی۔ تم کس کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

"ابھی کچھ نہیں لیکن روبی! مجھے لگتا ہے کہ مراد کو قتل کیا گیا تھا۔"

"جان تو ہم ہتھیلی پر لیے پھر رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ اب ہم محفوظ ہیں۔"

"مراد کو مارا گیا راستے سے ہٹانے کے لیے اور تمہیں تنہا کرنے کے لیے۔ دیکھ لو اس کی موت نے کیا تباہی پھیلائی، ماں گئی، باپ کا زندہ ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔"

اندر سے انور نے کھڑکی سے منہ نکالا۔ "کیا باتوں سے پیٹ بھر جائے گا؟ ہم کرلیں ناشتا۔"

ہم اندر چلے گئے۔ مراد ہاؤس اب کسی آسیب زدہ گھر کی طرح لگتا تھا۔ گھر کے چار افراد میں سے صرف روبینہ یہاں رہ گئی تھی۔ ہم تین یعنی میں، انور اور ریشم باہر سے آئے تھے اور اس کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔

حالات و واقعات کی اس طویل آزمائش میں ہر قسم کی سازش کے نقصان سے گزر کے اور الگ الگ نظر آنے والے واقعات کا عذاب جھیل کے ہم سب پر یہ خوفناک حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ ہم سب کی تباہی و بربادی کے پیچھے ایک ہی دشمن کا چہرہ ہے اور وہ چہرہ نادرشاہ کا تھا جو اب ہم سب کے سامنے آگیا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی جیسے میں باہر سے آنے والا نادرشاہ کی دشمنی کا خطرناک وائرس اپنے ساتھ لایا تھا جس نے دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب ہماری کیفیت الگ الگ ڈوبنے والے جہازوں کے مسافروں جیسی تھی جو الگ الگ سمندری پانیوں میں ڈوبتے ابھرتے ہر قسم کے خطرات سے نبرد آزما ہوتے بالآخر ایک جزیرے پر اکٹھے ہوگئے تھے مگر آگے جزیرے پر بقا کی سلامتی نہ تھی۔ زیادہ سنگین خطرات درپیش تھے۔ ہم اب مل کر ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کی طاقت بن کر ہی جی سکتے تھے۔

روبی کے اس اعتراف پر کہ آج اس کے لیے عدت کی رسمی پابندی بھی نہ رہی، ہم خوشی کا اظہار تو نہیں کر سکتے تھے۔ ہم سب نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اسے یقین دلایا کہ سب اس کے ساتھ ہیں۔ وہ کبھی خود کو اکیلا محسوس نہ کرے۔

روبی نے کہا۔ "میں ایک چکر لگا کے دیکھنا چاہتی ہوں، وہ جگہ جہاں میرا گھر تھا۔ درگاہ تھی۔"

انور نے کہا۔ "میں بھی چودھریوں کی حویلی کے کھنڈر دیکھ لوں، کیا بچا ہے۔ سب کچھ تو چور لٹیرے لے گئے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ "پہلے

جائزہ لے کر آجائیں پھر بات کریں گے شام کو۔"

چودھریوں کی زمین نہر کے دونوں طرف تھی۔ لوگ اسے ندی بھی کہتے تھے۔ کیونکہ یہ سارا سال پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس میں چھوٹے بڑے برساتی نالے شامل ہوتے تھے تو اس کا پاٹ کہیں کہیں ندی جیسا ہی ہو جاتا تھا۔ جتنی تاریخ مجھے معلوم ہو سکی تھی، وہی تھی جو بیشتر زمینداروں کی تھی۔ انگریزوں سے ڈیڑھ سو سال پہلے یہ زمین انور کے کسی جدِ امجد کو وفاداری کے انعام میں ملی تھی۔ ان سے وفاداری کا مفہوم اہلِ وطن کے لیے غداری تھا لیکن جہاں سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوں، وہاں اچھائی برائی کا معیار خود بدل جاتا ہے۔ دولت مندی سارے اخلاقی اور معاشرتی معیار بتا چکی تھی۔ نہ جانے انعام میں زمین پانے کے لیے انہوں نے کیا کیا ہوگا۔

پہلے اور دوسرے چودھری کی ایک ایک اولاد تھی۔ تیسرے کے دو بیٹوں میں زمین نصف نصف تقسیم ہوئی تو نہر نے سرحد بنا دی۔ ایک آباؤ اجداد کے پرانے طریقوں پر چلا۔ دوسرے نے دولت و شہرت کے لیے پیری مریدی کو دھندا بنایا اور اس کی آڑ میں سارے دھندے شروع کر دیے جو دنیا کی نظر میں غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہوں مگر ایک اور دنیا تھی۔ سادہ لوح احمقوں کی۔ وہ اکثریت میں تھے اور پیر سائیں کے قدموں میں اپنی زندگی، عزت و وقعت اور خون پسینے کی کمائی ڈال دیتے تھے۔ انور کا باپ اپنے باپ دادا جیسا ہی رہا۔ عیاش، مغرور، سفاک، شراب و شباب کا رسیا۔ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے فارمولے پر پچھتر سال جی گیا۔ آگے پھر اس کا ایک بیٹا اسی کا نقش ثانی تھا مگر حادثاتی طور پر اس کو ایک بہت حسین اور ذہین بیوی مل گئی صرف حسین ہوتی تو کچھ نہ ہوتا مگر ذہین ہونے کی وجہ سے اس نے مجازی خدا کو وقت ضائع کیے بغیر ضائع کر دیا اور حقیقی خدا کے پاس بھیج دیا۔ انور کی مت ماری گئی پڑھ لکھ کے۔ اس نے آباؤ اجداد کے گناہوں کا کفارہ یوں ادا کیا کہ ساری زمین غلام مزارعوں میں بانٹ دی۔ مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا۔ وہ عرش سے فرش پر نہیں اترا تھا۔ ایک نئی دنیا میں نئے رشتوں کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے چکر میں تھا۔

کار کی پچھلی سیٹ پر ریشم کے ساتھ روبی تھی اور وہ دونوں بھی اپنے اپنے خیالات میں ڈوبی باہر کی دنیا کو دیکھ رہی تھیں جو بظاہر بدلی نہیں تھی پھر بھی بدل گئی تھی۔ انور ڈرائیونگ کر رہا تھا اور میں اس کے ساتھ بیٹھا اپنے خیالوں کے غبارے اڑا رہا تھا۔ یہ پرانی سڑک تھی جو ٹوٹی پھوٹی ہی نہیں، بہت تنگ بھی تھی۔ عموماً اس پر سے بیل گاڑیاں اور تانگے ہی گزرتے تھے مگر کبھی کبھی ہم جیسے کار کے مسافر بھی اپنی حاکمیت کا جھنڈا لہراتے گزرتے۔ تھے تو غریب گاڑی بان ریڑھے والے اور سائیکل سوار فوراً سڑک چھوڑ کر کچے میں اتر جاتے تھے۔ حاکم اور محکوم کسی کے لیے اس میں کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

سڑک پر سامنے سے ایک سائیکل والا نمودار ہوا۔ انور کو امید ہوگی کہ وہ کار کے لیے راستہ چھوڑ دے گا مگر وہ عین وسط میں بڑی تیزی سے آیا۔ انور نے آخری وقت میں اسے بچانے کے لیے بریک لگا کے اسٹیئرنگ گھما دیا۔ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد کیا ہوا، زمین اوپر چلی گئی یا آسمان نیچے آ گیا۔ انور نے بائیں طرف گاڑی کو سڑک سے اتار دیا تھا۔ سائیکل والا صاف بچ گیا تھا مگر بائیں طرف ایک پلیا سی تھی۔ اینٹوں سے بنی تین فٹ لمبی اور ایک فٹ اونچی دیوار جس کے نیچے سے کوئی نالا گزر رہا تھا۔ ایسے نالے جا بجا تھے مگر وہ سارا سال بہتے نہیں تھے۔ کبھی بارش کا پانی ایک طرف گڑھے یا نشیب میں تالاب کی طرح ٹھہر جائے تو رفتہ رفتہ نیچے سے بہہ کر آگے نکل جاتا تھا۔

گاڑی اس کے اوپر سے اچھلی اور ہوا میں تھوڑا سا اٹھ کے دوسری طرف الٹ گئی۔ میں نے ریشم کی چیخ بھی سنی اور روبی کی بھی۔ میں نے تہ و بالا کر دینے والی حرکت ختم ہوتے ہی دیکھا کہ گاڑی الٹی پڑی ہے۔ میں اس کی چھت پر دوسروں کے ساتھ گرا ہوا ہوں۔

جس طرح میں نے چلا کے انور کو روبی کو یا ریشم کو پکار کے ان کی خیریت پوچھی، ایسے ہی وہ بھی چلا رہے تھے۔ ہوش و حواس اکٹھے کرنے کے بعد میں نے باہر نکلنے کا راستہ دیکھا۔ چھت کے دبنے سے سب دروازے پھنس گئے تھے۔ لیکن مجھے دروازے سے نکلنے کے لیے، شیشہ توڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی ونڈ اسکرین تصادم کے زبردست جھٹکے سے کہیں باہر جا پڑا تھا اور سامنے کا خلا بالکل میرے مقابل تھا گاڑی سامنے سے اٹھی ہوئی تھی چنانچہ میں اور انور تھوڑی سی کوشش سے باہر آ گئے۔

انور کے چہرے پر نہ خراشیں نظر آ رہی تھیں نہ زخم۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ میرے ہاتھ پیر اور ہڈیاں سلامت ہیں اگر جھٹکوں کا اثر تھا تو ابھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جب میں نے روبی کو نکالا تو وہ سخت دہشت زدہ تھی اور باہر آتے ہی مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بے ہوش ہو گئی۔ ریشم

اندر سے نکالی گئی تو بے ہوش تھی مگر باہر آتے ہی ہوش میں آ کے چلانے لگی۔ ''انور! تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں، ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم بتاؤ کہاں چوٹ محسوس ہوتی ہے۔'' انور بولا۔

''پتا نہیں۔'' وہ ہانپ کے بولی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

اس ویران اور کم آباد سڑک پر مدد کے لیے نمودار ہونے والی پہلی سواری ایک ریڑھے کی تھی جو گائے بھینسوں کا چارا لے کر کہیں جا رہا تھا۔ وہ خود ہی رک گیا۔ چارا نیچے پھینک کر اس نے ایمبولینس کی خدمات سنبھال لیں۔ حفظ مراتب کی وجہ سے اس نے معزز خواتین کو ہاتھ لگانے کی ہمت بھی نہیں کی۔ جب ہم نے ان دونوں کو ریڑھے میں لٹا دیا اور خود بھی سوار ہو گئے تو انور کے حکم کے مطابق اس نے گھوڑے کو اسپیڈ لگائی۔ اب ہم تقریباً انور کے گاؤں پہنچ چکے تھے۔ بظاہر کوئی نقصان ہوا تھا تو صرف گاڑی کا۔ ہم میں سے کسی کو ہاتھ پیر چلانے میں دشواری نہ تھی اور جسم کے کسی حصے یا لباس پر خون کا داغ بھی نظر نہ آتا تھا۔

''کون تھا وہ حرام زادہ؟'' انور نے برہمی سے کہا۔ ''کہاں گیا؟''

میں نے نفی میں سر ہلا کے پیچھے سڑک پر دیکھا۔ ''چھلاوا بن کے نمودار ہوا اور غائب ہو گیا۔''

''ایسے منہ اٹھائے سیدھا چلا آ رہا تھا جیسے ہم سائیکل پر ہوں اور وہ کار میں اور پھر بھاگ گیا دو منٹ میں... سؤر کا بچہ۔ یہ نہیں کہ مدد کے لیے رک جاتا۔''

''وہ ڈر گیا ہو گا کہ چودھری صاحب کھال ادھیڑ دیں گے۔ گاڑی تو پہچانتا ہی ہو گا۔ تو نے پہلے بھی دیکھی تو ہو گی اس کی صورت۔''

انور نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب سامنے آئے گا نہیں ورنہ...''

آہستہ سے ریشم نے کہا۔ ''انور میں مر جاؤں گی۔''

''بکو مت، ابھی چلتے ہیں اسپتال، گاؤں آ گیا۔''

میں نے روبی کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے پڑی تھی اور آہستہ سے کہا۔ ''روبی۔''

وہ خاموش اور بے حس و حرکت رہی۔ میں نے پھر اس کا نام پکارا۔ انور نے آہستہ سے اس کے گالوں پر تھپکی دی۔ وہ نہیں بولی۔ انور نے تشویش سے میری طرف دیکھا۔ اسی وقت ریڑھا رک گیا۔ کچھ فاصلے پر چودھریوں کی جلی ہوئی کھنڈر حویلی دکھائی دے رہی تھی۔ اس میں چار

مکار آدمی

دروازے کی گھنٹی بجی۔ عورت نے دروازہ کھولا تو اس کے شوہر کا جگری دوست کھڑا ہوا تھا۔

''وہ نہا رہے ہیں۔'' عورت نے اطلاع دی۔

''کیا میں اندر آ جاؤں؟''

عورت نے ذرا سی جگہ دی۔ اس نے اندر آ کر دروازہ بند کیا اور سرگوشی میں کہا۔ ''جانی نہا رہا ہے، موقع اچھا ہے، تم ایک بوسہ دو تو میں تمہیں پانچ ہزار روپے دوں گا۔'' وہ اس عورت کی فطرت سے واقف تھا۔ جانتا تھا کہ وہ دام میں آ جائے گی۔

عورت لالچی تھی۔ اس نے لمحہ بھر سوچا پھر راضی ہو گئی۔ سودا زبردست تھا۔ شوہر کو ہوا بھی نہ لگتی کہ دروازے پر کیا ہوا ہے۔

عورت کی طرح وہ بھی لالچی تھا۔ ایک بوسے سے دل نہ بھرا تو پانچ ہزار روپے دے کر اس نے اسی دام کی دوبارہ پیشکش کی۔

دو بوسوں کے دس ہزار سن کر عورت کے من میں لڈو پھوٹنے لگے۔

اس نے فراخ دلی سے دوسرا بوسہ لیا اور عورت کو مزید پانچ ہزار روپے تھما کر وہیں سے رفو چکر ہو گیا۔

کرارے نوٹ بلاؤز میں اڑس کر وہ اندر گئی تو غسل خانے سے شوہر نے ہانک لگائی۔ ''کون تھا؟''

''جی آیا تھا... تمہارا جگری دوست!''

''تو کیا وہ چلا گیا؟'' غسل خانے سے بے تابانہ سوال آیا۔

''ہاں، چلا گیا!''

''ارے! مجھے تو بتایا ہوتا... وہ مجھ سے ادھار لیے ہوئے دس ہزار روپے لوٹانے آیا ہو گا۔''

عورت کے حلق میں یکا یک تلخی گھل گئی اور اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔ ''دے گیا ہے... وہ مجھے دے گیا ہے لیکن اب اس مکار آدمی سے کہہ دینا کہ ہمارے دروازے پر قدم نہ رکھے... اس کا پتا پھڑ کے تو فون کر کے تم کو باہر بلا لے!''

لاہور سے زاہد صادق کا تعاون

گاڑیاں ہر وقت موجود رہتی تھی۔ وہ سب جل کے ملبے میں دب چکی تھیں۔ جہاں قلعے جیسے گیٹ پر محافظ پہرے دار کھڑے ہوتے تھے وہاں نہ دیواریں تھیں اور نہ عمارت کے نشان، بس ملبے اور جلی ہوئی لکڑیوں، دھوئیں سے سیاہ اینٹوں اور کالے درختوں کے جھنڈ تھے۔ انور کا خیال غلط نہ تھا۔ لاوارث عمارت کے ملبے سے چور اچکے کام کی چیز نکال کے لے جا چکے تھے۔

ابھی انور کے لیے بھی موقع نہ تھا کہ وہ اپنے آبائی گھر کے مدفن پر آنسو بہا سکے۔ اس کی اور میری پریشانی ایک ہی تھی۔ ہمیں جلد از جلد کسی ڈاکٹر کی ضرورت تھی مگر اس گاؤں میں ابھی تک عام امراض کا علاج ایک پنساری کرتا تھا جو آٹے، دال، چاول کے ساتھ ایک الماری میں کچھ عام امراض کے دیسی نسخے یا چند انگریزی دوائیں بھی رکھتا تھا۔ وہ کچھ عرصے پہلے شہر کے کسی ڈاکٹر کا کمپاؤنڈر تھا اور نکالا گیا تھا یا خود چھوڑ آیا تھا اور اب باقاعدہ ڈاکٹری کر کے گرد و نواح سے پیسا اور شہرت دونوں کمانا چاہتا تھا لیکن یہ دونوں حضرات ہماری کیا مدد کر سکتے تھے۔

تانگے ریڑھے کے علاوہ ہمارے پاس دو چوائس تھیں۔ ایک شخص دودھ اور سبزی شہر پہنچانے کے لیے پرانی پک اپ خرید لایا تھا۔ وہ شہر گیا ہوا تھا۔ ایک اینٹوں کے بھٹے والے نے پرانا ٹرک خرید لیا تھا۔ وہ دستیاب تھا اور دس منٹ میں دھواں اڑاتا غراتا سامنے آ کھڑا ہوا۔

اس وقت وہ خستہ حال ٹرک وی آئی پی ایمبولینس کے طور پر استعمال ہونے کا اعزاز حاصل کر رہا تھا چنانچہ نہ صرف یہ کہ پائلٹ خود اس پر تکیے کے ساتھ گدے بچھا کے لایا تھا بلکہ اتنے کم وقت میں اس نے ٹرک کی سطح پر سے مٹی وغیرہ بھی جھاڑ دی تھی۔ چودھریوں کے گھرانے کی پردہ داری کے لیے عوام کو قریب آنے سے بھی ڈرائیور روک رہا تھا۔ اب روبی اور ریشم دونوں ہی ہوش میں تھیں اور لیٹ کر جانا نہیں چاہتی تھیں مگر ہمارے اصرار پر لیٹ گئیں۔ بیٹھ کر سفر شاید ان کے لیے زیادہ مشکل ہوتا۔ ریشم کی چوٹیں ظاہری بھی نہیں تھیں جیسے ہماری... مگر مجھے اندازہ تھا کہ کچھ دیر بعد جوڑ درد کرنے لگیں گے۔ روبی اندرونی تکلیف سے دوچار تھی مگر اس کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔

اسپتال وہی تھا جہاں چودھری کی فیملی آتی تھی۔ خود ریشم اسی اسپتال میں رہ چکی تھی۔ مجھے وہ رات یاد تھی جب وہ زہر خورانی کے باعث مرتے مرتے بچی تھی۔ اسے شاہینہ نے گندم کے کیڑے مارنے والی زہریلی گولیاں دے کر ہلاک کرنا چاہا تھا مگر گولیاں پرانی ہو کے خراب ہو چکی تھیں۔ اس کی میڈیکل رپورٹ میں نے نائٹ ڈیوٹی کی ایک نرس سے خرید کر لی تھی مگر اب نہ شاہینہ تھی اور نہ وہ رپورٹ بھی میرے کسی کام نہ آئی تھی۔ جب روبی کو وہی کمرا دیا گیا جس میں ریشم تھی تو مجھے وہ بہت پرانی بات پھر یاد آ گئی۔ وقت بدل گیا تھا۔ اسپتال اب پرانے ڈاکٹر کے بجائے اس کا بیٹا اور بہو چلا رہے تھے اور اس کی حالت یقیناً بہت بہتر تھی۔ میرے کہنے پر ریشم بھی چیک اپ پر راضی ہو گئی۔

دو گھنٹے بعد ریشم کو کلیئر کر دیا گیا۔ اسے درد اور انفیکشن کی احتیاطی دوائیں دے دی گئی تھیں۔ روبی داخل رہی۔ ہم اسے چھوڑ کے کیسے جاتے۔ تین، چار گھنٹے بعد ریشم ہی خبر لائی کہ بڑی ڈاکٹرنی آئی ہے۔ میرے دل میں ایک اندیشے کا جو کانٹا چبھ گیا تھا اس کی خلش بڑھ گئی۔ ممکن ہے ریشم اور انور بھی ایسا سوچ رہے ہوں لیکن کسی نے بھی زبان سے کسی اندیشے کا اظہار نہیں کیا۔ ہم وہیں چائے بسکٹ کھا کے گزارا کرتے رہے۔ بالآخر شام چار بجے ڈاکٹر نے ہمیں اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔

''یہ روبینہ مراد... کس کی بیوی ہیں؟ آپ میں سے مراد کون ہے؟''

میں نے کہا۔ ''کوئی بھی نہیں۔ مراد ان کے شوہر تھے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔''

''اوہ، آپ سے کیا رشتہ ہے؟'' وہ تشویش سے بولی۔

انور نے کہا۔ ''میری کزن ہے۔ آپ بتائیں کیا بات ہے؟''

''کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ مسٹر انور! آپ کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا تھا؟''

انور نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''گاڑی الٹ گئی تھی۔''

''دیکھیے ویسے تو پولیس کیس ہے مگر آپ سے پرانے فیملی ریلیشن ہیں، اس اسٹیج پر ابارشن سے خاصی پرابلم ہو جاتی ہے...''

''ابارشن...'' میں اور انور ایک ساتھ بولے۔

''یس... لیکن فکر کی بات نہیں۔ ہم سنبھال لیں گے۔ ہم نے اسپتال کو ایمرجنسی ہینڈل کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ خصوصاً گائنک کیس میں... میں خود اسپیشلسٹ ہوں۔'' اس نے ایک فارم ہمارے سامنے رکھا۔ ''اس پر کون سائن کرے گا؟''

انور نے فارم لے لیا۔ ''میں... لیکن یہ کیا ہے؟''

''ایک نارملٹی۔ ہم ہر سرجری سے پہلے لیتے ہیں' روٹین ہے۔''

میں نے کہا۔''آپ اخراجات کی پروا نہ کریں اور بلڈ وغیرہ کی ضرورت ہو تو بتاویں۔''

''میں دوں گی خون۔'' ریشم نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ''روبی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ڈاکٹر۔''

اس نے ریشم کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکرائی۔''یہ بالکل فکر کی بات نہیں۔'' اور پچھلے دروازے سے اندر غائب ہوگئی۔

ہم بت بنے دیواروں کو گھورتے رہے۔ جسمانی گزند سے سب محفوظ رہے تھے۔ جذباتی صدمہ صرف روبی کے مقدر میں تھا۔ آج ہی وہ ایک سانحے سے جانبر ہونے کی بات کر رہی تھی۔ مراد نہیں تھا۔ اس کی یاد تھی۔ اس کی نشانی تھی۔ ایک امید تھی کہ اس سہارے پر وہ اپنی باقی زندگی گزار لے گی۔ اب اس کے پاس جینے کا کون سا بہانہ ہو گا۔ پہلے اس نے مراد کے ماں باپ کی خاطر اپنے دکھ سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اب وہ بھی نہیں۔

''اب روبی کیا کرے گی؟'' انور بولا۔

میں چونکا۔''معلوم نہیں۔''

''وہ مر جائے گی۔''

میں نے پھر کہا۔''معلوم نہیں۔'' اور بے حسی کے ساتھ ریشم کی آنکھوں سے نکلتے خاموش آنسوؤں کو دیکھتا رہا۔

کسی کے پاس کہنے سننے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ شام ہوئی تو ڈاکٹر نے ریشم کو اجازت دی اور وہ روبی سے مل کے دس منٹ میں لوٹ آئی۔ پھر باری باری میں اور انور گئے۔ خلافِ توقع مجھے روبی زیادہ اپ سیٹ نظر نہیں آئی۔ میں نے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''میں کیا کہوں؟'' میں نے کہا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔''کچھ کہنے سے کیا ہوگا۔ میری زندگی ایسی ہی ہے۔''

''تم بہت بہادر لڑکی ہو۔ یہ میں ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں۔''

وہ بولی۔''اکیلا آدمی بہادر نہیں ہو سکتا۔ میری ہمت تم ہو۔ تم نہ ہوتے تو میں کیا کرتی۔''

''یہی تمہاری بہادری ہے کہ تم جینے کے بہانے تلاش کر لیتی ہو۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔''

''ڈر صرف اس بات سے لگتا ہے کہ تم نہ مجھے چھوڑ جاؤ، مراد کی طرح۔''

''کیسی بات کرتی ہو۔'' میں نے اس کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا جو کسی نوزائیدہ چوزے جیسا نرم و نازک اور گرم تھا۔

ڈاکٹر ایک دم اندر آئی تو میں نے روبی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ مسکرائی۔''کل پرسوں تک یہ جا سکتی ہیں آپ کے ساتھ۔ ان کے کزن اور ان کی مسز چاہتے تھے کہ وہ رات کو یہاں ٹھہر جائیں۔ میں نے کہا کہ قطعی غیر ضروری ہے، ہم ہیں نا۔''

روبی نے اچانک کہا۔''یہ رک جائیں گے اسپتال میں میرے پاس۔''

میں نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔''ہاں، ایک بار پہلے بھی رک چکا ہوں میں... میرے لیے کوئی پرابلم نہیں۔''

ڈاکٹر نے سر ہلایا۔''جیسی مرضی آپ کی۔'' اور باہر نکل گئی۔

مراد ہاؤس سے دو گاڑیاں آئی تھیں۔ ایک انور کو اور ریشم کو واپس لے گئی۔ یہ غالباً سکون آور دوا کا اثر تھا کہ روبی ان کے جانے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ میرے پاس اپنے خیالوں میں بھٹکنے کے سوا کرنے کو کچھ نہ تھا۔ مجھے روبی سے آج ہی صبح ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ سوگ کی رسمی قید کی مدت بھی آج پوری ہوگئی۔ اور اس نے مجھے ایک نئی بات بتائی تھی۔ ایک خواب کا ذکر کیا تھا جو حقیقت محسوس ہوتا تھا۔ حلیے سے وہ داڑھی والا بھی مجھے رانا ہی لگتا تھا۔ یہ بات بعید از امکان نہ تھی کہ اپنے مقصد کے حصول اور اپنی بات منوانے کے لیے روبی کے گرد حلقہ پہلے سے تنگ کیا جا رہا ہو۔ وہ اکیلی اور کمزور لڑکی تھی' اس سے ہر بات منوائی جا سکتی تھی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ یہاں بھی سامنے جو چھوٹے شیطان تھے پس پردہ ان کی طاقت وہی تھی جس کے ہاتھوں میں اپنی زندگی تقریباً گنوا بیٹھا تھا۔ ایک بار پھر وہ اور میں آمنے سامنے تھے مگر اس بار جال میں میرے ساتھ ریشم، انور اور روبی بھی گرفتار ہو چکے تھے۔ اصل ہدف اب میں نہیں تھا، روبی ہوگئی تھی۔ مراد سے بچھڑنے کا صدمہ اس نے بڑی ہمت سے برداشت کیا تھا۔ وہ بھی معمولی بات نہیں تھی لیکن آج تو اس نے میرے اور انور کے تمام اندیشوں کو غلط

ثابت کر دیا تھا۔ عام عورت یوں اپنی ممتا سے محروم ہو جائے تو اندر سے ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ روبی نے یہ دوسرا وار بھی سکون سے کیسے سہہ لیا تھا۔ ہمارا تو خیال تھا کہ اب وہ جی نہیں پائے گی۔ جینے کے لیے کوئی سہارا تو ہو۔

روبی کی بہن شاہینہ بھی بہت غیر معمولی عورت تھی۔ صرف حسن و شباب میں نہیں، ذہانت اور جرأت میں بھی۔ بے شک بعد میں یہ ذہانت بھی منفی قوت کے ساتھ فطانت بن گئی تھی۔ اس کی جرأت مندی ابھی تک میرے دل پر نقش تھی۔ روبی بھی اتنے ہی مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ بس اس کے کردار میں ابھی تک مثبت پہلو غالب تھے۔ سوتے میں وہ زیادہ معصوم لگ رہی تھی۔

اس وی آئی پی روم میں اٹینڈنٹ کے لیے ایک اضافی بیڈ تھا جس پر میں ایک بار پہلے بھی سو کے رات گزار چکا تھا۔ ساری رات خاموش بیٹھے روبی کو دیکھتے رہنا عملاً ناممکن تھا۔ دس بجے سے پہلے ڈاکٹر نے آخری راؤنڈ لگایا اور اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ ''یہ تو صبح تک ایسے ہی سوتی رہیں گی۔ ہر ایکسیڈنٹ کے شاک کا سب سے اچھا علاج نیند ہوتی ہے اور یہ تو ڈبل شاک تھا۔''

''میں تو اس کے حوصلے پر دنگ ہوں۔''

''حوصلہ صرف تنومند پہلوانوں میں نہیں ہوتا۔ آپ زیادہ پریشان لگ رہے ہیں مجھے تو... دس بجے کینٹین کے بند ہونے سے پہلے کچھ کھا پی لیں اور سو جائیں آپ بھی۔'' اس نے جاتے جاتے کہا۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو کھڑکی سے ہٹے پردے کی ایک درز سے روشنی کی لکیر اندر آ رہی تھی۔ شاید سورج ابھی طلوع ہوا تھا کیونکہ اس لکیر میں سنہرے پن کی جھلک تھی۔ میں نے روبی کی طرف دیکھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ آنکھوں کی چمک کے ساتھ اس کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ جھلملائی۔ ''میں نے زبردستی تمہیں روک لیا تھا؟'' وہ بولی۔

''مجھے یہ زبردستی اچھی لگی۔''

''مجھے بھی... میں نے سوچا کہ ریشم کے لیے رک سکتے ہو تو میرے لیے کیوں نہیں رک سکتے، تھینک یو۔''

''ایک طرف اتنی اپنائیت... دوسری طرف تھینک یو کا تکلف... طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت اچھی... میرا خیال ہے گھر چلتے ہیں۔''

''ڈاکٹر اجازت دے گی تو جائیں گے ایسی جلدی کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ایسی کی تیسی ڈاکٹر کی... گاڑی ہے کوئی؟''

میں نے حیرانی سے کہا۔ ''گاڑی رات کو ہی آ گئی تھی مگر ایسے میں تمہیں فرار نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ بولی۔ ''یہاں تمہیں رات کو کیا ملا کھانے کو؟''

''بہت کچھ، تم میرے لیے کیوں فکر مند ہو؟'' میں نے چڑ کے کہا۔

''یہاں کیا ملا ہوگا۔ کل سے کافی بھی نہیں پی ہوگی۔'' وہ بولی۔

''حد ہے تمہاری بھی۔ میری کافی کی نہیں اپنی صحت کی فکر کرو۔ ہم یہاں پکنک منانے نہیں آئے ہیں۔''

ایک نرس ناک کر کے مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ ''کیسی ہیں آپ میڈم؟'' اس نے عادتاً سوال کیا اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بلڈ پریشر اور ٹمپریچر وغیرہ کا چارٹ کھول لیا۔ فائل میں انٹری کر کے اس نے کہا۔ ''سب نارمل ہے۔ ابھی آپ کا ناشتا آ جائے گا۔''

وہ واپس جانے کے لیے پلٹی ہی تھی کہ روبی نے پوچھ لیا۔ ''یہاں کینٹین کتنے بجے کھلتی ہے اور کافی ملتی ہے وہاں؟''

وہ کچھ حیران ہوئی۔ ''جی میڈم، کینٹین آٹھ بجے کھل جاتی ہے۔''

''اچھا اسے ایک کافی کے لیے کہہ دو۔''

نرس نے خاصا برا مانا۔ ''دیکھیے یہ کال بیل ہے اور فون بھی اسی لیے ہے۔ کینٹین کا نمبر ڈبل تو ہے۔ میں ابھی روٹین چیک اپ پر ہوں۔ نو بجے ڈاکٹر آئیں گی۔''

دروازہ بند ہوتے ہی میں نے روبی سے کہا۔ ''یہ کیا بداخلاقی ہے روبی، تمہیں خیال نہیں کہ وہ نرس ہے ویٹر نہیں۔ میں یہاں رکا تھا تمہارا خیال رکھنے کے لیے... الٹا تم میرے لیے پریشان ہو۔''

''سوری۔'' وہ کچھ پشیمان ہوئی۔ ''میں نے واقعی بے وقوفی کی، اچھا اب کافی کے لیے کہہ دو۔''

''یا میرے خدا! کیا پاگل لڑکی ہے۔'' میں نے فون اٹھا کے کہا اور ناشتے کے ساتھ کافی کا آرڈر دے دیا۔

''تم خفا ہو گئے؟'' وہ مجھے خاموش دیکھ کے بولی۔

''مجھے ایک بات پوچھنا تھی تم سے۔''

''پوچھو، اجازت کیوں لے رہی ہو؟'' میں نے کہا۔

''یہ بتاؤ، لوگ تم پر بھروسا کیوں کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا انور سے پہلے چاچا جی، پھر باجی، سب سے بڑھ کر اباجی، اب یہاں ماما جی، سب تمہاری مانتے بھی ہیں۔ ریشم

توسب سے پہلے۔۔۔اب میں بھی۔"

"شاید اس لیے کہ میں دھوکا نہیں دیتا اور غلط بات نہیں کرتا۔"

وہ مجھے دیکھتی رہی۔"میں کچھ بتانا چاہتی تھی تمہیں۔"

اس کے لہجے سے میں چونکا۔۔۔"کوئی خاص بات ہے؟"

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔"تم ناراض تو نہیں ہو جاؤ گے مجھ سے جب یہ بات معلوم ہوگی۔ ایک جھوٹ بولا تھا میں نے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔"روبی! پہیلیاں نہ بجھواؤ مجھے پریشان ہو رہی ہے۔"

وہ کچھ دیر ہونٹ کاٹتی رہی۔"میرے جھوٹ کا کسی کو بھی علم نہیں ابھی تک۔ میں اس کو مزید نہیں نبھا سکتی اور کسی کو بتانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

اب میں واقعی پریشان ہو گیا۔"اگر اتنی سیریس کوئی بات ہے تو پلیز مجھے بھی مت بتاؤ۔"

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔"بات ایسی ہے کہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ سوچتی تھی کہ کیسے بتاؤں گی۔۔۔اب ایک موقع بن گیا ہے۔ گھر میں انور ہے، ریشم ہے اور تم ہو۔ باقی دو کے ساتھ پہلے بداعتمادی کا رشتہ رہا۔ وہ بات تو خیر ختم ہو گئی اور کسی کے دل میں کچھ نہیں۔ مگر ایک تم تھے جو سب کے لیے قابلِ اعتماد تھے اور تم نے میری مدد بھی کی تھی۔ رازداری کے ساتھ۔"

میں نے تنگ آ کے کہا۔"اتنی تمہید کافی ہے۔"

"کہنا مجھے یہ تھا۔۔۔کہ تم۔۔۔میرا مطلب ہے تم سب جو سمجھ رہے ہو۔۔۔وہ حادثہ نہیں ہوا۔" اس نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کی واجبی سے کوشش کی۔"یعنی گاڑی کو حادثہ پیش ہی نہیں آیا۔ وہ ہم سب کی نظر کا دھوکا تھا یا عقل کا۔"

اس نے سر گھما کے مجھے دیکھا۔"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔"

"اچھا! اسپتال والوں نے بھی تمہیں ایسے ہی داخل کرلیا۔ ہم تو خیر تھے پاگل جو۔۔۔"

"اُوہ تم سمجھتے کیوں نہیں آخر۔۔۔ میں دو مہینے سے زیادہ مراد کے ساتھ رہی اور پتا نہیں ہم کہاں کہاں گئے۔ جب واپسی کا سوچتے تھے، سکندر شاہ جی منع کر دیتے تھے۔ جب مراد نے ان کو اطلاع دی کہ وہ دادا بننے والے ہیں تو میری بھی فون پر ان سے بات ہوئی تھی۔ ہم مری کے ایک ہوٹل میں تھے۔ وہ رو رہے تھے۔۔۔۔ خوشی اور فرطِ جذبات سے۔ اور اس کے بعد جہاں فون ہوتا تھا وہ صبح شام مجھ سے بات کرتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی کیا جذباتی کیفیت تھی اور مراد نے مجھے بتایا کہ کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں ایک ہی بیٹا ہوتا ہے۔ جیسے وہ خود تھے۔ کچھ ایسا لگتا تھا کہ وہ خوف زدہ تھے کہ خدانخواستہ ایسی ویسی کوئی بات ہو گئی تو دوبارہ کی امید ناممکن ہو گی اور پھر ان کی مرضی کے خلاف واپسی کے لیے چل پڑے تھے۔ مراد کو گھر کی یاد ستانے لگی تھی۔ ایسے کب تک مسافروں کی طرح پھرتے رہیں۔ وہ کہتا تھا اور بیٹے کو روک نہ سکے تو شاہ جی نے دس حفاظتی انتظامات کے ساتھ سفر کے لیے کہا تھا۔ ایک گاڑی میں ہم۔۔۔ دوسری ہمارے ساتھ حفاظت کے لیے۔ سیکیورٹی گارڈ کے بعد تیسری میں کوئی لیڈی ڈاکٹر ہو۔ ہے نا مضحکہ خیز بات۔۔۔ مراد بھی ہنستا تھا کہ دادا جی کو کیا ہو گیا ہے۔ کتنے پریکٹیکل آدمی رہے ساری عمر۔۔۔ اب کہہ رہے ہیں آگے پیچھے گاڑیوں میں محافظ اور ڈاکٹر ساتھ ہوں۔ جیسے صدرِ مملکت کی سواری میں ہوتا ہے۔ ان سے کہوں کہ خود آجائیں توپ لے کر۔۔۔ تو بس ہم نے کچھ نہیں کیا اور چل پڑے خود ہی گاڑی لے کر۔۔۔ ہونی کو بھلا کون ٹال سکتا ہے۔ حادثہ آخر کیوں حادثہ کہلاتا ہے۔"

"اب خیال نہیں آتا کہ ان کی مان لی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ اب تمہارا خیال ہے کہ یہ حادثہ نہیں، قتل تھا؟" میں نے کہا۔

"میں سو فیصد یقین کے ساتھ خواب کی بات کو حقیقت کیسے کہہ سکتی ہوں۔ تقدیر کو تدبیر سے بدل سکتا ہے کوئی؟ لیکن جو بات تم کو بتانی تھی۔۔۔ یہ تھی کہ مراد تو حادثے میں جانبر نہیں ہوا تھا اور میں بچ گئی تھی۔۔۔لیکن۔۔۔" وہ خلا میں دیکھنے لگی۔

"لیکن کیا؟" میں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔

"وہ۔۔۔تیسرا بھی نہیں بچا تھا۔" وہ دیوار کو گھورتے ہوئے بولی۔"ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا مجھے۔"

میری نظروں کے سامنے بجلی سی کوندی اور پھر ایک دم جیسے آسمان گر گیا۔"تیسرا!؟"

"ہاں، ہمارا بچہ۔۔۔اس کی عمر ہی کیا تھی۔" آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں سے نکلتے رہے۔

میرے گرد ایک ڈراؤنی خاموشی سی پھیل گئی۔

سنسان سیاہ پتھریلے پہاڑوں کی رات کے سناٹے میں سسکیاں گونجنے لگیں کہ میں جو تھا اور نہیں ہوں... تو میں کب تھا اور کون تھا؟ میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں... واہ چچا غالب... کہاں کی تشبیہ نکال لائے... جو چمن وجود میں ہی نہیں آیا، میں اس کی بلبل ہوں۔ ایک خیالی دنیا کی تخلیق ہوتی تو کوئی اسے آباد کرنے والا بھی وجود میں آتا۔

وال کلاک نے دس گھنٹے بجائے تو میں چونکا۔

''کیوں بولا تھا یہ جھوٹ تم نے؟''

''مراد کے لیے... ماں باپ اس کے لیے سب کچھ تھے۔ وہ کہتا تھا کہ میری خوشی کے لیے انہوں نے کیا نہیں کیا۔ سب ماں باپ کرتے ہیں، وہ حد سے زیادہ جذباتی تھا۔ بہت کچھ کرنا چاہتا تھا ان کے لیے۔ کچھ بھی نہ کرسکا اور تم نے دیکھا، میں نے کس طرح اپنے دکھ پر صبر کی بھاری سل رکھ دی۔ ان کے سامنے نہیں روئی۔ ان کو سنبھالا، دلاسا دیا۔ سوچا اس وقت میں ان کو دوسری بدخبری دے دیتی کہ ان کا نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوا ہے جتنا وہ سمجھ رہے ہیں، ان کے سامنے، دور کے مستقبل کا سپنا بھی نہیں ہے... نہ بیٹا ہے نہ پوتا... وہ اکیلے ہیں، بالکل اکیلے... تو یہ دہرا صدمہ کیسے برداشت کرتے وہ...؟''

''چنانچہ تم نے سب چھپائے رکھا؟''

''ہاں، جب وہ اسپتال آئے تھے مراد کی لاش لینے تو ہوش میں آتے ہی میں نے ڈاکٹر سے بات کرلی تھی۔ ان کو قائل کرلیا تھا کہ وہ آدھا سچ بتائیں۔ آدھا ابھی چھپالیں۔ پھر چھپا تو کچھ نہیں رہے گا لیکن تب تک ایک زخم مندمل ہو چکا ہوگا۔ سب میں اکیلی اس جھوٹ کا سارا عذاب جھیلتی رہی۔ اب تو خیر کوئی بھی نہیں، نہ اس کی ماں، اور باپ کا بھی ہونا نہ ہونا برابر...''

''اور اگر ایسا نہ ہوتا؟''

''ان کے سامنے تو میں اپنا جھوٹ تسلیم نہیں کرسکتی تھی مگر یہ دن رات کی پریشانی تھی کہ انہیں بتاؤں تو کیسے اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ اول تو وہ مانیں گے نہیں کہ بہو رانی اتنا بڑا جھوٹ بول کر انہیں بے وقوف بنا سکتی ہے۔ اور ماننے کے بعد ان کا رویّہ کیا ہوگا تو میں نے انہیں یہ دوسرا شاک دینے کا ایسے ہی سوچا تھا کوئی حادثہ ہوجائے کہ میں جھوٹی نہ بنوں، آخری بات یہ ہوتی... کہ میں حادثہ کرلیتی۔''

''وہ کیسے؟'' میں بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

''بس کچھ بھی ہوجاتا، میں دوسری منزل کی کھڑکی سے یا سیڑھیوں سے گرجاتی اور پھر ڈاکٹر کو اسی طرح اپنے ساتھ ملا لیتی جیسے یہاں ملالیا، ساری بات بتادی تو اس نے میرے احساسِ ذمے داری اور میری ہمت کو سراہا۔''

''اس احمقانہ حرکت میں، تمہاری جان بھی جاسکتی تھی۔'' میں نے کہا۔

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''ورنہ کوئی ہڈی ٹوٹتی اور میں پلستر لگائے پڑی رہتی یا معذور ہوجاتی۔ اللہ نے ہی محفوظ رکھا مجھے ورنہ میں تو خودکشی کا ہی سوچ چکی تھی۔''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''اگر تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری بہادری اور فرض شناسی پر تمہیں تمغۂ فرض شناسی و ہمت دے دوں گا تو غلط فہمی ہے تمہاری... یہ پاگل پن تھا خواہ اس کا مقصد نیک تھا۔ کیا ملا آخر تمہیں... کیا تم نے انہیں بچالیا؟''

''میں نے کوشش کی۔ باقی اللہ کی مرضی کا مجھے کیسے علم ہوسکتا تھا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''او کے، اب یہ بھی بتادو کہ مجھے رازداری کے لیے منتخب کرنے کا مقصد؟ ریشم کو بتانا زیادہ آسان نہ ہوتا؟''

وہ خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ ''یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں کسی کو نہ بتاتی... تمہیں بھی نہیں، مگر میرے دل پر ایک بوجھ تھا، ضمیر پر تو نہیں... میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا تھا۔ کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔ اکیلے ہی سب جھیلا تھا، کیا میں نے غلطی کی تم پر بھروسا کرکے؟ میرا دل ہلکا ہو گیا۔ مجھے پتا ہے تم اس راز کی حفاظت کرسکتے ہو۔ پتا چل جائے دوسروں کو تب بھی کوئی قیامت تو نہیں آنے والی مگر میں نہیں چاہتی۔ اسی لیے میں نے پوچھا تھا کہ سب تم پر کیوں اعتماد کرلیتے ہیں؟''

میں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ''اچھا کیا، اگر اس طرح تمہارا دل ہلکا ہوگیا تو فکر مت کرو، تمہارے راز کی حفاظت کرسکتا ہوں میں۔ اب تمہارے یہاں لیٹے رہنے کا جواز نہیں بنتا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں، اتنی جلدی کی ضرورت نہیں۔ حقیقت میں نے صرف تمہیں بتائی ہے۔ ڈاکٹر کی اجازت ہونی چاہیے۔''

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ انور نے صبح آٹھ بجے فون کرکے خیریت معلوم کرلی تھی۔ دس بجے وہ ریشم کے ساتھ پہنچا۔ روبی کو مزید ایک دن رات اسپتال میں گزارنے تھے۔ اب میری جگہ ریشم نے ڈیوٹی لے لی تو میں انور کے ساتھ چلا گیا۔ قصور میرا نہیں تھا مگر میں احساسِ جرم کا شکار ہورہا تھا کہ میں انور سے اور ریشم سے کچھ چھپا رہا ہوں۔ روبی نے جو کام نیک نیتی سے شروع کیا تھا اس کو بلا کسی

ضرورت کے ایسے ختم کیا تھا۔۔۔ کیا تھا اگر صرف مجھے بتانے کے بجائے وہ سب کو بتا دیتی۔ ریشم اس کی رازدار سہیلی ہو سکتی تھی اور انور کے ساتھ ماضی کا ناخوشگوار تعلق بھی پرانی بات ہو گئی تھی۔ خیر، میں روبی کو سمجھا دوں گا کہ جو اعتراف میرے سامنے کیا ہے سب کے سامنے کر لے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔ خرابی اس میں ہے کہ ہم چار جو حالات کے منجدھار میں بہتے بہاتے ایک گھر کی چھت کے نیچے خاندان بن گئے ہیں، دو حصوں میں تقسیم نہ ہوں۔

انور نے کہا۔ ”کس سوچ میں ہو ملک؟“

میں نے کہا۔ ”کچھ نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔“

”رات کو روبی نے کچھ کہا؟“

”وہ کیا کہے گی۔ رات بھر سوتی رہی۔ یہ جو حادثہ کل پیش آیا تھا تیرے خیال میں کیا تھا؟ اتفاق یا سازش؟“

”پہلے تو لگتا تھا سازش ہے مگر جان اس کی جاتی۔ اس کا امکان زیادہ تھا۔ گاڑی اسے اڑا کے رکھ دیتی پھر کل رات، وہ حاضر ہو گیا۔ ہاتھ جوڑ کے معافی مانگنے لگا۔ اسے ڈر ہو گا کہ تلاش کے نتیجے میں پکڑا جائے گا۔۔۔ پھر میں کیا کہتا اسے۔۔۔ ہاں کوئی تجھ سے ملنے بھی آیا تھا۔“

میں نے کہا۔ ”مجھ سے؟ کون آیا تھا؟“

”پتا نہیں، کچھ بتائے بغیر چلا گیا۔ ابھی تو ہم وہ کام پہلے کریں گے جو کل نہیں ہوا تھا۔ سوچ رہا ہوں کہ سارا ملبا صاف کرا دوں پہلے۔ جو خاندانی نشانیاں بچ گئی ہیں، ان کو سمیٹ لوں اور بعد میں پھر کھڑی کر دوں وہ خاندانی حویلی۔ بس ایک جذباتی سی خواہش ہے ورنہ دنیا میں کیا رہتا ہے۔ مجھ سے زیادہ یہ ریشم کی خواہش ہے۔ اور ایک بات جو روبی نے کی تھی ریشم سے۔۔۔ وہ ریشم نے مجھے بتائی۔ اس نے کہا کہ اگر اس زمین پر جو اب روبی کی ملکیت ہے مراد نگر جیسا کوئی پروجیکٹ کھڑا کر دیا جائے تو۔۔۔“

میں نے کہا۔ ”دونوں باتیں ٹھیک بلکہ سب ٹھیک۔۔۔ تجھے بلاتاخیر ریشم سے شادی کر لینی چاہیے۔ حویلی بھی بن جانی چاہیے اور مراد نگر جیسا پروجیکٹ بہترین آئیڈیا ہے لیکن ابھی پہلا درپیش ہے نادر شاہ کا چیلنج۔۔۔ ہم نے تو سب کاروبار سمیٹ دیا ہے۔ سب کی چھٹی کر دی ہے، ہمارے سامنے مستقبل کا کوئی پلان نہیں۔ نہ ہم نے مقابلہ کرنے کا طے کیا ہے پھر ہم کیا کریں گے بھاگ جائیں گے؟ اور یہاں رہیں گے تو کیسے؟“

”بھاگ کے کہاں جا سکتے ہیں ہم اور کیا اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہاں جو کچھ ہے ہمارا اس کا کیا کریں؟ وہ کھڑے کھڑے تو بکنے سے رہا اور قبضہ کرنے والے آج دھمکی دے رہے ہیں، ہماری عدم موجودگی میں اسے چھوڑیں گے؟“

میں نے کہا۔ ”پھر تو نادر شاہ سے سمجھوتا کیے بنا چارہ نہیں۔“

”اس پر ہم بات کریں گے روبی کے سامنے۔“ انور نے گاڑی حویلی کے کھنڈر کے مقابل روک دی۔ ”ابھی جو میں نے کام روک دیا ہے اور سکندر شاہ کے پرانے کارکنوں کی بھی چھٹی کر دی ہے اس کا ایک ہی مقصد تھا۔ ہم صورت دیکھ کے اندازہ نہیں کر سکتے کہ کون نمک حرام ہے اور نادر شاہ کا زرخرید۔۔۔ اور کون اب بھی وفادار ہے۔ صرف کمپنی کے نہیں گھر کے ملازم بھی بھروسے کے قابل نہیں۔ ابھی ضروری ہے کہ سب کی چھٹی کر دی جائے۔ نادر شاہ سمجھے کہ ہم بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کاروبار سمیٹ دیا ہے تو زمین بھی بیچ دیں گے۔ میں تو اپنی زمین تقسیم کر چکا۔ سکندر شاہ ذہنی اور جسمانی طور پر ناکارہ ہو چکا۔ وہ کسی جھگڑے میں نہیں پڑے گا۔ میں ریشم کے ساتھ نکل جاؤں گا تو روبی یا سمجھوتا کرے گی یا وہ بھی چلی جائے گی یہاں سے۔“

”رہ گیا میں تو کسی شمار قطار میں نہیں۔“ میں نے کہا۔

”اس کا بھی تعین ہو گا۔۔۔ روبی نے کہا کہ مجھے یہاں نہیں رہنا، تو میرا تیرا کیا ہے اور اس نے کہا کہ مجھے رہنا ہے یہاں تو میں اس کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ وہ سمجھوتا کرتی ہے تو کر لے۔ نہیں کرتی تو میں اس کے ساتھ ہوں اور ریشم میرے ساتھ۔“

”اور میں سب کے ساتھ۔۔۔ لیکن انور! مقابلہ طاقت سے ہوتا ہے۔“

انور کی اور میری سوچ الگ نہیں تھی لیکن مقابلے کی کیا صورت ہو گی۔ اس کا پلان کسی ذہن میں واضح نہیں تھا۔ روبی اور انور کا سارا خاندان ختم ہو چکا تھا۔ ان کے لیے مصالحت ہی بقا کی ضمانت تھی۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے ایک بار پھر فرار کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ انور کی بات اصولی طور پر ٹھیک تھی اور میں اسے غلط نہیں کہہ سکتا تھا لیکن عملی طور پر وہ سب کیسے ہو گا جو وہ چاہتا تھا یا میں۔۔۔ اس کا میرے پاس جواب نہ تھا۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہی ممکن تھا مگر نادر شاہ کی طاقت کا مقابلہ ہم کیسے کر سکتے تھے۔ یہ مسئلہ جذبات کا نہیں عقل سے کام لینے کا تھا۔

مراد نگر سے ملبا صاف کرنے والی مشینری منگوالی گئی

تھی۔ وہ سارا دن انور نے اپنی نگرانی میں کام کرایا۔ اس کے باپ دادا کے زمانے کے مزارع اور ملازم کم نہ تھے۔ پہلے وہ حکم کے غلام تھے اور چودھریوں کے ہر جائز ناجائز حکم کے سامنے سر جھکاتے آئے تھے۔ ان کے ہر ظلم کو اپنا نوشتۂ تقدیر سمجھ کر قبول کرتے تھے۔ اب تقدیر نے ان کی نسلوں کی تاریخ کو بدل دیا تھا۔ انور نے انہیں بھی زمین کا مالک بنا دیا تھا۔ اس احسان نے انہیں پہلے سے زیادہ مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا۔ انور ان کی نظر میں نیکی اور انسانیت کا فرشتہ ہوگیا تھا۔ پہلے چودھری ان کی جان و آبرو کے مالک تھے۔ وہ طاقت سے سب کچھ لے سکتے تھے۔ اب وہی لوگ انور کے لیے خود جان دے سکتے تھے۔ خوف کی جگہ احترام آگیا تھا۔ یہ لوگ سارا دن ملبے کے نیچے سے نکلنے والی چیزوں کو انور کی ہدایت کے مطابق ایک طرف رکھتے گئے۔

انور کا جذباتی صدمہ محسوس کرنا فطری بات تھی۔ میں نے اس کی پوری مدد کی۔ شام تک ہم نے تباہ شدہ اسباب میں سے کچھ چیزوں کا انتخاب کرلیا تھا۔ ان کو انور اپنے والدین کی نشانی کے طور پر محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کبھی حویلی پھر تعمیر ہوگی تو ان سب چیزوں کو یادگار بنا کے آنے والی نسلوں کے لیے رکھنا چاہیے۔ یہ محض ایک جذباتی ردِعمل تھا۔ جب انسان خود نہیں رہتا تو پھر چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔

رات ہونے لگی تھی جب انور کو خیال آیا کہ ان تمام خاندانی نوادرات کو جو آتش زنی سے بچ گئے تھے، حویلی کے دوبارہ تعمیر ہونے تک رکھا کہاں جائے گا۔ لکڑی یا کپڑے کی کوئی چیز سلامت نہیں رہی تھی چنانچہ تصویریں مع فریم کے غائب تھیں۔ اسباب آرائش اینٹوں کے انبار میں دب کے برباد ہوگیا تھا۔ اوپر کی چیزیں چور اچکے لے گئے تھے۔ نیچے دبی ہوئی دھات کی تمام اشیا ٹیڑھی میڑھی ہو کے ناقابلِ استعمال ہوگئی تھیں لیکن انور جانتا تھا کہ کام کی چیز کہاں ملے گی۔ اس نے پہلے چودھری صاحب کے کمرے کا ملبا ہٹوایا جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام بسر کیے تھے تو وہ کسی اسپتال کا انتہائی نگہداشت کا کمرا ہوگیا تھا۔ یہی کمرا نصف صدی یا اس سے بھی پہلے ان کا حجلۂ عروسی بنا ہو گا۔

پرانے وقتوں میں حویلیوں کی تعمیر کے انداز میں ظاہری حسن اور شان و شوکت کے بعد مضبوطی کی اہمیت تھی۔ سب میں محلوں کا مشرقی طرزِ تعمیر ایک سا تھا۔ محرابی دروازے، کنگورے، برجیاں، کاریڈور جو حویلیوں میں راہداری اور محلوں میں غلام گردش کہلاتے تھے۔ گزشتہ صدی کی یہ حویلی اگر تباہ نہ کی جاتی تو شاید مزید سو سال بعد بھی ایک قابلِ فخر تاریخی رہائش گاہ رہتی۔

اس کی تعمیر میں تیسرا اہم پہلو خفیہ راستے اور تہ خانے تھے۔ ایک تہ خانہ خود میں نے اسیری میں دیکھا تھا اور انور نے تو وہاں زنجیر کے ساتھ سال سے زیادہ وقت گزارا تھا۔ مگر ان زمین دوز کمروں کے علاوہ بھی چند خفیہ خانے تھے۔ کچھ لوگ دیواروں میں فولادی تجوریاں نصب کراتے تھے تو کچھ انہیں فرش کے نیچے رکھتے تھے۔ چودھری صاحب صاحبِ ثروت تھے۔ انہوں نے بھی اپنے بیڈ روم میں مسہری کے نیچے یہ انتظام رکھا تھا۔۔۔ آرڈر پر بنوائی گئی قدِ آدم فولادی تجوری تک پہنچنے کے لیے مسہری کے نیچے کا فولادی دروازہ مخصوص چابیاں سے کھول کے اوپر اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے بعد اندر اترنے کے مخصوص کوڈ کے ذریعے تجوری کا دروازہ کھلتا تھا۔ یہ کوڈ ہندسوں یا حروف پر مشتمل ہوتا یا دونوں کا مجموعہ۔

انور نے مجھے بتایا کہ زر و جواہر، اینٹوں کی شکل میں ڈھلا ہوا سونا، ہر اینٹ پانچ یا دس تولہ کی اور جائداد کے تمام کاغذات اسی میں رہتے تھے اور اس تجوری تک صرف سربراہ خاندان کی رسائی ہوتی تھی۔ اب تک چار نسلوں میں ہر بڑے چودھری نے مرنے سے پہلے یا بہت پہلے ہی سربراہی کے اگلے امیدوار کو تجوری کے راز سے آگاہ کردیا تھا۔

"اب تک کسی کی اچانک موت نہیں ہوئی کہ وہ اپنا وصیت نامہ مرتب کیے بغیر اور تجوری تک رسائی کا طریقہ بتائے بغیر دنیا سے چلا گیا ہو؟" انور نے کہا۔ "سو سال کی ہسٹری زیادہ نہیں ہوتی۔ حادثاتی موت کسی ہوائی جہاز کے کریش یا کار کے ایکسیڈنٹ میں نہیں ہوسکتی تھی لیکن ہمارے سب آبا ؤ اجداد کے قتل ہونے کے امکانات ہمیشہ روشن رہتے تھے۔"

ایک مشین کے فولادی بازو نے پختہ فرش کو چند منٹ میں ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ ملبا ہٹانے کے بعد کرین نے فولادی تجوری کو یوں کھینچ نکالا جیسے بنسی سے بندھی ڈوری پانی کے اندر سے مچھلی کو نکال لیتی ہے۔ چھ فٹ کے قریب اونچی تین فٹ چوڑی اور گہری تجوری کو گھومنے والے بازو نے انور سے کچھ فاصلے پر ہموار زمین پر رکھ دیا تو متجسس شائقین کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ محلوں کے اسرار تھے جو ان پر بھی افشا

نہیں ہوئے تھے۔

میں نے انور سے پوچھا۔ ''تو کھول لے گا اس تجوری کو؟''

''کھول لیتا، اگر چابیاں ساتھ رکھتا۔ وہ اماں کے پاس رکھوا دی تھیں میں نے۔ اب ان کے کمرے کے ملبے میں انہیں کیسے تلاش کروں، کوڈ کا تو پتا ہے۔''

''پھر کیا چابیاں بنیں گی؟'' میں نے دلچسپی سے اس پُراسرار فولادی کمرے کو دیکھا۔

''مشکل ہے۔ اسے کاٹنا ہی پڑے گا۔ ابھی دیکھو کچھ لوگ خاک چھان رہے ہیں مگر اس اندھیرے میں تو مشکل ہے۔''

اسی وقت ایک دیہاتی اپنی دھوتی سنبھالتا دوڑا۔ ''لوجی چودھری صاحب! دیکھ لو یہی چابیاں ہیں۔''

انور نے گرد آلود چابیاں دیکھ کے سر ہلایا۔ شاباش، اور جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اسے تھما دیے۔

''یہ سوچا ہے کہ جو سامان تو نے نکالا ہے رکھا کہاں جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک صورت تو یہ ہے کہ مراد ہاؤس شفٹ کر دیں کل... دوسری آسان صورت یہ ہوسکتی تھی کہ یہاں کسی گھر میں رکھ جاتے مگر یہاں کس کے گھر میں ہوگی جگہ... سب کے چھوٹے چھوٹے گھر ہیں اور بڑے ہیں تب بھی خالی نہیں ہیں۔''

''ایک گھر خالی ہے۔'' میں نے کہا۔

''کون سا گھر؟'' وہ کچھ حیران ہوا۔

''ریشم کا گھر۔'' میں نے کہا۔ ''تیری سسرال۔''

وہ مسکرا دیا۔ ''اچھی یار، خوب یاد دلایا۔ وہ کمرے ہیں وہاں آگے پیچھے۔ مجھے تو ایک ہی چاہیے۔''

اب اس کام کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ انور نے ایک سابق فوجی کی نگرانی میں تین افراد کو مامور کیا جو سارا سامان اٹھا کے لے جائیں صرف تجوری شفٹ نہیں ہوسکتی تھی۔ انور نے چابی لگا کے تجوری کھولی۔ چابیاں تلاش کرنے والا اب لالٹین اٹھائے کھڑا تھا۔ اس نے انعام پانے کے بعد اپنی چادر سے تجوری کی گرد بھی صاف کر دی تھی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لالٹین اس کے ہاتھ سے لے کر اسے رخصت کردوں۔ تجوری سے برآمد ہونے والا خاندانی خزانہ رازداری کا تقاضا کرتا تھا۔

جب انور نے زور لگا کے بھاری دروازہ کھولا تو میں نے لالٹین کی مدھم روشنی اندر پہنچائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خزانہ تھا جس کی مالیت کا وہاں کھڑے کھڑے اندازہ کرنا ناممکن تھا۔ انور نے دو بوریاں طلب کیں۔ ایک میں اس نے تمام فائلوں اور دستاویزات کو ڈالا۔ دوسری میں پہلے نوٹ ڈالے گئے۔ وہ سب بڑے نوٹ تھے۔ جن سے سوا دو من گندم والی ایک تہائی سے زیادہ بوری بھر گئی۔ اس کے اوپر انور نے یوں سونے کی اینٹوں کو کھینچ کے ڈالا جیسے کنکر پتھر، یہ اینٹیں آج بھی دنیا بھر میں خالص سونے کی سرکاری گارنٹی کے ساتھ فروخت ہوتی ہیں اور عموماً ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد خالص سونے کی مہر رکھتی ہیں۔ ہر ملک کے خزانے کی اپنی مہر ہوتی ہے۔

انور نے سب سے اوپر طلائی زیورات ڈالے جو پرانی خاندانی بہوؤں کو شادی میں بنوائے گئے ہوں گے اور خاص خاص مواقع پر پہنے جاتے ہوں گے۔ اندھیرے میں نگینوں کی چمک سے اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کون سے قیمتی پتھر ہیں۔ میری عقل ماؤف تھی۔ میرے ذہن میں تاریخ کے نادیدہ اوراق آرہے تھے۔ نہ جانے کس نے کتنے ارمانوں سے یہ خزانہ جمع کیا ہوگا۔ اس میں اضافے پر غرور کیا ہوگا۔ جائز اور ناجائز ذرائع کا اب کون گواہ اور کون راوی۔ کون مدعی اور کون منصف... رام رام جپنا پرایا مال اپنا... آدھی دنیا فتح کرنے کے بعد سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ تو اس خزانے پر غرور کرنے والے بھی مٹی کے نیچے ہڈیوں کا پنجر بنے پڑے تھے۔ کیا عالی نسب اور کیا کمی کمین... مالک و آقا... قاتل و مقتول... ظالم ومظلوم... تیری سرکار میں پہنچے تو بھی ایک ہوئے۔

ہم پرانے گاؤں کے شناسا تاریک راستوں پر سے گزرے۔ ہمارے آگے ایک شخص لاٹھی اور لالٹین لیے چل رہا تھا۔ ہمارے پیچھے تین خاک نشین لاکھوں یا شاید کروڑوں کی مالیت کا خزانہ اور خاندانی نوادرات ڈھو کے لا رہے تھے۔ دس منٹ بعد ہم اس مختصر سے تاریک احاطے میں داخل ہوا جہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ سوائے اس کے کہ اس ویرانے میں اب صرف یادوں کا بسیرا تھا۔ پرانی یادوں کی ایک فلم سی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی۔

انور نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''چل ورنہ ساری رات کھڑا سوچتا رہے گا۔''

کمرے کی کنڈی میں تالا لگا کے چابی انور کے حوالے کردی گئی۔ اس مختصر وقت میں جو اتنا مختصر بھی نہیں تھا، اس گھر میں گزرے وقت کا ایک ایک لمحہ فلم کے فریم کی طرح میری نظروں کے سامنے سے گزرتا جارہا تھا۔ وہ وقت

جب ریشم نے مجھے پانی میں بہتے دیکھا تھا اور لوگوں کی مدد سے نکال کے گھر لے آئی تھی۔ وہ وقت جب وہ میرے ساتھ نصف شب کے بعد پل کے نیچے گئی تھی اور میں نے پانی میں ڈوبے باکس کو غوطہ یار کے نکالا تھا۔ کتنی جرأت مند لڑکی تھی۔ نہ اس نے پروا کی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے اور جب لوگوں نے کہا تھا تو اس نے واقعی پروا نہیں کی تھی، نہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے خوف زدہ تھی۔

انور نے مجھے گاڑی کا دروازہ کھول کے اندر دھکیلا۔ ''واپس آجا ماضی کے میوزیم سے... کیا پتا تھا کہ یہاں تجھے یادوں کے بھوت چمٹ جائیں گے۔'' میں بیٹھ گیا تو انور نے ڈرائیونگ سنبھالی۔ ''کیا پھر نورین کا دورہ پڑا ہے۔''

''اب یار کچھ زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔ میری بڑی خواہش تھی کہ ایک بار پتا چل جائے، وہ زندہ ہے یا نہیں اور پتا نہیں قدرت نے میرے ساتھ ایسا سنگین مذاق کیوں کیا تھا۔ وہ فاطمہ بن کے سامنے آئی اور کبھی پتا نہیں چلا کہ اس کی اصلیت کیا تھی۔ وہ کہاں چلی گئی اور اب زندہ ہے یا نہیں۔''

''میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہوتی اور اسے بھی تیرا خیال ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی آجاتی یا اس کا پیغام ملتا۔ اسے تو معلوم تھا کہ تو کہاں ہے، اور تو کہیں گیا بھی نہیں تھا مگر وہ نہیں آئی۔''

''اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ مجھے بھول گئی؟''

''رائٹ، میرا بھی یہی خیال ہے کہ بھولنا تو ناممکن تھا۔ اتنا وقت ملا اسے، وہ آجاتی اگر زندہ ہوتی لیکن وہ زندہ نہیں ہوسکتی۔ ایسے سنگین حادثے میں تیرا صحیح سلامت بچ جانا، ایک معجزہ تھا۔ اس کی قسمت اتنی اچھی نہیں تھی تو ایک فیصد چانس پر زندہ ہے۔ ننانوے فیصد چانس موت کے تھے۔'' اس نے گاڑی کو گیٹ سے اندر موڑ لیا۔

ایک گارڈ نے ڈکی میں سے منہ بند بوری اٹھا کے اندر پہنچائی۔ وہ کمزور سا آدمی تھا اور اس کے وزن سے لگڑ بگڑ کی طرح چل رہا تھا۔ اسے پتا چلتا کہ بوری میں کاٹھ کباڑ نہیں، کروڑوں کی دولت ہے تو پتا نہیں اس کی کیا حالت ہوتی۔ انور نے بے پروائی سے بوری کو ایک گوشے میں رکھوا دیا اور فون کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے شیخوپورہ کے ڈاکٹر محسن سے بات کی۔ میں یک طرفہ گفتگو سن کے اندازہ کرتا رہا کہ پہلے دن کی رپورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اپنا کام جانتے تھے اور ہمیں صرف تسلی دے سکتے تھے کہ ان پر بھروسا کر کے مطمئن رہیں۔ دس منٹ بعد ریسیور رکھ کے

اس نے مجھ سے کہا کہ شاہ جی کا چیک اپ جاری ہے اور بس... ان کو ایڈجسٹ ہونے میں دو چار دن سخت گزریں گے۔ پھر وہ اس اسپتال یا قید خانے کے ماحول کو قبول کرلیں گے۔ وہ واش روم چلا گیا اور دوسرے اسپتال سے خیریت معلوم کرنے کی ذمے داری مجھے سونپ گیا۔

میں نے اسپتال سے روبی کے کمرے کا نمبر مانگا تو گھنٹی بجتے ہی ریشم کی آواز سنائی دی۔ ''کون؟''

میں نے کہا۔ ''وہ نہیں جس کی آواز سننے کا تمہیں انتظار تھا۔''

''بھائی، آپ بھی ناں۔ سارا دن غائب رہے، کہاں تھے؟''

''خزانہ سمیٹ رہے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات سب اٹھالائے۔''

وہ ہنسی۔ ''کہاں مل گیا خزانہ... پتا کس نے بتایا؟''

میں نے کہا۔ ''تمہاری سسرال میں دفن تھا۔ یعنی اس حویلی میں جہاں اب تمہاری حکمرانی نہیں ہوگی چودھرائن۔''

''مجھے نہیں شوق چودھرائن بننے کا۔''

''شوق تو خیر سے بہت ہے مگر اب صبر کے دن تھوڑے ہیں۔ بعد میں انور گیا اپنی سسرال اور جتنا کباڑ تھا وہ وہاں جمع کرادیا۔''

''کیسی باتیں کررہے ہیں آپ، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی۔''

''اچھا تو انور سے پوچھنا، کسی اور کی بات کہاں سمجھ میں آئے گی تمہارے، یہ بتاؤ تمہاری سہیلی کیسی ہے؟''

''بہت اچھی، لو خود بات کرلو۔''

دوسرے لمحے روبی کی آواز نے ریشم کی جگہ لے لی۔ ''آج کا دن اور رات مجھے زبردستی لیٹنا پڑ رہا ہے ڈاکٹر کے حکم پر لیکن اسے میں نے بتادیا ہے کہ کل میں بھاگ جاؤں گی، جیسے میرے سسر محترم بھاگے تھے۔''

''روبی، آج رات بھی ریشم ہی ہوگی تمہارے پاس... اسے سب بتادو۔''

وہ سیریس ہوگئی۔ ''کیا بتادوں؟''

''وہی جو مجھے بتایا تھا۔ انور کو میں بتادوں گا۔ مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا کہ تم نے یہ بات صرف مجھے بتائی ہے۔''

''تم کو بتا کے مجھے اچھا لگا تھا۔ اس میں برا ماننے والی کیا بات تھی؟''

''میرے لیے ہے۔'' میں نے کہا اور ریسیور رکھ

دیا۔ اسی وقت انور کپڑے بدل کے نمودار ہوا۔ میں نے رسمی طور پر اسے مطلع کیا کہ دوسری طرف بھی سب ٹھیک ہے اور خود بھی تہا دھو کے تازہ دم ہونے اور لباس بدلنے چلا گیا۔ مجھے اب سخت بھوک لگ رہی تھی۔

وہ رات بہت سنسان تھی۔ مراد ہاؤس میں میرے ساتھ انور تھا اور ہم دونوں اس گھر کے مالک تو کیا باسی بھی نہیں تھے۔ نحوست کی ایسی آندھی چلی تھی کہ سارے چمن اجڑ گئے تھے اور انسان یوں بکھر گئے تھے جیسے خزاں رسیدہ پتے جس کے نام پر اس راحت و آسائش کے مسکن کا نام رکھا گیا تھا، وہی سب سے پہلے رخصت ہوا تھا۔ اس کی نشانی رہ جاتی تو امید کی کونپل پودے سے شجر بھی بن جاتی مگر دست اجل نے اسے بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس غم نے مراد ہاؤس کی مالکن کے لیے دنیا میں قیام کو سزا بنا دیا تھا۔ وہ چلی گئی تو مراد ہاؤس کو اپنی کامیابی اور غرور کی علامت بنا کے کھڑا کرنے والا ہی اپنے حواس میں نہ رہا کہ فخر غرور اور کامیابی جیسے الفاظ کا مطلب بھی سمجھے... گھر کی بہو جو اب وارث اور مالک تھی، زندہ رہنے کے سہاروں کی جستجو میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ مراد ہاؤس میں کسی کی مراد بر نہ آئی تھی۔

انور کے لیے، اس خیال سے زیادہ آج کے دن کا تجربہ جذباتی بحران بنا ہوا تھا۔ وہ ایک دم جیسے بوڑھا ہو گیا تھا جو اپنے ماضی میں یوں بھٹکتے رہتے ہیں جیسے ویران کھنڈروں میں بدروحیں... وہ چاہتا تھا کہ ابھی وہ بوری کھولے جس میں اس کے آباؤ اجداد کی ایک صدی کے تمام تاریخی اہمیت کے حامل سوونیئر تھے۔ وہ اکیلا رہ گیا تھا تو اسے بچھڑ جانے والے یاد آ رہے تھے۔

کچھ دیر انور کی باتیں بے دھیانی سے سننے کے بعد میں نیند کا بہانہ کر کے اٹھ گیا لیکن اپنے کمرے میں جا کر لیٹنے سے پہلے ہی مجھے خادمہ نے ایک پیغام دیا۔ ''سر جی! کوئی آپ سے ملنے آیا تھا۔''

میں رک گیا۔ ''کوئی نام بھی ہو گا کچھ...''

''اس نے کہا کہ وہ کل بھی آیا تھا، میں نے کہا کہ میں کیا بتاؤں سرکار کب واپس آئیں گے، پتا ہوتا تو بتا دیتی۔''

''تم نے دیکھا اسے، بات کی اس سے، نہ نام پوچھا اور نہ کام۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

وہ بوکھلا گئی۔ ''سر جی، گیٹ والے نے بتایا مجھے تو...''

میں غصے میں گیٹ تک واک کر گیا۔ لیکن وہاں نائٹ شفٹ کی ڈیوٹی والے کھڑے تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا مگر سیکیورٹی کے انچارج نے کہا کہ وہ معلوم کر کے بتائے گا۔ وہ کچھ دیر بعد اندر آیا اور اطلاع دی کہ میرے اس ملاقاتی نے نام بتانے سے انکار کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ملک صاحب مجھے نہیں جانتے۔ وہ کل صبح آنے کا کہہ گیا ہے۔ میں حیران ہوتا رہا کہ میرا ایسا کون سا پُراسرار ملاقاتی آ گیا جو اپنا نام بھی نہیں بتاتا۔ زندگی میں دوست کہلانے والے عام طور پر اسکول کالج کے ساتھی ہوتے ہیں مگر ایسا ساتھ تو مجھے کسی کا بھی نہیں ملا تھا۔ جو ملے وہ دشمن ہی بنے یا وہی روز کے نئے بچھڑنے والے۔

خواہش اور ضرورت کے باوجود اوائل شب میں نیند مجھ سے روٹھی رہی اور میں کروٹیں بدلتا رہا۔ روبی گھر میں ہوتی تو شاید میں اس سے بچی ہی کوئی خواب آور گولی مانگتا۔ ایسی بہت سی راتیں تھیں جب میں نے مصنوعی سہاروں سے سونے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ شاید ایسے ہی لوگ سکون بخش یا خواب آور گولیوں کے عادی بن جاتے ہیں اور پھر ان پر رشک کرتے ہیں جو وقت پر یا جب چاہتے ہیں سو جاتے ہیں اور تازہ دم ہو کے اٹھتے ہیں۔ ایک بار پھر مجھے خیال آیا کہ وہ کون ہو سکتا ہے جو ملنے آیا تو مقصد ملاقات بھی نہیں بتایا، نام بھی نہیں، اپنا پتا بھی نہیں اور فون نمبر بھی نہیں۔

یہ مسئلہ صبح حل ہوا جب مجھے ایک ملازم نے آہستہ سے دستک دے کر جگایا اور اطلاع دی کہ کوئی مجھ سے ملنے آیا ہے۔

میں نے گھڑی دیکھی ہی نہیں۔ باہر صبح کا اجالا تھا۔

''اچھا، اسے بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں مگر اندر لانے سے پہلے دیکھ لینا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو، اسلحہ وغیرہ۔''

''وہ تو جناب گارڈ چیک کر لیں گے۔'' ملازم نے کہا۔

''میں آتا ہوں تیار ہو کے۔ اس کے بعد چائے پہنچا دینا۔'' میں نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے تک مجھے تجسس ضرور تھا لیکن خوف کوئی نہیں تھا۔ دشمن اس طرح بتا کے نہیں آتے اور چکر نہیں لگاتے۔ شاید کوئی ضرورت مند ہو گا۔ اتنا عرصہ میں چودھریوں کی فیملی کے ساتھ رہا اور اب سکندر شاہ کی فیملی کے ساتھ ہوں تو میں کسی کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔

اس کے بعد ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی جیسے بجلی سی کوندی اور زلزلہ سا آیا جس نے ساری دنیا کو تہ و بالا کر دیا۔ خود مجھے اپنا وجود یوں خلا میں محسوس ہوا جیسے کسی بگولے

نے کاغذ کے ایک پرزے کو فضا میں اٹھالیا ہو۔ کہنے کو وقت کا وہ حصہ بہت مختصر تھا چند سیکنڈ تھے جو پھیل کر اتنے ہی طویل ہو گئے جتنے پھانسی کے کنوئیں میں لٹکے ہوئے شخص کی جانکنی کے لمحات۔

پھر اس نے کھڑے ہو کے کہا۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہو مجھے؟'' تو اس کے لہجے میں فاتحانہ تمسخر تھا۔

''تم... یہ تم ہو؟'' میں نے بڑی مشکل سے کہا۔ ''تم... تم سلمان احمد ہو؟''

''ہاں، اسی لیے تو اپنا نام نہیں بتایا تھا میں نے۔'' وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے میری حالت پر مسکراتا رہا۔

''نہیں، تم مر گئے تھے۔ تم کو مرے ہوئے زمانہ ہو گیا۔''

وہ ہنسا۔ ''مردے زندہ ہونے کا کوئی واقعہ پہلے نہیں سنا تم نے؟''

''مردے کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟''

اس نے ہاتھ پھیلا کے کہا۔ ''دیکھ لو، میں ہوں تمہارے سامنے۔'' وہ بیٹھ گیا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے سارے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی ہیں اور ٹھنڈا پسینا پھوٹ رہا ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔ تم سلمان احمد نہیں ہو سکتے۔ میں نے خود دیکھا تھا تم مر گئے تھے۔''

وہ مسکرایا۔ ''اور یہ دیکھنے کے بعد کیا کہا تھا تم نے؟ یہ بھی یاد تو ہوگا؟''

''تم کوئی دھوکے باز ہو۔ مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بلیک میل کیوں ہوتا ہے آخر؟'' اس نے کہا۔ ''فرض کرو میں اسی لیے آیا ہوں، تو بلیک میل کرنے کے لیے میرے پاس کیا ہے؟ میں یہ الزام تو عائد نہیں کر سکتا کہ تم نے مجھے قتل کیا تھا۔ کیونکہ میں تو زندہ ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگایا جو بالکل فلمی اسٹائل ولن کا قہقہہ تھا۔

اسی وقت ملازم چائے لے کر داخل ہوا۔ اس نے میری حالت دیکھی اور مہمان کے قہقہے پر غور کیا مگر خاموشی سے چائے رکھ کے چلا گیا۔

''تمہاری صورت بالکل سلمان احمد جیسی ہے۔ میں مانتا ہوں۔ آواز میں نے کبھی سنی نہیں تھی۔ پر ہو سکتا ہے کہ تم...''

''کہ میں اس کا جڑواں بھائی ہوں یا ہم شکل... فلمی

یہ خود کو ماہر ڈرائیور سمجھتی ہے۔ سامنے سے کوئی گاڑی آ رہی ہو تو یہ آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ وہ خود بچ کر نکل جاتا ہے

کہانی میں ایسا ہو جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں وہی ہوں۔ نہ فلمی دنیا کا سلمان احمد نہ 'وِلن' اور سلمان احمد... جس کے تم نے کپڑے بھی اتار لیے تھے اور جیب میں سے دس لاکھ نکال کر لے گئے تھے۔ وہ گھر میں ایک ویران آسیب زدہ حویلی تھی۔''

''مگر میں کیسے مان لوں کہ تم مرے نہیں تھے؟''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ ''نورین کو بلا لو... پتا چل جائے گا۔''

اس نے جیب میں سے دستی بم نکال کے میرے سامنے پھینک دیا تھا۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایک لفظ بولا۔ ''نورین۔''

''ہاں، اسے لے بھاگے تھے تم چور، اچکے، ڈاکو، بے ضمیر آدمی، ایک لاش کے کپڑے اتارنا، اس کے دس لاکھ اپنی جیب میں ڈالنا اور اس کی ہونے والی بیوی کو بھگا لے جانا... کوئی شیطان ہی یہ کر سکتا تھا۔'' وہ چلّانے لگا۔

''شٹ اپ، تم کون فراڈ ہو، سلمان احمد نہیں۔ چلّانے کی ضرورت نہیں۔''

''تم نورین کو کیوں نہیں بلاتے آخر۔'' وہ چلّاتا رہا۔

''اس سے پہلے میں پولیس کو بلاتا ہوں۔ وہ سب معلوم کر لیں گے۔''

اس نے میری بات ختم ہونے سے پہلے کہا۔ ''ہاں، مجھے پتا تھا کہ تم یہی دھمکی دو گے، بلاؤ پولیس کو۔''

"تم جانتے نہیں مجھے، میں خود معلوم کرسکتا ہوں تم سے۔ میں تمہاری کھال کھینچ کے گوشت کتوں کو ڈال سکتا ہوں۔ تم اندر تو آ گئے ہو، نام نہ بتا کے بھی... مگر اس کے بعد کہاں گئے قیامت تک اس کا سراغ نہیں ملے گا۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے اور اسی لیے میں پکا بندوبست کر کے آیا تھا۔ میں بتا کے آیا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں اور میرے ساتھ کیا ہو سکتا ہے اگر میں واپس نہ گیا تو اس سے کہیں برا ہوگا ملک سلیم اختر... جو تم میرے ساتھ کرو گے ملک سلیم اختر عرف خاور، عرف فرید الدین۔"

اس کے اعتماد نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کر دیا۔

"اوکے، ہم بات کرتے ہیں۔"

اس نے کہا "باقی باتیں بعد میں، پہلے مجھے نورین سے ملنا ہے، اسے بلاؤ۔"

"وہ ابھی نہیں آسکتی۔"

"کیوں نہیں آسکتی، اسے جا کے بتاؤ کہ سلمان احمد آیا ہے۔" وہ جھلایا۔

"پاگل کے بچے، وہ ہوتی گھر میں تو تمہاری آواز پر ویسے ہی آ جاتی، مگر وہ ابھی گئی ہوئی ہے کہیں، مجھے بتاؤ تم یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"تمہارے دشمنوں نے تمہارا پتا دیا۔" وہ بولا۔ "اور جسے تلاش ہو اسے خدا بھی مل جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

وہ بولا۔ "اپنا حق، مجھے نورین دو، اور میرے دس لاکھ۔"

"دس لاکھ کے میں بیس دے سکتا ہوں مگر نورین کی بات مت کرو۔"

"کیوں نہ کروں نورین کی بات، اس کے بغیر میری زندگی کوئی زندگی نہیں۔"

میں نے کہا۔ "اگر وہ زندہ ہوتی تو میں ضرور تمہارے حوالے کر دیتا۔"

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ "کیا؟ نورین زندہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولتے ہو تم... بکواس کرتے ہو۔"

"دیکھو آرام سے بیٹھو... میں بتاتا ہوں۔"

"نہیں سننا مجھے کچھ بھی۔"

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ میرے ساتھ گاڑی میں تھی جب ایک حادثہ پیش آیا۔ پل پر سے گاڑی ریلنگ توڑ کے نیچے ندی میں گر گئی تھی۔"

اس نے چیخ کے کہا۔ "جھوٹے آدمی، لعنتی وہ مر گئی اور تو یہ جھوٹ بولنے کے لیے زندہ رہا.... مجھے بتا دے نورین کہاں ہے ورنہ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔ تیرا خون پی جاؤں گا۔" اس نے ایک دم مجھ پر جست لگائی۔ میں خود کو بچانے کے لیے ایک طرف ہوا۔

میری کہنی میں شدید درد اٹھا اور چوٹ میرے سر میں بھی لگی۔ میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو مجھے چھت اوپر نظر آئی۔ بیڈ میرے بائیں جانب تھا اور میں فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ حقیقت کی دنیا میں واپس آنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ میں اٹھ کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ صبح ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ دیوار کی گھڑی اور میری کلائی کی گھڑی میں نو بجنے والے تھے میں کچھ دیر اپنے خواب کو یاد کرتا رہا۔ خواب اور خیال کی دنیا اسی طرح ایک ساتھ تھے جیسے دن اور رات۔ سونے سے پہلے کے خیالات ہی نے خواب کا روپ دھار لیا تھا۔ کبھی خواہش اس طرح خواب میں ڈھل جاتی ہے جیسے فلم... تو کبھی خوف اور اندیشے سوتے میں حقیقت بن کے ڈراتے ہیں۔

غسل کے بعد مجھے ناشتا اکیلے ہی کرنا پڑا کیونکہ انور بہت پہلے جاگ کے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ وہ اپنے خاندانی دستاویزات اور نوادرات الگ کرنے کے بعد دولت کا حساب کر رہا تھا۔ "یار! میں پاگل ہو جاؤں گا۔" اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا۔ "پھر ایسا ہی میرے ساتھ ہوگا تو کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ جہاں سکندر شاہ صاحب قیام فرما ہیں، ہم اپنے لیے بھی جگہ لے لیں۔ بہتر ہوگا کہ فیملی سوئٹ مل جائے۔"

"شاہ جی خیریت سے ہیں اور ابھی نہ ڈاکٹر کے پاس ہے کچھ بتانے کے لیے... نہ مستقبل قریب میں ہوگا۔ روبی نے خود فون کیا تھا دوپہر تک اسے ریلیز کر دیا جائے گا۔ تجھے کیا ہوا؟ نیند نہیں آئی رات کو؟"

"یہی تو خرابی ہوئی۔" میں نے کہا اور جو خواب میں ہوا تھا سب بتا دیا، وہ ہنستا رہا۔

"یہ نوٹ تو گن لیے میں نے۔ ہے تقریباً چالیس لاکھ کی رقم... کچھ کم... مگر ترازو نہیں ملا سونا تولنے کے لیے... تجوری تو اب بے کار ہے۔ دوبارہ بھی بنی تب بھی کون استعمال کرے گا۔ لوہا ہے جس کا دل چاہے اٹھا کے لے جائے۔ سوچ رہا ہوں یہ زیورات اور سونا سب بینک لے جاؤں اور اپنے لاکر میں رکھوا دوں۔ ہوتا رہے گا بعد

میں مالیت کا حساب۔"

"جو لوگ اس طرح خزانوں کے مالک بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اسی دولت سے خود کو کتنا طاقتور محسوس کرتے ہیں اور پُرسکون اور پُراعتماد رہتے ہیں۔ حالانکہ مصرف کوئی نہیں رکھتے مگر دولت میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

انور بولا۔ "میں تو نفسیاتی مریض ہی کہوں گا انہیں۔"

"نہیں یار، ایسی ہی روحانی طاقت ہے اور علم کی طاقت ہے۔ میں تو نہیں جا سکتا تیرے ساتھ۔ مجھے اپنے ملاقاتی کا انتظار ہے۔"

انور ہنسا۔ "ایک بار خواب میں ڈرانے آ گیا۔ اب دن میں کون آتا ہے، ڈرمت بچے۔"

وہ انور کے جاتے ہی آ گیا۔ مجھے گیٹ سے سیکیورٹی گارڈ نے مطلع کیا تو میں نے کہا۔ "اچھی طرح تلاشی لو اس کی پھر آنے دو۔"

اس وقت میرے ایک ہاتھ میں فون کا ریسیور تھا جس پر میں روبی سے بات کر رہا تھا۔ اس کا فون ایک منٹ پہلے آیا تھا۔ انٹر کام کا ریسیور رکھ کے میں نے روبی سے کہا۔ "میرا کوئی ملاقاتی آیا ہے۔"

"بہانے کر رہے ہو تم... میں نے کہا تھا کہ ہمیں لینے آ جاؤ۔"

"لاحول ولا قوۃ، میں ملاقاتی کو روک کے رکھوں گا تم آ کے دیکھ لینا... اور تمہیں ڈرائیور لا سکتا ہے تو مسئلہ کیا ہے؟" میں نے ریسیور رکھا اور باہر نکل کے دیکھا تو وہ پیدل اِدھر اُدھر دیکھتا آ رہا تھا۔ چالیس سال سے اوپر کا کمزور سا غریب صورت آدمی جس نے معمولی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ بہت غور کرنے کے باوجود بھی میں اس کو شناخت کے کسی فریم میں فٹ نہ کر سکا۔

میں نے اسے باہر پڑی کرسی پر بٹھا لیا اور پوچھا۔ "تم دو بار پہلے ملنے آ چکے تھے کون ہو تم؟ کوئی کام ہے مجھ سے؟"

اس نے کہا۔ "آپ مجھے نہیں جانتے سر، میرا نام ہے ڈھل... میر پور خاص کا رہنے والا ہوں۔ ابھی دو ہفتے پہلے سکھر جیل سے رہا ہوا ہوں۔"

سکھر جیل کے نام پر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوئی مگر میں نے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ "کس جرم کی سزا کاٹ رہے تھے تم ڈھل۔"

"کبھی کبھی جرم بھی نہیں کرتا کوئی بندہ سائیں مگر سزا کاٹتا ہے اور کبھی سو جرم کرتا ہے سب کے سامنے اور سزا پھر بھی نہیں ہوتی۔ سب نصیب کی بات ہے سائیں۔"

"تم جیسے لوگوں نے اس کو نصیب کا نام دے دیا ہے۔ ورنہ نصیب بنانے والا تو اتنا بے انصاف نہیں ہے۔"

وہ ہنسنے لگا۔ "لو سائیں، بندہ کیا خود اپنا نصیب لکھتا ہے؟ نصیب تو وہ لے کر آتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "چھوڑو یہ بحث، مجھ سے کیا کام تھا کہ تم بار بار چکر لگاتے رہے؟"

"آپ رمضان کو جانتے ہو؟"

پہلے میں نے انکار میں سر ہلا دیا تھا پھر مجھے یاد آ گیا۔ "ہاں، وہ بھی تھا ایک ایسا ہی شخص، جیل آتا جاتا رہتا تھا چھوٹے موٹے جرائم میں۔"

"سائیں جیل سب کے لیے جیل ہے، چھوٹا جرم کر دیا بڑا... وہ ٹھیک ہیں نا جو بڑا جرم کر کے جاتے ہیں اُدھر بھی ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔"

"چلو اگلی بار بڑا جرم کر کے چلے جانا، رمضان کی کیا بات تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میری رہائی کے آرڈر آ گئے تھے جب وہ مر گیا۔ مارا گیا، اس کو اندر چوٹ لگی تھی۔ پیٹ کے اندر، اسپتال بھی دیر سے بھیجا گیا ورنہ وہ بچ جاتا.. اُدھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس نے لڑائی میں کسی وارڈن کو تھپڑ مار دیا تھا وہ اس کو رات بھر مارتے رہے تھے۔ اس کے منہ سے بھی خون آتا تھا۔ میں بھی اسپتال میں تھا۔ بیماری کوئی نہیں تھی۔ جیل کے ڈاکٹر نے لکھ دیا تھا۔ میں اور اس کا چھوٹا بھائی ایک کلاس میں پڑھتے تھے۔ سب نصیب کی بات ہے سائیں، وہ بڑا افسر بن گیا پڑھ لکھ کے۔ میرا باپ نشہ کرتا تھا اسی میں سب ختم ہو گیا۔ وہ ایک بار جیل کے وزیر کے ساتھ دورے پر آیا تو میرے کو پہچانا، اس کی مہربانی سے ڈاکٹر ہم کو اسپتال بھیج دیتا تھا دو ہفتے بھی بھینا... اُدھر اچھا کھانا ملتا تھا اور سونے کو چارپائی۔ تو رمضان نے مجھے بولا کہ ڈھل ابھی مجھے نہیں لگتا کہ میں زندہ بچوں گا۔ تو میرا ایک کام کر... جب تو اِدھر سے چھوٹے تو ملتان کی طرف ایک گاؤں ہے مراداں والی... اُدھر چودھری اصغر کی حویلی ہے۔ وہ ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں چودھری اکبر اور چودھری انور... انور کا یار ہے ملک سلیم اختر۔ اس کو ملنا، میں نے کہا کہ دور ہے لیکن میں جاؤں گا اگر بہت ضروری ہے... ایک ہفتے بعد وہ مر گیا۔ پھر 23 مارچ کو سب قیدیوں کی سزا میں ایک ایک مہینے کم ہوا تو میری رہائی ہو گئی۔ دس دن لگ گئے مجھے یہاں

آتے۔''

میں سسپنس میں ڈھل پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

''کیوں ملنے کے لیے کہا تھا رمضان نے؟''

''ایک دن اس نے بولا سائیں کہ کاغذ قلم لا۔ جو میں بولوں لکھ، پھر مجھے سنا کہ کیا لکھا ہے تو نے۔ وہ ان پڑھ تھا اور میں نے سائیں خیر سے دسویں کا امتحان دیا تھا پر فیل ہو گیا تھا۔ میں نے لکھا۔ وہ بولتا تھا بڑی مشکل سے۔ سب لکھنے کے بعد میں نے اس کو سنایا تو اس نے بولا کہ ٹھیک ہے۔ میں نے اس کے انگوٹھے پر پین کا سیاہی لگایا تو اس نے کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا۔ جو میں نے لکھا تھا اس کے نیچے۔ بولا کہ ابھی دیر سے سہی میں نے اقرار کرلیا۔ آگے جو مرضی مولا کی معافی دیوے نہ دیوے... اگلے روز وہ مر گیا۔''

خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا، پھر میں نے پوچھا۔ ''کیا تھا اس کے بیان میں... میرے لیے؟''

ڈھل نے پرانے سویٹر کے گلے میں ہاتھ ڈال کے قمیص کی جیب سے ایک پرانا میلا لفافہ برآمد کیا اور میری طرف بڑھا دیا۔ ''اللہ کا شکر ہے میرا ذمے داری پورا ہوا۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کے آسمان کی طرف دیکھا اور کھڑا ہوگیا۔ ''ابھی میں جاتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''ایسے نہیں۔ تم نے اتنی دور سے آنے کی تکلیف کی...''

''یہ کیا تکلیف ہے سائیں، اپنی تو زندگی ایسے ہی گزری ہے۔ کبھی اندر کبھی باہر... مار کھاتے اور دھکے کھاتے۔ اپن بھی کسی دن ایسے ہی خلاص ہو جائے گا جیسے رمضان ہوا۔''

''دیکھو، تم جب چاہو یہاں آسکتے ہو، کوئی کام ہے تو بتاؤ؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ کا بڑا مہربانی۔''

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پرس میں جتنے نوٹ تھے سب نکال لیے۔ ''یہ رکھ لو۔'' وہ اندازاً کچھ سات ہزار روپے تھے۔

''نہیں سائیں، اس سے زندگی تو نہیں گزرے گی لیکن میرے کو خیال آئے گا کہ میں نے ایک اچھا کام کیا تو اس کی بھی قیمت لے لی۔ آپ میرے کو خوش ہونے دو سائیں... ہم بڑا خراب آدمی ہے۔ بہت گنہگار ہے۔'' وہ پلٹا اور دروازے کی طرف چلنے لگا۔

میں نے اسے گیٹ سے نکل کر نظر سے اوجھل ہوتا دیکھا اور لفافے کو کھول لیا۔ اندر فل اسکیپ سائز کے صفحے پر خاصی صاف تحریر تھی اور آخر میں داغ جیسا انگوٹھے کا نشان تھا۔ رمضان نے لکھوایا تھا۔

''ملک سلیم صاحب۔

میرا نام رمضان ہے۔ آپ کو یاد ہوگا آپ ایک بار میرے گاؤں آئے۔ تھے اور میرے ماما جی سے ملے تھے۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی فاطمہ... آپ نے اس کو درگاہ پر دیکھا تھا۔ اس پر جن آتے تھے۔ آپ نے اس کو نورین سمجھا تھا لیکن ماما نے پہلے انکار کیا۔ بعد میں اس کے دل میں لالچ آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ملک صاحب اس کے دس ہزار دیں گے؟ میں نے کہا کہ دیکھ لے ماما، چودھریوں کا معاملہ ہے ایسا نہ ہو ہماری لاشیں کسی درخت سے لٹکی نظر آئیں۔ وہ ڈر گیا۔ اس نے آپ کو ایک کہانی سنا دی جو جھوٹ تھی پھر اس نے معلوم کیا کہ نورین کے ساتھ آپ کا کیا تعلق تھا۔ ادھر ایک اندر کے بندے نے بتایا کہ وہ آپ کی گھر والی تھی۔ آپ کی گاڑی پل پر سے نہر میں گری تھی۔ آپ نہر میں بہتے جا رہے تھے کہ غلام محمد کی بیٹی ریشم نے دیکھ لیا۔ وہ ادھر دو لڑکیوں کے ساتھ کپڑے دھونے گئی تھی۔ ادھر ایک جگہ گھنے درخت ہیں اور جھاڑیاں ہیں جہاں گاؤں کی عورتیں جنگل کے منگل جاتی ہیں۔ اس دن گاؤں کے لڑکے اور مرد ادھر نہیں جاتے۔ ریشم کو دیر ہوگئی تھی اس نے آپ کو بہتا دیکھا اور پکڑ لیا۔ پانی سے نکالا اور گھر لے گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ میں نہیں لکھتا۔ آپ چودھریوں کے گھر میں رہے مگر اس سے پہلے ہی سب کو پتا چل گیا تھا کہ آپ اپنی گھر والی نورین کو تلاش کرتے ہو۔

''جیسے آپ کو ریشم نے نکالا تھا ایسے ہی میرے ماما جی نے نورین کو ڈوبتا بہتا دیکھا تو پانی میں اتر کے کنارے پر لے آیا اور کندھے پر ڈال کے گھر لے گیا۔ نورین زندہ تھی اور ہم نے مل کر اس کے پیٹ سے پانی نکالا۔ اس کو گرم رکھا اور ہاتھ پیر ملتے رہے۔ دوائی ہم کیا دیتے۔ اس کو زندہ رہنا تھا مولا کی مرضی سے... مگر اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔ دو دن بعد ہم نے اس سے بہت پوچھا لیکن اسے اپنا نام بھی یاد نہیں تھا۔ لڑکی بہت خوب صورت تھی۔ میں نے ماما سے کہا کہ میرے ساتھ بیاہ دے لیکن اس نے کہا کہ اپنی شکل دیکھ، کرتا کراتا کچھ نہیں... اسے کہاں رکھے گا اور کیسے چھپائے گا۔ کیا جواب دے گا کہ کہاں سے لایا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ کون ہے تو ماما جی نے اس کو پیر سائیں کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے بولا کہ ایک جن نے لڑکی کے دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ جب تک وہ نہیں نکلے گا اسے کچھ یاد نہیں آئے گا۔ مجھے بھی

معلوم تھا اور ماماجی کو بھی کہ اُدھر جن اتارنے کے نام پر کیا ہوتا ہے۔ لیکن لڑکی کو واپس لانا مشکل تھا۔ ادھر آپ نے بھی اسے دیکھا۔ ماما نے اس کا نام فاطمہ بتایا تھا۔ اس نے بھی آپ کو یہی بولا۔ ابھی اللہ معاف کرے.... میرا ٹائم پورا ہوگیا ہے تو جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ... میں نے اور ماماجی نے مل کے کئی لڑکیاں اُدھر پہنچائیں... آٹھ سال سے بارہ تیرہ سال کی سات اور اس سے چھوٹی بارہ... تین چار سال کی... بڑی عمر کی لڑکی آسانی ہوتی تھی۔ آسانی سے قابو نہیں آتی تھی۔ اس کے ہمیں بھی سات تو کبھی آٹھ ہزار ملتے تھے۔ دس بھی ملے تھے، ایک بار... رنگ روپ اور جوانی کا حساب تھا۔ بڑی عمر کی لڑکی پر خرچہ کم ہوتا تھا اور قیمت زیادہ ملتی تھی۔ چھوٹی عمر کی لڑکی کے چار پانچ مل جاتے تھے۔ پھر چار سال کے لڑکوں کے دو دو ہزار ملنے لگے تو ہم نے بہت پہنچائے۔ جیل میں ایک بندے نے مجھے بتایا کہ لڑکے دبئی جاتے ہیں۔ اُدھر اونٹ کی ریس ہوتی ہے تو یہ تین چار سال والے بچے اونٹ کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اونٹ دوڑتا ہے تو ڈھول بجاتے ہیں۔ بچے ڈر کے چلاتے ہیں، روتے ہیں تو اونٹ پریشان ہوکے تیز دوڑتا ہے۔ بچے اور چلاتے ہیں۔ سنا ہے دہشت سے مر بھی جاتے ہیں۔

''خیر جناب ماما اُدھر درگاہ سے فاطمہ کو نکال لایا۔ اس کا اپنا ایمان خراب ہورہا تھا۔ اس کو پتا تھا کہ اتنی خوب صورت لڑکی بہت قیمتی ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ فلموں میں جائے گی تو لاکھوں کمائے گی۔ بس اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے۔ ماما کو بھی پتا تھا کہ درگاہ سے لڑکی غائب ہوگی تو اس کی خیر نہیں۔ دس ہزار وہ پہلے ہی لے چکا تھا۔ ہم اسی رات گاؤں سے بھاگ گئے، کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔ سیدھے پہلے کراچی گئے اور ادھر بہت بڑا سرکاری اسپتال ہے، جناح اسپتال... اس میں دماغ کا علاج بھی ہوتا ہے۔ ایک بہت نیک اور مہربان ڈاکٹر مل گیا۔ اس نے بولا کہ ٹھیک ہو جائے گی لیکن ٹائم لگے گا۔ ماما نے پوچھا کتنے دن؟ اس نے کہا کئی ہفتے یا مہینے بھی لگ سکتے ہیں۔ اس نے اسپتال کے اندر رہنے کی جگہ دلوا دی۔ آخر میں ایک کمرے والے کوارٹر تھے ماما کو ایک وارڈ میں صفائی پر لگا دیا۔ مجھے اپنے ساتھ چپراسی بنا لیا۔ تین ہفتے میں فرق پڑ گیا تھا۔ وہ بات سمجھتی تھی اور ٹھیک جواب دیتی تھی۔ اس کو ہر بات یاد رہتی تھی۔ لیکن پرانی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے بولا کہ ایسا ہوتا ہے۔ اب یہ جو دیکھے گی، سنے گی پڑھے گی سب یاد رہے گا۔ لیکن اس سے پہلے کا کچھ پتا نہیں۔ اس کے دماغ میں ہے مگر بند صندوق کی طرح... وہ صندوق کب کھلے گا، نہیں پتا۔ سال دو سال... دس سال یا ساری عمر نہ کھلے۔ اور کل بھی کھل جائے۔ صبح اٹھے تو سب یاد آجائے۔

''وہ فاطمہ بن گئی تھی اور ہم اُدھر آرام سے رہ سکتے تھے مگر ماما کے دل میں بھی لالچ تھا اور مجھے بھی ایسی محنت کرنے کی عادت نہیں تھی۔ پھر ایک بندہ فاطمہ کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی دواؤں کی دکان تھی باہر اور اندر اس کا باپ خون ٹیسٹ کرنے کا کام کرتا تھا۔ ایک رات وہ دو بدمعاش دوستوں کے ساتھ فاطمہ کو اٹھانے آگیا۔ میں نے اس کے سر پر پتھر مارا، میر بھر کا۔ اور کچھ نہیں ملا تھا مجھے... اس کا سر پھٹ گیا اور خون بھل بھل بہنے لگا۔ اس کے دو ساتھیوں نے اسے سنبھالا اور ہم سب کچھ چھوڑ کے بھاگے۔ پیچھے سے دیوار کود گئے۔ ادھر سے سڑک گزرتی تھی اور پھر ریلوے کا احاطہ تھا۔ وہاں ٹرینوں کو دھوتے تھے۔ ادھر سے ہم اسٹیشن پہنچے اور گاڑی میں بیٹھ گئے، ٹکٹ لیے بغیر... پتا نہیں کون سی گاڑی تھی۔ تین دفعہ پکڑے گئے اور اتارے گئے۔ پھر کسی گاڑی میں بیٹھ جاتے تھے۔ اس طرح لاہور پہنچ گئے۔

''ابھی بات تو بہت لمبی ہے۔ ہم ایک ہفتے داتا دربار کے احاطے میں پڑے رہے۔ کھانا مل جاتا تھا۔ ہر روز سیکڑوں ہزاروں لوگ آتے جاتے دیکھتے تھے۔ فقیر بہت تھے مگر فاطمہ فقیر نہیں لگتی تھی۔ اس پر سب کی نظر پڑتی تھی پھر ایک شخص آیا۔ اس نے فاطمہ کے بارے میں بات کی کہ وہ اس کو فلموں میں چانس دلوا سکتا ہے، کیونکہ وہ بہت خوب صورت ہے۔ اس کے تعلقات فلم بنانے والوں سے ہیں۔ ماما نے بڑی ہوشیاری دکھائی۔ وہ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا تھا۔ اس نے کہا کہ فاطمہ اس کی بیٹی ہے اس کی طرف سے بات وہ خود کرے گا۔ وہ آدمی اگلے دن آنے کا کہہ گیا۔ ماما کو کچھ معلومات تھیں۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تو تصدیق ہوگئی کہ فلموں میں فاطمہ لاکھوں کمائے گی۔ وہ شخص اگلے دن آیا اور اس نے ماما کو پچاس ہزار روپے دیے اور کہا کہ وہ رات کے وقت پھر آئے گا اور ہم سب کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ فاطمہ کا معاہدہ ایک لاکھ روپے کا ہوگا دوسری فلم میں دو لاکھ ہوگا اور تیسری میں تین لاکھ۔

''داتا صاحب کے لنگر میں تقسیم کے لیے دیگ پکا کے فروخت کرنے والا ایک شخص بھی فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس کی بیوی تھی۔ اس نے سمجھایا کہ یہ کوئی دھوکے باز ہے۔ تین لاکھ میں پوری فلم بنتی ہے۔ پچاس ہزار بھی وہ نہیں دے گا۔ آج تک کسی کو پہلی فلم کا اتنا معاوضہ نہیں

ملا۔ اس نے، ماما کو لالچ دیا کہ فاطمہ کی اس سے شادی کر دے تو وہ ماما کو بھی پچھلی طرف کے بازار میں دیگ لگوا دے گا۔ جو لوگ دیگ چڑھاتے ہیں اسی بازار سے دیگ لیتے ہیں اور اس کام میں بڑا فائدہ ہے۔ ماما نے کہا کہ میں تو پچاس ہزار۔ لے چکا ہوں تو اس نے کہا کہ وہ واپس کر دینا۔ مگر ماما نے کچھ اور ہی سوچا تھا۔ ہم رات کو وہاں سے نکل کے غائب ہو جائیں... وہ بے وقوف ہمیں کہاں تلاش کرے گا۔ اس نے تو پچاس ہزار روپے اور رسید بھی نہیں لی۔ لاہور اتنا بڑا شہر ہے ہم راولپنڈی بھی جا سکتے ہیں۔ لیکن بے وقوف خود ماما تھا۔ جیسے ہی ہم نکلے ایک شخص اندھیرے میں سے نکل کے آ گیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں لے جانے آیا ہے۔ فاطمہ کا ایگریمنٹ ہو گا۔ ماما کا خیال تھا کہ ہم نے نکلنے میں دیر کر دی لیکن ایسا نہیں تھا رسید نہ دینے والا ہوشیار تھا، اسے ڈر تھا کہ یہ لاوارث لوگ پچاس ہزار لے کر بھاگ نہ جائیں۔ پچاس ہزار تو ہمیں روکنے کے تھے۔ پکڑنے کے لیے اس نے بندے باہر کھڑے کر دیے تھے۔

''ہم ایک گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی پتا نہیں کہاں کہاں سے گزری۔ ایک جگہ اس نے کہا کہ گاڑی خراب ہو گئی۔ وہاں ایک سے بڑھ کر ایک کوٹھی تھی۔ اچانک کہیں سے ایک اور بندہ آیا۔ اس نے ماما کو کھینچ کے باہر ڈالا جو ہمیں لے کر جا رہا تھا، اس نے مجھے کھینچ لیا۔ ایک نے ماما کے سر پر کوئی چیز ماری۔ دوسرے نے میرے سر پر... فاطمہ کے چیخنے کی آواز میں نے سنی تھی۔ ہم وہاں سڑک پر پڑے رہ گئے اور وہ فاطمہ کو لے کر چلے گئے۔ معلوم نہیں کہاں۔ ماما کی اپنی بیٹی ہوتی تو وہ شور کرتا۔ پولیس کے پاس جاتا مگر اب ڈر تھا کہ خود نہ پکڑا جائے لیکن نقصان بہت ہوا تھا۔ وہ جاتے وقت رقم بھی چھین کر لے گئے تھے۔ ماما شکایت درج کرانے تھانے چلا گیا۔ وہاں الٹا ہوا۔ ہماری کسی نے نہیں سنی۔ ہمیں ہی تھانے میں بند کر دیا۔ ہم اپنا نام پتا کچھ بھی صحیح نہیں بتا سکے تھے۔ ہم آوارہ گرد مشکوک ہو گئے۔ تھانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا تھا بلکہ بھگتا تھا۔ کوئی ہمارا ہوتا تو پیسے دیتا اور چھڑا کے لے جاتا۔ روز چھترول ہوتی تھی۔ پھر ایک تھانے دار نے کہا کہ سچ بتاؤ کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ میں نے بتا دیا۔ اس نے پوچھا کہ فاطمہ کی تصویر ہے کوئی۔ ہمارے پاس نہیں تھی۔ اس نے کہا کہ لڑکی تو گئی۔ وہ نہ فلموں میں آئے گی نہ کوٹھے پر نظر آئے گی ابھی... وہ کوٹھیوں میں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں چلے گی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم اس کے ساتھ فاطمہ کو تلاش کریں۔ اسے اندازہ تھا کہ لاہور میں وہ کہاں نظر آ سکتی ہے اور کون لوگ اس کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔

''مگر ہماری رہائی نہیں ہوئی۔ دوسرے تھانے دار نے معلوم کر لیا تھا کہ ہم کون ہیں۔ وہ ہمیں اپنے کام سے لگانا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا تو اس نے پرچا کاٹنے کی دھمکی دی۔ ہم نے مجبوراً اس کے لیے الگ الگ کام کیا۔ ماما کو اچھرہ کا علاقہ ملا جہاں سے وہ بھتا جمع کرتا تھا۔ مجھے لکشمی کا... وہاں دو مہینے بعد میں نے فاطمہ کی تصویر دیکھی۔ ایک بلڈنگ پر بہت بڑا پوسٹر تھا۔ بہت سے اداکاروں کے ساتھ فاطمہ کا چہرہ بھی تھا۔ فلم کا نام تھا ''شیر پنجاب دا گجر''۔ میں اوپر گیا تو کوئی نہیں تھا۔ ایک بندے نے بتایا کہ رات کو آتے ہیں سب... کیا کام ہے؟ میں نے کہا کہ فلم میں کام کرنے کا شوق ہے۔ پھر میں رات کو وہاں کھڑا رہا۔ تین دن بعد میں نے فاطمہ کو دیکھا۔ وہ گاڑی سے اتری اور اوپر چلی گئی۔ اس کے ساتھ لٹھے کی شلوار قمیص، کالی واسکٹ اور مونچھوں والا بھاری شخص تھا جس کے لیے ڈرائیور نے دروازہ کھولا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ فاطمہ اسی کے ساتھ ہے۔ میں اس سے فاطمہ کو لے نہیں سکتا تھا۔ میں نے گاڑی کا نمبر لکھ لیا۔ لاہور میں رہ کے میں سیانا ہو گیا تھا مگر ماما کو پتہ نہیں بتایا۔

''میں اوپر جاتا تو بہت مار پڑتی۔ وہ لوگ میری ہڈیاں توڑ دیتے۔ میں سوچتا رہا کہ کس طرح فاطمہ سے ملوں یا اسے پیغام پہنچاؤں۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا پیغام یا میری شکل دیکھ کے وہ خوش نہیں ہو گی۔ اسے لاہور لا کے اس دلدل میں گرانے والے ہم ہی تو تھے۔ شاید وہ مجھے پٹواتی یا جھوٹے الزام میں بند کرا دیتی۔ میں گاڑی کا پیچھا کرنے کا سوچتا تھا تو بے وقوفی لگتی تھی۔ وہاں رکشا تھے۔ وہ اتنی بڑی گاڑی کا کیسے پیچھا کرتے۔ پھر کیا کروں؟ دن میں کسی وقت آ کے اس جگہ کا فون نمبر لوں اور پوچھوں کہ یہ گاڑی کس کی ہے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ نیچے اتری اور اس عیاش صورت رئیس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کے چلی گئی۔ اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا اس کے کپڑے بہت قیمتی تھے اور میک اپ میں وہ بالکل پری لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ اکڑ کر چلنے والا بالکل بھوت لگتا تھا۔

''اس سے پہلے کہ میں وہاں سے ہلتا، ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک گاڑی نے کسی سائیکل والے کو مارا اور رکے بغیر وہاں سے فرار ہو گیا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سائیکل والے کو کچھ لوگ اسپتال لے گئے کیونکہ وہ خاصا زخمی تھا۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ گاڑی والا تو

ڈیوٹی ٹائم ختم... ٹیکسی میں نے تمہارے لیے نہیں' اپنے لیے روکی تھی!

بھاگ گیا اگر یہ زخمی مر گیا تو پولیس اسے کیسے پکڑے گی۔ اس شخص نے بتایا کہ گاڑی کا نمبر دیکھ لیا گیا تھا اور نمبر کی مدد سے اس کا نام پتا مل جائے گا۔ میں نے طریقہ سمجھ لیا اور وہاں جا پہنچا جہاں فاطمہ اس عیاش دولت مند کے ساتھ رہتی تھی۔ کوٹھی کا دروازہ بند تھا۔ اندر ایک سنتری کی چوکی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا تو تصدیق ہو گئی کہ فاطمہ اندر ہی تھی۔ دروازے پر اس کوٹھی کے مالک کا نام شیخ گلزار لکھا ہوا تھا۔

ہمت کر کے میں نے چوکیدار سے کہا کہ بیگم صاحبہ کو یہ کہہ دے کہ اس کے گاؤں مراداں والی سے کوئی ملنے آیا ہے۔ بہت دیر بعد چوکیدار نے اندر سے آنے والے کسی ملازم کے ذریعے پیغام پہنچایا کیونکہ وہ خود گیٹ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ فاطمہ نے مجھے بلوا لیا مگر جیسے ہی اس نے میری صورت دیکھی، آگ بگولا ہو گئی۔ مجھے گالیاں دینے لگی۔ میں نے ہاتھ جوڑے اور منت سماجت کی کہ خدا کے لیے میری بات سن لو۔ ورنہ وہ مجھے نوکروں سے باہر نکلوا دیتی اور میری ایک نہ سنتی۔ وہ مجھ سے اور ماں جی سے بہت سخت ناراض تھی۔ میں نے کہا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں، یہ سب لالچی ماما کی وجہ سے ہوا ورنہ میں تو اس کی منت سماجت کر رہا تھا کہ تم سے میری شادی کرا دے۔ میری بات کا فائدہ کچھ نہیں ہوا۔ وہ روتی رہی کہ ہم نے اس کو بیچ دیا ہے اور یہ بڑے طاقتور اور بدمعاش لوگ ہیں۔ ان کے چنگل سے چھٹکارا ناممکن ہے۔ تم جاؤ اور اپنے اس ماما کو بھی کہہ دینا کہ مجھے اس کی شکل بھی دکھائی دی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

''مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ جو میرا خیال تھا غلط ثابت ہوا۔ فاطمہ چاہتی تو وہاں سے نکل سکتی تھی لیکن عیش و عشرت

کی زندگی اسے راس آ گئی تھی۔ مجھے پتا نہیں کہ فاطمہ کی وہ فلم بنی یا نہیں لیکن میری طرح ماما نے بھی لکشمی چوک پر ڈسٹری بیوٹر کے آفس میں فاطمہ کی تصویر دیکھی اور سوچے سمجھے بغیر اوپر چلا گیا۔ اس نے شور مچایا کہ فاطمہ میری بیٹی ہے اور ایک دھوکے باز اسے فلم میں کام دلانے کے بہانے لے گیا اور جو پچاس ہزار کا معاوضہ دیا تھا وہ بھی چھین لیا۔ اس نے پولیس میں جانے کی دھمکی دی تو پولیس وہیں آ گئی اور اسے تھانے میں بند کر دیا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ ماما مجھے پھر نہیں ملا۔ میرا خیال ہے پولیس نے اسے مار کے کہیں گاڑ دیا ہو گا۔ اس جیسے لاوارث کو لاہور میں کون پوچھتا ہے۔

''میں ہر روز اس عمارت کے سامنے جا کر کھڑا ہوتا تھا جہاں فلم بنانے والوں کے دفتر تھے۔ سامنے پوری عمارت پر بورڈ لگے ہوئے تھے۔ لوگوں کا آنا جانا ہر وقت لگا ہوا تھا۔ میں صرف فاطمہ کی ایک جھلک دیکھنے وہاں جاتا تھا۔ پہلے وہ تیسرے چوتھے روز پھر ہفتے دو ہفتے بعد نظر ضرور آتی۔ ایک بار مہینا گزر گیا۔ میں مایوس ہو چلا تھا کہ وہ نظر آ گئی۔ دور سے وہ مجھے دیسی ہی لگی۔ کچھ دیر بعد ایک چائے والا لڑکا آیا اور اس نے کہا کہ تم کو حسن بانو نے بلایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کون حسن بانو؟ تو اس نے بورڈ پر فاطمہ کی تصویر کی طرف اشارہ کر دیا جو اب پرانی ہو کے خراب ہو رہی تھی اور اس کا ایک کونا پھٹ گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ وہ کار میں نہیں ٹیکسی میں آئی تھی۔ میں اوپر چلا گیا۔ وہاں وہ ایک کمرے میں اکیلی لیٹی ہوئی تھی۔ اسے قریب سے دیکھ کے میں پریشان ہو گیا۔ وہ بہت کمزور اور بیمار نظر آتی تھی۔ اس کا رنگ پیلا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے، کیا تم بیمار ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں نے کئی بار تم کو دیکھا۔ تم کیوں کھڑے ہو جاتے ہو یہاں آ کے... میں نے کہا کہ میں تو اسے دیکھنے ہر روز آتا ہوں۔ وہ بولی کہ اب مت آنا... کیونکہ میں جا رہی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کہاں جا رہی ہو؟ تو اس نے کہا کہ یہ تمہیں نہیں بتا سکتی۔ لیکن مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم واقعی مجھے چاہتے تھے۔ میری زندگی تمہارے ماما نے تباہ کی۔ اس کی سزا اسے مل گئی۔ وہ جھوٹا، بے غیرت آدمی باپ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ میرا کیا رشتہ تھا۔ تب میں نے اسے سب سچ سچ بتا دیا کہ ماما نے اسے نہر میں سے نکالا تھا۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں بھی بتایا کہ ملک سلیم اختر تمہارا شوہر تھا۔ تم دونوں گاڑی میں کہیں جا رہے تھے اور پل پر گاڑی بے قابو ہوئی تو نیچے نہر میں گری... ملک سلیم اختر کو ایک لڑکی ریشم نے بچا لیا تھا اور اب وہ مراداں والی کے چودھری انور کی حویلی میں رہتا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں آیا۔ نہ حادثے کے بارے میں اور نہ تمہارا نام... ہوش میں آنے کے بعد کی ساری باتیں اسے یاد تھیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں کیا بیماری ہے؟ وہ بولی کہ بیماری کوئی نہیں... جو زندگی میں گزار رہی ہوں وہی سب سے بڑی بیماری ہے... یہاں میں کسی سے ملنے آئی تھی۔ جو ٹیکسی والا نیچے کھڑا ہے وہی مجھے واپس لے جائے گا۔ آج وہ شخص نہیں آیا جس سے مجھے ملنا تھا تو میں نے تمہیں بلا لیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم اسی کوٹھی میں رہتی ہو جہاں میں پہلی بار تم سے ملنے آیا تھا تو وہ رونے کے قریب ہو گئی۔ اس نے کہا کہ اب وہ ہر روز کوٹھی بدلتی ہے لیکن اس روز میرے ساتھ آ جاتی تو اچھا ہوتا۔ میں نے کہا کہ اب چلو میرے ساتھ تو اس نے انکار میں سر ہلا دیا کہ اب ناممکن ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

اسی وقت ایک دبلا پتلا گنجا شخص اندر آ گیا اور مجھے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ ''حسن بانو یہ کون ہے؟''

''فاطمہ نے کہا کہ بجلی ٹھیک کرنے والا ہے۔ اس شخص نے چٹکی بجا کے کہا کہ چل، پھٹ اگر کام ختم ہو گیا ہے۔ میں نیچے اتر آیا بس وہ فاطمہ سے آخری ملاقات تھی۔ پھر دو مہینے تک میں وہاں جا کے کھڑا ہوتا رہا مگر وہ نظر نہیں آئی۔ ایک دن میں نے اوپر سے اترنے والے لڑکے سے جو نیچے سے چائے لے جاتا تھا، تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ فلم بن گئی؟ وہ ہنس پڑا اور بولا کہ ایسے تو بہت بورڈ لگتے ہیں اور اتر جاتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا یہ حسن بانو اب یہاں کیوں نہیں آتی؟ وہ میری صورت دیکھتا رہا اور بولا کہ تو کیوں پوچھ رہا ہے؟ محبت کرتا ہے اس سے؟ میں نے اقرار میں سر ہلایا تو وہ ہنس پڑا اور بولا پاگل کے بچے... ایسی بہت آتی ہیں یہاں خوار ہونے اور تو جس کی بات کر رہا ہے نا... اس کا تو شاید قتل ہو گیا تھا مگر مجھے پکا پتا نہیں۔ میں نے کہا کہ کون بتا سکتا ہے تو اس نے کہا کہ رات کو جانی چوکیدار ہوتا ہے، اس کو معلوم ہو گا۔ میں رات کے وقت گیا تو بڑی رونق تھی۔ عورتیں، مرد سب ہنس رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کچھ شراب پی رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے جانی کو پکڑا۔ جانی نے کہا کہ کون حسن بانو... میں نے اسے باہر لے جا کے پوسٹر دکھایا تو وہ ہنسنے لگا۔ اوئے پاگل خانے یہ تو کئی مہینے سے لگا ہوا ہے۔ یہ لڑکی پہلے آتی تھی۔ نام اس کا نیلم جان تھا۔ شاہی محلے میں تھی۔ ادھر کسی نے قتل کر دیا تھا۔ میں نے بھی سنا ہے۔

''میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ میں شاہی محلے چلا گیا اور نیلم جان کو پوچھتا رہا۔ ادھر ایک نہیں چار نیلم جان ملیں۔ میں نے کہا کہ وہ جو قتل ہو گئی تھی۔ اس پر ایک شخص نے مجھے کہا کہ وہ جو پہلے حسن بانو تھی؟ وہ تو زندہ ہے۔ وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ مجھ سے کہا کہ یہاں انتظار کرو... میں دیکھتا ہوں وہ کوٹھے پر ہے یا نہیں۔ میں بیٹھا تھا کہ پولیس آئی اور مجھے لے گئی۔ انہوں نے کئی جرم بنا دیے میرے اور میں جیل پہنچ گیا۔ تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کہ اب نہ فاطمہ دنیا میں ہے نہ نورین... ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

نشان انگوٹھا۔ (رمضان)''

اس خط کو میں نے ایک بار پڑھا۔ پھر دوسری بار... تیسری بار... نہ مجھے گرد و پیش کا احساس رہا اور نہ وقت کے گزرنے کا۔ خط کے مضمون کا ہر لفظ مجھے ازبر ہو چکا تھا۔ جب انور میرے سامنے آ کے بیٹھ گیا اور اس نے میری صورت دیکھی تو کوئی سوال کیے بغیر خط میرے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر بہت دیر بعد اس نے خط مجھے واپس کر دیا۔ جو اب کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ اہم نہیں رہا تھا۔ جیسے پھانسی ہو جانے کے بعد بلیک وارنٹ۔ پھر اس نے کہا۔ ''آئی ایم سوری یار۔'' اور ہاتھ پکڑ کے مجھے اندر لے گیا۔ میری ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ غم کا احساس تھا تو بس اتنا کہ تلاش کا سفر تمام ہوا۔ آرزو کے ساتھ امید کی آخری کرن بھی بجھ گئی۔ میں خاموش بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔

پھر انور نے کہا۔ ''کون لایا یہ خط؟''

میں نے کہا۔ ''وہی جس نے لکھا تھا۔''

''یہ تو نہیں کہوں گا میں کہ اچھا ہوا۔ بے یقینی ختم ہو گئی۔ ورنہ ایک خلش تمام عمر تجھے احساسِ جرم میں مبتلا رکھتی۔''

میں نے کہا۔ ''کتنا اچھا ہوتا، اس خط کے بجائے مجھے نورین کی لاش مل جاتی۔ اسی دن یا اگلے دن میں خود اس کی قبر پر مٹی ڈالتا۔ حادثے میں اس کے مرنے کا دکھ یہ نہ ہوتا جو اس انجام تک پہنچنے کی رُوداد جان کر ہوا۔ خود مرنے سے پہلے اس نے اپنے خوابوں کو مرتا دیکھا۔ ایک بار نہیں دو بار۔''

''زندگی اسی کا نام ہے دوست۔ یہاں ہم سب اتنے خوش قسمت کب ہوتے ہیں کہ مایوسی اور ناکامی سے محفوظ زندگی جی لیں۔ جو چاہیں پا لیں اور سب کچھ ہماری خواہش یا ضرورت کے مطابق ہوتا جائے۔''

میں نے کہا۔ ''اس پر حضرت علیؓ کا قول پھر یاد آتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کی شکست سے پہچانا۔''

''روبی کو دیکھ، اس نے بھی سب کچھ پا کے گنوایا۔ آج اس کے پاس بھی صرف پچھتاوے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''انور! میں نہیں چاہتا کہ ان کے سامنے اس موضوع پر بات ہو بلکہ آئندہ یہ بات کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتا۔ یوں جیسے یہ خط مجھے ملا ہی نہیں۔'' میں اٹھ کے ایک سائڈ ٹیبل تک گیا جہاں آرائشی سگریٹ کیس اور لائٹر رکھے ہوئے تھے۔ خود سکندر شاہ سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھنے والے مہمانوں کے لیے سگریٹ ضرور رکھتا تھا۔ لائٹر پہلی ہی کوشش میں جل گیا۔ میں نے خط کا ایک کونا ننھے سے شعلے پر رکھا۔ کاغذ نے آگ پکڑ لی۔ چند سیکنڈ میں ایک ناکام نامراد زندگی کی کہانی جل کے راکھ ہو گئی۔ میں نے اس کو ایش ٹرے میں مسل دیا تو مجھے یوں لگا جیسے میں نے ایک قبر کے آثار مٹا دیے۔ آدمی ایسا ہی خود غرض ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ مرتا نہیں۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ میں نورین کے نام کو اور اس کی یادوں کو بھی دل سے نکال سکوں اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ ہاں جینے کے لیے نیت اور جذبے کی پوری توانائی ضروری تھی۔

معمول کے مطابق انور نے سکندر شاہ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ رفتہ رفتہ یہ بھی ایک غیر جذباتی عمل بن رہا تھا۔ اخلاقی ضرورت یا رسمی کارروائی۔ میرا خیال تھا کہ روبی اور ریشم کی آمد دوپہر کے بعد ہوگی۔ انور نے اپنے بینک منیجر کو طلب کیا تھا۔ وہ پہلے آ پہنچا۔ نقد رقم اس نے اپنی تحویل میں لے کر رسید بھی دے دی۔ دستاویزات اور سونا چاندی اور زیورات کو بینک لاکر میں رکھنے کے لیے بڑے لاکر درکار تھے۔ انور کے موجودہ لاکر میں اتنی جگہ نہ تھی۔ وہ اپنے سیکیورٹی گارڈ ساتھ لایا تھا۔ انور ان کے ساتھ چلا گیا۔ اس کی گاڑی نکلی اور اسپتال سے روبی کو لانے والی گاڑی داخل ہوئی۔ میں اس کام کی نگرانی کے لیے نکل گیا جو گزشتہ رات ادھورا چھوڑنا پڑا تھا۔

اب ڈھیر تمام ملبا اٹھا کے دور لے جا رہے تھے۔ شام تک حویلی کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس کی جگہ ایک ہموار قطعہ زمین نمودار ہو گیا۔ ایک صدی کی تاریخ کا کوئی نشان رہا تو وہ احاطہ جس میں ہر قبر ایک کہانی کہتی تھی۔ میں نے چودھری صاحب کی اور انور کی ماں کی قبروں کو دیکھا۔ پھر اکبری اور شاہینہ کی قبر دیکھی تو دونوں کے بار گراں سے

میرا دل بوجھل ہو گیا۔ اس وقت جب میں ایک اجنبی کی حیثیت سے یہاں وارد ہوا تھا اور اس وقت۔۔۔ جب یہاں میں اکیلا کھڑا تھا، دکھ دینے والی یادوں کا سائیں سائیں کرتا جنگل تھا۔ زندگی تھی کہ مجھے کھینچ کر آگے لیے جا رہی تھی۔

شام کو مجھے روبی سے اکیلے میں ملنے کا موقع ملا۔ ''تم پھر اسپتال آئے نہ مجھ سے بات کی۔'' اس نے مجھے لاؤنج میں بیٹھا دیکھا تو میرے سامنے آکے بیٹھ گئی۔

نورین کی یادوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں تھی۔''

اس نے میرے موڈ کی خرابی کو میری ناراضی سمجھ لیا۔ ''میں نے تمہیں سب بتا دیا تھا کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔''

''مجھے تمہارے جھوٹ سچ سے کیا؟''

''پھر ناراض کیوں ہو؟ منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟''

''لاحول ولاقوۃ، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔''

''میں نے کسی کو اپنے جھوٹ کے بارے میں نہیں بتایا۔''

میں چڑ کر اٹھ گیا۔ ''بہت اچھا کیا، مجھے بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''استنے بے رحم مت بنو۔'' مجھ اس کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سنائی دی تو میں رک گیا۔ ''یہاں تو مجھ سے ہمدردی کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ سب کی اپنی اپنی زندگی ہے۔''

میں پھر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''دیکھو روبی! کسی کون ہے یہاں؟ اگر میں نظر آتا ہوں تو میری اپنی مجبوری ہے۔ یہ دیکھو۔۔۔'' میں نے کونے میں سے ایش ٹرے اٹھا کے اسے جلے ہوئے کاغذ کی راکھ دکھائی۔

''کیا ہے یہ؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میری وہ زندگی جو میں گزارنا چاہتا تھا۔ کل انور سارا دن اپنی زندگی کی راکھ سمیٹتا رہا۔ اس نے بہت کچھ جل کر خاک ہو جانے والی حویلی کے ملبے سے نکال لیا۔ جو اَب وہ بینک میں جمع کرانے گیا ہے۔ لاکھوں نقد، لاکھوں کا سونا چاندی اور زیورات۔۔۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ۔۔۔ مگر میرے پاس بس یہ ہے۔''

''مجھے بتاؤ گے نہیں، یہ کیا ہے؟'' اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ کر نرمی سے کہا۔

''ہاں، ضرور بتاؤں گا۔ حالانکہ انور سے خود میں نے کہا تھا کہ کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ ایک پوری زندگی کا خواب ہے جو میں نے نورین کے ساتھ مل کر دیکھا تھا۔''

''نورین؟ تم پر پھر اس کی یاد کا دورہ پڑا ہے؟''

''نہیں، میرے دماغ کی خرابی دور ہو گئی ہے۔ اب مجھ پر کوئی دورہ نہیں پڑے گا۔ یہ ایک خطرہ تھا جس نے میرے پاگل پن کا علاج کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرا پاگل ایک جنون بن جاتا لیکن جیسے تم نے اپنے غم کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ دوسروں کے لیے جینے کی مجبوری کو قبول کیا، ایسے ہی میں نے کیا۔'' پھر میں نے اسے وہ سب بتا دیا جو اس خط میں تھا۔

وہ خاموشی سے سنتی رہی اور میری صورت دیکھتی رہی۔ نورین کی یادوں کا سلسلہ بہت طویل تھا۔ میں ہر لمحے کی یاد کو دہراتا تو یہ دن تمام ہو جاتا باتیں ختم نہ ہوتیں۔ میں نے صرف اس سے ملاقات کی رات کا ذکر کیا اور پھر اس پُر نحوست گھڑی کا جب ایک لمحے نے ایک عمر کی رفاقت کے عہد و پیمان کو ختم کر دیا۔ ایک مرحلے پر مجھے احساس ہوا کہ جذبات کی رو میں بہہ کر میں آزار کی لذت کا شکار ہو رہا ہوں۔ پھر میں نے غم کے سیاہ احساس کو غالب آنے سے روک دیا۔ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا۔ اب اس پر ساری عمر آنسو بہانے سے اور ہر لمحے کی یاد کو دہرانے سے نورین واپس نہیں آسکتی تھی۔ حوصلے اور صبر کے ساتھ اپنے اور دوسروں کے لیے زندگی بسر کرنے کا یہ سبق میں نے روبی سے ہی سیکھا تھا۔

''بہت تھوڑا ساتھ تھا تمہارا اور نورین کا۔'' وہ میرے خاموش ہو جانے کے بعد بولی۔

''ہاں، جیسے تمہارا اور مراد کا ساتھ۔''

''لیکن ہماری سرِراہ ہونے والی ملاقات نہیں تھی۔''

میں نے کہا۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے میڈم! محبت تو ایک نظر کا کھیل ہوتی ہے۔ دل ہی ایک دھڑکن کی گواہی سے ہو جاتی ہے اور دو گواہوں کے سامنے عمر بھر کی رفاقت کا اقرار کرنے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو کہ اس رات وہاں کوئی لڑکی ہوتی تو میں اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا؟''

''میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نے بتایا کہ وہ کسی اور کی محبت میں پاگل تھی۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ شاید وہ اسے لینے آجاتا تو وہ ایک رات کا ساتھ ہوتا۔ لیکن ہم ایک دوسرے کا سہارا بنے تو آہستہ آہستہ میں نے اس کی محبت جیت لی تھی۔ میں مانتا

ہوں کہ میرے لیے یہ پہلی نظر کی محبت تھی لیکن وہ سلمان سے بدظن اور مایوس ہو کے میری طرف بڑھی تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے خلوص اور اعتماد نے اسے متاثر کیا تھا۔ اس نے سلمان میں اور مجھ میں فرق کو محسوس کیا تھا۔''

''اور تمہیں متاثر کرنے والی کیا چیز تھی؟ بس اس کا حسن۔''

میں نے خود کو لاجواب محسوس کیا۔ ''شاید... لیکن پھر مجھے اس کے اندر کی خوب صورتی نے مسحور کر لیا۔ صورت کے حسن پر سیرت کے حسن کا احساس غالب آ گیا۔ لیکن کیا فائدہ۔ ہم ایک ہوئے تو بچھڑ گئے۔''

''زندگی ایسے ہی کھیل کرتی ہے مگر جینا تو پڑتا ہے۔'' وہ بولی۔ ''مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرتا۔''

''ہاں، کیونکہ زندگی کوئی فلم نہیں ہے کہ میں مجنوں بن کے لیلیٰ لیلیٰ پکارتا پھروں یا فرہاد کی طرح جان دے دوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے مقابلے میں نورین بہت بدنصیب تھی۔ اسے سارے سہارے عارضی ملے۔ ماں باپ کا، سلمان کا، میرا، اور اس کے بعد... اسے کہیں بھی جائے اماں نہ ملی۔ میں کتنا خوش قسمت تھا کہ مجھے سب بچانے والے بے غرض ملے۔ ایک ڈاکو گاما رستم سے چودھری انور تک اور اب سکندر شاہ تک۔''

انور سہ پہر کے قریب لوٹا تو اس نے ریشم کو پوچھا۔

''شاید وہ سو رہی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''کیا رات بھر تیمارداری میں جاگتی رہی تھی؟''

روبی نے کہا۔ ''نہیں، اس کی ضرورت کہاں تھی مگر یہ وہی کمرا ہے جس میں وہ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ تمہاری بہن نے مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے شاہینہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ وہ ہوس پرست اور سفاک عورت تھی۔ یہ بات مجھے بری لگی۔ وہ بہرحال میری بہن تھی۔ میں نے کہا کہ کیا مجھے بھی تم ایسا ہی سمجھتی ہو؟ اس نے فوراً معافی مانگ لی کہ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ یہ آج صبح کی بات ہے۔''

''ابھی دور کر دیتے ہیں یہ رنجش۔'' انور بولا۔

میں نے کہا۔ ''انور صاحب! میں نہیں سمجھتا کہ اس بات پر کوئی رنجش برقرار رہ سکتی ہے۔''

''بالکل نہیں، وہ تو ایک وقتی بات تھی۔ میں نے بھی معافی مانگ لی کہ کیا کروں... بہن تھی، اس کی زندگی بھی بے سکونی کا شکار رہی اور اس کی موت بھی ایسی نہیں تھی کہ میں بھلا سکوں۔ ریشم نے بھی معافی مانگ لی تھی۔''

''اس کی اصل فرسٹریشن کا سبب آپ ہیں چودھری صاحب۔'' میں نے کہا۔

''میں؟ میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے یار؟''

''آپ نے اس کی محبت کو فٹ بال بنا رکھا ہے۔ کھیل رہا ہے تو اس کے جذبات سے۔ جب دل چاہتا ہے اسے چھوڑ کے چل پڑتا ہے کسی اور کی طرف۔ ناکامی ملتی ہے تو پھر اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ کب سے چل رہا ہے یہ کھیل... اور آخر کب تک تیرے فیصلے کے انتظار میں بیٹھی رہے گی وہ۔''

انور نے خفت سے کہا۔ ''وہ تو بس، میں حالات کے دباؤ سے مجبور تھا۔''

''بکواس فرماتے ہیں آپ۔ روبی انکار نہ کرتی تو ریشم کو چھوڑ دیا تھا تو نے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''وہ خود چلی گئی تھی تیرے ساتھ۔''

''اور کیا کرتی؟ یہاں ذلت برداشت کرتی رہتی اور بیٹھی رہتی۔''

انور نے کہا۔ ''وہ غلطی تھی میری، میں مانتا ہوں اور جب میں اسے تلاش کر کے اور منا کے واپس لایا تو میں نے اس کی تلافی بھی کر دی تھی۔ اس نے بھی معاف کر دیا تھا مجھے۔ ماں جی کو بھی راضی کر لیا تھا میں نے۔''

''انور زندگی ایسے ہی چلتی ہے۔ آگے نہ جانے کیا ہو جائے۔ یہ دیکھ روبی بیٹھی ہے تیرے سامنے۔ آج پھر اکیلی ہے۔ کون جانتا ہے کل کیا ہونے والا ہے۔ وہ چپ بیٹھی ہے۔ انتظار جھیل رہی ہے۔ بے شرم بن کے سوال نہیں کر سکتی کہ یہ مجھے کس سسپنس میں باندھ دیا ہے۔''

''او کے، او کے... آج شام نکاح پڑھوا لوں قاضی کو بلا کے؟'' انور بولا۔

''آج نہ سہی، کل پرسوں تک ہم کسی تقریب کا اہتمام بھی کر سکتے ہیں۔'' روبی نے کہا۔

اس شام بہت عرصے بعد ہماری زندگی میں خوشی کسی اجنبی مہمان کی طرح آئی۔ روبی نے یہ خبر ریشم تک پہنچا دی تھی۔ میرے کہنے سے وہ بھی تیار ہو گئی اور خود روبی نے سوگ کی چادر اتاری۔ ہم پہلے مراد اس والی گئے۔ انور بہت خوش تھا۔ اس نے ریشم کو بتایا کہ شادی کے بعد وہ پرانی حویلی کی جگہ نئی حویلی بنانے کا سوچ رہا تھا لیکن اب اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ وہ جدید طرز کی کوٹھی بنائے گا اور اس کا نام ریشم محل رکھے گا۔ لیکن ہم اس کچے کمروں والے گھر میں پہنچے جہاں انور نے اپنے تو اوارت کو رکھا تھا تو ریشم

آبدیدہ ہو گئی۔ یہ ایک فطری ردِعمل تھا۔ پرانی یادوں نے اس پر بھی یلغار کی تھی۔

اس نے اچانک کہا۔ ”انور! میری ایک بات مانو گے؟ ہم اپنا گھر یہاں بنائیں گے۔ تم اپنی خاندانی حویلی ضرور بناؤ۔“

انور نہایت فلمی انداز میں ریشم کا ہاتھ تھام کے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ”جو آپ کا حکم ملکہ عالیہ۔“

اگرچہ حالات سو فیصد سازگار نہ تھے اور مصائب و حادثات کے ساتھ خطرات کے آسیب زدہ سائے ہم سب کی زندگی پر منڈلا رہے تھے لیکن اس خوشگوار فیصلے نے ہم سب کے دلوں کو مسرت کے احساس سے بھر دیا تھا۔ ہم ملتان گئے اور ایک بہت اچھے ماحول میں کھانا کھایا پھر وہ گھر دیکھا جو اب ریشم کی ملکیت تھا لیکن بند پڑا تھا۔ ایک مختصر وقت کے لیے تقدیر ہمیں اس راستے پر لے آئی تھی جہاں ہمارے لیے پناہ تھی تو ایک لاوارث بوڑھی عورت کو زندگی کے آخری ایام میں سہارے کی ضرورت تھی۔ وقت پورا ہوتے ہی وہ دنیا سے رخصت ہوئی مگر ریشم کو خدمت کے صلے میں صاحب جائداد کر گئی۔ تقدیر کا نظر نہ آنے والا ہاتھ زندگی کی بساط پر انسان کو مہرے کی طرح آگے بڑھاتا اور پیچھے ہٹاتا ہے اور جب چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔

ایک شادی جو بہت پہلے بھی ہو سکتی تھی اور زیادہ دھوم دھام سے ہو سکتی تھی، بالآخر ہو رہی تھی۔

انور نے ریشم کے کہنے پر شادی کی تقریب اس جگہ منعقد کی جہاں پہلے چودھریوں کی حویلی تھی۔ وہ جگہ اب ایک میدان رہ گئی تھی۔ آس پاس سے رہا سہا ملبا بھی ہٹا دیا گیا اور وہاں شامیانے کھڑے ہو گئے۔ نہ جانے کیسے اور کہاں سے باورچی مع دیگ آ گئے۔ میں اور انور ادھر اُدھر فون کرتے رہے یا گاڑی لے کر پھرتے رہے۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ دو خاندانوں کی تباہی کے پس منظر میں یہ دھوم دھام کتنے لوگوں کو بے چین کر گئی ہو گی اور صدیوں کے ذات پات کے نظام کا تعصب رکھنے والوں نے ریشم اور انور کے جوڑ کو کس نظر سے دیکھا ہو گا مگر دنیا تو ایسے ہی بدلتی ہے۔ نکاح کی تقریب کے لیے دعوت نامے دینے کا نہ وقت تھا اور نہ رواج۔۔۔ علاقے کے وہ نائی جو پرانے خاندانی خادم تھے خود ہی گردونواح کے دیہات میں کہہ آئے۔ نکاح کی تقریب میں گردونواح کے معززین آ گئے جن میں وہی نمبردار، پٹواری، تھانے دار اور ہیڈ ماسٹر کی قبیل کے لوگ تھے۔ گاؤں کے کچھ مرد و زن نے گانا بجانا اور بھنگڑے ڈالنے کا شغل بھی کیا۔ میراثی اور بھانڈ بھی رونق لگانے آئے اور خوش ہو کے گئے۔

دلہن رخصت ہو کے مراد ہاؤس ہی آئی اور اس کو لانے والی خاتون خانہ کی ساری ذمے داری خود روبی نے نبھائی۔ اس سے اگلا دن ولیمے کی دعوتِ عام کا رہا۔ گردونواح کے دیہات سے مرد و زن نے دوپہر سے آنا شروع کیا اور خاندان کے خاندان کھانا کھا کے بدھائی دیتے اور جاتے رہے۔ رواج کے مطابق لوگ کچھ نہ کچھ دیتے تھے اور ایک شخص اس کا رجسٹر میں اندراج کرتا تھا۔ یہ معاشی ذمے داری میں اجتماعی شراکت کا تصور اب گاؤں دیہات تک محدود ہو گیا ہے۔ میرا بھی تھکن سے برا حال تھا اور مجھے کھڑے رہنا محال ہو رہا تھا۔ پھر بھی میں آنے جانے والوں پر نظر رکھے ہوئے تھا اور انور بھی چوکس تھا۔ انہی مہمانوں میں نہ جانے کتنے مرید بھی ہوں گے۔ ان کی طرف سے خطرہ کوئی نہیں تھا مگر وہ منتظم جو درگاہ کے نام پر جرائم کا اڈا چلاتے تھے، اس اجتماع میں انتشار پھیلانے آ سکتے تھے۔

میں اس لیے مطمئن تھا کہ نادر شاہ نے مجھے اور انور کو جو مہلت دی تھی، وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے انکار یا اقرار سے پہلے اس کا کوئی قدم اٹھانا مشکل تھا۔ مگر ناممکن نہیں تھا۔ اس مہلت کے تمام ہونے میں ایک ہفتہ ہی رہ گیا تھا لیکن ہم نے ابھی تک کچھ بھی طے نہیں کیا تھا۔ دعوتِ عام عموماً عصر تک تمام ہو جاتی تھی مگر کوئی بھولا بھٹکا آ جائے تو اسے نمٹا دیا جاتا تھا۔ سامان سمیٹنے والوں نے اسباب اٹھانا شروع کر دیا تھا اور میں دم لینے کے لیے ایک کرسی پر بیٹھا تھا کہ تانگوں یکوں کا ایک اور قافلہ نمودار ہوا۔ دوسرا قافلہ دوسری سمت سے آیا۔ مجھے کچھ حیرانی ہوئی کہ اتنی کثیر تعداد میں کس بستی کے لوگ ہیں۔ گیارہ بارہ بجے سے ظہر تک اکثریت فارغ ہو کے جا چکی تھی۔

پھر ایک دم اس ہجوم کی آمد کا سبب واضح ہو گیا۔ ان سب نے یکوں تانگوں پر تکونے پرچم لگا رکھے تھے اور وہ سب نعرے لگاتے نمودار ہوئے تھے۔ یہ سب پیر سائیں کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ میں اور انور چوکس ہو گئے کیونکہ کسی کے عزائم کا پتا نہ تھا۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا۔ کچھ پرانے محافظ تھے اور کچھ سکندر شاہ کے سیکیورٹی گارڈ۔۔۔ ہم نے سب کو الرٹ کر دیا۔۔۔ دیر سے آنے والے ڈیڑھ دو سو مہمانوں کو بھی عام طریقے سے کھانا دیا گیا۔ میں نے کچھ خاص بندوں کو پہچاننے کی ناکام کوشش کی۔

اس وقت باہر ایک جیپ آکے رکی اور میں نے رانا کو اپنی طرف آتا دیکھا۔ بے اختیار میرا ہاتھ اپنے ریوالور پر جم گیا مگر وہ بے خوف وخطر پہلے مبارک باد دینے کے لیے انور سے گلے ملا پھر مجھ سے۔ اسے کسی قسم کی جھجک تھی اور نہ خوف تھا۔ نہ شکوہ تھا اور نہ شکایت۔ لیکن اس کا بے خوفی سے آنا اپنے اندر بہت سے معانی رکھتا تھا کہ دیکھو تم نے مجھے قید میں رکھا اور مجھے جان سے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن تم مجھ سے کچھ نہ معلوم کر سکے۔ آج میں پھر تمہارے سامنے ہوں۔ ہمت ہے تو مجھے پھر پکڑو۔ وہ ایک چیلنج اور ایک دھمکی بن کے آیا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ بھیجا گیا تھا۔ یاد دہانی کے طور پر کہ وقت کے اس چیلنج کو بھول مت جانا جو تمہارے سامنے ہے۔

قطعی بے نیازی اور اجنبیت کے ساتھ رانا نے کھانا کھایا اور حسب روایت شادی کی مد میں تحفے کے طور پر ایک لفافہ بھی انور کو دیا جسے نور نے فوراً کھول لیا۔ اس میں ایک لاکھ روپے کا چیک تھا جو ناقابلِ یقین حد تک زیادہ رقم تھی۔ عام لوگ دس بیس سے پانچ سو ہزار کی آخری حد میں تھے۔ لیکن یہ استطاعت اور دل کی خوشی کا معاملہ تھا۔ ابھی تک صرف پٹواری ہی واحد وی آئی پی تھا جو دس ہزار دے گیا تھا پھر بھی انور نہ انکار کر سکتا تھا اور نہ سوال۔۔۔ یہ کوئی موقع نہ تھا کہ ہم اس سے دشمنی کے رشتے سے کوئی سوال کرتے یا اس کی موجودگی پر اعتراض۔ یہ دوست دشمن سب کے لیے دعوتِ عام تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے انور کو گلے لگایا اور جیپ میں بیٹھ کے جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے بھی اسی طرح نعرے لگاتے اور تانگوں پر سبز پرچم لہراتے رخصت ہو گئے۔ جو پیغام وہ لائے تھے بنا بولے ہم تک پہنچ گیا۔ میں اور انور اپنے اپنے ریوالور پر ہاتھ رکھے بے بسی سے کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے اور خود تماشا بنے رہے۔

شادی ختم ہو گئی تھی۔ آنے والے ایک ہفتے کی مہلت شروع ہو گئی تھی جس میں اس سے کہیں زیادہ اہم فیصلے کرنا ضروری تھا۔ تھکن سے میرا بھی ایسا برا حال تھا کہ میں بستر پر گرا اور سو گیا۔ پھر جب آنکھ کھلی تو اگلے دن کی دوپہر کا سورج سر پر تھا۔ روبی کی حالت بدتر ہو گی مگر وہ مجھ سے پہلے اٹھ گئی تھی اور وہ تمام معاملات سنبھال رہی تھی جو نئی دلہن لانے والی ساس کی ذمے داری ہوتے ہیں۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور کچن میں چائے بنانے گیا تو وہ وہاں موجود تھی اور دولھا دلہن کے لیے ناشتا لے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی باہر آگئی جہاں میں شدت سے چائے کافی کی طلب میں مبتلا تھا۔ اس نے گھر کے اندر سے تمام نوکروں کی چھٹی کر دی تھی۔ اب صرف ایک میاں بیوی رہ گئے تھے۔ یہاں پرانا خانساماں ساٹھ سال کے لگ بھگ تھا۔ اس کی بیوی گھر کے اندر صفائی اور کچن کے دیگر امور کو سنبھالتی تھی۔ وہ بھی پچاس سے اوپر کی تھی۔ انہی کا ایک نکما بیٹا جو پڑھ لکھ نہ سکا تھا باہر کے کام کرنے کے لیے رکھ لیا گیا تھا اور مالی کی مدد بھی کرتا تھا۔ اس فیملی کو رہنے کی جگہ ملی ہوئی تھی اور گزر اوقات اچھی ہو رہی تھی۔ گھر کے اندر والے ملازمین کو رکھنا نکالنا خواتین کے دائرہ اختیار میں آتا تھا۔ پہلے یہ کام سکندر شاہ کی بیوی نے کیا اور اب روبی کر رہی تھی۔ اصل خطرہ مجھے باہر والے اسٹاف سے تھا جن میں ڈرائیور تھے اور گارڈ۔ آفس کے لوگ فارغ کر دیے گئے تھے مگر ابھی تک ہم نے انہیں نہیں بتایا تھا جن کے بارے میں نادر شاہ بتا چکا تھا کہ سب اس کے زر خرید ہیں۔

روبی کے پیچھے خادمہ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ نمودار ہوئی اور درمیان میں رکھ کے چلی گئی۔ ''دولھا دلہن سو رہے ہیں ابھی تک؟'' میں نے پوچھا۔

روبی مسکرائی۔ ''ہم اٹھ گئے ہیں، کافی ہے۔''

''چلو اچھا ہے، یہ فرض بھی نمٹ گیا۔'' میں نے کہا۔

''سب تمہارا کمال ہے اور تمہاری ہمت ہے۔''

''میں تو تمہیں دیکھ رہی تھی کس طرح باہر یہاں سے وہاں اکیلے دوڑ رہے تھے۔''

''روبی! میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہوئی حالانکہ خطرہ تھا۔ ہر وقت تھا اور ہر جگہ تھا مگر کم سے کم ایک اچھائی ضرور تھی ہمارے دشمنوں میں، انہوں نے جو مہلت دی تھی، اس کا لحاظ رکھا۔۔۔ لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا، ناشتا جاری رکھو۔'' روبی نے نظر اٹھا کے مجھے دیکھا۔

''کل انہوں نے یاد دلا دیا کہ مہلت تمام ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ چونک گئی۔ ''کوئی بات ہوئی؟''

''کل رانا بڑی بے خوفی سے ہینہ تانے آیا۔ اس کے ساتھ ڈیڑھ دو سو حامی تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کتنے مسلح تھے۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ ایسے کے مہمان بن کر آئے تھے اور ان کو چھیڑا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ تو چاہتے ہوں گے کہ کوئی بہانہ ملے مگر نے خود پر جبر کر کے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور وہ کھانا کھا کے لوٹ گئے۔''

روبی نے سر ہلایا۔ ''دیکھا تھا میں نے، ان کے نعرے سن کے، میں خواتین کے ٹینٹ سے باہر آئی تھی، وہ سب مرید تھے۔''

''ہاں، تم نے کسی کو پہچانا؟''

''ہاں، کئی چہرے جانے پہچانے تھے۔ وہ محافظ تھے اور بہت سے غلط کام کرتے تھے۔''

''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ درگاہ کی آڑ میں جرائم کے سارے دھندے جاری رہیں۔''

''درگاہ تو اب رہی نہیں۔''

''یہی تو مسئلہ ہے۔ وہ اسی جگہ وہی کاروبار جاری رکھنے کے لیے درگاہ پھر کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں ہم پر۔''

وہ بولی۔ ''تو تم انکار کر دو۔''

''کاش یہ اتنا آسان ہوتا روبی اور ہم فیصلہ کر سکتے۔''

وہ کچھ حیران ہوئی۔ ''پھر کون کرے گا فیصلہ؟''

''تم، تم وارث ہو، مالک ہو اس جگہ کی۔'' میں نے کہا۔

وہ بولی۔ ''تو میں تمہیں اختیار دیتی ہوں اور انور کو۔۔۔ کہہ دو کہ کہیں اور دکان ڈالیں۔''

''پھر وہی بات، تمہارے اختیار سے کچھ نہیں ہوتا۔''

''میں قانونی اختیار بھی دے دوں گی، مختار نامہ۔۔۔ میری طرف سے صاف انکار کر دو۔'' وہ بولی۔

میں نے کہا۔ ''یہ غیر قانونی کاروبار کرنے والے قانون کی زبان نہیں سمجھتے روبی۔۔۔ انہوں نے دھمکی دی ہے۔''

''کیا دھمکی دی ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی میری جگہ پر منشیات اور بدمعاشی کے سارے دھندے کرے اور میں کسی کو روک بھی نہ سکوں آخر قانون کس لیے ہے، پولیس کس لیے ہے؟''

میں نے بے بسی سے سر ہلایا۔ ''ایسے تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ دیکھو ریشم اور انور آ رہے ہیں، کل بات کریں گے سب کے سامنے، صورت حال کتنی سنگین ہے۔''

وہ دونوں مسکراتے آئے اور ہمارے ساتھ ہی کرسیاں ڈال کے بیٹھ گئے۔ ''کیا گپ شپ چل رہی ہے؟'' انور بولا۔

''امریکا اور پاکستان کے تجارتی اور فوجی تعاون کے مستقبل پر بحث کر رہے تھے۔'' میں نے کہا۔

انور ہنسنے لگا۔ ''نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ مگر مجھے معلوم ہو گیا تمہاری صورتیں دیکھ کر۔''

''کیا ہوا ہے ہماری صورتوں کو؟'' روبی بولی۔

''دونوں پر بارہ بجے ہوئے ہیں۔ اگر تم لڑ نہیں رہے تھے تو پھر کسی سنگین معاملے پر بات کر رہے تھے اور معاملہ تو ایک ہی ہے۔'' انور بولا۔

''ہم آج کوئی سیریس بات نہیں کریں گے، تمہاری نئی زندگی کا پہلا دن ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب تو ہر دن ایسا ہی ہوگا جیسا کل کا دن تھا یا آج کا دن ہے۔'' انور بولا۔

''اب میں بھی ہر ذمے داری میں برابر کی شریک ہوں۔۔۔ انور کے ساتھ۔۔۔'' ریشم نے کہا۔

''کل رانا اپنے حواریوں کے ساتھ آیا تھا۔ یہ یاد دلانے کہ ان کی طرف سے دی جانے والی مہلت کے پانچ دن رہ گئے ہیں۔ میں نے سب دیکھا تھا۔'' انور ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ''یہی بات کر رہے تھے تم، مجھے معلوم ہے۔ پھر مجھ سے کیوں توقع رکھتے ہو کہ میں تمام فکروں سے بے نیاز سوتا رہوں۔۔۔ ہم اپنے ہنی مون میں مصروف رہیں۔''

''میں نے روبی کو بتایا تھا کہ رانا کے آنے کا مقصد کیا تھا۔'' میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ''اور میں نے کہہ دیا تھا کہ جو وہ چاہتے ہیں، نہیں ہو سکتا۔'' روبی نے کہا۔

عام حالات میں شادی کے اگلے دن دولھا دلہن زندگی کے خطرات اور سنگین مسائل ڈسکس نہیں کرتے، وہ خوابوں کی باتیں کرتے ہیں اور آنے والے اچھے وقت اور مستقبل کی امیدوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی اور پھر ان کے بچوں کی باتیں کرتے ہیں مگر یہاں ہم سب کا مستقبل ایک پُرخطر بے یقینی سے دوچار تھا۔ ایک ناپسندیدہ فیصلے کو قبول کرنے کی مہلت ختم ہو رہی تھی۔ اسے مزید ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔

تباہی کی تین الگ الگ داستانوں کی کڑیاں پُراسرار طور پر آپس میں مل گئی تھیں۔ ایک کہانی میری تھی جو بہت پہلے میرے بھائی کے قتل سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے قاتل نے مجھے بھی تختۂ دار پر کھڑا کر دیا تھا۔ میں فرار ہو کے چودھریوں کی حویلی میں پناہ لینے اور ملک سلیم بن جانے کے بعد خود کو محفوظ سمجھنے لگا تھا کہ اس حویلی کو بھی آگ نے نگل لیا۔ تیسرا روبی کا تھا جو ویسے تو خاندانی دشمنی کی بھینٹ چڑھی تھی مگر اس کے بعد یہ راز فاش ہوا تھا کہ تباہی کی ساری داستانوں کے پیچھے دراصل نادر شاہ کا ہاتھ تھا۔ میں نے بتایا کہ کیسے اس نے مجھے، اور انور کو اٹھوا لیا تھا اور صاف بتا دیا تھا کہ ہم اس کے کاروبار کی راہ میں مزاحم نہ ہوں۔ درگاہ پر اس کے تمام غیر قانونی دھندے چلتے تھے

اور وہ اپنے اس اڈے کو بند کر کے کہیں اور منتقل نہیں کر سکتا۔ ہم اس کے کاروبار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے تو وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ الٹا ہمیں خاموشی کی کچھ قیمت ادا کرتا رہے گا۔

دونوں لڑکیوں کے چہرے پر خفگی آگئی۔ ''یہ سب تم نے ہم سے کیوں چھپایا اب تک؟'' ریشم نے کہا۔

انور مسکرایا۔ ''اسی دن بتا دیتے تو تم کون سی توپ چلاتیں؟''

''توپ تم نے کون سے چلائی؟'' روبی بولی۔ ''تم مہلت لے کر آگئے؟''

''پھر کیا کرتے؟''

''انکار کرتے تو کیا وہ گولی ماردیتا؟''

میں نے کہا۔ ''انکار اسے قبول کب تھا اور اس نے انکار کی پروا ہی نہیں کی۔ صاف بتا دیا کہ یہ مہلت بھی حالات کی وجہ سے دی گئی ہے۔ کیونکہ فیصلہ روبی کو کرنا ہے۔''

''تمہیں شک کیوں تھا میرے فیصلے کے بارے میں؟'' روبی خفگی سے بولی۔

''شک کوئی نہیں تھا۔ خود انور نے کہہ دیا تھا کہ ہمارا انکار کبھی اقرار میں نہیں بدلے گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں ہم۔'' روبی بولی۔

''قانون کی طاقت بھی ہے ہمارے ساتھ۔'' ریشم نے اس کی آواز میں آواز ملائی۔

''لیڈیز! جذباتی نہ ہوں۔ لاقانونیت کا مقابلہ قانون سے کرنے کی بات محض خواب پرستی ہے۔ قانون تو پہلے ہی ان کی مٹھی میں ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کتنی حقیقت تھی۔ نادر شاہ نے بتا دیا تھا کہ ہم پہلے ہی محصور ہیں۔ ہمارے آس پاس اندر باہر سب انہی کے لوگ ہیں۔ ہمارے تنخواہ دار اس کے وفادار ہیں۔ تعمیراتی کام تو ہم نے فی الحال بند کر دیا۔ گھر کے اندر سے ان سب کو نکال دیا جن پر نمک حرام ہونے کا شبہ تھا لیکن یہ جو ہمارے گرد سیکیورٹی کا حصار بنائے کھڑے ہیں، ابھی ان کو ہم نے نہیں چھیڑا۔ اور سچ پوچھو تو میرے ذہن میں ایسا کوئی پلان نہیں آتا جو ہمیں محفوظ رکھے۔ اگر ہم انکار پر قائم رہیں۔'' میں نے کہا۔

انور نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آخر ہم ایک فول پروف سیکیورٹی کا نظام کیوں قائم نہیں کر سکتے؟''

''تو اس کی تفصیل مجھے بتا۔''

''ہم کسی سیکیورٹی کمپنی کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں جن کے پاس جدید ترین ایکوپمنٹ ہو، وہ اندر باہر سے سارا پرانا سسٹم ہٹا کے ایک فول پروف نظام نصف کر دیں۔''

''اور یہ فول پراف نظام کیا ہوتا ہے؟ کلوز سرکٹ کیمرے، انفراریڈ لائٹ کا حصار، خودکار اسلحے سے لیس چوبیس گھنٹے ڈیوٹی دینے والے گارڈ... بلٹ پروف کاریں۔ مائی فٹ... ایسی زندگی گزاریں گے ہم؟ ہر وقت ہر جگہ آرمرڈ گاڑیوں میں جائیں گے۔ ریسٹورنٹ، بازار، تفریحی مقامات، تقریبات، یہ ہوگی ہماری زندگی؟ اور اس کے بعد کون سی ضمانت ہوگی کہ جودرگاہ کا انجام ہوا یا چودھریوں کی حویلی کا وہی مراد ہاؤس کا نہیں ہوگا؟ وہ زیرِزمین سرنگ کے ذریعے ہم سب کو پلک جھپکتے میں ختم نہیں کر دیں گے؟''

''بے شک خطرہ رہے گا...؟''

میں نے انور کی بات کاٹ دی۔ ''انور صاحب! میں نے ذکر کیا تھا کہ ایک جگہ میں نے کچھ لوگوں کو زمین سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ کوئی زیرِزمین راستہ تھا اور بوریاں اٹھائے لوگ ایک چھوٹے سے جنگل یا گھنے باغ میں جارہے تھے۔ کون تھے وہ لوگ؟''

''ہم جا کے دیکھ سکتے ہیں۔''

''میں نے بہت سوچا۔ نادر شاہ کسی بین الاقوامی اسمگلروں کے گروہ سے وابستہ ہے۔ ان کا نیٹ ورک ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے بڑی ہے ڈرگ مافیا، سب جانتے ہیں ان کے مراکز کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے روٹ کیا ہیں اور وہ کتنے طاقت ور ہیں۔ ان کا ایک مرکز ہے ہمارا ہمسایہ ملک، افغانستان جس کے ساتھ ہماری ڈھائی ہزار کلو میٹر کی مشترک سرحد ہے۔ ڈیورنڈ لائن... جسے نہ ادھر والے مانتے ہیں اور نہ ان کے اُدھر والے ساتھی... وہ نظر بھی نہیں آتی اور ہر طرح سے ایک اوپن بارڈر ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں نادر شاہ بھی یہ راستہ اختیار کرتا ہو گا۔'' انور بولا۔

''لیکن اب ایک نیا عنصر شامل ہو گیا ہے اس کراس بارڈر اسمگلنگ میں... اور وہ ہے اسلحے کی اسمگلنگ... روس کے خلاف امریکا نے میزائل، راکٹ سب مجاہدوں میں بانٹے... روسپر پاورز کی جنگ میں استعمال ہونے والا

اسلحہ افغانستان سے پاکستان بھی پہنچا، اب خود امریکی وہ میزائل واپس مانگتے ہیں تو انہیں بھی شکریے کے ساتھ واپس نہیں ہوتے۔ میں نے سنا ہے ایک ایک استعمال شدہ میزائل کی بیس بیس ہزار قیمت ملتی ہے۔ اس طرح بارودی سرنگیں، اور لاکھوں کی تعداد میں کلاشنکوف بارڈر سے اِدھر آتی ہیں اور آرہی ہیں اور اس کاروبار میں لاکھوں کمانے والے کروڑوں بنا رہے ہیں۔ اسلحے کی مارکیٹ ساری دنیا ہے جہاں خانہ جنگی جاری ہے یا پلان کرلی گئی ہے۔ نادر شاہ اس میں پیچھے نہیں ہوگا۔''

''ہاں، یہ ناممکن نہیں۔'' انور کا چہرہ اتر گیا۔

''پھر تو ہی بتا، ہم اس راکٹ بم اور میزائل کے آڑھتی سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ کون لڑ سکتا ہے۔ یہ کلاشنکوف وغیرہ کیا ہیں اس کے لیے۔ کھلونے۔ اس کی کمان میں پورا لشکر ہے نام نہاد احمق مریدوں کا، تنخواہ دار سیکیورٹی گارڈ ان کے مقابلے میں خودکشی کرے گا۔''

ایک مختصر خاموشی کے وقفے کے بعد روبی نے کہا۔

''تم نے سب کا حوصلہ پست کردیا۔''

''میں کسی کی جان کا دشمن ہوتا تو کہتا کہ مرجاؤ اللہ کا نام لے کر... مگر میں چاہتا ہوں کہ ہم سب زندہ رہیں۔ زندگی کی خوب صورتی دیکھیں، خودکشی نہ کریں۔ کام ایسے کریں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' میں نے کہا۔

سب کے چہرے ایک سوالیہ نشان بن گئے۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''یہ ایک خیال ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ فرض کرو، ہم نادر شاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ روبی کی طرف سے میں رضامندی کا اظہار کردیتا ہوں۔ اس معاہدے کے فریق صرف دو ہوں گے۔ ایک روبی اور دوسرا میں۔ باقی دو یعنی تم دونوں کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔''

''ذرا وضاحت فرمائیے۔'' انور بولا۔

میں نے کہا۔ ''پہلے بھی تمہارے معاملات الگ تھے۔ ظاہر ہم یہ کرسکتے ہیں کہ تم نے خود کو میرے معاملات سے الگ کرلیا ہے۔ سکندر شاہ نے بقائمی ہوش و حواس انجینئر آرکیٹکٹ انور چودھری کو اپنا پارٹنر اور کاروبار کا مشیر و نگراں بنالیا تھا۔ مراد ہوتا تو مالک ہوتا۔ تم مالک بہرحال نہیں ہو۔ پاور آف اٹارنی تمام اختیارات روبینہ مراد کو دیتی ہے اور ظاہر ہے وہ یہ کاروبار نہیں سنبھال سکتی۔ روبی کے کزن کی حیثیت سے تم اب مراد ہاؤس میں رہو گے، اپنی بیوی کے ساتھ۔ وہاں تمہارے ہاتھ میں کوئی پروجیکٹ نہیں تھا چنانچہ تم نے اسٹاف کو فارغ کردیا۔''

''اور اب وہاں بیٹھ کے، مفت کی روٹیاں توڑوں گا؟'' انور بولا۔

''ذرا توقف فرمائیے۔ آپ روبینہ کے کہنے سے اس کی زمین پر ایک ہاؤسنگ پروجیکٹ کا اعلان کردیتے ہیں۔ مراد نگر جیسا۔ اس پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ جتنی جگہ درگاہ کی تعمیرِ نو کے لیے درکار تھی، وہ دے دی گئی۔ اب وہاں کچھ بھی ہو۔ باقی زمین اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی پر مراد نگر آباد ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے وہ بہتر جگہ ہے۔ شاہراہ کے قریب ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی پلاننگ باہر کے سند یافتہ ماہرِ تعمیرات جناب چودھری انور بقلم خود کریں گے۔ یہ کاروباری طور پر بہت کامیاب جائے گا۔''

''میں اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ مگر غالباً ہم بات کسی اور مسئلے پر کررہے تھے۔'' انور نے طنزیہ کہا۔

''میں آتا ہوں اِدھر، اب آپ تو لگ گئے نا اپنے کام میں۔ آئندہ دو چار ماہ میں، وہیں روبی اپنی زمین پر ایک نئی رہائش گاہ بنوا لیتی ہے اور تم بھی۔ یتیم کے ساتھ وہاں منتقل ہو جاتے ہو۔ یہاں مراد ہاؤس بھی رہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے کم سے کم افراد ہوں۔ بتی کی چھٹی۔ جب مکین کوئی نہیں تو مکان کی حفاظت چہ معنی دارد... کبھی دل چاہے تو میاں بیوی چکر لگالو۔ روبی کے دونوں گھر لیکن رہائش وہیں اپنی آبائی زمین پر۔ نئے گھر میں۔ وہاں نئے پروجیکٹ کے لیے نیا اسٹاف اپنی مرضی کا، جن سے اندیشہ تھا کہ نادر شاہ کے نمک خوار بن چکے ہیں ان کی خود بخود چھٹی۔ شک کی کوئی بات نہیں، نئے مالک نیا پروجیکٹ نئے لوگ، فرض کرو اس کا نام ہوگا مراد نگر ٹو۔''

''یار سب فرض کرلیا... اور مان لیا کہ پروجیکٹ کمرشل ہٹ ہوگا۔ دو چار سال میں آباد بھی ہوجائے گا لیکن وہ مسئلہ درگاہ کا؟''

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس سے تمہارا کیا تعلق... وہ میرا پروجیکٹ ہے۔''

''تو نادر شاہ سے بن جائے گا؟'' انور نے کہا۔ ''اور وہ اتنا بے وقوف ہے کہ مان جائے گا۔''

''ہاں، مجھے ساتھ رکھنے میں فائدہ ہے اس کا۔ یہ بات خود سمجھ آجائے گی اسے۔ یہ ایک فطری اور فائدہ مند پارٹنرشپ ہوگی۔ روبی سب جانتی ہے کہ میں کے والد نے اپنی زندگی میں مجھے جانشین نامزد کردیا تھا' ایک تقریب میں۔''

روبی چونکی۔ ''مجھے معلوم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے ایک ڈراما کیا تھا۔''

''تمہیں اس لیے معلوم ہے کہ شاہینہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا لیکن اور کتنے لوگ جانتے ہیں یہ بات، پیر سائیں کے بارہ معاون تھے جو یہ جانتے تھے کہ ان کی ایک ہی اولاد نرینہ تھی۔ برسوں پہلے، وہ غائب ہوگیا تھا یا غائب کر دیا تھا۔ سارے زمانے کی خاک چھان کے بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ یہ سب شاہینہ مجھے بتا چکی تھی۔''

''پھر انہوں نے تم سے اپنی امید وابستہ کر لی۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں اور اس میں شاہینہ کے دباؤ کا بڑا دخل ہوگا۔ اس نے یقین دلایا ہوگا کہ وہ مجھ سے کچھ بھی کرا سکتی ہے اور شادی کے بعد میری جانشینی پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا کرتے۔ باپ تھے۔ پہلے شاہینہ کے اصرار پر مجھے برابر کی حیثیت دی اور اپنا داماد بنانا قبول کیا۔ اس کے بعد جانشین نامزد کر دیا۔ یہ ایک بے بس آدمی کا رویہ تھا کہ بعد میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے کیا ممکن ہے میری نیت پر شک انہیں بھی ہو مگر وہ شاہینہ کے سامنے بے بس ہوگئے۔ یوں میں درگاہ کا سجادہ نشین بن جاتا۔۔۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔ تمہیں پیر کا جانشین پیر مان لیا جائے گا؟'' انور بولا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں نادر شاہ کو قائل کرتا ہوں پہلے کہ روبی کو میں نے راضی تو کر لیا ہے لیکن وہ ان معاملات سے الگ رہنا چاہتی ہے اور مالی شراکت اسے کسی طرح منظور نہیں۔ اب نادر شاہ چاہے تو میری پوزیشن سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اگر اس کی طرف سے پرانی بات ختم تو میری طرف سے بھی ختم۔ اس دھندے کو چلانے میں اس کی مجھ سے بہتر مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ آنکھیں بند کر کے یقین کرنے والا وہ بھی نہیں لیکن ٹھنڈے دماغ سے غور کرے گا تو اسے میری پیشکش کی افادیت محسوس ہوگی۔''

''اور تم نئے پیر مقرر ہو جاؤ گے؟'' انور بولا۔

''مقرر تو میں بہت پہلے ہو چکا، صرف چارج لوں گا۔ درگاہ کی تعمیر بلا خوف و خطر ہوگی۔ مجاور بھی خوش، ہزاروں لاکھوں مرید بھی خوش جن کا کاروبار متاثر ہوا تھا وہ بھی خوش۔۔۔ تم اپنا کام کرو، میں اپنا کرتا ہوں۔''

''ہمارے درمیان تعلق کوئی نہیں؟''

''تعلق جتنا پہلے تھا دو بھائیوں میں، وہ رہے گا۔ انور کے والد نے کبھی بڑے بھائی کے معاملات میں دخل نہیں دیا۔ دل سے وہ کچھ بھی سمجھتے ہوں اب ایسا ہی پیر سائیں نے کیا۔ بھائی کا رشتہ دونوں نے نبھایا۔''

میں نے یہ محسوس کیا کہ پوری طرح سے قائل نہ ہونے کے باوجود وہ سب میری بات پر غور کر رہے تھے جو ابھی وضاحت طلب تھی۔ اس مسئلے پر خوف اور پریشانی کا شکار سب تھے لیکن کسی کے ذہن میں نجات کا کوئی واضح پلان نہیں تھا۔ میں نے اگر مختلف سوچا تھا تو میری بات سنی جانے کے قابل تھی۔ خواہ اس کی حمایت یا مخالفت میں فیصلہ فوراً نہ ہو۔ ملازمہ نے آ کے ذرا سی دیر کے لیے ہمیں ڈسٹرب کیا۔

''کھانا میز پر لگ گیا ہے جناب۔'' اس نے اطلاع دی۔

میں نے کہا۔ ''ہم کھانا باہر ہی کھائیں گے۔'' اور انور اٹھ کے پھر بیٹھ گیا۔ ملازمہ لوٹ گئی۔

روبی نے ذہانت کا ثبوت دیا۔ ''یہاں ہماری گفتگو کوئی نہیں سن رہا۔''

''اگر پلان کے مطابق ہم یہاں سے شفٹ کر جاتے ہیں تو بعد میں کسی وقت اندر جاسوسی کے خفیہ آلات وغیرہ تلاش کر کے ہٹائے جا سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ہوئے تو۔۔۔''

''میرا خیال ہے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔ نادر شاہ ہمیں باہر سے ہی نہیں اندر سے بھی دیکھ رہا ہوگا۔''

روبی نے اچانک کہا۔ ''وہاں سالانہ عرس کی تاریخ آ رہی ہے، بہت لوگ آئیں گے۔''

''پھر تو موقع اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔

انور بولا۔ ''اتنے کم وقت میں ہم مراد نگر فیز ٹو لانچ نہیں کر سکتے۔ اس کا پیپر ورک بھی مہینا بھر لے گا۔''

''تم سمجھتے ہو وہ کمرشل سکسس ہوگا؟'' ریشم بولی۔

''تمہارے ہاتھوں سے سنگ بنیاد رکھا جائے گا تو ضرور ہوگا۔'' انور بولا۔

ریشم شرمائی۔ ''وہ کیوں؟''

انور کے بجائے میں نے کہا۔ ''کیونکہ تم خوش قسمتی کی علامت ہو، میرے لیے بھی اور اگر حقیقت پسندی سے دیکھو تو ہم سب ہیں جو یہاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اپنی خوش نصیبی پر ناز کر سکتی ہو تم۔۔۔ قسمت تمہیں کہاں سے کہاں لے گئی۔ کتنی مشکلات سے نکالا اور مصائب سے بچایا۔ اور دیکھو آج کہاں پہنچا دیا اگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا تو تم مراد نگر فیز ٹو جیسے عظیم الشان ہاؤسنگ پروجیکٹ کی مالک بنو گی۔''

"سچ کہتے ہو بھائی... لیکن یہ سب اس لیے ہوا کہ تم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا۔" اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

میں ہنس پڑا۔ "نہیں، یہ اس لیے ہوا کہ میں ندی میں بہتا ہوا تمہارے سامنے سے گزرا اور تم نے پہلے میرا ہاتھ پکڑا۔"

ملازمہ دو میزوں پر پھیلے ہوئے کھانے کے برتن سمیٹ کر لے گئی۔ ریشم نے اسے گرین ٹی لانے کو کہا۔

"اچھا فرض کرو نادر شاہ نے تجھے پیر مان لیا، درگاہ کا چارج تجھے مل گیا... پھر؟"

"پھر یہ کہ اس کا اعلان کرائیں گے اور عرس کی تاریخ سے نئی درگاہ کی تعمیر ہوگی۔ اگر یہ ممکن ہوا تو ہم خاموشی سے اس میں کیمرے اور مائیک نصب کرادیں گے جو کسی کو نظر نہ آئیں۔ لیکن یہ ہے خطرناک کام۔ پورا پلان اس سے فیل ہوسکتا ہے۔"

"وہ بعد میں حسبِ ضرورت لگ جاتے ہیں۔" انور بولا۔

"تم سب فی الحال یہیں رہو۔ اپنے پلان پر کام کرو۔ مجھے مدد کی ضرورت ہوگی تو میں بتادوں گا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ درگاہ کو مکمل ہونے میں سال لگ جائے۔ مراد نگر تو بھی ٹائم لے گا۔"

"پانچ سات سال۔" انور بولا۔

"لیکن مراد ہاؤس کے بجائے تمہاری وہاں رہائش گاہ کی تکمیل میں سال نہیں لگے گا۔" میں نے کہا۔

"چھ مہینے..." انور نے جیسے فیصلہ سنایا۔

"گڈ، چھ ماہ بعد ہمارے درمیان رابطہ بہت قریبی ہوگا۔ یہ ہے تو کچھ خیالی بات مگر ناممکن نہیں۔ اگر تمہارا گھر جسے میں ابھی سہولت کے لیے مراد ہاؤس ٹو کا نام دیتا ہوں۔ قریب ہو تو درگاہ سے انڈر گراؤنڈ کنکشن بنایا جاسکتا ہے۔"

"ممکن تو سب کچھ ہے مگر رسک لینے کی ضرورت کیا ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا سراغ لگ جائے گا۔ رابطہ اس کے بغیر بھی رکھا جاسکتا ہے۔ عام فون نہ سہی وائرلیس ہے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ چھ ماہ میں مجھے سب معلوم ہوجائے گا کہ وہاں کیا ہوتا رہا اور اب کیا ہوگا۔ یقیناً مجھ پر نظر بھی رکھی جائے گی۔ میں دیکھوں گا کہ کون کیا ہے اور کیا کرتا ہے۔"

"اور مریدوں کو دم درود سے بامراد کرنا، تعویذ دینا، جھاڑ پھونک اور جن اتارنے کا سلسلہ بھی چلے گا۔"

"وہ ظاہرا پردہ ہے، رکھنا پڑے گا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ نادر شاہ کا اور اس کے قابلِ معاونین کا اعتماد اور اعتبار حاصل کرنے کے لیے میں یہ بھی کروں گا اور مجھے کچھ کرنا نہیں۔ پہلے کا مال کہاں گیا اور اب کہاں جاتا ہے۔ کہاں سے آتا ہے یہ مجھے نہ کوئی بتائے گا اور نہ پتا چلے گا۔ میں ایک طرح سے اس جگہ کا منیجر رہوں گا۔ یہ نہیں کہ مجھے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جو ملے گا وہ لینا پڑے گا۔ لیکن چھ مہینے یا اس سے پہلے میں ایک ایک کے نیٹ ورک کی تفصیل جان لوں گا، ہم ایک سیلائٹ کمانڈو فورس تشکیل دے سکتے ہیں جو میری انفارمیشن پر ایک ایک ٹھکانے کو تباہ کرے اور ان لوگوں کو ختم کرے جو نادر شاہ کے معاون ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں سے افغانستان تک ہم خفیہ حملے کرسکتے ہیں۔"

انور نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "ویری فلمی... اکیلا چنا بھاڑ پھوڑے گا۔"

میں نے کہا۔ "انور، ہم دنیا سے کیا پاکستان سے اس غیر قانونی یا غیر اخلاقی کام کو ختم کرنے کی بات کریں تو وہ بھی ناممکن ہے لیکن ہم کیا کریں، نادر شاہ کی غلامی کریں؟ پیسے کی خاطر اس کے حکم کے غلام بن جائیں۔ جان بچانے کے لیے ہم بھاگ کے بھی کہیں نہیں جاسکتے اور اسے انکار بھی نہیں کرسکتے۔ میں نے کچھ سوچا ہے، وہ احمقانہ خام خیالی بھی ہوسکتی ہے میری... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاید اس طرح میں خود اپنے لیے اور تمہارے لیے محفوظ اور پُرسکون زندگی کا کوئی راستہ بناسکوں۔ خطرے میں میری جان آج بھی اتنی ہی ہے جتنی کل ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ تم سب بھی مارے جاؤ۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے اس کی طاقت کا اندازہ کرنا ضروری ہے۔ یہ میں اندر کا آدمی بن کے ہی جان سکتا ہوں اور اندر کا آدمی بننا بھی آسان نہیں ہے لیکن کوشش کیے بنا چارہ نہیں۔"

وہ سب میری صورت دیکھتے رہے۔ تذبذب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔

میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ورنہ برادر چھوڑو سارے جھنجھٹ، اسے اپنا کام کرنے دو۔ تم اپنا کام کرو۔ میں تمہارے بیچ میں سے نکل جاتا ہوں یا پھر ہم اپنا سب کچھ سمیٹ کر نادر شاہ سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم جو چاہو کرو۔ ہم چلے جاتے ہیں کہیں اور... دنیا بہت بڑی ہے۔"

"یہ تو ہم بہت پہلے کرسکتے تھے۔" انور بولا۔

روبی نے کہا۔ "مگر کریں گے نہیں، میں تمہارے پلان کو سپورٹ کروں گی سلیم۔"

"سپورٹ نہ کرنے کی بات میں نے بھی نہیں کی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے خطرات پر غور کرلیا جائے۔ ملک اکیلا آگے نہ جائے۔"

''مجھے جانا پڑے گا۔ کیونکہ نادر شاہ کی نظر میں قربانی کا بکرا میں ہوں اور یہ سب ابھی زبانی جمع خرچ ہے۔ جب نادر شاہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو جائے تو دیکھتے ہیں وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اس کی شرائط قبول کرنے سے پہلے میں اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کروں گا جہاں اور جب وہ چاہے۔ اس کے بعد یہ میری بہت بڑی آزمائش کا مرحلہ ہوگا کہ میں اس کا اعتماد حاصل کروں۔ اسے بتاؤں کہ میں نے زمین کی مالک روبینہ سے جگہ لے لی ہے لیکن باقی سب لوگ میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں بتا سکتا ہوں کہ درگاہ کا اصل گدی نشین میں ہوں جسے خود پیر سائیں نے اپنی زندگی میں سب کے سامنے نامزد کر دیا تھا۔ یہ بات اسے معلوم ہونی چاہیے۔ میرے مقابلے میں نیک نیتی کا اظہار پہلے اس کی طرف سے ہوا تھا کہ چلو پرانی بات ختم ہوئی اور اب مجھے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس کی فراخ دلی کے جواب میں شکر گزاری کے جذبات کا اظہار میں یوں کر سکتا ہوں کہ پہلے کی طرح کاروبار میں اس کا مددگار اور معاون بن جاؤں۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ پر اعتبار کر لے گا۔'' انور بولا۔

''ابھی کچھ بھی یقین سے کہنا مشکل ہے لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ وہ یقین کرے گا۔ آج بھی اسے مجھ سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات بن جائے گی۔ اس کے بعد اعتماد حاصل کرنا میری کوشش پر منحصر ہے۔ اس سے انتقام کی آرزو تو پرانی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوئی مگر کھلی دشمنی تو میرے بس کی بات کبھی نہ تھی، آج بھی نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچاؤں اور موقع ملے تو ختم کر دوں۔ اب دیکھو تقدیر کہاں تک ساتھ دیتی ہے اور انجام کامیابی پر ہوتا ہے یا ناکامی پر۔ کوشش کیے بنا کچھ نہیں ہونے والا۔''

خاموشی کا ایک طویل وقفہ جس میں سب گرین ٹی پیتے رہے اور سوچتے رہے کہ میری بات کو کس حد تک سنجیدگی سے لیا جا سکتا ہے۔ باقی سب نے ابھی نہ میرے خیال کو یکسر مسترد کیا تھا اور نہ کسی رعایت کے ساتھ قبول کیا تھا۔ چنانچہ مجھے امید تھی کہ آسانی سے نہ سہی تھوڑے سے دباؤ کے ساتھ وہ میری بات مان جائیں گے۔

اب شام ہونے کے قریب تھی۔ ہم نے صبح اور دوپہر کا سارا وقت باہر بیٹھ کے گزار دیا تھا اور اب سہ پہر بھی ڈھل رہی تھی۔ انور کے ساتھ ریشم بھی تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے اندر چلی گئی۔۔ روبی بیٹھی رہی اور کچھ سوچتی رہی۔

''اگر میں خود جاؤں اور مریدوں سے ملوں تو ان کا ردِعمل کیا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

روبی نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ''آج دن کیا ہے۔ جمعرات۔۔۔ مجھے پتا چلا تھا کہ لوگ اب بھی حاضری دیتے ہیں۔ پہلے کی طرح قوالی اور لنگر کا سلسلہ تو نہیں ہے مگر مرید آتے ہیں۔ چلو آؤ دیکھ آئیں۔''

''تم بھی جاؤ گی؟'' میں نے پوچھا۔

''کیوں نہ جاؤں، وہ گھر تھا میرا۔ اپنے والد کے لیے فاتحہ خوانی میرا حق ہے۔''

دس منٹ بعد ہم ایک گاڑی میں اسی گھر کی جانب رواں تھے جہاں قتل و غارت گری کی ایک آتش فشاں رات میں مجھے موت کے منہ سے دوسری بار نکال لے جانے والا وہی ڈاکو رستم گاما تھا جو اب ملک غلام محمد بن کے شرافت کی زندگی اختیار کر چکا تھا۔ شاہینہ اس رات اپنی زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔ عین خوابوں کی تعبیر پانے سے پہلے۔ اب روبی میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتا تھا جو ہو بہو شاہینہ کی آنکھیں تھیں۔ بار بار یہ احساس کسی خلش کی طرح جاگتا تھا کہ میرے ساتھ روبی نہیں، شاہینہ بیٹھی ہے۔

چودھریوں کی حویلی کی طرح روبی کا گھر بھی ملبے کا جلا ہوا ڈھیر تھا۔ یہاں بھی چور اچکے بہت کچھ لے گئے ہوں گے مگر اب یہاں مسلح گارڈ وہ راستہ روکے کھڑے تھے جو دراصل دیوار کا ایک حصہ گرنے سے بنا تھا۔ میں نے گاڑی کچھ فاصلے پر روک دی۔ میں سو سوا سو مرد و زن کے ایک مجمع میں سے گزرا۔ انہوں نے چادر میں لپٹی روبی کے لیے خود راستہ چھوڑ دیا۔ چند ایک نے مجھے پہچان کے نعرے لگائے جو وہ لگاتے آئے تھے۔ مسلح گارڈ مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہو گئے۔

اسی وقت پیچھے سے کوئی چلایا۔ ''فرید! تو فریدالدین ہے نا؟''

میری رگوں میں خون کی روانی یوں رک گئی جیسے پہاڑی چشمے کا پانی۔ میں نے پلٹ کے دیکھا تو وہ سکھر جیل کے پرانے ساتھیوں میں سے کوئی تھا۔

خونی لاٹری

سلیم انور

ایک بدقسمت شخص کی روداد جو خوش قسمتی کا زینہ چڑھ رہا تھا... مگر ایک ہی جھٹکے نے اسے ہوا میں معلق کر دیا... لالچ اور ہوسِ زر کا شکار ہو جانے والے موذی کا خوفناک انجام...

سمندر کی لہروں پر ڈولتے جہاز میں رونما ہونے والا خونی کھیل...

جونہی کیپٹن بریڈ سلے نے وہ خبر سنی، سیدھا ریڈیو کیبن کی طرف چل دیا۔ نیا تھرڈ میٹ کلارک اس کے آگے جا رہا تھا اور وہ کیپٹن سے پہلے ریڈیو کیبن میں داخل ہو گیا۔ ریڈیو آپریٹر رولینڈ اپنی ڈیسک پر بیٹھا ہوا نوٹوں کی ایک گڈی کو پیار سے تھپتھپا رہا تھا۔

''بہت بہت مبارک ہو۔'' کیپٹن بریڈ سلے نے ریڈیو آپریٹر سے بلند آواز میں مخاطب ہو کر کہا۔

''شکریہ، کیپٹن۔'' رولینڈ کا جوان چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ''اس خبر کو پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔''

''تم قسمت کے دھنی ہو۔'' رولینڈ نے کہا۔ ''میں برسوں سے یہ لاٹری کھیل رہا ہوں اور میں نے اس لاٹری میں زیادہ سے زیادہ جو رقم جیتی ہے وہ صرف چند سو ڈالرز ہیں۔''
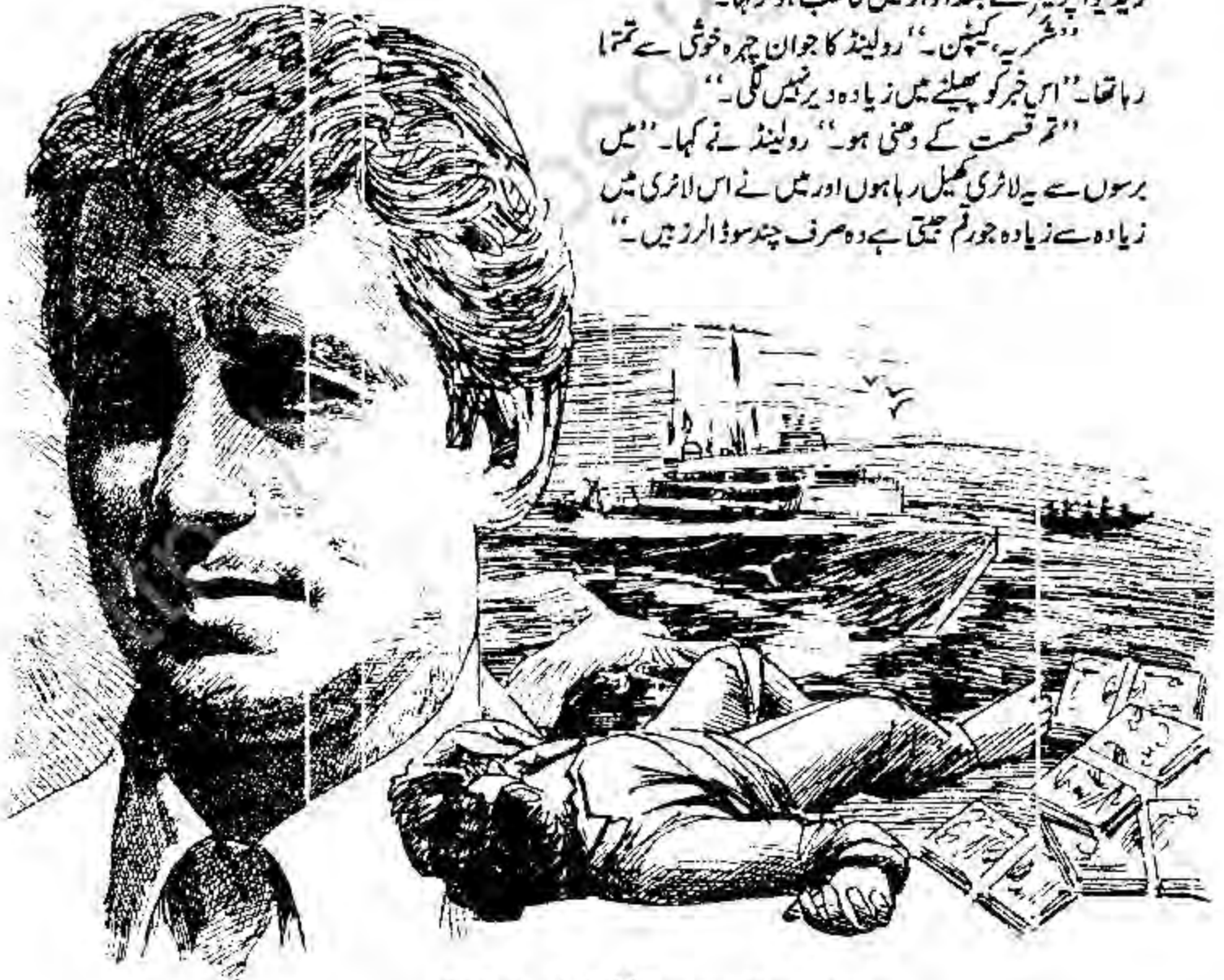
''میرا خیال ہے کہ یہ میری زندگی کا خوش قسمت ترین دن ہے۔ جانتے ہو کیوں؟'' رولینڈ نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

کیپٹن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ یہ انعام جیتنے والی شخصیت تم ہو۔''

ریڈیو آپریٹر رولینڈ نے نظریں گھما کر نئے تھرڈ میٹ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''اس جہاز پر یہ تمہارا پہلا ٹرپ ہے اس لیے شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہوگی۔ میری چھوٹی بہن گزشتہ دو برس سے بستر پر لیٹی ہوئی ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ابھی اس کی عمر صرف اٹھارہ برس ہے۔ میری ماں اور میرے سوا اس کا اور کوئی نہیں ہے۔ ہم نے اسے تمام اسپیشلسٹ کو دکھایا۔ ہماری تمام جمع پونجی اس کے علاج پر خرچ ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ ہم مقروض ہو چکے ہیں۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے قدرے توقف کیا۔

کیپٹن اور تھرڈ میٹ خاموشی سے کھڑے اس کی بات سُن رہے تھے۔

رولینڈ دوبارہ گویا ہوا۔ ''ہم نے سنا ہے کہ یورپ میں ایک شخص ہے جس کا اپنا ایک چھوٹا سا پرائیویٹ اسپتال ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس کرایاتی علاج ہیں لیکن صرف دولت مند ہی اس کے علاج کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ پچھلی مرتبہ جب ہم یہاں سانتا کلارا میں لنگر انداز ہوئے تھے تو میں نے بھی قسمت آزمانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے سو ڈالر مالیت کا ایک پورا ٹکٹ خرید لیا۔ آج صبح جب ہم یہاں لنگر انداز ہوئے تو میں جیتنے والے لاٹری کے نمبر دیکھنے چلا گیا۔ جب میں نے پہلے انعام والا نمبر دیکھا تو جیسے میری جان نکل گئی۔ وہ میرے لاٹری ٹکٹ کا نمبر تھا۔'' یہ کہہ کر رولینڈ سانس لینے کے لیے رک گیا۔

چند ساعت بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ''لاٹری آفس والوں نے مجھے مقامی کینیڈین بینک کا ایک چیک دے دیا جو پیسوز کرنسی میں تھا۔ میں نے اسے فوراً کیش کرالیا۔ بینک سے کہا کہ وہ انعام کی رقم مجھے امریکن کرنسی میں دیں۔ انہوں نے مجھے ہزار ڈالر کے نوٹ دے دیے جو ایک پوری گڈی ہے... ایک لاکھ ڈالرز۔''

''یقیناً یہ تمہاری چھوٹی بہن کے لیے نہایت خوش قسمتی کا باعث ہوگی۔'' تھرڈ میٹ کلارک نے کہا۔

کیپٹن بریڈ سلے کی نظریں کلارک پر جمی ہوئی تھیں اور وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا، جس روز ان کا جہاز اس بحری سفر پر روانہ ہوا تھا تو کلارک نے اسی روز جہاز پر بحیثیت تھرڈ میٹ رپورٹ کی تھی کیونکہ سابق تھرڈ میٹ کو غیر متوقع طور پر کمپنی نے اپنے ایک اور بحری جہاز پر ٹرانسفر کر دیا تھا۔ کیپٹن بریڈ سلے کو کلارک ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ اس کے خیال میں کلارک کا دبلا پتلا چہرہ کسی حد تک ظالمانہ اور گرین براؤن آنکھیں اور ہونٹ، ایذا رساں ہونے کا تاثر دے رہے تھے۔

لیکن کیپٹن بریڈ سلے، صرف ظاہری حلیے سے کسی شخص کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے سے گریز کرتا تھا اور اس نے تھرڈ میٹ کلارک کو اپنے فرائض دیانت داری اور پوری تندہی سے سرانجام دینے والا آفیسر پایا تھا۔

''اس رقم پر کڑی نظر رکھنا۔'' کیپٹن نے رولینڈ سے مخاطب ہو کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ کسی کے لیے بھی آزمائش اور ترغیب کا باعث ہو سکتی ہے۔''

رولینڈ رقم کو ایک لفافے میں رکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ اس بحری جہاز پر موجود کوئی بھی فرد اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے کہ اس رقم کو چوری کرنے کی کوشش کرے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' کیپٹن نے تائید کی۔

☆☆☆

بحری جہاز اسی شب سانتا کلارا کی بندرگاہ سے روانہ ہو گیا۔

اگلے روز صبح ناشتے سے قبل کیپٹن عرشے پر ٹہل رہا تھا اور کیریبین کی چمکدار دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک وہ بے اختیارانہ ریڈیو آپریٹر رولینڈ سے بات کرنے کے لیے ریڈیو روم کی جانب چل دیا۔ ریڈیو روم کا دروازہ کھولتے ہی اس کے قدم وہیں رک گئے۔

رولینڈ کمرے کے فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس نے پاجامہ پہنا ہوا تھا اور اس کا سر خون میں لت پت دکھائی دے رہا تھا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ اس کے دیوار گیر بیڈ کی سب سے اوپری دراز بھی کھلی ہوئی تھی۔

کیپٹن تیزی سے دراز کی جانب بڑھا، رولینڈ کا وہ لفافہ جس میں اس نے اپنے انعام کی رقم رکھی تھی، خالی پڑا تھا۔ اس کے بٹوے میں بھی وہ رقم موجود نہیں تھی۔ کیپٹن نے تیزی سے بقیہ تمام درازوں کا جائزہ لیا۔ رقم وہاں بھی موجود نہیں تھی۔

پھر کیپٹن نے ریڈیو روم سے نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور تیزی سے چلتا ہوا بالائی عرشے پر پہنچ گیا۔ وہاں

موجود چیف میٹ کیپٹن کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چلتے چلتے رک گیا اور حیرت سے کیپٹن کی طرف دیکھنے لگا۔

''رولینڈ کا قتل ہو گیا ہے اور اس کی لاٹری کی انعامی رقم چوری ہو چکی ہے۔'' کیپٹن نے بتایا۔

چیف میٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''گڈ لارڈ۔''

''میرا خیال نہیں تھا کہ جہاز میں کوئی ایک شخص بھی اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے۔'' کیپٹن نے کہا۔ ''ہمارے پاس گزشتہ کئی ماہ سے تمام عملہ وہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کوئی رولینڈ کے لاٹری جیتنے پر حسد میں مبتلا ہوا ہو۔''

''جہاز پر ایک نووارد بھی موجود ہے۔'' چیف میٹ نے کیپٹن کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔

کیپٹن نے چیف میٹ سے نظریں ملاتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے کسی افسر پر شبہ کرنے سے نفرت ہے۔''

''مجھے دیکھنے میں وہ ایک خطرناک شخص لگتا ہے۔''

''مجھے بھی وہ شخص پسند نہیں آیا تھا لیکن... ویل اس نے ایک مشکل وقت گزارہ ہے اس لیے اس کے چہرے پر کرختگی ہے۔ یہ جاب ملنے سے قبل وہ تین سال خشکی پر رہا ہے۔'' کیپٹن نے کہا۔

''یہ اس کی داستان ہے۔ کساد بازاری نے بہت سے لوگوں کو زک پہنچائی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تین سال کا یہ عرصہ اس نے کسی جیل میں گزارہ ہو۔ اگر ہماری جہاز راں کمپنی نے اتفاقاً اس کا ریکارڈ چیک کر لیا تو ہوسکتا ہے کہ اسے ملازمت سے ایک بار پھر ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔''

''ہوسکتا ہے۔ بہرحال ہمیں جہاز کی تلاشی لینا ہوگی۔ گو رقم کی بازیابی کی کوئی زیادہ امید نہیں ہے۔ ایسی سیکڑوں جگہیں ہیں جہاں وہ رقم چھپائی جاسکتی ہے اور کبھی تلاش نہیں کی جاسکتی یہاں تک کہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیے جائیں۔ کمرے کا جائزہ لینے سے لگتا ہے کہ رولینڈ کی آنکھ کھلی تو اس نے چور کو دیکھ لیا۔ وہ دست و گریبان ہو گئے۔ چور نے رولینڈ کے بھاری آبنوسی ڈنڈے سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی۔ اس قاتل چور کے کپڑوں پر لازمی خون کے نشانات آئے ہوں گے۔ ہم اس کے خون آلودہ لباس کو تلاش کر سکتے ہیں۔ تھرڈ میٹ کو یہاں اوپر لے آؤ۔''

☆☆☆

چیف میٹ کے طلب کیے جانے پر جب تھرڈ میٹ وہاں پہنچا تو کیپٹن نے دیکھا کہ وہ مکمل سفید لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں متجسس نظروں سے تھرڈ میٹ کا جائزہ لینے لگے۔

''نوجوان رولینڈ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاٹری کے انعام کی رقم چوری کی جا چکی ہے۔'' کیپٹن نے تھرڈ میٹ کو بتایا۔

یہ سن کر کلارک کا چہرہ لٹک گیا۔ پھر اس کا دبلا پتلا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ ''جس کسی نے بھی یہ قبیح حرکت کی ہے، اسے جہاز پر سے نیچے سمندر میں پھینک دیا جائے۔''

''میں اور چیف میٹ جہاز کی تلاشی لینے جارہے ہیں۔ تم یہاں پر نگرانی کی ذمے داری سنبھال لو۔ ہم جہاز کے تمام کمروں کی تلاشی لیں گے... چاہے وہ عملے کے کمرے ہوں یا افسران کے۔ یقیناً تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟ میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتنا چاہتا کہ جس کی وجہ سے عملے کے مابین کسی قسم کی ناراضی یا شکایت پیدا ہو۔''

''قطعی نہیں۔'' کلارک نے بے ساختہ جواب دیا۔ ''آپ لوگ سب سے پہلے میرے کمرے کی تلاشی لے لیں۔''

کیپٹن اور چیف میٹ نیچے تھرڈ میٹ کے کیبن میں آگئے۔ وہاں پہنچ کر چیف میٹ گویا ہوا۔ ''کیپٹن! کیا تم نے یہ بات نوٹ کی کہ اس نے آج صبح صاف ستھرا سفید یونیفارم پہنا ہوا ہے؟''

''ویل، پہلے ہمیں اس کے میلے کپڑوں کو دیکھنا ہوگا۔''

کیبن میں پسینے میں بسی دو قمیصوں، موزوں اور انڈرویئر کے علاوہ انہیں تین استعمال شدہ سفید یونیفارم بھی

تین سردار پکنک پر گئے، وہاں جاکے معلوم ہوا کہ پیپسی تو گھر بھول آئے ہیں۔ فیصلہ ہوا کہ سب سے چھوٹا سردار جاکے لے آئے۔

چھوٹا سردار: ''میں اس شرط پر جاؤں گا کہ تم میرے آنے تک سموسے نہیں کھاؤ گے۔''

دونوں بولے ٹھیک ہے۔

تمام دن چھوٹے سردار کا انتظار کیا جب رات ہوئی تو ان کو زور کی بھوک لگنے لگی سوچا اب تک تو وہ نہیں آیا ہے، سموسے کھا لیے جائیں۔ جیسے ہی انہوں نے سموسوں کی جانب ہاتھ بڑھایا چھوٹا سردار درخت سے چھلانگ لگاتے ہوئے بولا۔

''یار، ایسا کرو گے تو میں نہیں جاؤں گا۔''

معراج محبوب عباسی، ہری پور ہزارہ

پڑے ہوئے ہے لیکن ان میں سے کسی پر بھی خون کا ننھا سا دھبا تک موجود نہیں تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس نے وہ خون آلودہ لباس نیچے سمندر میں پھینک دیا ہو۔'' چیف میٹ نے خیال ظاہر کیا۔ ''اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے پاس کل کتنے سفید یونیفارم تھے تاکہ اس سے ان کی موجودہ تعداد کا حساب لگایا جا سکے۔''

انہوں نے تھرڈ میٹ کے کیبن کی تمام درازیں، میز اور لاکرز کی پوری طرح تلاشی لے ڈالی لیکن رولینڈ کی انعامی رقم کہیں نہیں ملی۔ پھر وہ جہاز کے دیگر کیبنز اور کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے تمام کیبنز اور کمرے چھان مارے اور پورے جہاز کو کھنگال لیا۔ لیکن نہ تو چوری شدہ رقم کا پتا چلا اور نہ ہی خون آلودہ کپڑوں کا۔ پھر وہ کیپٹن کے کیبن میں واپس آ گئے۔

''ہم سے جہاں تک ہوسکتا تھا، ہم نے پوری کوشش کر ڈالی۔'' کیپٹن بریڈ سلے نے کہا۔ ''ہم رولینڈ کی لاش کو سمندر بُرد کر دیں گے اور ریڈیو روم کو بالٹی مور کی پولیس کے لیے اسی حالت میں چھوڑ دیں گے جس حالت میں ابھی ہے۔''

''ایک بات... قاتل اور رقم ابھی تک جہاز پر ہی موجود ہیں۔'' چیف میٹ نے کہا۔

''اگر انہوں نے قاتل کو تلاش نہیں کیا تو وہ چوری شدہ رقم بھی کبھی تلاش نہیں کر پائیں گے۔ وہ ساحل پر اترنے والے ہر شخص کی تلاشی تو لے سکتے ہیں لیکن اس سلسلے کو محدود مدت کے لیے جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے چور اس رقم کو کئی ماہ تک جہاز ہی میں چھپائے رکھے۔''

''وہ بینک کو تار کے ذریعے مطلع کر کے ان نوٹوں کے نمبر تو حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح اس رقم کا سراغ لگا سکتے ہیں۔''

''وہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ چور اس رقم کو استعمال کرنے لگے۔ مجھے اسی بات کی زیادہ فکر ہے۔ مجھے رہ رہ کر اس بے چاری لڑکی کا خیال آ رہا ہے۔ رولینڈ ایک مرتبہ مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔ وہ اتنی پیاری بچی ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور وہ وہاں بیڈ پر نڈھال پڑی ہے۔ ہمیں اس لڑکی کے لیے ہر حال میں اس رقم کو تلاش کرنا ہوگا اور ہمیں بندرگاہ پہنچنے سے قبل وہ رقم تلاش کرنی ہوگی۔ اس کے بعد شاید یہ ممکن نہ رہے اور بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ قاتل اور رقم ہاتھ سے نکل جائیں گے۔''

''ہوسکتا ہے کہ کوئی بات بن جائے۔'' چیف میٹ نے پُرامید لہجے میں کہا۔ ''مجرموں سے اکثر کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے جو ان کا بھانڈا پھوڑ دیتی ہے۔''

☆☆☆

لیکن ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ قتل اور چوری کی واردات کے بعد تباہی بھی جہاز کا پیچھا کر رہی تھی۔

چند دنوں کے بعد ایک رات دو بجے کے قریب جہاز کی خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ جہاز کا عملہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں دوڑتا ہوا عرشے پر آ گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ سمندر بالکل پُرسکون تھا اور اس کی سطح چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔ لیکن جہاز بائیں جانب بُری طرح جھکا ہوا تھا۔ یہ بات جلد ہی ہر طرف پھیل گئی کہ جہاز میں کہیں کوئی شگاف ہو گیا ہے اور اس کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ جہاز کے پمپ بھی اس خرابی سے ہم آہنگ ہونے میں ناکام ہو رہے ہیں اور ایک پمپ تو چوک ہو چکا ہے۔ اب جہاز ڈوب رہا ہے اور اسے فوری طور پر چھوڑنا ہوگا۔

کیپٹن بریڈ سلے بالائی عرشے پر تھا اور چیخ چیخ کر چیف میٹ کو ہدایات دے رہا تھا کہ کشتیوں کو فوراً نیچے پانی میں اتار دیا جائے۔ جہاز پر کوئی ریڈیو آپریٹر نہیں تھا جو ایس او ایس کا پیغام بھیج سکتا۔ لیکن اس وقت جہاز فلوریڈا کے ساحل سے صرف چند میل کے فاصلے پر تھا۔

چیف میٹ جوش کے عالم میں دوڑتا ہوا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وقت کم ہے اور کوئی لمحہ ضائع نہ کیا جائے۔

جہاز کا عملہ تیزی سے کشتیوں میں سوار ہونے لگا۔ جب وہ جہاز سے دور ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو کیپٹن بریڈ سلے عرشے پر دوڑتا ہوا آیا، ایک جان بچانے والی رسی پکڑی اور پھسلتا ہوا نیچے ایک کشتی پر آ گیا جس میں تمام افسران سوار تھے۔

''اب چل پڑو۔'' اس نے کشتی کے عقبی حصے میں موجود تھرڈ میٹ سے کہا۔

کلارک نے حکم جاری کر دیا اور کشتیاں چل پڑیں۔

کیپٹن بریڈ سلے راستہ بناتے ہوئے کشتی کے عقبی حصے میں کھینے والی نشست پر آ گیا اور کشتی کی سمت موڑنے والا ڈنڈا کلارک سے لے لیا۔

''اب کچھ دیر کشتی رانی میں کروں گا۔''

ایک اور کشتی جس کا انچارج چیف میٹ تھا، ان کی کشتی سے ذرا فاصلے پر آ گے جا رہی تھی۔ لیکن اس کے چپو ساکت ہو گئے تھے۔

کیپٹن بریڈ سلے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ کشتی

کھینا روک دیں۔ تمام کشتیوں کے لوگ حیرانی اور تعجب سے کیپٹن کی طرف دیکھنے لگے۔

''اس سے قبل کہ ہم مزید آگے بڑھیں، پہلے ایک معاملے کو حل کرنا ضروری ہے۔'' کیپٹن نے درشت لہجے میں کہا۔ ''جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، ریڈیو آپریٹر کو قتل کر دیا گیا تھا اور ایک لاکھ ڈالرز کی رقم چوری ہوگئی تھی۔ اب یہ بات اٹل ہے کہ جس شخص نے بھی وہ رقم چوری کی تھی اس نے وہ رقم جہاز کے ساتھ ڈوبنے کے لیے وہاں ہرگز نہیں چھوڑی ہوگی۔ لہٰذا کشتیوں میں سوار ہر شخص کی تلاشی لینی ہوگی اور میں چاہتا ہوں تم میں سے ہر ایک اپنے برابر والے پر نظر رکھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس رقم کو ایک بار پھر چھپانے یا پانی میں پھینکنے کی کوشش کرے۔''

تب ہر طرف موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ صرف سمندر کے پانی کے کشتی سے ٹکرانے کی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔

کیپٹن کی نظریں بظاہر سامنے مرکوز تھیں لیکن کن انکھیوں سے وہ کلارک کا جائزہ لے رہا تھا جو ایک طرف خاموش اور بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

پھر کیپٹن نیچے جھکا اور ایک فلیش لائٹ بوسن کو تھماتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے ذرا روشنی دکھاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ دوبارہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ ''اب مسٹر کلارک، میں تم سے تلاشی لینا شروع کرتا ہوں۔''

کلارک اٹھا اور کیپٹن کے قریب آگیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ بوسن نے فلیش لائٹ کلارک کے جسم پر مرکوز کر دی۔ کلارک نے سفید رنگ کا ٹو پیس یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ اس کے کوٹ میں اندر کی جانب کوئی جیب نہیں تھی۔

کیپٹن نے پہلے کلارک کی تمام جیبوں کی پوری احتیاط کے ساتھ تلاشی لے ڈالی۔ پھر شانوں سے پیروں تک ٹٹول کر دیکھ لیا۔

جب کیپٹن نے تلاشی مکمل کر لی تو کلارک بولا۔

''اوکے؟''

''ابھی نہیں۔ مجھے وہ موم جامے والا کوٹ تھما دو جس کے برابر میں تم بیٹھے ہوئے تھے۔''

کلارک قدرے تذبذب کرنے لگا۔ پھر وہ پلٹا اور تہ کیے ہوئے موم جامہ کوٹ پر جھک گیا۔ لیکن جب اس نے وہ کوٹ ہاتھ میں اٹھایا تو یوں لگا جیسے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا ہے۔ اس نے سہارا لینے کی خاطر اس موم جامہ کوٹ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ وہ موم جامہ کوٹ اڑ کر سمندر میں چلا گیا۔

''اسے پکڑلو، بوسن۔'' کیپٹن نے کہا۔

پھر کیپٹن نے کشتی کے پتوار کو جھپٹ کر اٹھایا اور اس مقام کی جانب لپکا جہاں وہ موم جامہ کوٹ سمندر میں گرا تھا۔ اس نے پتوار کو پانی کے اندر ڈال کر گھمایا تو پانی میں غرقاب کوٹ پتوار کے ڈنڈے میں اٹک گیا۔ اس نے پانی میں بھیگا کوٹ احتیاط کے ساتھ سطح پر کھینچ لیا اور پھر اسے ڈنڈے سے اٹھا کر کشتی میں ڈال دیا۔

ادھر بوسن پہلے ہی کلارک پر چھلانگ لگا چکا تھا اور اب وہ کشتی کے نچلے حصے میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ کیپٹن نے موم جامہ کوٹ اپنے پاس رکھا اور پتوار ایک ملاح کو تھما دی۔ پھر اس نے اپنی جیب میں سے ہتھکڑیاں نکالیں اور بوسن کے پاس جھک گیا۔ پھر ان دونوں نے کلارک پر قابو پاتے ہوئے ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں میں پہنا دیں۔

پھر کیپٹن نے بھیگا ہوا موم جامہ کوٹ اوپر اٹھایا اور اس کی جیب میں سے ایک لمبا سا لفافہ باہر نکال لیا۔ لفافہ معمولی سا بھیگا ہوا تھا۔ اس نے بوسن کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فلیش لائٹ کی روشنی میں لفافہ کھول لیا۔

''رقم اسی میں موجود ہے۔'' کیپٹن نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''آل رائٹ۔''

کیپٹن نے دیکھا کہ دیگر کشتیاں واپس آرہی تھیں۔ اس نے کشتی کا ہینڈل دوبارہ سنبھال لیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ کشتی کو کھینا شروع کر دیں۔

''ہم واپس جہاز پر جا رہے ہیں۔''

''واپس جہاز پر؟'' بوسن نے متجسس لہجے میں کہا۔

''ہاں، جہاز بالکل ٹھیک ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ جہاز کے چیف انجینئر نے تمام تیل ایک جانب پمپ کر کے جہاز کو بائیں پہلو پر جھکا دیا تھا۔ اس سے ہر ایک کو بے وقوف بنانے میں مدد مل گئی اور ہر کوئی یہ یقین کر بیٹھا کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔'' کیپٹن نے کہا۔

''اب مجھے تسلی ہے کہ یہ رقم اس بے چاری لڑکی تک پہنچ جائے گی اور وہ اپنا علاج کرانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ہم سب کو اس کی صحت یابی کے لیے دعاگو ہونا چاہیے۔'' چیف میٹ نے کہا۔

پھر وہ سب واپس جہاز پر چڑھ گئے اور جہاز اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔

پانچواں سوار

مریم کے خان

کہاوت ہے کہ بہادر آدمی ہمیشہ گھوڑے کی پشت پر سوار رہنا پسند کرتا ہے... جبکہ کم حوصلہ... بزدل و کم مائیگی کا مارا سازشوں کے جال بنتا رہتا ہے... مغربی پس منظر میں لکھی جانے والی ایک تیز رفتار کہانی کے اتار چڑھاؤ... ایک طرف دیانت کا چمکتا مینار تھا... دوسری جانب دہشت و بے ضمیری کا سیاہ غبار تھا... دوست و دشمن دونوں کے لیے حالات لمحہ بہ لمحہ بدتر ہوتے جا رہے تھے...

دولت کے پیچھے بھاگتے دوڑتے اذیت پسند... بے رحم فریبیوں کی قتل و غارت گری

ٹوٹے شیشے کے دروازے سے یخ بستہ ہوا اندر آرہی تھی۔ دروازے کے ساتھ ایک لاش پڑی تھی اور ایک لاش سامنے سڑک پر تھی۔ تیسری لاش سڑک کے دوسری طرف کھڑی کار کے ساتھ اس سے ٹکی ہوئی تھی۔ درمیان میں پڑی لاش کے ساتھ کھلے بیگ سے نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں اور ایک کھل جانے والی گڈی سے نوٹ اڑ اڑ کر چاروں طرف بکھر رہے تھے۔ ہوا انہیں مزید اڑا رہی تھی۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی اور پھر اس خاموشی میں

پولیس سائرن کی صدا گونجی جو رفتہ رفتہ قریب آرہی تھی۔

☆☆☆

جیمی توس پر جیم لگا رہی تھی۔ یہ آئرن کا لنچ تھا۔ اس نے چار توس تیار کیے اور انہیں لنچ بکس میں رکھ دیے۔ آئرن سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ناشتا کرلیا تھا اور بادلِ ناخواستہ دودھ کا گلاس ختم کررہی تھی۔ اسے دودھ پسند نہیں تھا مگر جیمی اسے لازمی ناشتے میں ایک گلاس دودھ دیتی تھی۔ اس نے گلاس خالی کر کے رکھا اور بولی۔ ''ماما آپ کی انشورنس کی رقم کب پوری ہوگی؟''

''شاید تین سال میں۔'' اس نے جواب دیا۔ لیکن اسے خود یقین نہیں تھا کہ وہ تین سال میں اپنا قرض اتار سکے گی۔ ایک سال پہلے آئرن کا آپریشن ہوا تھا۔ اس کے دل میں پیدائشی مسئلہ تھا اور ڈاکٹرز نے چھ سال کی عمر میں اس کا ایک عارضی آپریشن کیا تھا تاکہ وہ بارہ سال تک زندہ رہ سکے۔ بارہ سال میں اس کا مکمل آپریشن ہوجاتا اور وہ ٹھیک ہوجاتی۔ اس عارضی آپریشن پر بھی ڈھائی لاکھ ڈالرز کا خرچ آیا تھا۔ آئرن بہت پیاری سی بچی تھی۔ اس کی واحد دوست اور ہمدم اس کی ماں تھی کیونکہ یہ جگہ آبادی سے ہٹ کر تھی۔

دس سال پہلے جب جیمی نے اپنے باپ کا بنایا ہوا موٹیل سنبھالا تو اس وقت یہاں خاصا بزنس تھا مگر تین سال پہلے یہاں سے تیس میل دور ہائی وے کا بڑا حصہ دوبارہ بنایا گیا اور اب ہائی وے کی سمت بدل گئی تھی اس لیے پہلے جو لوگ یہاں سے آتے تھے وہ نئے حصے سے سفر کو ترجیح دیتے تھے اور اب ان کا قصبہ ملینا راستے میں نہیں آتا تھا۔ اس وجہ سے بزنس مسلسل زوال پذیر تھا۔ جیمی انشورنس کی قسط نہیں بھر پائی اور جب اسے آئرن کے لیے میڈیکل انشورنس کی ضرورت پڑی تو اسے کچھ نہیں ملا۔ مجبوراً اسے انشورنس کمپنی سے قرض لینا پڑا تھا اور اب وہ ادائیگی کررہی تھی۔ مگر اس کے لیے یہ کام بھی دشوار ہوتا جارہا تھا۔ قرض کی رقم کے بدلے اس کا موٹیل انشورنس کمپنی کے پاس گروی تھا۔ اگر وہ قرض ادا نہ کرپاتی تو اس کا موٹیل انشورنس کمپنی کے قبضے میں چلا جاتا۔ اخراجات کم کرنے کے لیے اس نے واحد ملازم بھی نکال دیا تھا اور اب سارے کام خود کرتی تھی ویسے کام زیادہ نہیں تھے۔

''مام۔'' آئرن نے زور سے کہا تو وہ چونکی۔

''کیا ہوا؟''

''میلبو آنے والا ہے۔''

میلبو، آئرن کا اسکول فیلو تھا اور اس کا باپ صبح جب میلبو کو چھوڑنے جاتا تو آئرن کو بھی ساتھ لے جاتا تھا اور دوپہر میں ایک رضا کار مسز جیڈ سے گھر چھوڑتی تھی۔ آئرن نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر سامنے موٹیل کی عمارت کو دیکھا۔ اس میں قطار سے اوپر نیچے بیس کمرے تھے۔ نیچے کے درمیانی کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈپٹی شیرف آسکر باہر آیا۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی بھی باہر آگئی تھی مگر دونوں الگ الگ کاروں کی طرف گئے تھے۔ جیمی جانتی تھی کہ لڑکی صرف رات گزارنے کے لیے آئی تھی۔ جیسے ہی وہ روانہ ہوئے، میلبو کی گاڑی آکر رکی اور جیمی نے آئرن سے کہا۔ ''چلو وہ آگئے ہیں۔''

آئرن شیشے کے گھر میں بند کچھوے کے پاس کھڑی تھی۔ میٹھے پانی کا یہ کچھوا جیمی نے آئرن کے لیے چند مہینے پہلے لیا تھا۔ یہ آئرن کو بہت پسند تھا اور اسکول سے واپسی پر وہ خاصا وقت اس کے ساتھ گزارتی تھی۔ گھر کا نچلا حصہ ایک دراز کی طرح کھل جاتا تھا اور کچھوے کا پورا فرش مع کچھوے کے باہر آجاتا تھا۔ اس سے صفائی میں آسانی رہتی تھی۔ فرش پر کچھوے کے لیے پتھروں اور ریت سے قدرتی ماحول پیدا کیا گیا تھا۔ جیمی کی رہائش موٹیل کے پاس ہی تھی۔ یہ چھوٹی سی دو منزلہ الگ عمارت تھی۔ اس کے نیچے دفتر اور چھوٹا سا کاؤنٹر ایریا تھا اور اوپر دو کمروں میں جیمی آئرن کے ساتھ رہتی تھی۔ سردی بے پناہ تھی۔ اکتوبر کے آخر میں برف باری کا آغاز ہوگیا تھا۔ آنے والے دنوں میں مزید برف باری متوقع تھی۔

آئرن نے سرخ گرم جیکٹ اور گرم پتلون پہن رکھی تھی۔ وہ باہر آئے جہاں میلبو کا باپ جوزف بیزار سی صورت بنائے انتظار کررہا تھا۔ اگر آئرن اور میلبو میں دوستی نہ ہوتی تو وہ اس ذمے داری کو لینے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا۔ جیمی نے آئرن کو اندر بیٹھنے میں مدد دیتے ہوئے میلبو سے ہیلو ہائے کی اور پھر خشک انداز میں جوزف کو شکریہ کہا اور اس نے حسب معمول کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی آگے بڑھی تو جیمی نے ہاتھ ہلایا اور پھر تیزی سے حرکت میں آگئی اسے بہت سے کام نمٹانے تھے۔ اس نے صفائی کا سامان لیا اور ایک ایک کر کے تمام کمروں اور ان کے واش رومز کی صفائی کی۔ جو کمرے استعمال ہوئے تھے ان کی چادریں اور تکیے غلاف بدلے اور جب وہ تین گھنٹے بعد تھک کر جارہی تھی تو اس نے ہیلن کو آتے دیکھا۔

''شٹ۔'' اس نے زیرِ لب کہا اور اندر کی طرف

بڑھ گئی۔ چند منٹ بعد ہیلن اس کے سامنے بیٹھی اپنے کاغذات دیکھ رہی تھی۔

”جیمی میں پچھلے چھ مہینے سے تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ یہ جگہ بچوں کے رہنے کے لحاظ سے بالکل مناسب نہیں ہے۔“

”اس میں کیا مسئلہ ہے، میرا یہ گھر موٹیل سے بالکل ہٹ کر ہے۔ دونوں کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ہے۔“

”لیکن موٹیل کا دفتر تمہارے اسی گھر میں ہے۔“ ہیلن کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ”تمہارے تمام کسٹمرز پہلے یہاں آتے ہیں۔ ان میں منشیات استعمال کرنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسے بھی جو کسی کال گرل کے ساتھ یہاں رات گزارنے آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کال گرلز چکر لگانے لگتی ہیں۔ تمہارے خیال میں یہ حالات تمہاری بچی کے لحاظ سے مناسب ہیں؟“

”نہیں لیکن...“

”لیکن ویکن کچھ نہیں۔“ ہیلن نے ایک سرخ کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔ ”یہ آخری وارننگ لیٹر ہے، تمہارے پاس دو ہفتے کا وقت ہے تم کہیں اور رہائش کا بندوبست کر لو۔“

”ورنہ؟“

”ورنہ حکومت آئرن کو اپنی تحویل میں لینے پر مجبور ہو جائے گی۔ تم جانتی ہو آج کل بچوں کی حفاظت کے قوانین پر بہت سختی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تمہیں جتنی رعایت دے سکتی تھی، دے دی۔ اب مزید گنجائش نہیں ہے۔“ ہیلن نے اپنا بیگ بند کیا اور کھڑی ہو گئی۔ ”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”ایسی ہمدردی میرے کس کام کی جبکہ تم مجھ سے میری بچی چھین کر لے جانے کی بات کر رہی ہو۔“ جیمی نے تلخی سے کہا۔

”گڈ بائے۔“ ہیلن نے کہا اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد جیمی نے سرخ کاغذ دیکھا اور اسے اٹھا کر مٹھی میں بھینچ لیا۔

☆☆☆

اس پرانے ماڈل کے سفید پک اپ ٹرک میں دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک کسی قدر معمر تھا اور اس نے تاریک عینک لگائی ہوئی تھی۔ اس کی داڑھی تھی۔ مگر یہ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس نے بال اور داڑھی سیاہ رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ دوسرا کلین شیو اور سفید بالوں والا نوجوان تھا۔ وہی ڈرائیو کر رہا تھا اور کسی قدر مضطرب بھی تھا۔ جبکہ داڑھی والا بالکل پُرسکون اور کسی مجسمے کی طرح ساکت تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے نوجوان سے پوچھا۔ ”ابھی کتنی دور ہے؟“

”زیادہ دور نہیں ہے مگر مجھ میں ڈرائیونگ کی ہمت نہیں ہے۔ میں پچھلے بائیس گھنٹے سے مسلسل ڈرائیو کر رہا ہوں۔“ نوجوان نے فریاد کی۔ داڑھی والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند منٹ بعد ہائی وے کے دائیں طرف ایک پیٹرول پمپ اور اسٹور کا سائن بورڈ نظر آیا۔ نوجوان نے کہا۔ ”گیس کم ہے؟“

داڑھی والے نے اثبات میں سر ہلایا اور نوجوان نے پک اپ اس طرف موڑ دی۔ گیس اسٹیشن اور اسٹور پر خاصی رونق تھی کیونکہ اس کے ساتھ ہی ایک بار بھی تھا۔ نوجوان نے اتر کر گاڑی میں پیٹرول ڈالا اور ادائیگی کرنے اندر اسٹور میں چلا گیا جبکہ داڑھی والا اپنی جگہ ساکت بیٹھا رہا۔ اس نے ان تین کال گرلز کی طرف ایک نظر اٹھا کر نہیں دیکھا جو ذرا فاصلے پر آپس میں چہلیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے اس موسم میں ناکافی لباس پہن رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد نوجوان اندر سے آیا اس نے ان لڑکیوں کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگیں۔ نوجوان کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر گاڑی میں آ گیا۔ اس نے داڑھی والے سے کہا۔ ”کیا ہم رات کو کہیں رک نہیں سکتے۔ یہ کام کل بھی ہو سکتا ہے۔“

”ہمیں ڈلیوری مل گئی ہے۔“ داڑھی والے نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”اس لیے دیر کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ تم جانتے ہو معاملہ بڑی رقم کا ہے۔“

”اس صورت میں ڈرائیونگ تم کرو گے۔“ نوجوان کا لہجہ باغی ہو گیا۔ ”اب میں مزید ڈرائیو نہیں کر سکتا، تم ان سے بات کرو۔ ہم نیویارک سے آ رہے ہیں اور انہیں صرف سرحد پار کر کے یہاں آنا ہے۔“

”وہ بھی ٹورنٹو سے آ رہے ہیں۔“ داڑھی والے نے کہا۔ ”اب چلو۔ تم جانتے ہو میں ڈرائیو نہیں کر سکتا۔ اگر کر سکتا تو تمہیں کیوں ساتھ لاتا؟“

نوجوان نے غصے میں انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ ہائی وے پر آنے کے بعد داڑھی والے نے اپنے کوٹ سے سیل فون نکالا اور کسی کو کال کی۔ رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔ ”ہم راستے میں ہیں لیکن میرا ساتھی ڈرائیو کر کے تھک گیا ہے اور میں ڈرائیو نہیں کر سکتا۔ میرا مسئلہ تمہارے علم میں ہے۔“

”ہمیں کل تک پہنچنے میں لیٹ ہے۔“ دوسری طرف سے کہا۔ ”ہم اس طرف آ چکے ہیں۔“

''ہم کوئی پہلی بار ڈیل نہیں کر رہے ہیں۔'' داڑھی والے نے اصرار کیا۔ ''تمہارے باپ کے زمانے سے ہمارا تعلق چلا آرہا ہے۔''

''او کے، میں بارہ گھنٹے اور دے سکتا ہوں۔ پے منٹ مجھے کل رات، آٹھ بجے تک لازمی چاہیے۔''

''کل رات آٹھ بجے۔'' داڑھی والے نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ جیسے ہی اس نے موبائل واپس رکھا نوجوان نے خوشی سے اسٹیرنگ پر مکا مارا۔ یقیناً اس کی خوشی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک رات کے لیے کہیں رک رہے تھے۔

☆☆☆

جیمی، آرَن کے ساتھ اس کے بستر پر تھی۔ وہ اسے کہانی سنا رہی تھی' اس بچی کی جس کو اس کی ماں سے چھین لیا جاتا ہے اور وہ سرکاری ہوسٹل میں رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ''تمہیں پتا ہے وہاں صرف دو باتھ روم ہیں اور تمہارے گھر میں کتنے باتھ روم ہیں، پورے تین، اتنے باتھ روم بکنگھم پیلس میں ہیں۔ اس کا مطلب ہے میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔''

آرَن مسکرانے لگی۔ ''مام آپ کتنی عجیب باتیں کرتی ہیں۔''

''ہاں کیونکہ میں ایک ذہین بچی کی ماں ہوں۔'' جیمی نے اس کا ماتھا چوما۔ ''اب سو جاؤ، صبح جلدی اٹھنا ہے۔''

''گڈ نائٹ، مام۔''

''گڈ نائٹ، سلیپ ٹائٹ۔'' جیمی نے کہا اور لائٹ بند کر کے باہر آگئی۔ دوسرا کمرا اس کا بیڈ روم تھا اور اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا کچن اور ڈائننگ ایریا تھا۔ وہ نیچے آفس میں آئی۔ آفس اس طرح سے تھا کہ کوئی اندر نہیں آسکتا تھا۔ کاؤنٹر کے آگے شیشہ لگا ہوا تھا اور اس کے نیچے صرف اتنا سا خلا تھا جس سے رقم اور موٹیل کے کمروں کی چابیوں کا تبادلہ ہو سکتا تھا۔ جیمی اور آرَن اس ویرانے میں رہتے تھے اس لیے اپنی حفاظت کے لیے اسے یہ بندوبست کرنا پڑا تھا۔ اس نے کیش والی دراز کھول کر دیکھی۔ اس میں صرف چند سو ڈالرز تھے۔ ایک تو ویسے ہی اس علاقے میں بزنس بیٹھ گیا تھا دوسرے سرما میں بزنس بالکل ختم ہو جاتا تھا اور بعض اوقات تو کئی کئی دن تک ایک بھی مسافر نہیں آتا تھا۔ آج بھی صرف تین کمرے بک تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اسے شاید موٹیل بیچنا ہی پڑے مگر وہ اسے فروخت بھی نہیں کر سکتی تھی جب تک انشورنس کمپنی کا قرض ادا نہیں کر دیتی۔ اس صورت میں جب تک وہ دوبارہ روزگار کا بندوبست نہیں کر لیتی، آرَن سرکاری تحویل میں رہتی۔ اچانک گھنٹی بجی تو وہ چونکی۔ کوئی دروازے سے اندر آیا تھا۔ کاؤنٹر کے شیشے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے رات میں بھی تاریک عینک لگائی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ جیمی نے کہا۔ ''ہائے، میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

''مجھے دو کمرے چاہئیں ایک رات کے لیے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''دو کمروں کے اٹھاسی ڈالرز ہوں گے۔ ویسے ایک کمرے کا کرایہ پچاس ڈالرز ہے لیکن تم دو لے رہے ہو اس لیے تمہیں بارہ فیصد رعایت ملے گی۔'' جیمی نے کہا۔ ''اپنا کریڈٹ کارڈ دو۔''

''میں نقد ادائیگی کروں گا۔'' اس نے پرس نکالا اور سو ڈالرز کا ایک نوٹ سامنے رکھ دیا۔ ''رعایت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شکریہ لیکن اس صورت میں بھی کوئی شناخت دینی ہوگی۔''

''کیا اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا؟''

''نہیں۔'' جیمی نے قطعی لہجے میں کہا۔ اس نے سامنے رکھا نوٹ بھی اندر نہیں کیا تھا۔ داڑھی والا کچھ دیر ساکت رہا پھر اس نے اپنا پرس نکالا اور اس میں سے ڈرائیونگ لائسنس نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اس پر اس کا نام گستاکس آئیون لکھا تھا۔ جیمی کو وہ کسی قدر پُراسرار لگا۔ اس کا لہجہ بھی انگلش نہیں تھا بلکہ وہ کسی قدر گاڑھے انداز میں لفظ ادا کر رہا تھا۔ جیمی نے اس کا ڈرائیونگ لائسنس نمبر اپنے پاس نوٹ کر کے اسے واپس کر دیا اور سو ڈالرز کا نوٹ اندر کھینچ کر اس نے کی بورڈ سے دو چابیاں اتار کر کاؤنٹر پر باہر کیں۔ ''یہ چھ اور سات نمبر کی ہیں دونوں برابر ہیں۔ ہر چیز او کے ہے لیکن کوئی مسئلہ ہو تو تم ایک گھنٹے کے اندر مجھے بتا سکتے ہو، اس کے بعد میں نہیں ملوں گی۔''

داڑھی والا باہر چلا گیا۔ جیمی اوپر آئی اور اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو نیلے رنگ کا پک اپ ٹرک پارکنگ سے باہر جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ اس میں کون تھا؟ وہ کچن میں آئی اور اس نے کیبنٹ میں رکھا شوگر پاٹ نکالا مگر اس میں چینی کے بجائے رول کی شکل میں سو ڈالرز کے نوٹ لپٹے ہوئے تھے اور یہ خاصا موٹا رول تھا۔ جیمی اسے دیکھ کر خوش نہیں ہوئی کیونکہ اسے معلوم تھا چند دنوں میں وہ بہت سے بلوں کی ادائیگی کرے گی تو یہ رول بہت چھوٹا رہ جائے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سرے سے غائب ہو

جاتا۔ موٹیل کا بزنس اچھا ہے لیکن اس میں اخراجات بھی بہت ہوتے ہیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر آج کی آمدنی بھی اس رول پر لپیٹ دی۔ پھر وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ آج بہت سردی تھی اور چند دن میں مزید سردی کی پیش گوئی تھی۔

☆☆☆

گستاکس آئیون اپنے کمرے میں تھا مگر وہ لیٹا نہیں تھا بلکہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان غائب تھا اور اسے بتائے بغیر گیا تھا مگر وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد پک اپ ٹرک واپس آیا اور اس کے دونوں دروازے کھل کر بند ہوئے پھر کسی لڑکی کی ہنسی اور گالی سنائی دی۔ جواب میں نوجوان نے بھی اسے گالی دی تھی۔ دونوں نشے میں تھے۔ یقیناً یہاں آنے سے پہلے انہوں نے گیس اسٹیشن کے ساتھ والے بار میں پی تھی۔ نوجوان لڑکی کو دھکیلتا ہوا اپنے کمرے تک لایا۔ لڑکی نخرے دکھا رہی تھی اور بلاوجہ کا شور کر رہی تھی مگر چند منٹ بعد اس کا شور اصل ہو گیا۔ نوجوان اس پر تشدد کر رہا تھا۔ وہ اسے روک رہی تھی۔ اچانک نوجوان چلایا اور اس نے گالی دی۔ ''کتیا یہ کیا کیا؟''

''ذلیل شخص، اب میرے پاس آیا تو میں تجھے قتل کر دوں گی۔''

آئیون مضطرب انداز میں اٹھا تھا کہ برابر والے کمرے سے ایک فائر اور لڑکی کی چیخ کی آواز آئی۔ وہ ساکت ہوا اور پھر واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھلا اور پھر پک اپ کا انجن گھرگھرایا اور چند لمحے بعد اس کا دروازہ دھڑام سے بند ہوا۔ جب تک آئیون نے اٹھ کر باہر جھانکا، نوجوان بھاگتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

☆☆☆

جیمی کی آنکھ فائر کی آواز پر کھلی تھی اور وہ پریشان ہو کر اٹھی۔ اس نے باہر جھانکا تو اسے کوئی نیلے پک اپ میں گھستا دکھائی دیا۔ اس نے پک اپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ سردی سے اس کا انجن جام ہو گیا تھا۔ وہ اترا اور بھاگتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔ جیمی نے پہلے نائن ون ون کو کال کی اور پھر جیکٹ پہن کر باہر آئی۔ باہر قیامت خیز یخ ہوا چل رہی تھی۔ اس کے باوجود دوسرے لوگ بھی اپنے کمروں سے نکل آئے تھے اور اس کمرے کے نیم کھلے دروازے سے اندر جھانک رہے تھے جس سے نوجوان نکل کر بھاگا تھا۔ جیمی نے اندر جھانکا تو اسے لڑکی کی لاش دکھائی دی۔ وہ لاش ہی تھی کیونکہ اس کے سر میں سوراخ دور سے بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد جب لاش ایمبولینس میں لے جائی جا رہی تھی تو جیمی آسکر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ دوسرے پولیس والے دیگر مسافروں سے بیان اور ان کی شناخت لے رہے تھے۔ جیمی کے حواس گم تھے اور وہ کئی کئی بار پوچھنے پر آسکر کے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس نے کیا جواب دیا۔ وہ چونکی جب آسکر نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''تم مجھے آج بھی یاد آتی ہو۔''

''لیکن تم مجھے بالکل یاد نہیں آتے۔'' جیمی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں مزید کچھ پوچھنا ہے۔''

''نہیں۔'' آسکر کا موڈ خراب ہو گیا۔ آسکر کھڑے اور پتلے نقوش والا خوش شکل آدمی تھا یہی وجہ تھی کہ عورتیں آسانی سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔ جب وہ نیا نیا ڈپٹی شیرف بنا تو چند مہینے جیمی سے بھی اس کے تعلقات رہے تھے۔ جیمی سنجیدہ تھی کیونکہ اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی مگر اس نے جلد بھانپ لیا کہ آسکر صرف وقت گزاری کر رہا ہے اس لیے وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے بعد بھی آسکر بہت عرصے اس کے پیچھے پڑا رہا مگر اس کے مسلسل سرد رویے سے مایوس ہو کر بالآخر پیچھے ہو گیا۔ جیمی کار سے باہر آئی۔ پیرامیڈک عملہ لاش کو مخصوص تھیلے میں ڈال کر لے جا رہا تھا۔ جب جیمی گھر کی طرف جا رہی تھی تب اسے خیال آیا کہ اس نے آسکر کو آئیون کے بارے میں بتایا تھا یا نہیں۔ وہ اسے باہر نظر نہیں آیا تھا۔ کیا نوجوان کے ساتھ وہ بھی غائب تھا؟ یہ تو طے تھا کہ نوجوان وہی دوسرا فرد تھا جس کے لیے آئیون نے کمرا لیا تھا۔

جیمی کا سر چکرا رہا تھا اس لیے وہ اس بات پر زیادہ غور نہیں کر سکی تھی۔ ایک تو اسے آئرن کے حوالے سے نوٹس مل گیا تھا دوسرے کاروبار پہلے ہی اچھا نہیں تھا اب یہاں ایک قتل بھی ہو گیا تھا۔ اس نے لیٹنے سے پہلے آئرن کے کمرے میں جھانکا تو وہ سو رہی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس کی آنکھ نہیں کھلی۔ ورنہ وہ سوال کر کے اس کا ناک میں دم کر دیتی۔ وہ ذہین تھی اس لیے اتنی سی عمر میں بھی بڑوں کے سے انداز میں بات کرتی تھی۔ صبح جیمی جلدی اٹھ گئی۔ باہر سب معمول کے مطابق تھا سوائے نمبر سات پر لگی پولیس کی سیل اور پیلی پٹیوں کے۔ جیمی نے پہلے جا کر آئیون کا کمرا دیکھا مگر وہ مقفل تھا۔ وہ واپس آئی تو آئرن جاگ گئی تھی، اس نے پوچھا۔ ''مام یہاں رات کو کچھ ہوا ہے؟''

اب زبان بند رکھو... بولنا سکھانے کا یہ مطلب نہیں کہ تم مسلسل ٹرٹر کرتی رہو

کھولتے ہوئے اسے سرکایا اور چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ آئیون نے بے حد تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا تو وہ ... بل کھا کر کاؤنٹر پر آگری۔ اس کی کلائی میں بے پناہ درد تھا اور وہ ٹوٹنے والی ہو رہی تھی۔ وہ کراہی۔ ''پلیز میری کلائی۔''

''حرکت مت کرنا۔'' آئیون نے آہستہ سے کہا۔ ''دروازے کا لاک کھولو۔''

''پہلے میرا ہاتھ چھوڑو۔'' جیمی نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

خلافِ توقع اس نے ہاتھ چھوڑ دیا اور جیمی سیدھی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ بادلِ ناخواستہ اس نے دروازہ کھولا اور آئیون کے اشارے پر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بہت تیزی سے اندر آیا اور اس نے پستول جیمی کے سر سے لگا دیا۔ ''اوپر کون ہے؟''

''کوئی نہیں، میری بیٹی ہوتی ہے لیکن وہ اسکول گئی ہے آنے والی ہوگی۔'' جیمی نے بتایا۔ ''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔''

''سیل دو۔'' آئیون نے مطالبہ کیا۔

''وہ اوپر ہے۔'' جیمی نے جھوٹ بولا مگر آئیون ہوشیار آدمی تھا اس نے اس کی تلاشی لی اور شرٹ تلے بیلٹ سے لگا ہوا سیل فون نکال لیا اور درشت لہجے میں بولا۔

''اب مجھ سے جھوٹ مت بولنا، سمجھ گئیں۔''

''اوکے... آخر تم کیا چاہتے ہو؟''

اسی لمحے باہر مسز جیڈ کی وین آکر رکی اور اسے دیکھ کر

''ہاں ایک حادثہ ہوا ہے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''لیکن اب سب ٹھیک ہے۔''

''پولیس آئی تھی؟''

''ہاں، اب تم تیار ہو جاؤ، میں ناشتا بنا رہی ہوں اور تم برش ٹھیک سے کرنا کل بھی تم بغیر پیسٹ کے برش کر کے چلی گئی تھیں۔''

''اوکے مام۔'' آئرن بولی اور واش روم کی طرف چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد جیمی اسے رخصت کرنے نیچے آئی تو جوزف نے جانے سے پہلے کہا۔

''میں معذرت خواہ ہوں لیکن کل سے میں آئرن کو پک نہیں کر سکوں گا۔''

''اوکے۔'' جیمی نے بس اتنا کہا۔ اسے توقع تھی کہ جوزف ایسا ہی کرے گا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ مسز جیڈ سے درخواست کرے گی کہ وہ کچھ عرصے کے لیے آئرن کو پک بھی کر لے جب تک وہ کوئی دوسرا بندوبست نہ کر لے۔ صفائی اور دوسرے کاموں سے نمٹ کر وہ ڈاک دیکھنے لگی۔ اس میں زیادہ تر بل تھے اور انشورنس کمپنی کی طرف سے خط بھی تھا جس میں اسے خبردار کیا گیا تھا کہ وہ دو اقساط تاخیر سے ادا کر چکی ہے تیسری بار ایسا کرنے پر اسے جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور چوتھی بار قسط میں تاخیر پر کمپنی موٹیل ضبط کر لے گی۔ اس نے شکردان میں رکھا رول نکالا اور اس میں سے نوٹ نکال کر لفافوں میں رکھنے لگی۔ ان کے ساتھ بل بھی رکھ دیے اور پتے لکھ کر اس نے سارے لفافے بند کیے۔ کل پوسٹ مین آتا تو وہ لفافے اس کے حوالے کر دیتی۔ اس کی توقع کے مطابق رول سکڑ کر چھوٹا ہو گیا تھا۔ آفس کی گھنٹی بجی تو وہ نیچے آئی۔ کاؤنٹر پر آئیون کھڑا تھا۔

''میں غلطی سے یہ چابی لے گیا تھا۔'' اس نے شیشے سے چابی دکھائی۔ پھر پرس سے ایک سو ڈالرز کا نوٹ اور نکال کر کاؤنٹر پر رکھا۔ ''سوری میں لیٹ ہو گیا اس لیے ایک دن کا کرایہ اور دے رہا ہوں۔''

''وہ تمہارا ساتھی تھا جس نے اس لڑکی کو قتل کیا؟''

''نہیں اس نے مجھے لفٹ دی تھی۔ میں اسے جانتا نہیں ہوں، اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے لیے کمرا لے لوں۔ کیونکہ اس نے مجھے لفٹ دی تھی اس لیے میں نے اس کی بات مان لی۔''

''شکریہ۔'' جیمی نے نیچے سے نوٹ کھینچا اور پھر چابی کی طرف دیکھا مگر آئیون نے چابی نیچے نہیں کی وہ اس نے بدستور اوپر رکھی تھی۔ جیمی نے گہری سانس لی اور شیشے کا لاک

آئیون تیزی سے آڑ میں ہوگیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کوئی غلط حرکت یا بات مت کرنا ورنہ تمہارے ساتھ بچی بھی ماری جائے گی۔''

جیمی نے سر ہلایا اور آفس کے دروازے پر کھڑی رہی۔ آئیون اس کے عقب میں دیوار کے ساتھ دبکا ہوا تھا اور اس نے پستول کی نال جیمی کی کمر سے لگا رکھی تھی۔ بیرونی دروازہ کھلا اور آئرن مسز جیڈ کے ساتھ اندر آئی، اس نے کہا۔ ''ہائے جیمی۔''

''ہائے کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' مسز جیڈ بولی۔

جیمی نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ ''آئرن کیسی ہو سوئٹی۔''

مسز جیڈ کو اس کا رویہ عجیب سا لگا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ کھڑی رہی، آگے نہیں آئی تھی۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں، کیا تم آئرن کو مزید دو گھنٹے اپنے پاس رکھ سکتی ہو؟''

''اوہ نہیں، ابھی مجھے مزید دو بچے گھر پہنچانے ہیں اور پھر گھر پر ایک بچے کو دیکھنا ہے۔'' مسز جیڈ نے معذرت کی۔ ''تم پہلے کہہ دیتیں تو میں سیٹنگ کر لیتی مگر اب ممکن نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' جیمی زبردستی مسکرائی تو مسز جیڈ بائے کہتی ہوئی چلی گئی۔ آئرن اندر آگئی۔ وہ خوش تھی کہ اسے مسز جیڈ کے ساتھ نہیں جانا پڑا۔ وہ اندر آئی اور سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی۔ جیمی نے کہا۔

''تم اوپر جاؤ جب تک میں اس آدمی سے بات کر لوں۔''

آئرن نے پہلی بار آئیون کو دیکھا۔ ''مام یہ کون ہے؟''

''میں... تمہاری مام کا دوست ہوں۔'' آئیون نے جواب دیا۔

''تم اوپر جاؤ۔''

آئرن اوپر گئی تو جیمی نے اس سے پوچھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے وہ پک اپ چاہیے جسے پولیس لے گئی ہے۔''

''میں کیسے لا سکتی ہوں؟''

''میں نہیں جانتا لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری بچی زندہ اور سلامت رہے تو مجھے ہر صورت وہ پک اپ چاہیے۔'' آئیون نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ویسے ڈپٹی شیرف سے تمہاری اچھی واقفیت لگ رہی تھی۔''

''میں اسے جانتی ہوں۔''

''تم اس سے بات منوا سکتی ہو۔'' آئیون نے گھڑی دیکھی۔ ''اس کام کے لیے تمہارے پاس دو گھنٹے ہیں۔''

آدھے گھنٹے بعد جیمی مقامی پولیس اسٹیشن میں تھی۔ وہ آسکر کے کمرے تک آئی اور اندر جھانکا تو وہ کام میں مصروف تھا، اسے دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ہوا۔ جیمی اندر آئی۔ ''وہ... میں پوچھنے آئی ہوں کہ میرے موٹیل پر کب تک پولیس کی سیل لگی رہے گی۔''

''کل اس سلسلے میں آخری تفتیش ہوگی، اس کے بعد پولیس کمرا تمہارے حوالے کر دے گی۔''

''اور وہ پک اپ جو موٹیل سے پولیس لے گئی ہے؟''

''وہ مبینہ قاتل کی ہے اور پولیس کے پاس بہ طور شہادت ہے۔'' آسکر نے بتایا۔ ''وہ کسی کو نہیں مل سکتی چاہے وہ اصل مالک کیوں نہ ہو؟''

''اگر میں اسے لینا چاہوں تو؟''

آسکر مسکرایا۔ ''جیمی ڈیئر تم کس چکر میں ہو؟''

''کسی چکر میں نہیں ہوں۔''

''شاید آج رات میں تمہارے موٹیل کا چکر لگاؤں۔''

''فی الحال میں نے موٹیل بند کیا ہوا ہے۔'' جیمی نے خشک لہجے میں کہا اور اس کے دفتر سے نکل آئی۔ وہ آئیون کے مجبور کرنے پر یہاں چلی آئی تھی ورنہ اسے یہی امید تھی کہ آسکر انکار کر دے گا، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ گھر میں آئیون کے سامنے تھی۔ ''پک اپ پولیس کی تحویل میں ہے اور اسے وہاں سے آسکر بھی نہیں نکلوا سکتا ہے۔''

آئیون سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے پوچھا۔ ''یہ آسکر کیسا آدمی ہے؟''

''عورتوں کا شوقین ہے حالانکہ اس کی بیوی بھی ہے۔ میں ذاتی طور پر نہیں جانتی لیکن سنا ہے کہ کرپٹ بھی ہے یعنی رشوت لیتا ہے۔''

''اگر اسے گاڑی کے بدلے رشوت کی پیشکش کی جائے تو؟''

''میں نہیں کہہ سکتی۔'' جیمی نے انکار کیا۔

''اتنی لاپروائی سے بات مت کرو۔'' آئیون کا لہجہ درشت ہوگیا... ''مت بھولو تم اور تمہاری بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''اب میں کیا کرسکتی ہوں۔'' جیمی نے بے بسی سے کہا۔

آئرن کمرے سے نکل کر فریج تک آئی تھی، وہ کچھ نکالنے جارہی تھی کہ آئیون نے اس سے کہا۔ ''لٹل گرل، تیار ہوجاؤ۔''

جیمی چونکی۔ ''کیوں؟''

''ہم ڈرائیو پر جارہے ہیں۔''

دس منٹ بعد وہ جیمی کی کار میں تھے۔ وہ ڈرائیو کر رہی تھی اور آئیون اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ آئرن پیچھے تھی اور اس کی موجودگی کی وجہ سے آئیون نے پستول کوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ مگر اس کے دستے پر اس کی گرفت موجود تھی۔ جیمی اس کی ہدایت کے مطابق گاڑی سڑکوں پر گھما رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ آئیون وقت گزاری کررہا ہے۔ جیمی نے پوچھا۔ ''پک اپ میں کیا ہے جس کے لیے تم اسے واپس حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' آئیون نے کہا۔

''مجھے یقین ہے اس میں رقم ہے اور کہیں چھپائی ہوئی ہے۔''

آئیون نے اس کی بات نظرانداز کرکے پوچھا۔ ''آسکر کا گھر کہاں ہے؟''

''وہ قصبے میں رہتا ہے۔''

آئیون نے حکم دیا۔ ''آسکر کے گھر چلو۔''

دس منٹ بعد وہ اس کے گھر کے سامنے دوسری طرف ایک درخت کے پاس کھڑے تھے۔ یہاں تاریکی تھی اور کار کے اندر کسی کو دیکھنا مشکل تھا۔ آئیون نے اس سے کہا۔ ''جاؤ اور اسے رقم کی آفر کرو۔''

''میرے پاس رقم نہیں ہے۔''

''رقم میں دوں گا۔'' آئیون غرایا مگر اس نے کوئی رقم نہیں نکالی تھی۔

جیمی گاڑی سے اتری تو آئرن پچھلی سیٹ پر سو رہی تھی۔ جیمی نے آئیون سے کہا۔ ''اس کا خیال رکھنا۔''

''اس کا خیال تمہیں رکھنا ہوگا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''اس کی سلامتی کا انحصار اب تم پر ہے۔''

جیمی سڑک پار کرکے آسکر کے مکان کی طرف بڑھی۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ دروازے تک آئی اور کال بیل بجائی۔ چند لمحے بعد مارشا نے دروازہ کھولا، اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نفرت کی چمک لہرائی۔ ''کیا ہے، کیوں آئی ہو؟''

''مجھے آسکر سے بات کرنی ہے۔'' جیمی نے اضطراب سے کہا۔

''بات کرنی ہے یا اس سے...'' مارشا نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اسی لمحے اندر سے آسکر کی آواز آئی۔

''کون ہے مارشا؟''

''خود آکر دیکھ لو۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی اور اندر چلی گئی۔ آسکر نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر چونکا پھر اس نے تیزی سے باہر آکر دروازہ بند کیا اور دبے لہجے میں بولا۔

''تم کیوں آئی ہو؟''

''مجھے تم سے کام ہے۔'' جیمی بولی۔ ''مجھے وہ گاڑی چاہیے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' آسکر غرایا۔ ''وہ سرکاری تحویل میں ہے۔ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے جو تم پاگل ہورہی ہو۔''

''میں تمہیں قیمت دوں گی۔''

''وہ گاڑی نہیں مل سکتی۔'' آسکر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور واپس مڑا تھا کہ جیمی اس پر جھپٹی لیکن اس نے بے رحمی سے اسے دھکا دیا اور وہ اچھل کر سیڑھیوں سے نیچے جا گری۔ اسے چوٹ آئی تھی وہ بہ مشکل اٹھی تو آسکر اندر جاچکا تھا۔ غصے سے بے قابو جیمی نے اسے گالیاں دیں اور پھر اپنی پسلیاں پکڑ کر واپس آگئی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور کہا۔

''تم نے دیکھ لیا کہ اس نے کیا جواب دیا ہے۔''

''یہاں سے نکلو۔'' آئیون نے حکم دیا۔ جیمی نے گاڑی نکالی اور سڑک پر آگئی۔

''یہ کیا چکر ہے آخر اس پک اپ میں کیا ہے؟'' جیمی نے پوچھا مگر آئیون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر سڑکوں پر گھومتے رہے۔ گیس ختم ہورہی تھی، جیمی نے ایک جگہ سے گیس بھروائی۔ وہاں سے نکلے تو آئیون نے اسے حکم دیا۔

''پولیس کے وہیکل یارڈ کی طرف چلو۔''

وہیکل یارڈ پولیس اسٹیشن کے پیچھے ہی تھا۔ جیمی نے گاڑی اس طرف موڑ دی اور اسے خبردار کیا۔ ''وہاں کوئی نہیں جاسکتا کیونکہ وہاں ہمہ وقت پہرا ہوتا ہے۔''

آئیون خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد جیمی کی کار یارڈ کے

عقبی حصے میں موجود تھی۔ سڑک کے پاس لوہے کی جالیاں تھیں جن کے عقب میں یارڈ تھا۔ جیمی نے کہا۔ ''دیکھو اندر پہرا ہے۔''

آئیون نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''وہ کیبن دیکھ رہی ہو اس سے ہوکر تم اندر جا سکتی ہو۔''

جیمی اچھل پڑی۔ ''میں... ؟''

''ہاں پک اپ کے ڈیش بورڈ میں لگے ڈیک کو نکالو گی تو اس کے پیچھے خلا میں ایک پیک ہے۔ تمہیں وہ پیک لانا ہے۔''

''کتنا بڑا پیک ہے؟''

''ڈیڑھ فٹ لمبا، ایک فٹ چوڑا اور تین انچ موٹا۔'' آئیون نے بتایا۔ ''سیلوفین میں پیک ہے۔''

''اس میں خطرہ ہے۔''

''تمہیں اپنی بچی کے لیے یہ کام کرنا ہوگا۔'' آئیون نے پیچھے سوئی ہوئی آئرن کی طرف اشارہ کیا۔ جیمی نے اسے دیکھا اور سر ہلا کر نیچے اتر گئی۔ وہ دوڑتی ہوئی اس ویران کیبن تک پہنچی۔ یہاں شاید پہلے نگرانی کے لیے یہ کیبن بنایا گیا تھا اور پھر اسے متروک کر دیا۔ وہ کھڑکی کے راستے اندر داخل ہوئی اور دروازہ کھول کر یارڈ میں آگئی۔ دو پولیس والے موجود تھے اور سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ وہ پک اپ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ خدا خدا کر کے وہ وہاں سے ملے اور جیمی اسی طرح جھکے جھکے دوڑتی ہوئی پک اپ تک آئی اور دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ اس نے پہلے آس پاس دیکھا اور پھر ڈیک نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ کلپس کی مدد سے لگا ہوا تھا اور وہ بہ مشکل اسے کھولنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ مگر جب اس نے خلا میں ہاتھ ڈالا تو اسے وہاں کچھ نہیں ملا۔ اس نے پورا بازو اندر تک کر کے ہر ممکن طرح سے دیکھ لیا مگر خانہ بالکل خالی تھا۔ جیمی گہری سانس لے کر نیچے اتر آئی اور اسی راستے سے واپس اپنی کار تک پہنچی۔ رات ہونے کے ساتھ ساتھ ٹھنڈ شدید ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' آئیون نے پوچھا۔

''خانہ خالی ہے کوئی پہلے ہی اس سے پیک نکال چکا ہے۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' آئیون مضطرب لہجے میں بولا۔ پیک غائب ہونے کا سن کر اس کا سکون بھی ہوا ہو گیا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' آئیون بولا۔ ''میں تمہیں دیکھ رہا تھا، اگر تم پیک سمیت اترتیں تو مجھے نظر آجاتا۔''

جیمی نے پُرامید نظروں سے اسے دیکھا۔ ''دیکھو، میں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن...''

''واپس چلو۔'' آئیون کا لہجہ دوبارہ سرد اور ساکت ہوگیا۔ جیمی نے مجبوراً کار اسٹارٹ کی اور واپس موٹیل کی طرف روانہ ہوگئی۔ آئیون ان کے ساتھ اوپر آیا۔ آئرن راستے میں اٹھ گئی تھی اسے بھوک لگ رہی تھی۔ جیمی نے گھر پہنچ کر ڈنر تیار کیا۔ ان سب نے ڈنر کیا اور پھر جیمی، آئرن کو سلانے چلی گئی۔ آئیون دونوں کمروں کے درمیان کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد جیمی کمرے سے نکلی تو اس نے آئیون سے پوچھا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے وہ پیک چاہیے۔''

''تو میں کہاں سے لاؤں؟'' جیمی جھنجلا گئی۔ ''میں بلاوجہ اس چکر میں شامل کی گئی ہوں جبکہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ وہ پیک کہاں گیا ہے ہم کل صبح اسے تلاش کریں گے۔'' آئیون نے کہا۔ ''اب تم جا کر سو جاؤ۔''

جیمی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں آئی اور جیکٹ و جوتے اتار کر لیٹ گئی۔ جب وہ سو گئی تو آئیون اٹھ کر اس جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ تصویریں دیکھ رہا تھا اور چیزیں اٹھا اٹھا کر یوں آنکھوں کے پاس لاکر دیکھ رہا تھا جیسے اسے کم دکھائی دیتا ہو۔ پھر وہ کچن میں آیا اور کیبنٹس کھول کھول کر دیکھتا رہا۔ اس نے شکر دان اٹھایا اسے کھولا اور اس میں موجود رقم کا رول نکالا۔ چند لمحے بعد اس نے شکر دان اپنی جگہ واپس رکھ دیا۔ جیمی کی آنکھ کھلی تو آئیون اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا اور لگ رہا تھا کہ وہ ساری رات جاگتا رہا ہے مگر اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نہیں تھے۔ جیمی اٹھ کر واش روم گئی اور پھر آئرن کو جگاتے ہوئے ناشتا بنایا۔ ناشتے کے بعد اس نے آئرن کو تیار کیا۔ آئیون نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس نے جیمی سے کہا۔

''ہم آئرن کو اسکول چھوڑ کر پھر کام کریں گے۔''

''کیسا کام مام؟'' آئرن نے پوچھا۔

''مسٹر آئیون کی ایک چیز گم گئی ہے، ہم اسے تلاش کریں گے۔'' جیمی نے اسے سمجھایا اور اس کا اسکول بیگ اٹھا لیا۔ وہ تینوں باہر آئے اور اسکول کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیمی نے آئرن کو گلے سے بھینچ کر پیار کیا اور اس کے

کان میں سرگوشی کی۔ ''اگر میں نہ آؤں تو تم مسز جیڈ کو سب بتا دو گی۔''

آئرن نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اسکول میں گئی تو جیمی اور آئیون وہاں سے روانہ ہوئے۔ جیمی نے پہلی بار پوچھا۔ ''اس لڑکی کو قتل کرنے والا کون ہے؟''

''میری بہن کا بیٹا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''اوہ۔'' جیمی صرف اتنا کہہ سکی۔ آئیون نے اسے پولیس اسٹیشن کی طرف چلنے کو کہا۔ جیمی نے حکم کی تعمیل کی کیونکہ اب پستول مستقل آئیون کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے گاڑی پولیس اسٹیشن سے ذرا دور اس طرح رکوائی کہ وہاں سے نکلنے والی ہر گاڑی ان کی نظروں میں رہے۔ آدھے گھنٹے بعد پولیس اسٹیشن سے آسکر پولیس وین میں نکلا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

''اس کے پیچھے چلو۔'' آئیون نے حکم دیا اور عقبی نشست پر جا کر نیچے لیٹ گیا اس طرح اب اسے باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر وہ بھی باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دس منٹ بعد آسکر قصبے کے سب سے بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے رکا اور اندر چلا گیا۔ جیمی نے کار دور روکی تھی، اس نے آئیون کو بتایا تو وہ بولا۔ ''مجھے توقع تھی۔''

آسکر تقریباً ایک گھنٹے بعد اندر سے یوں نمودار ہوا کہ اس کے ساتھ اسٹور کا ایک ملازم بڑی ٹرالی میں بہت سارے کارٹن لیے چلا آ رہا تھا۔ اس میں بڑے سائز کا ایل ای ڈی ٹی وی بھی تھا اور بڑے سائز کی واشنگ مشین بھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی قیمتی چیزیں تھیں۔ آسکر نے ساری چیزیں وین میں رکھوائیں اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جیمی نے اس کے پیچھے گاڑی لگا دی۔ آئیون نے فاصلہ پوچھا تو اس نے کہا۔ ''وہ دو گاڑی آگے ہے۔''

''فاصلہ بڑھا دو، اسے شک نہ ہو۔''

''یہ کیا چکر ہے؟ کیا پک اپ میں رقم تھی جو آسکر کے ہاتھ لگ گئی ہے؟'' جیمی نے اندازہ لگایا۔ ''وہ جس طرح خرچ کر رہا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہے۔''

''تم نہیں جانتیں یہ رقم سے بہت بڑا چکر ہے۔'' آئیون بولا۔

آسکر آگے جا رہا تھا اچانک اس نے وین کو یوٹرن دیا۔ ''شٹ۔'' جیمی نے کہتے ہوئے تیزی سے کار گلی میں گھما دی۔

''کیا ہوا؟''

''اس نے شاید دیکھ لیا ہے۔'' جیمی بولی اور اگلی گلی میں گھومی جو واپس سڑک کی طرف جا رہی تھی تو سامنے اسے آسکر کی پولیس وین نظر آئی اور اس نے میگا فون پر کہا۔

''نیچے اتر آؤ، دونوں ہاتھ اوپر ہوں۔''

''تم نہیں جاؤ گی۔'' آئیون نے حکم دیا۔

آسکر نے پھر وارننگ دی کہ وہ دونوں ہاتھ اوپر کر کے نیچے آ جائے۔ جیمی نے کہا۔ ''مجھے جانا ہوگا۔''

''تم نہیں جاؤ گی۔''

مگر جیمی نے اس کی بات ان سنی کر کے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ وہ دونوں ہاتھ اوپر کر کے پولیس کار تک آئی۔ آسکر نے نیچے اتر کر اسے اوندھے منہ بونٹ پر گرایا اور اس کی تلاشی لی۔ مگر اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آسکر نے سیدھا کر کے اس کا گلا دبوچ لیا۔ ''تم میرا پیچھا کر رہی تھیں... کیوں؟''

جیمی نے جواب دینے کی کوشش کی مگر اس کا سانس رک رہا تھا۔ آسکر کو احساس نہیں تھا کہ وہ کتنی قوت سے اس کا گلا دبا رہا ہے۔ اچانک اس کے سر سے پستول کی نال آ کر لگی۔ آئیون نے کہا۔ ''حرکت مت کرنا، دونوں ہاتھ اوپر۔''

آسکر نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ جیمی اس سے دور ہو کر اپنی سانس بحال کرنے لگی۔ اس دوران میں آئیون نے تلاشی لے کر اس کا پستول نکال لیا اور پھر اسی کی ہتھکڑی اسے پہنا دی۔ مزید تلاشی لینے پر اس کے پاس سے نوٹوں کی گڈی بھی نکل آئی جس میں سے ابھی پانچ ہزار ڈالرز بھی خرچ نہیں ہوئے تھے۔ آسکر نے جیمی سے کہا۔ ''تو تم اسے ساتھ لے کر گھوم رہی ہو، کون ہے یہ؟''

''میں نہیں جانتی، یہ پاگل ہے اور اس نے مجھے... یرغمال بنا رکھا ہے۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو؟''

''یہ سچ کہہ رہی ہے۔'' آئیون نے اسے جیمی کی کار کی طرف دھکیلا اور فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر خود عقبی سیٹ پر آ گیا۔ جیمی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اس نے کار آگے بڑھائی اور آئیون نے آسکر سے پوچھا۔

''رقم کہاں ہے؟''

''کون سی رقم؟'' وہ انجان بن کے بولا۔

''وہی رقم جو تم نے پک اپ کے ڈیش بورڈ سے نکالی ہے اور اس سے خریداری کر رہے تھے جس کا باقی حصہ تمہارے پاس سے نکلا ہے۔''

''میں نہیں جانتا تم کس رقم کی بات کر رہے ہو اور یہ

بہت سنگین جرم ہے جو تم کر رہے ہو۔ تم بچ نہیں سکو گے۔''

''تم نروس ہو اور بہت زیادہ بول رہے ہو۔'' آئیون نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے رقم کہاں چھپائی ہوگی۔ اپنے بیڈ کے گدے تلے یا بیڈ کے نیچے۔''

آسکر خاموش رہا تو آئیون نے جیمی کو حکم دیا۔ ''اس کے گھر چلو۔''

کچھ دیر میں وہ اس کے گھر کے سامنے تھے۔ آئیون نے آسکر کی چابیوں کا گچھا جیمی کے حوالے کیا اور بولا۔ ''اندر سے رقم لے آؤ۔''

''جیمی تم اندر نہیں جاؤ گی۔'' آسکر بولا مگر جیمی نیچے اتر گئی۔ وہ دبے قدموں دروازے تک آئی اور بہت آہستہ سے دروازے کا لاک کھولا اور اندر آگئی۔ مارشا لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جیمی اس کے عقب سے ہوتی ہوئی آسکر کے بیڈ روم میں آئی۔ وہ اس گھر کا نقشہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے اندر آکر پہلے گدا اٹھا کر دیکھا اور پھر بیڈ کے نیچے جھانکا۔ آئیون کا تجزیہ درست نکلا تھا۔ بیڈ کے نیچے ایک چھوٹا ہینڈ کیری تھا اور رقم اسی میں تھی۔ سیلوفین پھاڑ کر اس میں سے ایک گڈی نکال لی گئی تھی مگر باقی گڈیاں تھیں۔ یہ پچاس ہزار ڈالرز والی گڈیاں تھیں اور ان کی تعداد بیس تھی۔

جیمی نے بیگ بند کر کے شانے پر ٹانگا اور باہر کی طرف بڑھی۔ لاؤنج کے پاس آکر اس نے مارشا کی طرف دیکھا مگر وہ اپنی جگہ نہیں تھی۔ اچانک عقب سے مارشا نے اسے بیس بال کا بلا مارا تو جیمی آگے جا گری۔ بیگ نے اسے شدید ضرب سے بچا لیا تھا مگر اسے چوٹ آئی تھی۔ مارشا نے نفرت سے کہا۔ ''کتیا۔''

لیکن اس سے پہلے وہ پھر وار کرتی، جیمی نے اس کے پیٹ پر لات ماری، وہ کراہ کر جھکی تو جیمی نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ وہ پیچھے گئی اور سنبھل کر دوبارہ وار کیا۔ جیمی نے کروٹ لے کر وار بچایا اور اس کے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ وہ نیچے گری اور پھر جیمی پر چڑھ گئی۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئی تھیں۔ مارشا نے اس کے بال پکڑ لیے اور اس کا سر زمین پر مارنے کی کوشش کرنے لگی۔ بہ مشکل جیمی نے اپنے بال چھڑائے اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اسی لمحے آئیون آسکر سمیت اندر آیا۔ آسکر نے مارشا کو دیکھا، وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اتفاق سے وہ بلے کے پاس گری تھی، اسے اٹھا کر وہ پھر جیمی کی طرف لپکی تھی کہ آئیون نے اسے شوٹ کر دیا۔ گولی مارشا کے سر پر لگی۔ وہ چکرا کر گری اور فوراً ہی ختم ہو گئی تھی، آسکر چلایا۔ ''نہیں۔''

آئیون نے آسکر کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور وہ جھٹکا کھا کر نیچے گر پڑا۔ جیمی سکتے میں رہ گئی۔ پھر آئیون نے اسے بازو سے پکڑ کر ہلایا تو اسے ہوش آیا۔ ''رقم کہاں ہے؟''

جیمی نے اسے بیگ دکھایا۔ ''یہ رہی۔''

چند منٹ بعد وہ واپس جیمی کی کار میں بیٹھے تھے۔ جیمی نے کہا۔ ''تمہیں گولی نہیں چلانی چاہیے تھی۔''

''وہ تمہارے سر پر وار کرنے والی تھی اور تم مر بھی سکتی تھیں۔'' آئیون بولا۔ ''ڈرائیو کرو۔''

''تم نے مجھے بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔''

''کوئی مصیبت نہیں ہے۔'' آئیون بولا۔ ''تم پولیس کو حقیقت بتا سکتی ہو۔''

آدھے گھنٹے بعد وہ موٹیل پر تھے۔ راستے میں آئیون نے کسی کو کال کی اور جب وہ جیمی کی کار سے اتر رہے تھے تو ایک سرمئی رنگ کی تقریباً نئی فورڈ کار وہاں آئی اور اس سے سفید بالوں والا نوجوان اترا جو بہ قول آئیون کے اس کی بہن کا بیٹا تھا۔ اس نے حسبِ معمول مضطرب لہجے میں پوچھا۔ ''رقم مل گئی؟''

''ہاں۔'' آئیون نے بیگ اس کے حوالے کیا اور اس نے لپک کر آئیون کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ آئیون اندر بیٹھا تو نوجوان ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ جیمی انہیں جاتا دیکھ رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی دلدل میں اتر گئی ہو۔ وہ تھکے قدموں سے اندر آئی۔ پھر اس نے نائن ون ون کو کال کی۔ اسی اثنا میں مسز جیڈ آئرن کو لے آئی تھی۔ اس نے دوسری کال ہیلن کو کی۔

''میں ایک بڑی مشکل میں پڑ گئی ہوں، آئرن... فی الحال تمہاری تحویل میں رہے گی۔''

ہیلن اور پولیس ایک ساتھ آئے تھے مگر جیمی نے پولیس کو بیان دینے سے پہلے آئرن کو ہیلن کے ساتھ رخصت کر دیا تھا۔ وہ اس کا بیگ پہلے ہی تیار کر چکی تھی۔ شیرف خود آیا تھا۔ جیمی نے اسے اپنے اوپر گزرنے والی پوری تفصیل بتائی۔ اس کا بیان نوٹ کر کے شیرف نے سب سے پہلے سرمئی کار کی تلاش کا حکم دیا اور پھر ایک پولیس پارٹی آسکر کے گھر روانہ کی۔ ایک اور پارٹی پولیس وین لینے بھیجی جس میں آسکر کا خریدا ہوا سامان موجود تھا۔ آدھے گھنٹے میں اس کے پاس تمام جگہوں سے رپورٹ آگئی تھی۔ پہلی رپورٹ آسکر کے گھر کی تھی، وہاں مارشا کی لاش تھی مگر آسکر جسے وہ

بے ہوش چھوڑ کر آئے تھے وہاں سے غائب تھا۔ وین مل گئی تھی اور اس میں بھرا ہوا سامان بھی۔ ڈیپارٹمینٹل اسٹور سے تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ سامان آسکر نے خریدا ہے۔ البتہ سرمئی کار کا سراغ نہیں ملا، وہ آسکر کی طرح غائب تھی۔

☆☆☆

سرمئی کار اس وقت ملینا کے شمال مشرق میں کینیڈا جانے والی پرانی ہائی وے پر محوِ سفر تھی۔ آئیون نے نکالی جانے والی گڈی کی رقم پوری کر کے اسے بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اب یہ ایک ملین ڈالرز کی رقم تھی۔ سفید بالوں والے نوجوان کا نام آئزک تھا۔ اس کے رخسار پر ایک لمبا خراش نما زخم تھا۔ کال گرل نے اس کے تشدد کے جواب میں اسے ناخن تراش میں موجود چھوٹا چاقو مارا تھا اور اس نے مشتعل ہو کر اسے شوٹ کر دیا۔ آئیون نے نہ تو اس سے پوچھا اور نہ ہی اسے کچھ کہا۔ شام کے قریب آئیون نے سیل نکال کر کال کی۔ ''میں ڈلیوری دینے آرہا ہوں۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ ایک دن کی تاخیر ہوئی۔''

''ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

آئیون نے سیل فون رکھا تو۔۔۔۔۔ آئزک نے کہا۔ ''مجھے شک ہو رہا ہے، وہ ہماری وضاحت قبول کریں گے؟''

''انہیں کرنا ہوگی۔'' آئیون نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پرانے تعلقات ہیں اور ہم ادائیگی کر رہے ہیں۔''

آئزک متفق نہیں تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اب وقت بدل گیا ہے بزنس میں پرانے تعلقات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اب تم نوجوانوں کا وقت ہے۔'' آئیون بولا۔ ''ویسے بھی یہ میرا آخری ٹرپ ہے اور اس کے بعد میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔''

''تمہاری عمر اتنی نہیں ہے اور صحت میں مجھ سے زیادہ فٹ ہو۔''

''ہاں لیکن مجبوری ہے۔''

جب وہ سرحد کے پاس ایک پرانے متروک فوجی اڈے میں داخل ہوئے تو شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔ وہاں بیرک نما عمارتیں تھیں اور کچی جگہوں پر جنگل اُگ آیا تھا۔ آئزک نے کار ایک بڑے ہال میں داخل کی، اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سات بجے آئیون کے موبائل کی بیل بجی، اس نے کال ریسیو کی۔ ''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

''ہم آرہے ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ آئیون نے آئزک کی طرف دیکھا اور سر ہلایا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ہال سے باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد سامنے سے ایک سیاہ بڑی کار نمودار ہوئی اور سرمئی کار سے بیس گز کے فاصلے پر رک گئی۔ آئیون نے اپنے موبائل کا بٹن دبایا اور آہستہ سے بولا۔

''کار میں کتنے آدمی ہیں؟''

''کم سے کم دو۔'' آئزک نے جواب دیا۔ ''وہ

سامنے ہیں؟ تاریکی میں پیچھے کوئی نظر نہیں آیا۔"
"ٹھیک ہے، میں نیچے اتر رہا ہوں، تم ہوشیار رہنا۔"
آئیون نے کہا اور کار سے نیچے اتر آیا۔ اس نے رقم والا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ فوراً ہی سیاہ کار سے دو آدمی اتر آئے۔ ان میں سے ایک، سیاہ بالوں اور دبلے چہرے والا جوان آدمی تھا۔ آئیون کی اسی سے بات ہوتی رہی تھی۔ ڈیرک اپنے باپ کے بعد اس گروہ کا سرغنہ تھا جو مشرقی یورپ سے اسمگل ہو کر آنے والی منشیات کینیڈا سے امریکا بھیجتا تھا۔ آئیون کا گروہ اس منشیات کو مغربی امریکا کے مختلف حصوں میں سپلائی کرتا تھا۔ ڈیرک نے آئیون کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آگے آیا تو ڈیرک کا ساتھی غیر محسوس انداز میں اس کے پیچھے آگیا۔ ڈیرک نے پوچھا۔
"تم نے رات میں بھی سیاہ عینک لگا رکھی ہے۔"
"میری آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں، مجھ سے روشنی برداشت نہیں ہوتی ہے اس لیے سیاہ عینک لگائی ہے۔"
"تم ایک دن تاخیر سے آئے ہو۔"
"اس کی وجہ ہے۔ ایک حادثے کی وجہ سے ہم اپنی گاڑی کھو بیٹھے اور دوسری گاڑی کا بندوبست کرنے میں وقت لگا۔" آئیون نے کہا اور بیگ آگے کیا۔ "یہ رہی تمہاری امانت۔"
"ایسے نہیں۔" ڈیرک نے کہا اور پلٹ کر دیکھا تو کار کے پچھلے دروازے کھلے اور دو افراد نیچے اتر آئے۔ "تم اندر آؤ ہم رقم گن کر تسلی چاہتے ہیں۔"
آئیون کو خطرے کا احساس ہوا مگر اس نے بدستور نرمی سے کہا۔ "کیوں تمہارا باپ میرا..."
"میرا باپ مر چکا ہے۔" ڈیرک نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اس کا دور گزر گیا ہے۔"
آئیون نے سوچا اور پھر آگے بڑھا۔ وہ کار کے کھلے دروازے سے اندر گیا اور فوراً ہی ڈیرک کے دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں آگئے۔ ڈیرک خود فرنٹ سیٹ پر آیا اور اس کا ساتھی ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ اب ڈیرک نے اس سے بیگ لے لیا اور گڈیاں دیکھنے لگا۔ اچانک اس نے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟"
آئیون نے آگے جھک کر دیکھا تو ڈیرک کے ہاتھ میں گڈی کی جگہ ایک رول تھا۔ ڈیرک نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب، ؟ اس میں پورے ایک لاکھ ڈالرز کم ہیں۔"
"میرا خیال ہے رقم پوری ہے، تم ایک بار پھر گن کر دیکھو۔" آئیون سکون سے بولا۔
"مجھے گننے کی ضرورت نہیں ہے۔" ڈیرک بولا۔ "تم نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے۔"
ڈیرک نے بات پوری کرنے سے پہلے پستول نکال لیا تھا مگر اسے چلانے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی کھڑکی کی طرف سے شیشہ پُر شور انداز میں ٹوٹا اور اس سے آنے والی گولیاں ڈیرک کے سر میں پیوست ہو گئیں۔ اگلا نشانہ ڈرائیور بنا تھا۔ اسے بھی اپنا ہتھیار استعمال کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اسی اثنا میں عقبی نشست پر بھی گولیاں چلنے لگی تھیں۔ نسائی چیخوں کے ساتھ فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ آئزک نے عقبی نشست کی طرف گولیاں چلانے سے گریز کیا کیونکہ وہاں آئیون تھا۔ وہ پیچھے ہٹا اور ایک سائیڈ میں ہوتے ہوئے اس نے پیچھے کا دروازہ کھولا اور پستول سیدھا کیا مگر اندر سے اترنے والا آئیون تھا۔ وہ بہ مشکل باہر آیا کیونکہ مارے جانے والے دونوں افراد نے راستہ بلاک کر دیا تھا۔ ان کا خون آئیون کے لباس پر لگا ہوا تھا۔ اس نے باہر آکر اپنا موبائل نکال کر آف کیا۔ وہ آئزک سے رابطے میں تھا اور وہ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔
"تم ٹھیک ہو؟" آئزک نے پوچھا۔
آئیون نے سر ہلایا اور اندر جھک کر نوٹوں والا بیگ اٹھا لیا۔ وہ بدستور کھلا ہوا تھا۔ آئیون نے اس میں سے نوٹوں کا رول اٹھایا اور بولا۔ "ہمیں واپس جانا ہوگا۔"
آئزک جو لاشیں دیکھ رہا تھا، اس نے سر ہلایا۔ "میں نے دوسری گاڑی کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ یہیں موجود ہے۔"
"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" آئیون نے اسے الزام دیا۔
"میری وجہ سے؟" آئزک بولا۔ "یہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔"
آئیون نے جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک پرانے ماڈل کی جیپ میں بیٹھے تھے۔ آئزک نے پوچھا۔ "ہمیں کس طرف جانا ہے؟"
"ہمیں اسی موٹیل کی طرف جانا ہے۔" آئیون نے جواب دیا۔ اس کے ہاتھ میں رول کیے ہوئے نوٹوں کی گڈی تھی۔

☆☆☆

جیمی نے صبح کی نمودار ہوتی روشنی میں باہر موجود پولیس کار کو دیکھا۔ یہ ظاہر شیرف نے اسے جیمی کی حفاظت کے لیے یہاں چھوڑا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ مارشا کا قاتل اور جیمی کو یرغمال کرنے والا واپس نہ آجائے مگر جیمی جانتی تھی وہ بھی مشکوک ہو گئی تھی کہ پولیس اصل میں اس کی نگرانی کر

رہی تھی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا مگر پولیس کی موجودگی میں وہ نکل نہیں سکتی تھی اور یہاں سے جانے کی کوئی وضاحت بھی پیش نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے لباس تبدیل کیا اور پھر موبائل سے نائن ون ون کو کال کی۔ ''ہائی وے انیس پر گیس اسٹیشن میں دھماکا ہوا ہے اور گن شاٹ کی آوازیں آرہی ہیں۔''

جیمی نے کہتے ہی کال کاٹ دی اور پھر جھاڑ کر پولیس کار کی طرف دیکھا۔ اس کی اوپری روشنیاں مخصوص انداز میں بلند ہوئیں۔ اس کے ریڈیو پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ چند لمحے بعد کار حرکت میں آئی اور گھوم کر ہائی وے کی طرف چلی گئی اور ہائی وے پر پہنچتے ہی اس کا سائرن آن ہوگیا۔ جیمی تیزی سے بیڈروم میں آئی اور ...... سوٹ کیس نکال کر اس میں اپنے کپڑے بھرنا شروع کردیے۔ پھر اس نے ایک دراز کھولی اور اس میں موجود لاکھ ڈالرز کی دو گڈیاں اٹھائیں۔ یہ رقم اس نے بیگ سے نکالی تھی اور اس کی جگہ اپنی رقم کا رول رکھ دیا تھا۔ کیونکہ اس کی جیکٹ کی جیب میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی اگر وہ رول بھی رکھتی تو جیب نمایاں ہوجاتی۔ دونوں جیبوں میں ایک ایک گڈی آگئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ آئیون واپس آئے گا اور وہ اس کی آمد سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اچانک نیچے گھنٹی بجی اور وہ سیڑھیوں سے نیچے آئی۔ اس نے پہلے جھانک کر دیکھا مگر کاؤنٹر کے سامنے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے باہر جھانکا مگر اس طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ لیکن کوئی تو تھا جس نے گھنٹی بجائی تھی۔ اچانک کاؤنٹر کے دوسری طرف سے آئیون نمودار ہوا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ اس کے تاثرات خوفناک تھے۔

''پلیز میری بات سنو۔''

''تم نے مجھے دھوکا دیا۔'' آئیون دانت پیس کر بولا۔ ''صرف دھوکا نہیں دیا تم نے میری موت کا سامان کردیا تھا۔''

''مجھ سے غلطی ہوئی۔'' جیمی بولنے لگی۔ وہ شیشے کے اس طرف تھی مگر یہ شیشہ گولی نہیں روک سکتا تھا۔ ''میں مجبور تھی۔ میں انشورنس کے جال میں پھنسی ہوں۔ مجھے ڈیڑھ لاکھ ڈالرز ادا کرنے ہیں ورنہ یہ موٹیل مجھ سے چھن جائے گا اور موٹیل چھن گیا تو حکومت آئرن بھی مجھ سے چھین لے گی۔ میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ جیسا تم نے کہا ویسا ہی کیا۔ تو میں حق دار بھی ہوگئی تھی۔ میں نے صرف اسی لیے یہ کام کیا۔''

آئیون کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا تو جیمی منت سماجت پر اتر آئی۔ ''پلیز... پلیز مجھے معاف کردو۔''

ایک صاحب ریستوران میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سامنے سے فائر بریگیڈ کی گاڑی گزرتی نظر آئی۔ وہ صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔ ''وہ چلی فائر بریگیڈ کی گاڑی اور یہ چلا میں۔''

ایک دوست نے کہا۔ ''لیکن تم فائر مین تو نہیں ہو؟''

وہ صاحب بولے۔ ''میں فائر مین نہیں ہوں... لیکن میری محبوبہ کا شوہر تو فائر مین ہے۔''

آئیون کا ہاتھ باہر آتے دیکھ کر جیمی نے آنکھیں بند کرلیں۔ مگر پھر آواز پر کھول کر دیکھا تو آئیون نے اس کی رول کی ہوئی گڈی کاؤنٹر پر رکھ دی تھی، پھر اس نے نیچے سے بیگ اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھا۔ ''یہ تمہارا حصہ ہے۔''

آئیون یہ کہہ کر باہر کی بڑھا۔ اس نے شیشے کا دروازہ کھولا اور باہر آیا تھا کہ ساکت ہوگیا۔ جیپ کے اسٹیئرنگ پر بیٹھے آئزک نے اس کی طرف دیکھا اور اچانک آئیون کے سینے پر ایک سرخ دھبا نمودار ہوا اور پھر فائر کی آواز آئی، یہ ایک فائر نہیں تھا۔ ہر فائر کے ساتھ آئیون کے سینے پر سرخ دھبے نمودار ہورہے تھے۔ فائر کرنے والا آسکر تھا۔ آئزک اپنا پستول نکالتا ہوا نیچے اترا تھا کہ آسکر نے پستول کا رخ اس کی طرف کردیا اور باقی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ آئزک بھی وہیں ڈھیر ہوگیا۔ جیمی منہ پر ہاتھ رکھے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آئیون آفس کے دروازے کے پاس ڈھیر تھا۔ آسکر اس کے نزدیک آیا اور اس پر تھوک دیا۔ پھر اس نے جیمی کی طرف دیکھا اور اندر آیا تو وہ ڈر کر اوپر کی طرف بھاگی۔ آسکر نے کاؤنٹر پر رقم والا بیگ دیکھا اور اسے کھولا۔ اس میں پچاس ہزار والی چار گڈیاں تھیں۔ اس نے رقم کا رول بھی اس میں ڈالا۔ بیگ شانے پر ٹانگ کر اس نے دروازے کے لاک پر فائر کرکے اسے کھولا اور اندر آگیا وہ چلا کر بولا۔

''کتیا تو بچ نہیں سکتی۔''

آسکر کے تاثرات وحشیانہ ہورہے تھے۔ سرخ آنکھیں اور دیوانگی سے بھرپور چہرہ۔ جب وہ اوپر آیا تو جیمی اپنے کمرے میں کھڑی تھی وہاں فرار کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔ آسکر نے اندر آکر دیکھا اور کھلے سوٹ کیس پر نظر ڈال کر بولا۔ ''تو تم بھاگ رہی ہو؟''

''آسکر اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ اس شخص نے مجھے یرغمال بنا رکھا تھا۔ اس نے آئرن کو قتل کرنے کی دھمکی

دی تھی۔ میں اس کی بات ماننے سے انکار کرتی تو وہ مجھے اور آئرن دونوں کو قتل کر دیتا۔''

''قتل تو میں کروں گا۔'' آسکر بولا۔ ''اس کُتّے نے میری بیوی کو ہی قتل نہیں کیا میرا کیریئر بھی تباہ کر دیا۔ اب میں چھپتا پھر رہا ہوں۔ تو نے اس کا ساتھ دیا۔''

''نہیں...''

''بکواس نہ کر۔'' آسکر نے اسے تھپڑ مارا۔ ''یہ رقم وہ کس لیے دے کر جا رہا تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔'' جیمی سسکنے لگی۔

''مارشا کے سر میں گولی لگی تھی۔'' آسکر نے پیچھے ہٹ کر پستول تان لیا۔ ''تیرے بھی سر میں سوراخ کروں گا۔''

جیمی نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں مگر جب آسکر نے گولی چلائی تو پستول سے صرف ٹرچ کی آواز نکلی۔ اس نے بار بار ٹریگر دبایا۔ جیمی نے اسے پستول کے ساتھ مصروف دیکھا تو پیڈسٹل لیمپ اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ اس کی ضرب زوردار تو نہیں تھی لیکن آسکر کی توجہ ہٹی تو اسے بھاگنے کا موقع ملا۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں سے نیچے آئی مگر آسکر بھی بہت تیزی سے آیا تھا، وہ کیبن کا دروازہ کھول کر نکلی تھی کہ آسکر نے اسے آلیا اور نیچے گرا کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ وہ غراتے ہوئے بولا۔ ''اچھا ہوا گولی نہیں چلی اب میں تجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔''

سانس رکا تو جیمی ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ اس نے دونوں پاؤں اس کے پیٹ پر جمائے اور اچانک پوری قوت سے اسے پیچھے اچھالا۔ آسکر اچھل کر شیشے کے دروازے سے ٹکرایا اور اسے توڑتا ہوا گرا تو آدھا اندر تھا اور آدھا باہر تھا۔ کچھ دیر وہ ساکت پڑا رہا پھر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ جیمی سانس لیتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ پھر آسکر بہ مشکل اٹھا تو جیمی نے دیکھا شیشے کا ایک ٹکڑا اس کے پیٹ میں گھس گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ آسکر نے دہشت زدہ نظروں سے شیشے کے ٹکڑے کو دیکھا اور اسے کھینچ کر نکال دیا۔ شیشہ نکلتے ہی خون بہنے کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ گرنے سے بیگ کھل گیا تھا اور اس سے گڈیاں نکل کر بکھر گئی تھیں۔ آسکر اپنے زخم کی پروا کیے بغیر نوٹ سمیٹنے لگا۔ بہ مشکل گڈیاں سمیٹ کر اس نے بیگ میں ڈالیں اور جانے لگا مگر سڑک تک پہنچتے پہنچتے اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ جیمی سست قدموں سے چلتی باہر آئی۔

گرنے سے ایک گڈی کھل گئی تھی اور اس سے نوٹ نکل کر بکھر رہے تھے۔ وہاں تین لاشیں تھیں جو اس دولت کی خاطر جان سے گئیں۔ اسی لمحے فضا میں پولیس سائرن کی آواز گونجی تو جیمی چونکی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ شیرف کو بیان دے رہی تھی۔ منظر اس کے بیان کی تائید کر رہا تھا۔ شیرف نے اس کا بیان ریکارڈ کرنے کے بعد پوچھا۔ ''اب تم کیا کرو گی؟''

''میں سب سے پہلے اپنی بچی سے ملنا چاہوں گی۔'' جیمی نے کہا۔ شیرف نے سر ہلایا۔

''تم چاہو تو اسے بلا لو لیکن ابھی تم یہاں نہیں رک سکتیں۔ تمہیں پولیس کی طرف سے کسی ہوٹل میں ٹھہرایا جائے گا۔ تم اندر سے اپنا سامان اٹھا لو۔''

جیمی جانے لگی تو پیچھے سے شیرف نے آواز دی۔ ''ہمیں جیپ سے کوئی رقم نہیں ملی ہے۔ اگر یہ تمہیں بیگ دینے آیا تھا تو اس کی رقم کہاں ہے؟''

جیمی رکی پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتی۔''

وہ اوپر آئی اس نے سوٹ کیس میں اپنے کپڑے اور سامان رکھا۔ پھر کچھوے کا پنجرہ اٹھایا اور اس کا نچلا حصہ کھول کر دیکھا تو اس میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں، یہ وہ آٹھ لاکھ ڈالرز تھے جو جیمی نے جیپ سے حاصل کیے تھے۔ ایک لاکھ ڈالرز وہ پہلے نکال چکی تھی اور سات لاکھ اسے جیپ سے ملے تھے۔

کہ اس کی رقم کا رول بیگ میں تھا جو پولیس کو آسکر کی لاش کے پاس سے ملا تھا اور جیمی پہلے ہی اس سے رول نکال چکی

سوٹ کیس اور کچھوے کا پنجرہ لے کر وہ باہر آئی تو سامنے ہیلن کی کار رک رہی تھی، اور پھر اس سے آئرن اتر کر اس کی طرف دوڑی۔ جیمی نے سامان نیچے رکھا اور آئرن کو بانہوں میں بھر لیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ یہاں نہیں آئے گی۔ موٹیل انشورنس کمپنی کے حوالے کر دے گی جو اسے نیلام کر دے۔ خود وہ کچھ عرصے بعد بینک سے قرض لے کر نئی ہائی وے پر نیا موٹیل کھول لے گی اور آٹھ لاکھ ڈالرز بزنس کو ترقی دینے کے لیے بہت تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس بار وہ اپنی رہائش موٹیل کے ساتھ نہیں رکھے گی بلکہ قصبے میں رہے گی جہاں اسے اور آئرن کو پڑوسی اور دوست مل سکیں۔ آئرن نے چاروں طرف دیکھا اور بولی۔

''مام یہاں کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں میری جان آؤ چلیں۔'' جیمی کھڑی ہوگئی اور سامان سمیت شیرف کی پولیس کار کی طرف بڑھ گئی۔

بلند و بالا علاقوں میں موسم سرما طوفان خیز ثابت ہوتا ہے... مختلف سمتوں سے اٹھنے والی تندوتیز طوفانی ہوائیں اور برفانی تودے پہاڑیوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے میں بکھرا کے رکھ دیتی ہیں... ایسے میں ہر راستہ خطرناک تر ہو جاتا ہے... ان برف سے ڈھکی ڈھلواں پگڈنڈیوں... پہاڑی راستوں پر چلنے کا اپنا لطف ہے... تفریحی دورے پر جانے والے ایک گروپ کی موج و مستیاں... ہر شخص موسم کی اداؤں اور وادی کے دلفریب حسن کا اسیر ہو چکا تھا... مگر اچانک ہی خوشی و مسرت کے یادگار لمحات میں سنگین سازش اور بارود کی بو نے ہر ایک کو لرزہ براندام کر دیا...

کاشف زبیر

آخری جواب

درمیانے سائز کی بس اس پہاڑی سڑک پر بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ سڑک نہ صرف تنگ تھی بلکہ اس پر برف باری کی وجہ سے پھسلن بھی تھی۔ برف صاف کرنے والوں نے ٹھیک سے برف صاف نہیں کی تھی اور سڑک پر خاصی برف کیچڑ کی صورت میں موجود تھی اور اس پر ذرا سی تیز رفتاری مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے کریم بھائی سر جھکائے پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے عقب میں سیٹوں پر دو درجن افراد تھے۔ ان میں خواتین و حضرات کی تعداد تقریباً مساوی تھی۔ بس پر ایک معروف یونیورسٹی کا نام اور مونوگرام پرنٹ تھا۔ پیچھے موجود افراد میں سے بیس کے قریب طلبا تھے۔ ان کے ساتھ دو مرد اور دو خواتین لیکچرر تھیں۔ مردوں میں شمشاد علی اور ریاض شامل تھے۔ ان کا تعلق انگلش ڈیپارٹمنٹ سے تھا مگر وہ ایڈمنسٹریشن میں تھے۔ شمشاد علی ایڈمن آفیسر تھا اور ریاض بھی اس کے مساوی عہدہ رکھتا تھا۔

خواتین لیکچرر کا تعلق بھی اسی ڈیپارٹمنٹ سے تھا۔ ثمینہ حسن فکشن پڑھاتی تھی۔ جبکہ شاہدہ سید انگریزی شاعری پر لیکچر دیتی تھی۔ بیس طلبا جن میں گیارہ لڑکے اور نو لڑکیاں شامل تھیں۔ انگلش لٹریچر ماسٹر کے فائنل سمسٹر سے تھے۔ آخری امتحان سے پہلے یونیورسٹی کی طرف سے یہ ان کا آخری تفریحی ٹور تھا۔ ان کی منزل ایک شمالی تفریح گاہ تھی۔ سرما میں وہاں شدید برف باری ہوتی تھی اور وہ اسی کا لطف اٹھانے جا رہے تھے۔ کل پانچ دن کا ٹور تھا، ضابطۂ اخلاق کے مطابق لڑکے اور لڑکی برابر نہیں بیٹھ سکتے تھے اس لیے مجبوراً ان میں سے کچھ آگے پیچھے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کا تعلق پر کلاس یا مڈل اپر کلاس سے تھا اور یونیورسٹی کا ماحول بھی کھلا ڈلا تھا اس لیے مل بیٹھنے کی پابندی انہیں کھل رہی تھی۔

البتہ زارا خوش تھی۔ اسے اپنی ساتھی لڑکیوں کے برعکس لڑکوں سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے بغیر بھی خوش رہ سکتی تھی۔ زارا کا تعلق ایک تعلیم یافتہ اور بیوروکریٹ گھرانے سے تھا۔ اس کا باپ احسن علی اٹھارہ گریڈ کا افسر تھا اور ماں منیزہ سرکاری کالج میں انگریزی کی لیکچرر تھی۔ ان میاں بیوی نے اپنے بچوں میں بھی تعلیم کا ذوق پیدا کیا تھا۔ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے بعد زارا ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھی اور اسی لحاظ سے لاڈلی بھی تھی۔ جب اس نے یونیورسٹی کی طرف سے شمالی علاقے جانے والے ٹور کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو ماں باپ فکر مند ہو گئے اور دونوں بڑے بھائیوں نے مخالفت کی کہ آج کل حالات اچھے نہیں ہیں۔ مگر زارا مچل گئی۔ اتفاق تھا کہ اب تک یونیورسٹی کی طرف سے جو دو ٹورز ہوئے تھے زارا ان میں کسی نہ کسی وجہ سے شامل ہونے سے رہ جاتی تھی۔ اس لیے اب وہ بہر صورت جانا چاہتی تھی اور پھر اسے برف باری دیکھنے کا بھی جنون تھا۔ بچپن سے وہ ہر سال گھر والوں کے ہمراہ برف باری دیکھنے نزدیکی ہل اسٹیشنز جاتی تھی۔

زارا اکیس برس کی خوب صورت لیکن معصومانہ نقوش والی لڑکی تھی۔ نازک چھریری جسامت کی وجہ سے سترہ اٹھارہ سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ براؤن لیئر کٹ بال اس کی دلکشی میں اضافہ کرتے تھے۔ وہ ثومی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ثومانہ عرف ثومی اس کی بہترین دوست تھی۔ ثومی نسبتاً کم قد کی لیکن بہت حسین اور شوخ لڑکی تھی۔ زارا کے مقابلے اس کا جسم بھرا ہوا تھا اور ہر لباس اس پر جچتا تھا۔ اس کا باپ بھی بیوروکریٹ تھا اور اتفاق سے ثومی کی رہائش بھی زارا کے گھر کے پاس تھی اس لیے وہ یونیورسٹی کے بعد بھی آپس میں ملتی تھیں۔ خاص طور سے چھٹی کے دن وہ لازمی ایک بار ملتی تھیں۔ زارا کی طرح ثومی کو بھی لڑکوں سے دلچسپی نہیں تھی اور ان کا گروپ صرف لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ ثومی اپنے اسمارٹ فون پر کلاس فیلوز کی بے خبری میں بنائی ہوئی تصاویر دکھا رہی تھی اور دونوں ہنس رہی تھیں۔ برابر والی نشستوں پر دو لڑکے شایان اور راحیل بیٹھے تھے۔ وہ ذرا فلرٹی مزاج کے مگر بے ضرر قسم کے لڑکے تھے۔ ان کے مسلسل ہنسنے پر راحیل نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ہمیں بھی پہلے بہت ہنسی آتی تھی۔"

شایان نے اس کی تائید کی۔ "اب کسی بات پر نہیں آتی۔"

زارا اور ثومی خاموش ہو گئیں پھر ثومی نے کہا۔ "اگر سنجیدگی کے مریض دن میں یک بار ذرا غور سے آئینے میں اپنی صورت دیکھ لیا کریں تو ان کے مرض میں خاصا افاقہ ہو گا۔"

"لے بھئی بے عزتی ہو گئی۔" شایان بولا۔

اس بار زارا نے کہا۔ "ثومی، یہ بے عزتی ان کی ہوتی ہے نا جن کی کوئی عزت ہو۔"

شاہدہ سید نے درست موقع پر مداخلت کی کیونکہ راحیل اور شایان کے چہرے مکدر ہو گئے تھے۔ "فیلوز، پلیز سفر کو انجوائے کریں۔ اسے انگریزی والا سفر نہ بنائیں۔"

"سوری مس۔" ان چاروں نے ایک آواز ہو کر کہا تو سب پھر معمول کے مطابق ہو گیا۔ وہ صبح نو بجے یونیورسٹی سے روانہ ہوئے تھے۔ ایک بجے وہ لنچ کے لیے ایک ہوٹل میں رکے تھے اور اس کے بعد دوبارہ سفر کر رہے تھے۔ ہل اسٹیشن کے ایک ہوٹل میں ان کے لیے کمرے بک تھے۔ کل دس کمرے بک کیے گئے تھے۔ ہر کمرے میں دو سے تین افراد ٹھہرتے۔ مگر ہل اسٹیشن ابھی دور تھا اور بس جس رفتار سے چل رہی تھی، وہ رات تک ہوٹل پہنچتے نظر نہیں آ رہے تھے اس لیے شمشاد علی نے اٹھ کر ڈرائیور سے کہا۔ "کریم بھائی ہمیں آج ہی پہنچنا ہے، اس رفتار سے تو ہم صرف آ جا سکیں گے وہاں اترنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

"اس سے زیادہ رفتار کی صورت میں بھی ہم وہاں نہیں پہنچ سکیں گے، شاید کہیں اور پہنچ جائیں۔" کریم بھائی نے جواب دیا۔ "ویسے صرف یہی حصہ مشکل ہے۔ اس سے نکل جائیں تو رفتار بھی بڑھ جائے گی، آپ بے فکر رہیں ہم

آج ہی ہل اسٹیشن پہنچیں گے۔"

تشویش صرف بڑوں کو تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں بے فکر تھے کہ رات پہنچیں گے یا نہیں۔ وہ مستقبل سے بے نیاز اپنے حال میں مگن تھے۔ سب کے اپنے اپنے گروپ تھے اور وہ گپ شپ کے ساتھ اپنی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اس لیے جب تاریکی ہوئی تو وہ کچھ دیر بعد چونکے تھے۔ شایان نے کہا۔ "ابھی تک راستے میں ہیں۔"

"شکر ہے تم لوگوں کو بھی ہوش آیا۔" ریاض نے طنز کیا۔ کیونکہ وہ بھی ایڈمن میں تھا اس لیے اس کا واسطہ طلبا سے اس وقت پڑتا تھا جب ان کی کوئی شکایت آتی تھی اور اسی وجہ سے اس کا رویہ طلبا کے ساتھ مستقل طنزیہ سا تھا۔ کریم بھائی نے بس کی رفتار بڑھادی تھی کیونکہ وہ اس وقت ایک ہائی وے پر سفر کر رہے تھے اور اس کا معیار عام سڑکوں کے مقابلے میں بہت اچھا تھا۔ شایان نے ریاض کو آگاہ کیا۔

"صرف مجھے ہوش آیا ہے سر، باقیوں کو ہوش میں لانا ہوگا۔"

"بس کریم بھائی چلا رہا ہے۔" شمشاد علی نے ریاض سے کہا۔ "اچھا ہے یہ آپس میں مگن رہیں، کم سے کم میں اس وقت کوئی فساد دیکھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"سر فساد کے عادی بلکہ شوقین ہیں۔" شایان نے پھر کہا۔ "اس لیے انہیں خاموشی اچھی نہیں لگ رہی ہے۔"

اس دوران میں دوسرے بھی چونکنے لگے تھے اور اس قسم کی آوازیں اٹھ رہی تھیں کہ اب تک سفر میں کیوں ہیں اور منزل پر کب پہنچیں گے۔ شمشاد نے ریاض کو آگے کر دیا۔ "لو ہوش آگیا سب کو، اب جواب دو۔"

"میں کیا جواب دوں؟" اس نے بدمزگی سے کہا۔ "کیا میں بس چلا رہا ہوں۔"

"سر، اگر آپ کو میری ڈرائیونگ پر اعتراض ہے تو آپ اسٹیئرنگ سنبھال سکتے ہیں۔" کریم بھائی نے مڑ کر کہا تو سب نے شور مچایا۔

"ہرگز نہیں... بالکل نہیں۔"

ایک مختصر سی ہڑبونگ کے بعد حالات دوبارہ معمول پر آگئے مگر اس بار لڑکے اور لڑکیاں اونگھنے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ سفر اب بھی ایک گھنٹے کا باقی تھا۔ زارا نے اپنی سیٹ پیچھے سرکائی اور آرام کرنے لگی۔ ثومی نے ہینڈ فری لگا لیا اور میوزک سننے لگی۔ سے پاپ کا کریز تھا۔ نیند کے ساتھ بھوک بھی ستا رہی تھی اور جو اونگھ نہیں رہے تھے، وہ اپنے ساتھ لائی کھانے پینے کی چیزوں سے بھوک کو بہلا رہے تھے۔ نو بجے بس ہل اسٹیشن پہنچی اور ہوٹل کے سامنے رکی تو وہاں ہُو کا عالم تھا مگر جب لڑکے لڑکیاں نیچے اترے اور ہوٹل کی بیرونی روشنیاں آن ہوئیں تو ماحول بدل گیا۔ وہ اندر آئے۔ راستے میں شمشاد علی نے بذریعہ ایس ایم ایس ہوٹل کے منیجر کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ نو بجے کے پاس پہنچیں گے اس لیے مہربانی کر کے ڈنر تیار رکھا جائے۔ اس ایس ایم ایس کی وجہ سے انہیں ڈنر تیار اور گرم گرم ملا۔ سب نے ڈٹ کر کھایا پھر چائے اور کافی سے شغل کیا۔ اس دوران میں ان کا سامان ان کے کمروں میں پہنچایا جاتا رہا۔ یہ ذمے داری شمشاد اور ریاض نبھا رہے تھے کیونکہ طلبا یہاں پہنچتے ہی سامان سے لاتعلق ہو گئے تھے۔ اس پر ریاض بھنا گیا۔

"اچھا ہے جب کچھ غائب ہوگا تب ہوش آئے گا۔"

"کچھ غائب ہوا تو مسئلہ ہوگا۔" شمشاد نے خبردار کیا۔ "وی سی نے کہہ دیا ہے کوئی مسئلہ نہ ہو۔"

اس پر ریاض کے منہ سے ایک گالی نکلی مگر وہاں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ مجبوراً انہوں نے اپنی نگرانی میں تمام پیک سامان کمروں میں پہنچایا۔ دو ویٹرز ان کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ بیگوں پر لگی چٹوں سے نام دیکھ کر کمروں میں سامان رکھا گیا پھر ان کے دروازے لاک کر کے وہ نیچے آئے تو کھانا لگ گیا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں دس بجے ہی اپنے کمروں میں چلے گئے۔ زارا، ثومی اور ایک لڑکی اسیمہ کو ایک کمرا ملا تھا اس میں تین عدد سنگل بیڈ تھے۔ ہوٹل سینٹرلی ہیٹڈ تھا اس کے باوجود سردی خاصی تھی۔ تاہم باہر کے مقابلے میں خاصی کم تھی۔ ورنہ انہیں ہوٹل میں بھی سوئیٹرز اور گرم چیزوں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسیمہ اور ثومی فوراً اپنے بھاری کمبلوں میں گھس گئیں مگر زارا نے سب سے پہلے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ ہل اسٹیشن ایک نسبتاً کم ڈھلان والی بڑی سی پہاڑی پر تھا۔ نیچے سے بل کھاتی سڑک اوپر تک گئی تھی۔ ڈھلان کے اوپری حصے تک ہوٹل، ریسورٹس اور لوگوں کے نجی بنگلے بنے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر اونچے درختوں پر مشتمل جنگل تھا اور مزید اوپر ایک پہاڑ اور تھا جو تقریباً پورا برف سے ڈھکا ہوا تھا اور اس میں کہیں کہیں درخت بھی لگے ہوئے تھے۔ آسمان پر پورا چاند تھا اس لیے سارا منظر نہایت واضح تھا۔

"واؤ۔" زارا نے کہا۔ "کتنا خوب صورت منظر ہے۔"

منظر ثومی کی بھی مجبوری تھے اس لیے وہ فوراً کمبل سے نکل آئی اور اس نے باہر دیکھ کر زارا سے اتفاق کیا۔ زارا نے کہا۔ ''کل ہم وہاں جائیں گے۔''
ثومی نے کہا۔ ''تم بھول رہی ہو اکیلے کہیں جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔''
''یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں سب جانا پسند کریں گے۔''
زارا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ثومی ٹھیک کہہ رہی تھی۔
اس نے اس منظر کی اپنے کیمرے سے کچھ تصویریں لیں اور پھر بستر میں گھس گئی۔ خوش قسمتی سے بستر، بیڈ شیٹ، تکیے اور کمبل صاف ستھرے اور بے بو تھے۔ ورنہ زارا اور ثومی خوشبو کا بندوبست کرکے آئے تھے۔ کچھ دیر ستانے کے بعد وہ کمبلوں سے نکل آئے۔ امیمہ نے ٹی وی لگا لیا تھا۔ کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ تھا اور اس میں گرم پانی بھی آرہا تھا مگر انہوں نے صرف منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا تھا۔ زارا بالوں میں برش کر رہی تھی۔ ثومی واش روم سے آئی۔
''چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''
''سو جاؤ یہاں کی چائے زیادہ اچھی نہیں ہے۔'' زارا نے کہا۔ ''اس کے مقابلے میں کافی اچھی تھی۔''
''تو کافی منگوا لیتے ہیں۔''
''تم منگوالو میں تو سوؤں گی۔'' زارا نے برش رکھا اور اپنی طرف کی لائٹ بند کرکے کمبل میں گھس گئی۔ سارے دن سفر کی تھکن تھی اس لیے سب جلد سو گئیں۔ ہوٹل کا بیشتر عملہ پہلے ہی سونے کے لیے جا چکا تھا۔ ریسیپشن خالی تھا۔ لاؤنج میں ایک ویٹر کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔ اتنے میں ایک سایہ خاموشی سے لاؤنج میں آیا اور اس نے ریسیپشن پر موجود فون اٹھا کر ایک نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر بولا۔ ''وہ لوگ آگئے ہیں۔''
اس نے ایک جملہ کہہ کر ریسیور واپس رکھا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

زارا کی آنکھ کھلی تو باہر ابھی تاریکی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ سورج نکلنے والا تھا۔ کیونکہ آٹھ بجے اٹھنا تھا اس لیے اس نے پھر سونے کی کوشش کی مگر نیند نہیں آئی۔ ویسے بھی یونیورسٹی کی وجہ سے اسے جلد اٹھنے کی عادت تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے اٹھ کر اپنی جیکٹ اور جوتے پہنے۔ کمرے میں قالین تھا مگر وہ بھی اتنا سرد تھا کہ اس پر ننگے پاؤں رکھنا مشکل تھا۔ اگرچہ یہ رول کے خلاف ہوتا مگر وہ اونی ٹوپی اور مفلر لے کر باہر نکل آئی۔
ان کے کمرے گراؤنڈ پر تھے کیونکہ سیزن نہ ہونے کی وجہ سے ہوٹل کے ستر فیصد کمرے خالی تھے۔ لاؤنج میں جھانکا تو اسے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ رات سونے والا ویٹر بھی اٹھ کر جا چکا تھا۔ وہ باہر آئی۔ شیشے کے دروازے سے باہر آتے ہی یخ ہوا نے اسے لرزہ دیا تھا۔ اندر اور باہر کے درجہ حرارت میں بہت زیادہ فرق تھا۔ مگر ساتھ ہی ہوا میں ایسی تازگی تھی کہ وہ نہ چاہنے کے باوجود گہرے گہرے سانس لینے پر مجبور ہوگئی۔
لان پر مرجھائی ہوئی گھاس برف تلے دبی تھی اور جہاں جہاں لوگ چلے تھے وہاں سے گھاس جھانک رہی تھی۔ ایک طرف ایک ٹوٹا ہوا اسنومین کھڑا تھا اس کا سر کسی نے توڑ دیا تھا۔ زارا اس کی طرف بڑھی اور اس کا گرا ہوا سر اٹھانے کی کوشش کی مگر لرز کر چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور برف کا گولا نہایت یخ تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ دستانے پہن کر نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ نئی جوڑی لائی تھی۔ لیدر اور اندر گرم فوم کی اشیٹ کے ساتھ یہ دستانے بہت گرم تھے۔ زارا نے غصے کو ٹھوکر ماری مگر اب برف سخت ہو گئی تھی اس لیے اس پر اثر نہیں ہوا۔ کوئی ہنسا تو اسے پتا چلا کہ وہ وہاں اکیلی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا تو ایک درخت کے ساتھ احمر کھڑا تھا۔ احمر ان کی کلاس میں تھا مگر وہ ذرا الگ تھلگ اور کم گو لڑکا تھا۔ براؤن فریم کی عینک کے پیچھے اس کی ذہین آنکھیں چمک رہی تھیں۔ زارا نے اسے بہت کم کسی سے بے تکلف ہوتے دیکھا تھا۔ اسے خفیف ہوتے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہوگیا۔
''سوری میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ میں بے ساختہ ہنس دیا تھا۔''
''کوئی بات نہیں، وی آر کولیگ۔'' زارا نے کہا۔
''میرا خیال تھا کہ اس وقت میں ہی اٹھی ہوں۔''
''مجھے شروع سے صبح اٹھنے کی عادت ہے، فجر پڑھتا ہوں۔'' اس نے کہا تو زارا شرمندہ ہوگئی کیونکہ اسے فجر کی نماز پڑھنے کی عادت نہیں تھی۔ بعض اوقات وہ جلدی اٹھ جاتی اور وقت ہوتا تھا تب بھی نہیں پڑھتی تھی۔
''میرا خیال ہے اندر چلا جائے۔'' زارا نے کہا۔
''دوسرے لوگ اٹھنے والے ہوں گے۔''
''تم جاؤ، میں ذرا باہر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔''
زارا کو خطرہ تھا کہ کسی نے انہیں اتنی صبح ساتھ دیکھ لیا تو بلاوجہ کا اسکینڈل بن جائے گا۔ اگرچہ یہ مذاق ہی ہوتا مگر یہاں مذاق میں بندے کو زیادہ کھینچا جاتا تھا۔ اس بار بھی

اسے کوئی نہیں ملا مگر وہ کمرے میں آئی تو ثومی جاگ رہی تھی۔ اس نے کمبل سے آنکھ نکال کر پوچھا۔ ''کہاں سے تشریف آوری ہو رہی ہے؟''

''باہر سے۔'' اس نے مفلر اتارا۔ ''غضب کی ٹھنڈ ہے لیکن بہت کول مارننگ ہے۔''

''کول مارننگ، کا سب سے زیادہ مزہ گرم بستر میں آتا ہے۔'' ثومی نے کہا تو زارا نے کمبل کھینچ کر اس کے جملے کی داد دی۔

''زارا کی بچی مارے گی کیا۔'' اس نے جلدی سے کمبل واپس کھینچ لیا۔

''اٹھ جاؤ اب، میں اکیلی بور نہیں ہوں گی۔'' زارا نے وارننگ دی۔ ''اگلی بار پانی گرے گا۔''

''خدا کے لیے کیا آج تم میں بیک وقت ہٹلر اور چنگیز خان کی روح سما گئی ہے۔'' ثومی اٹھ بیٹھی۔ اسی لمحے شاہدہ سید نے دروازہ بجایا۔

''لڑکیو... اٹھ جاؤ، آٹھ بجے ناشتا ہے اور نو کے بعد ناشتا نہیں ملے گا۔''

دوسری اطلاع نے انہیں مجبور کیا کہ جلد از جلد تیار ہو کر ڈائننگ ہال پہنچ جائیں۔ وہاں ساری رونق ان کی پارٹی کی تھی۔ اس کے علاوہ مشکل سے چھ سات افراد تھے۔ ناشتے میں فرمائشی پروگرام رد کر دیا گیا اور باورچی نے اطلاع دی کہ ناشتا انڈے پراٹھے پر فکس ہے۔ اس کے علاوہ صرف ابلا ہوا انڈا مل سکتا تھا۔ مجبوراً سب نے اسی ناشتے پر گزارا کیا۔ مگر مختلف طرح کے آملیٹس اور پیاز کے ساتھ بنے انڈوں نے گرما گرم پراٹھوں کے ساتھ مزہ دیا تھا۔ چاروں بڑے الگ میز پر ناشتا کر رہے تھے اور آپس میں دھیمی آواز میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ زارا کا خیال تھا کہ گفتگو کا مرکزی نقطہ یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں کس طرح زیادہ سے زیادہ بور کیا جائے۔ ان کا بس چلتا تو ہوٹل سے ہی نہ نکلتے مگر اس صورت میں بغاوت کا خطرہ تھا۔ زارا نے ٹشو پیپر پر لکھا۔ ''سب اوپر برف والی ڈھلان پر چلنے کو کہیں گے۔''

اس نے ٹشو سب کو پاس کرنا شروع کر دیا۔ سب نے پڑھا جو راضی تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا اور جو راضی نہیں تھا اس نے نفی میں ہلایا۔ مگر نفی والے بس تین چار تھے باقی سب راضی تھے۔ اس لیے ناشتا مکمل ہوتے ہی سب چار بڑوں کی میز کے گرد جمع ہو گئے۔ شاہدہ سید نے عینک کے اوپر سے انہیں دیکھا۔ ''اینی پرابلم۔''

''نو میڈم۔'' شایان نے کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ ہم اوپر ڈھلان پر جانا چاہتے ہیں۔''

''تم سب؟'' ریاض نے پوچھا۔ اس کا منہ پہلے ہی بن گیا تھا۔

''ہاں ہم سب۔'' زارا بولی۔ ''صرف اسی صورت میں ہم ہوٹل سے باہر جائیں گے۔''

''کیا یہ دھمکی ہے؟'' شاہدہ سید بولی۔ وہ شاعری پڑھاتی تھی مگر لہجہ نہایت غیر شاعرانہ تھا۔

''نہیں میڈم۔'' ثومی نے شیریں لہجے میں کہا۔ ''یہ اطلاع ہے۔''

''ڈھلان بہت اوپر ہے۔'' ریاض نے انکار کی تمہید باندھی۔

''بہت اوپر بھی نہیں ہے۔ میں نے بوڑھے لوگوں کو اس سے زیادہ اوپر جاتے دیکھا ہے۔ ہم تو سب ینگ ہیں۔'' شایان نے کہا۔

''رئیلی سب ینگ ہیں؟'' رائیل نے سنجیدہ شرارت سے پوچھا۔

اس کے بعد باقی سب نے مل کر ایسے جملے کسے اور بگ فور پر دباؤ ڈالا کہ انہیں ان کی بات ماننا پڑی مگر ساتھ ہی شرائط کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا جو طلبہ نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیں اور سر ہلاتے رہے۔ منظوری ملتے ہی سب تیاری کے لیے اپنے کمروں کی طرف بھاگے تھے۔ سب نے اپنے بھاری کپڑے نکال کر پہنے۔ برف میں چلنے کے لیے خاص لانگ شوز تھے جن میں برف اندر نہیں جا سکتی تھی۔ گلوز، سنو گاگلز، مفلر اور اونی ٹوپیاں سب کے پاس تھیں۔ اس کے علاوہ کیمرے تھے۔ جن کے پاس کیمرے نہیں تھے وہ اپنے اسمارٹ فونز سے کیمرے کا کام لیتے۔ زارا کے پاس بہترین قسم کا ڈیجی کیم تھا۔ اس میں زوم لینس بھی لگا تھا۔ یہ اعلیٰ درجے کی تصویریں لینے کے ساتھ ڈی وی ڈی کوالٹی کی مووی بھی بناتا تھا۔ زارا نے اس کی بیٹری فل کر لی تھی مگر پھر بھی احتیاطاً چیک کی۔ ثومی کے پاس نیا آئی فون تھا اور اس کا کیمرا بہت اچھا تھا۔ وہ تیار ہو کر باہر آئے۔

راہداری میں ایک طرف لڑکیوں اور لیکچرر کے کمرے تھے اور دوسری طرف لڑکے اور مرد ٹھہرے تھے۔ کریم بھائی ریاض اور شمشاد کے ساتھ ٹھہرا تھا۔ وہ جاتے ہوئے کریم بھائی کو کمروں کی نگرانی پر چھوڑ گئے تھے۔ بگ فور کا موڈ آف تھا مگر باقی سب خوش تھے۔ وہ سڑک سے

اوپر روانہ ہوئے۔ نیچے زیادہ تر ہوٹل اور ریسورٹس تھے اور بنگلے اوپر بنے ہوئے تھے۔ اوپر جاتے ہوئے سڑک تنگ ہو رہی تھی۔ پھر سڑک ختم ہوگئی اور وہ جنگل میں پگ ڈنڈیوں سے گزرنے لگے۔ یہاں راستے تھے اگرچہ مشکل تھے۔ برف ہر جگہ تھی مگر آبادی اور جنگل میں اتنی نہیں تھی البتہ جب وہ جنگل سے نکلے اور سامنے پیالے نما جگہ تک آئے تو انہیں تاحدِ نگاہ برف نظر آئی۔ اوپر بہت اونچا جاتا پہاڑ تھا۔ اس کے نیچے جنگل تھا اور پیالے نما میدان کے آخری سرے پر ایک کیبن موجود تھا۔ یہ لمبوترا اور کم چوڑا ترچھی چھت والا کیبن تھا۔ چھت پر برف کی موٹی تہ تھی۔ سامنے دروازہ تھا اور عقب میں ایک کھڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ عقب میں ہی آتش دان کی چمنی تھی مگر اس سے دھواں نہیں نکل رہا تھا۔

''کیا غضب کی سردی ہے۔'' ثومی نے ٹھٹھرتے ہوئے کہا۔

''مگر ہوا میں کیسی تازگی ہے۔'' زارا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ راحیل اور شایان ان کے آس پاس تھے۔ غالباً ان کی گفتگو بھی سن رہے تھے اس لیے شایان نے حسبِ عادت تبصرہ کیا۔

''بعض اوقات دمے کا مرض دیر سے ظاہر ہوتا ہے۔''

زارا اور ثومی نے انہیں ناگواری سے دیکھا۔ ثومی بولی۔ ''آؤ کہیں اور چلتے ہیں یہاں ہوا کچھ ڈرٹی ہو گئی ہے۔''

زارا نے سر ہلایا۔ وہ پہاڑ کی زوم لینس سے تصویریں لے رہی تھی۔ اس نے ثومی سے کہا۔ ''کیبن تک چلتے ہیں۔ وہاں سے پہاڑ اور اوپر برف نمایاں ہوگی۔''

لڑکے اور لڑکیاں گروپس کی صورت میں بکھر گئے تھے۔ یہاں آنے کے خیال سے بیزار بگ فور بھی اب ماحول کو انجوائے کر رہے تھے۔ میڈمز نے اسنومین بنانا شروع کر دیا تھا۔ زارا اور ثومی کیبن کی طرف جا رہی تھیں اور دل ہی دل میں دعا کر رہی تھیں کہ انہیں کوئی روکے نہیں۔ اگر بگ فور میں سے کوئی دیکھ لیتا تو انہیں لازمی واپسی کا حکم مل جاتا کیونکہ پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ کوئی الگ نہیں ہوگا۔ خاص طور سے لڑکیوں کے لیے ہدایت تھی کہ انہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونا ہے۔ مگر بگ فور خود مگن ہو گئے تھے اس لیے کسی نے توجہ نہیں دی۔ پارٹی ویسے بھی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

کیبن کے پاس آ کر نہیں احساس ہوا کہ یہ غیر آباد تھا اور اگر یہاں کوئی رہتا بھی تھا تو اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس کے چاروں طرف، اور خاص طور سے دروازے کے سامنے برف ہموار تھی اسی طرح چھت پر بھی بہت موٹی تہ تھی اگر کوئی یہاں رہتا تو لازمی اس برف کو صاف کرتا۔ وہ احتیاطاً کیبن کی آڑ میں آ گئیں۔ اب انہیں بگ فور نہیں دیکھ سکتے تھے مگر پارٹی کے دوسرے ممبر دیکھ سکتے تھے۔ زارا نے ایک جگہ منتخب کی اور یہاں سے پہاڑ اور اس کی ڈھلان پر موجود چھوٹے سے جنگل کی تصویریں لینے لگی۔ ایک بار اس نے زوم لینس استعمال کیا تو اسے برف پر کوئی سنہری چیز حرکت کرتی نظر آئی۔ اس نے لینس اس طرف کیا اور اسے زوم کیا تو وہ آدمی واضح ہو گیا۔ سرخی مائل سنہری لباس میں وہ آدمی بہت تیزی سے اسکیٹنگ کر رہا تھا اور اس کے انداز میں مہارت تھی۔ پھر زارا کی توجہ اس کے پیچھے فرد پر گئی جب اس نے اس پر زوم کیا تو وہ عورت نکلی۔ اس نے بھی سرخی مائل سنہری لباس پہنا ہوا تھا مگر اوپر اس نے سرخ رنگ کی سادہ چادر یوں لپیٹ رکھی تھی کہ وہ اسکیٹنگ میں رکاوٹ نہیں بن رہی تھی۔ وہ بھی بہت مہارت سے اسکیٹنگ کر رہی تھی۔ اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ زارا نے ثومی کو اس طرف متوجہ کیا۔ وہ فکرمند ہو گئی۔

''چلو یہاں سے۔''

''لیکن کیوں؟''

''پتا نہیں کون ہیں اور ہو سکتا ہے یہ کیبن ان کا ہو اور وہ یہاں ہماری موجودگی پسند نہ کریں۔''

''ہم کیبن میں تو نہیں ہیں اس کے آس پاس کی زمین ان کی ہے تو انہوں نے کوئی نشانی نہیں لگائی ہے۔ اس لیے وہ ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' زارا نے سکون سے کہا اور پھر فوٹو گرافی کرنے لگی۔ اس نے مرد اور عورت کی بھی کئی تصویریں لے لی تھیں۔ مگر اس طرح کہ انہیں پتا نہ چلے۔ چند منٹ بعد وہ ان کے سامنے تھے۔ مرد نہایت سرخ و سفید رنگت اور کھڑے یونانی نقوش والا وجیہہ مرد تھا۔ اس کے سرخی مائل براؤن بال ہڈ کے نیچے سے جھانک رہے تھے۔ قد لمبا اور ڈھیلے لباس میں بھی ورزشی جسم نمایاں تھا۔ بلاشبہ وہ وجیہہ ترین مردوں میں سے ایک تھا۔ عورت اس سے ذرا پیچھے تھی۔ اس کا لباس کسی قدر چست اور جسم کو نمایاں کرنے والا تھا۔ وہ بھی نہایت حسین تھی۔ متناسب ترین جسم کے ساتھ بہت دلکش چہرہ تھا۔ خاص طور سے اس کی آنکھیں اور ہونٹ خوب صورت تھے۔ تیزی سے اسکیٹنگ کے باوجود

اس کے کھلے بال سلیقے سے اپنی جگہ سیٹ تھے۔ مگر نہ جانے کیوں زارا کو اس سے خوف محسوس ہوا تھا۔ مرد رک گیا تھا اور عورت آگے آئی۔ اس نے بے تکلفی سے کہا۔

''ہائے کیوٹ گرلز ہاؤ آر یو؟''

''فائن۔'' ثومی نے جواب دیا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''میں سمیرا ہوں اور یہ میرے شوہر ریان ہیں۔'' اس نے تعارف کرایا۔

''یہ تو یونانی لگتے ہیں۔'' زارا نے بے ساختہ کہا۔

سمیرا ہنسی۔ ''یونانی نہیں ہیں مگر ان کا خاندان یونان سے آکر امریکا آباد ہوا تھا۔''

''تو پھر یہ امریکی ہوئے۔'' زارا نے کہا۔

''ہاں مگر اب یہ پاکستانی اور مسلم ہیں۔'' سمیرا نے کہا۔ ''ان کو اردو کم آتی ہے۔''

سمیرا نے انگریزی میں ان کا تعارف کرایا۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا۔ زارا نے بتایا کہ وہ یونیورسٹی کی طرف سے ٹور پر آئے ہوئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ ان سے بے تکلف ہو گئیں۔ زارا نے پوچھا۔

''آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟''

''ہم ٹھہرے نہیں ہیں۔ یہاں ہمارا بنگلا ہے۔'' سمیرا نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں اسکیٹنگ کا شوق ہے اس لیے ہر سرما میں یہاں آتے ہیں ویسے ہم اسلام آباد میں رہتے ہیں۔''

زارا اور ثومی اس حسین جوڑے سے متاثر ہوئے تھے۔ اپنے انداز، لباس اور دوسری چیزوں سے وہ ہائی سوسائٹی کے لگ رہے تھے۔ کچھ دیر ان سے گفتگو کے بعد وہ اسکیٹنگ کرتے ہوئے نیچے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے کیبن کے بارے میں نہ تو ان سے بات کی اور نہ یہ پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ کیبن سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ثومی نے جھانک کر دیکھا اور بتایا۔

''وہ دوسری طرف سے نکل گئے ہیں کسی اور کے پاس نہیں رکے ہیں۔''

''پھر ہمارے پاس کیوں رکے تھے؟'' زارا نے سوال کیا۔ ''راستے میں تو یہ کیبن بھی نہیں آتا ہے۔''

ثومی نے پلٹ کر دیکھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو، وہ تو بالکل دوسری طرف سے گئے ہیں جہاں کوئی نہیں ہے اور اس طرف بھی وہ آؤٹ آف روٹ آئے تھے۔''

''چلو ہو گی کوئی وجہ۔'' زارا نے کہا اور اپنی لی ہوئی تصاویر دیکھنے لگی۔ چار تصاویر میں سمیرا اور ریان نمایاں

دھوکا

نعیم: ''میری بیوی نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔''

خلیق: ''کیا دھوکا دیا؟''

نعیم: ''کہنے لگی کہ اگر تم رات کو دیر سے آئے تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

خلیق: ''اس میں کیا دھوکا ہوا؟''

نعیم: ''اس نے خودکشی نہیں کی۔''

نارتھ کراچی سے طارق علی صدیقی کا صدمہ

رانگ نمبر

قسمت آزمائی کی دھن میں ایک لڑکے نے ایک ٹیلی فون نمبر ملا کر دوسری طرف ریسیور اٹھاتے پر کہا۔ ''ہیلو! آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں۔''

جواب ملا۔ ''نماز پڑھنے کی تیاری۔''

نوجوان جلدی سے بولا۔ ''سوری رانگ نمبر۔''

خوبی

عورتوں میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جب بھی یہ مل کر بیٹھتی ہیں تو ہر اس عورت کی برائی کرتی ہیں جو وہاں موجود نہ ہو۔ اس کے برعکس مردوں میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جب بھی مل کر بیٹھتے ہیں تو ہر اس عورت کی تعریف کرتے ہیں جو ان کی بیوی نہ ہو۔

ٹیلی فون

ایک ننھی لڑکی نے پہلی مرتبہ ٹیلی فون میں اپنے باپ کی آواز سنی اور زار و قطار رونے لگی۔

''کیا ہوا بچی؟'' اس کی ماں نے پوچھا۔

''امی۔'' وہ بچی بولی۔ ''اب ہم اتنے تنگ سوراخ سے ابا جان کو کیسے نکالیں گے؟''

☆☆☆

ایک شخص تمام دن اپنی بکری کو تلاش کرتا رہا مگر بکری نہ ملی۔ رات کو تھک ہار کر گھر لوٹا تو دیکھا بکری گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک کونے میں کھڑی تھی۔

اس شخص کو بہت غصہ آیا اور چھری اٹھا کر بکری کو ذبح کر ڈالا۔ گوشت خود بھی کھایا اور محلے داروں کو بھی کھلایا۔ جب صبح اٹھ کر دیکھا تو بکری تو ایک کونے میں کھڑی تھی مگر کتا غائب تھا۔

ملک نذر حسین عاصم، مردان

تھے۔

''واپس چلیں۔'' ثومی نے کہا لیکن زارا اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے پہاڑ کے بالکل نیچے موجود جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا خیال ہے وہاں تک نہ ہو کر آئیں؟''

''وہ بہت دور ہے۔'' ثومی نے نفی میں سر ہلایا۔

''چلو نا۔'' زارا نے اصرار کیا۔ ''بس اس کے کنارے تک ہو کر آ جائیں گے۔''

ثومی نے انکار کیا مگر کمزور لہجے میں اور زارا کا اصرار بڑھ گیا اس لیے بار اسے ہی ماننی پڑی۔ ثومی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن نیچے والوں کی نظروں سے بچنا ہوگا ورنہ بے عزتی ہوگی۔''

''کیبن کی آڑ میں چلتے ہیں۔'' زارا نے چلنا شروع کر دیا۔

''مگر کب تک؟'' ثومی اس کے پیچھے لپکی۔

''جب تک ممکن ہو۔'' زارا بولی۔ اوپر جانے کے لیے انہیں زور لگانا پڑھ رہا تھا کیونکہ یہاں ڈھلان تھی پھر بلندی بھی تھی، یہاں ہوا ہلکی تھی۔ ان کا سانس پھول رہا تھا اور وہ باقاعدہ ہانپ رہی تھیں۔ دور میدان میں ٹہلتے احمر نے انہیں اوپر جاتے دیکھا تو وہ بھی اس طرف بڑھا مگر اس کا انداز ٹہلنے والا ہی تھا۔ وہ ابھی کیبن سے کچھ دور تھا کہ شایان اور راحیل نے پہلے زارا اور ثومی اور پھر احمر کو دیکھا۔ شایان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کچھ چکر ہے۔ پہلے وہ دونوں اوپر گئیں اور اب احمر جا رہا ہے۔ صبح بھی یہ اور زارا ہوٹل کے لان میں تھے۔''

راحیل چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا اور تم نے بتایا نہیں۔''

''واش روم کے لیے اٹھا تھا۔ ہمارا کمرا لان کی طرف کھلتا ہے۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ تب میں نے دیکھا اور پھر بھول گیا۔ ابھی دیکھا تو یاد آیا۔''

راحیل نے معنی خیز انداز میں شایان کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے ہم بھی چلیں۔''

''ہاں لیکن اس طرف سے نہیں، ہم دوسری طرف سے جائیں گے۔'' شایان نے میدان کے ساتھ چلنے والی درختوں کی ایک چھوٹی قطار کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی آڑ ٹھیک رہے گی۔''

وہ اس طرف بڑھ گئے۔ زارا اور ثومی پیچھے آنے والوں سے بے خبر جنگل تک پہنچ گئیں۔ وہ اب سمیرا اور اس کے شوہر کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ ثومی نے کہا۔ ''سمیرا خوب صورت تھی۔''

''ہاں لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس سے خوف سا آیا۔''

ثومی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ ''کس بات کا خوف؟ دونوں عام سے لوگ ہیں۔''

''ہاں اس کے باوجود مجھے ڈر لگا۔'' زارا بولی اور پہلی بار جنگل کی طرف توجہ دی۔ ''واہ کتنا خوب صورت سا جنگل ہے۔ برف زار کے درمیان چھوٹا سا سر سبز جنگل...''

اس جنگل میں اُگے سارے درخت سدا بہار تھے اور سخت ترین سرما میں بھی ان پر سبز پتے موجود تھے۔ اگرچہ تعداد کم تھی مگر ان کی وجہ سے پورا جنگل بہار کا سا تاثر دے رہا تھا۔ درختوں کے گھنے پن کی وجہ سے وہاں زیادہ برف نہیں تھی۔ یہ جگہ زیادہ بڑی نہیں تھی مگر اونچے درختوں کی وجہ سے بڑے جنگل کا تاثر بن رہا تھا۔ وہ اس کے کنارے موجود تھیں۔ بہت ترچھی ڈھلان پر جابجا چھوٹے بڑے سائز کی چٹانیں تھیں۔ ان کے درمیان راستے نایاب تھے۔ زارا نے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے اندر چلیں؟''

''بالکل، یہاں تک آ گئے ہیں یہی کم نہیں ہے۔ میڈم کو پتا چل گیا تو شامت آ جائے گی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' زارا نے کہا اور جنگل کی تصویریں لینے لگی۔ ''بہت منفرد جگہ ہے برف کے درمیان اتنا سبز جنگل میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے پتے کتنے گہرے سبز ہیں۔''

ثومی وہاں زمین پر پڑے رنگ برنگے پتھر چننے لگی۔ اس قسم کے پتھر پہاڑوں پر عام ملتے ہیں اور لوگ انہیں سووینیئر کے طور پر لے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات سچ مچ کے قیمتی پتھر بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ موسم خشک تھا اور پھر انہوں نے انڈا پراٹھا کھایا تھا اس لیے پیاس لگ رہی تھی اور ثومی نے ہوٹل سے نکلنے سے پہلے پانی پیا تھا۔ اس کا نتیجہ نکلا اور وہ زارا کے پاس آئی۔ اس نے چھوٹی انگلی سے مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ذرا جانا ہے۔''

''ہوٹل تو بہت نیچے ہے۔''

''یہاں جنگل میں کوئی نہیں ہے۔'' ثومی نے کہا۔ ''میں بس ایک منٹ میں آئی۔''

زارا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ثومی اس سے پہلے اوپر کی طرف بڑھ گئی۔ پتھروں پر احتیاط سے چڑھتے ہوئے وہ زارا کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ زارا کچھ دیر کھڑی اس

سمت دیکھتی رہی پھر تصاویر لینے میں مگن ہو گئی۔ اسے کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ ثومی اب تک نہیں آئی ہے۔ زارا نے وقت نہیں دیکھا تھا مگر اس کے اندازے کے مطابق ثومی کو گئے ہوئے دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اور وہ ایک منٹ کا کہہ کر گئی تھی۔ زارا نے اسے آواز دی۔ ''ثومی کہاں ہو؟''

مگر ثومی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ زارا نے دوبارہ آواز دی۔ اس بار بھی جواب نہیں آیا تو وہ تیسری بار چلا اٹھی۔ ''ثومی کی بچی کیوں تنگ کر رہی ہو؟''

''کیا ہوا، ثومانہ کہاں ہے؟'' پاس سے احمر کی آواز آئی تو زارا پہلے تو خوف سے اچھل پڑی مگر پھر احمر کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

''وہ ثومی اوپر گئی تھی مگر اب تک نہیں آئی ہے۔''

''اوپر کہاں...؟'' احمر نے جنگل کی طرف دیکھا۔ ''یہ جگہ تو بالکل غیر آباد لگ رہی ہے۔ ثومی یہاں کیوں گئی؟''

''وہ اسے ایک کام تھا۔'' زارا نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ احمر سمجھ گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کتنی دیر ہوئی ہے اُسے؟''

''دس منٹ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔''

''یہ تو خاصا وقت ہے۔ اسے یوں بے احتیاطی سے نہیں جانا چاہیے تھا۔'' احمر فکر مند ہو گیا۔ ''اسے آواز دو۔''

زارا نے چلا کر ثومی کو آواز دی۔ اس بار بھی جواب نہیں آیا تو احمر بھی آواز دینے میں شامل ہو گیا۔ اسی دوران میں شایان اور راحیل بھی آ گئے۔ ان کے تاثرات معنی خیز تھے مگر جب انہیں پتا چلا کہ ثومی اوپر گئی ہے اور پکار کا جواب نہیں دے رہی ہے تو وہ بھی فکر مند ہو گئے۔ احمر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اوپر جانا ہوگا۔''

زارا اب دوسرے حوالے سے پریشان ہو گئی۔ ''کیا یہ مناسب ہوگا؟''

''دیکھو، وہ جواب نہیں دے رہی ہے۔ شاید اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔ یہ چٹانیں بہت خطرناک لگ رہی ہیں۔ کہیں وہ چوٹ کھا کر بے ہوش نہ ہو گئی ہو۔''

''میں بھی چلوں گی۔'' زارا نے کہا۔ ''میں آگے رہوں گی۔''

''یہ مناسب ہے۔'' احمر نے تائید کی۔ ''ہم لڑکے پیچھے رہیں گے۔''

اس کی بات پر شایان اور راحیل کا منہ بن گیا مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں، البتہ جب وہ پتھروں اور چٹانوں پر چڑھ رہے تھے تو راحیل نے کہا۔ ''کسی کو جا کر بڑوں کو بھی بتانا چاہیے۔''

''ابھی نہیں۔'' زارا نے بے ساختہ کہا۔ ''وہ ہم چھپ کر یہاں آئے تھے اگر بڑوں کو پتا چل گیا تو ہماری شامت آ جائے گی۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' شایان بولا۔ ''لیکن مجھے معاملہ گڑبڑ لگ رہا ہے، ثومی خیریت سے نظر نہیں آ رہی۔''

''اللہ نہ کرے۔'' زارا بولی۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ ثومی خیریت سے ہو۔ اسے بڑوں کی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنی دوست کی فکر تھی کہ اسے کوئی نقصان نہ ہوا ہو۔ اوپر جاتے ہوئے بھی وہ ثومی کو مستقل آوازیں دے رہے تھے۔ درختوں کے درمیان پتھر اور چٹانیں تھیں، مٹی یا ہموار جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ جہاں تھوڑی سی جگہ تھی وہاں پتے اور چھوٹی شاخیں ٹوٹ کر گری ہوئی تھیں، بڑی شاخیں شاید آس پاس رہنے والے اٹھا کر لے جاتے ہوں گے کیونکہ اس لحاظ سے جنگل بالکل صاف تھا۔ جگہ اتنی دشوار تھی کہ وہاں جانور بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ذرا اوپر پہنچ کر وہ پھیل گئے اور الگ الگ جگہوں پر دیکھنے لگے۔ زارا اب روہانسی ہو گئی تھی اور ثومی کو آواز دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ثومی شوخ و چنچل تھی اور اس سے مذاق بھی کرتی تھی مگر اس قسم کا مذاق اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس میں برداشت نہیں تھی کہ مذاق کو زیادہ طول دیتی۔ اگر وہ اس وقت مذاق کر رہی ہوتی تو بہت پہلے ہی ہنسی سے بے قابو ہو کر سامنے آ چکی ہوتی۔ اب زارا کو بھی لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ چکا ہے۔

احمر اب آگے تھا اور وہ جنگل عبور کر کے دوسری طرف برف کی حد تک پہنچ گیا جہاں اب سوائے سفید پہاڑ کے اور کچھ نہیں تھا۔ نصف گھنٹے سے کم وقت میں وہ اس جگہ کو پوری طرح چھان چکے تھے۔ اگر ثومی وہاں ہوتی تو مل جاتی پھر وہ نیچے آئے اور بڑوں کو بتایا کہ ثومی غائب ہے۔ یہ سنتے ہی سنسنی پھیل گئی۔ شمشاد اور ریاض نے لڑکوں کے ساتھ مل کر ثومی کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف میڈم چند لڑکیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئیں کہ شاید ثومی اس طرف چلی گئی ہو مگر جب وہ ہوٹل پہنچیں تو پتا چلا کہ ثومی وہاں بھی نہیں آئی ہے۔ ایک گھنٹے بعد باقی پارٹی بھی آ گئی تھی اور اسے بھی ثومی نہیں ملی تھی۔ مزید کچھ دیر بعد انہوں نے پولیس سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ پولیس اسٹیشن یہاں سے دو

گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ شمشاد اور ریاض چند لڑکوں کے ہمراہ رپورٹ کرانے روانہ ہو گئے اور انہوں نے کال کر کے یونیورسٹی انتظامیہ کو بھی اطلاع دے دی تھی۔

☆☆☆

ثومی اپنا لباس درست کر کے اٹھ رہی تھی کہ اسے عقب سے آہٹ محسوس ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر دیکھتی، ایک مضبوط ہاتھ آ کر اس کے منہ پر جم گیا۔ اس نے ہاتھ ہٹانا چاہا مگر ہاتھ سے اٹھتی مہک نے یک دم اس کے حواس کو مختل کر دیا۔ اس کا چہرے کی طرف جاتا ہاتھ من بھر کا ہو گیا اور پھر جھول گیا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے وہ خود بھی جھول گئی۔ اسے بے ہوش کرنے والا شخص ریان تھا۔ اس نے ثومی کو اپنے شانے پر لادا اور محتاط قدموں سے اوپر چڑھنے لگا۔ یہاں چٹانیں اور پتھر ایسے تھے کہ اس کا ایک قدم بھی بہکتا تو وہ بے ہوش ثومی سمیت نیچے لڑھک جاتا اور یقیناً اس کی اپنی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ ذرا اوپر جا کر اس کا رخ نیچے کی طرف ہوا اور چند منٹ بعد وہ جنگل کے دائیں طرف موجود برفانی ڈھلان پر نکلا۔ وہاں سمیرا موجود تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ریان کی طرف دیکھا اور اس نے سر ہلایا۔

''کوئی مشکل نہیں ہوئی، اس نے خود کام آسان کر دیا۔''

''اب نکلو یہاں سے اس سے پہلے کہ کوئی آ جائے۔'' سمیرا بولی۔ دونوں کا لباس بالکل سفید تھا۔ اگر دور سے کوئی انہیں دیکھتا تو انہیں برف کا ایک حصہ سمجھتا مگر بے ہوش ثومی کا رنگین لباس دور سے متوجہ کر سکتا تھا۔ ریان نے ایک سفید پیراشوٹ کا بنا ہوا تھیلا نکالا اور ثومی کو اس میں ڈالا۔ ہاتھ پاؤں سمیٹنے سے وہ آسانی سے بیگ میں سما گئی۔ اس میں بیلٹس لگی تھیں، ریان نے ان کی مدد سے بیگ اپنی پشت پر لاد لیا اور ایک منٹ بعد وہ دونوں اسکیٹرز پر پھسلتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا رخ ذرا فاصلے پر ایک چھوٹے سے بنگلے کی طرف تھا۔ اس کے آس پاس بھی برف ہی برف تھی اور وہ اس جگہ سے کوئی نصف کلومیٹرز دور تھا۔ جب وہ اس جگہ سے نکل گئے تب زارا اور دوسروں نے ثومی کی تلاش شروع کی تھی۔ بنگلے کے پاس پہنچ کر وہ اسکیٹرز سے اتر گئے۔ سمیرا نے دونوں کے اسکیٹرز اور چھڑیاں سنبھال لی تھیں۔ وہ اندر آئے اور ریان ثومی کو اسی طرح پشت پر لادے ہوئے ایک کمرے میں لایا۔ سفید دیواروں والے اس کمرے میں صرف ایک دروازہ تھا۔ یہاں ایک سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا۔

بیڈ آئرن راڈ کا تھا اور اس پر فوم میٹرس تھا۔ ریان نے بیڈ پر بیٹھ کر بیگ کی بیلٹس کھولیں اور کھڑا ہو گیا۔ اس نے زپ سرکا کر اندر سے ثومی کو نکالا اور سیدھا کر کے بیڈ پر لٹا دیا۔ اتنے میں سمیرا اندر آئی، اس نے اپنا بھاری لباس اتار دیا اور اس وقت نارمل گرم کپڑوں میں تھی۔ اس نے ریان سے کہا۔ ''تم باہر جاؤ۔''

''کیا یہ ضروری ہے؟''

''ہاں۔'' سمیرا کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''وی آر پروفیشنل۔''

''تب میرا جانا ضروری نہیں ہے۔''

''ہاں۔'' سمیرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''عورت کے معاملے میں تم نان پروفیشنل ہو جاتے ہو۔''

ریان کا وجیہہ چہرہ بگڑ سا گیا۔ وہ کچھ دیر سمیرا کو گھورتا رہا پھر جھٹکے سے مڑ کر کمرے سے چلا گیا۔ سمیرا نے کچھ دیر بعد اٹھ کر ثومی کا لباس اتارنا شروع کیا۔ ایک ایک کر کے اس نے اس کے جسم سے سارے کپڑے الگ کر دیے اور پھر اس کے انڈر ویئر اس کے جسم کے خاص حصوں پر یوں ڈال دیے کہ وہ چھپ گئے اور پھر اس نے ایک چھوٹا سا ڈیجیٹل کیمرا نکال کر مختلف زاویوں سے اس کی تصاویر لیں۔ اس کی کوشش تھی کہ ہر تصویر میں ثومی کا چہرہ نمایاں نظر آئے۔ تصویریں لینے کے بعد اس نے ایک ایک کر کے تمام کپڑے اسے دوبارہ پہنائے اور اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے کس حالت میں تھی اور اس کی تصاویر لی گئی تھیں۔ کیمرا رکھ کر اس نے ثومی کی نبض چیک کی اور سر ہلاتے ہوئے پہلے اس کے دونوں ہاتھ اوپر آئرن راڈ کے بیڈ کے اوپری پائپ سے ہتھکڑی کی مدد سے باندھ دیے اور پھر ایک سیاہ رنگ کا تھیلا نما غلاف اس کے منہ پر چڑھا دیا۔ اب وہ نہ کسی کو دیکھ سکتی تھی اور نہ جان سکتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ سمیرا کمرے سے باہر آئی تو ریان لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں جانی واکر کی بوتل تھی۔ سمیرا نے اسے گھورا تو وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

''اس پر تم کچھ نہیں کہو گی۔''

''ابھی صرف ایک کام ہوا ہے اور تم یہ مت سمجھو کہ ہم خطرے میں نہیں ہیں۔''

''ہم خطرے میں کب نہیں ہوتے ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''ہمیں خطرات سے نمٹنا آتا ہے۔''

اس وقت وہ بالکل صاف مقامی لہجے میں اردو بول رہا تھا۔ سمیرا نے کہا۔ ''مسئلہ ان کا نہیں ہے جن سے ہمیں

عصیلا مریض

فائل لینی ہے، مسئلہ ان لوگوں کا ہے جن کے لیے فائل لینی ہے، تم جانتے ہو وہ غلطی معاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔"

اس بار ریان کے چہرے پر چند لمحے کے لیے تشویش آئی مگر پھر وہ پہلے کی طرح بے پروا نظر آنے لگا۔ البتہ اس نے مزید دو گھونٹ لے کر بوتل کا کارک لگا دیا اور بولا۔

"تصویریں لے لیں؟"

"ہاں۔" سمیرا نے کہا اور میز پر رکھا چھوٹا سا لیپ ٹاپ اٹھا کر آن کیا اور پھر یو ایس بی کورڈ سے اپنا کیمرا اس سے منسلک کر کے تصویریں لیپ ٹاپ میں منتقل کرنے لگی۔ اب وہ ان کی کوالٹی چیک کر رہی تھی کہ ریان بھی اٹھ کر اس کے عقب میں آ گیا۔ سمیرا کا چہرہ تن گیا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ ریان نے کچھ دیر بعد کہا۔

"لڑکی خوب صورت ہے۔"

"ہمیں اس کی خوب صورتی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔" سمیرا نے پکچر ویور بند کر دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ لینا دینا پڑ جائے اگر اس کا باپ شرافت سے ماننے سے انکار کرے تو..." ریان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔" سمیرا نے کہا اور ایک چھوٹی سی ڈیوائس لیپ ٹاپ سے لگائی۔ یہ وائرلیس انٹرنیٹ ڈیوائس تھی۔ نیٹ لگانے کے بعد سمیرا نے ایک ای میل کھولا اور تصویریں ای میل کرنے لگی۔ اس نے کل چھ تصویریں لی تھیں۔ تصویریں اٹیچ کرنے کے بعد اس نے ٹیکسٹ کے خانے میں لکھا۔

"ظہیر خان، امید ہے تم تصویریں دیکھ کر سمجھ جاؤ گے کہ تمہاری بیٹی کس مشکل میں ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے لائیو بھی دیکھ سکو گے اور تمہیں یقین آ جائے گا کہ فی الحال وہ کسی بھی قسم کے نقصان سے محفوظ ہے مگر وہ زیادہ دیر محفوظ نہیں رہے گی اگر تم نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا تو... کسی سے ذکر کی صورت میں تمہاری اپنی عزت اچھلے گی۔ جلد ہمارا آدمی تم سے عزیز کے نام سے رابطہ کرے گا اور اپنا مطالبہ پیش کرے گا۔ یاد رکھنا تمہاری بیٹی کو ابھی تک کسی مرد نے اس حال میں نہیں دیکھا ہے۔ ہاں اگر تم نے تعاون نہ کیا تو ثومی کو اس حال میں کسی مرد کے ساتھ دیکھو گے۔"

ای میل کر کے اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور ریان کی طرف دیکھ کر اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی۔ "میرا خیال ہے تمہیں طلب ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔" ریان نے کہا تو اس کا لہجہ سرد تھا۔ "لیکن طلب تمہاری نہیں ہے۔"

وہ کہہ کر بوتل اٹھا کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا اور سمیرا ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسی لمحے اسے ثومی والے کمرے سے اس کے چیخنے کی آواز آئی۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ سمیرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور پھر وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ ثومی بستر پر بندھی مچل رہی تھی اور خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سمیرا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔ "خاموش رہو، یہاں تمہاری آواز کوئی نہیں سنے گا۔"

ثومی ساکت ہو گئی کیونکہ سمیرا کے منہ سے نکلنے والی آواز حیرت انگیز حد تک کرخت اور مردانہ تھی۔ ثومی سہم گئی پھر اس نے بہ مشکل اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "کون ہو تم، مجھے کہاں لے آئے ہو... خدا کے لیے مجھے جانے دو۔"

"ہمیں تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے، ہاں اگر تمہارے باپ نے ہماری بات نہ مانی تو تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا۔ ابھی تو تم اپنا منہ بند کرو اور خاموش لیٹی رہو، تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا ہاں اگر تم نے شور جاری رکھا تو سوائے غلاف کے تمہارے جسم سے پورا لباس اتار دیا جائے گا۔"

ثومی یہ سن کر لرز اٹھی۔ "پلیز نہیں، میں اب نہیں بولوں گی۔"

وہ دبی آواز میں سسکیاں لینے لگی۔ سمیرا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل آئی۔ اس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ اگرچہ ثومی کے آزاد ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا مگر وہ مکمل احتیاط کی قائل تھی۔ اس نے تالے کے سوراخ میں چابی گھما کر چابی نکالی اور اپنی شرٹ کی جیب میں رکھ لی۔ اب دروازہ باہر سے ہی نہیں کھل سکتا تھا۔

☆☆☆

ظہیر خان اپنے محکمے میں اہم ترین پوسٹ پر تھا اور اس کے محکمے کا تعلق بیک وقت دفاعی اور خارجی امور سے تھا۔ ظہیر خان کی شہرت ایک ایماندار اور محنتی افسر کی تھی۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے افسران اور ماتحت اس کی گواہی دیتے تھے۔ تیس سالہ جاب کے دوران میں کئی بار اسے غیر قانونی احکامات نہ ماننے کے پاداش میں عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ تبادلے اور کم تر پوسٹوں پر تقرریاں اس کی ملازمت کا حصہ رہی تھیں۔ کئی بار دل برداشتہ ہو کر اس نے ملازمت چھوڑنے کا سوچا۔ اسے ملازمت کی ضرورت نہیں تھی، اس کا تعلق شمالی علاقے کے ایک دولت مند گھرانے سے تھا اور اس کی ذاتی ملکیت میں خاصی زمین اور جائداد تھی مگر یہ ملازمت اس کا مشن تھی۔ ظہیر خان کا باپ عظیم خان اس ملک کی اس اولین بیوروکریسی کا ایک حصہ تھا جس نے ابتدائی مشکل دنوں میں ملک چلایا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کا کوئی بیٹا اس کے نقشِ قدم پر چلے۔ ظہیر خان اپنے باپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے سول سروس میں آیا تھا۔

چند سال پہلے اس کا تبادلہ اس اہم ترین محکمے کی اہم ترین پوسٹ پر ہوا۔ اگرچہ دفاعی امور سے اس کا تعلق نہیں رہا تھا مگر یہاں آنے کے بعد اسے علم ہوا کہ اس وقت ملک نہ صرف سیاسی اور معاشی بلکہ دفاعی لحاظ سے بھی نازک مرحلے سے گزر رہا ہے۔ معاشی صورتِ حال دگرگوں ہونے کی وجہ سے ملک اس قابل نہیں تھا کہ اپنی ضرورت کا اسلحہ بین الاقوامی منڈی سے خرید سکے۔ مغربی ممالک جن کی ٹیکنالوجی اور ہتھیار قابلِ اعتماد اور آزمودہ تھے۔ اول تو وہ پاکستان کو جدید ہتھیار فراہم کرنے کو تیار نہیں تھے دوسرے ان کا اسلحہ اتنا مہنگا تھا کہ ایک غریب ترقی پذیر ملک اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت میں ایک ہی راستہ تھا کہ اپنے آزمودہ ترین پڑوسی ملک کی مدد سے دفاعی صنعت میں خود کفالت حاصل کی جائے اور اس مقصد کے لیے کئی اہم ترین پروجیکٹ زیرِ عمل تھے اور ان میں سے کچھ تکمیل کے مراحل میں تھے۔

پڑوسی دوست ملک کے تعاون سے ایک اہم ترین پروجیکٹ ملک کے اپنے تیار کردہ جنگی طیارے کا تھا۔ اس طیارے کے جدید ترین ورژن کی تکمیل کے بعد ملک اس شعبے میں نہ صرف خود کفیل ہو جاتا بلکہ یہ سستا اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے آراستہ طیارہ ترقی پذیر ممالک کو فروخت کر کے زرمبادلہ بھی کمایا جا سکتا تھا۔ اس طیارے پر ریسرچ اور جدت کا مزید کام کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ یہ معاہدہ نہایت خفیہ نوعیت کا تھا اور اسے ان تمام ملکوں سے پوشیدہ رکھنا تھا جو وطن کے کھلے یا چھپے دشمن تھے۔ اس معاہدے کو حتمی شکل دینے کے لیے ملک سے دفاعی اور سرکاری افسران کا ایک وفد پڑوسی ملک جانے والا تھا اور اس کی قیادت ظہیر خان کر رہا تھا۔ معاہدے کی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ اسے اسلام آباد میں ایک سرکاری کوٹھی ملی ہوئی تھی اور وہ اس وقت دفتر سے وزیراعظم سکریٹریٹ جا رہا تھا۔ وہاں اسے پڑوسی ملک سے ہونے والے دفاعی معاہدے کی بریفنگ دینی تھی۔ اس کے موبائل کی بیل بجی۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا اور ثومی کی یونیورسٹی کا نمبر دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل آگئے۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔''

''ظہیر خان صاحب۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''میں... یونیورسٹی کا ایڈمن آفیسر شعبان احمد بات کر رہا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

''میں افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ یونیورسٹی کی طرف سے ٹور پر جانے والی آپ کی بیٹی شمالی علاقے میں لاپتا ہو گئی ہے۔ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے آپ ٹور انچارج شمشاد علی سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

ظہیر خان چند لمحے کے لیے ساکت رہ گیا پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''پولیس کو رپورٹ کر دی گئی ہے؟''

''میرا خیال ہے لیکن درست صورتِ حال کا علم آپ کو شمشاد علی سے ہوگا۔ ہمیں دس منٹ پہلے اس کی کال آئی ہے۔ اس کا نمبر نوٹ کر لیں۔''

ظہیر خان نے نمبر نوٹ کیا اور کال کاٹ کر نمبر ملایا۔ شمشاد علی نے کال ریسیو کی تو ظہیر خان نے اپنا تعارف کرایا۔ شمشاد علی نے اسے تفصیل سے بتایا مگر ظہیر کو اس کی باتوں سے لگا کہ پوری طرح اسے بھی علم نہیں تھا۔ اس نے شمشاد علی سے پوچھا۔ ''ثومی کس کے ساتھ تھی؟''

''وہ زارا احسن کے ساتھ تھی۔''

''اس سے میری بات کراؤ۔''

زارا نے ظہیر خان کو بہتر انداز میں بتایا کہ ثومی کہاں اور کیوں گئی تھی اور پھر وہ غائب ہو گئی۔ ثومی اس کی اکلوتی

بیٹی تھی۔ اس کے باوجود وہ بدحواس نہیں ہوا تھا البتہ اس کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں آ گئی تھیں۔ ذرا سے بات کر کے اس نے پھر شمشاد علی سے بات کی اور پولیس رپورٹ کا پوچھا۔ پھر اس نے کال کاٹ کر شمالی علاقے کے معاملات دیکھنے والے وفاقی افسر کو کال کی اور اسے اس بارے میں رپورٹ کی۔ اس نے یقین دلایا کہ انتظامیہ تیزی سے حرکت میں آئے گی۔ ظہیر خان کا لیپ ٹاپ اس کے پاس تھا۔ اس نے کال کر کے موبائل رکھا تھا کہ اس پر ایس ایم ایس آیا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ ایس ایم ایس کسی نمبر سے نہیں بلکہ ایک ویب سائٹ سے آیا تھا۔ اس میں مختصر سا پیغام تھا۔ ”ظہیر خان اپنا ای میل چیک کرو۔“

اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور ای میل اکاؤنٹ اوپن کیا۔ سب سے اوپر ای میل کسی نامعلوم ای میل ایڈریس سے آئی تھی اور اس پر لکھا تھا۔ ”سی یور ڈاٹر بٹ الون۔“

ظہیر خان گاڑی کی عقبی نشست پر اکیلا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر اس کا گارڈ تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ای میل اوپن کی اور اس میں سامنے جو تصویریں چھوٹی صورت میں آئیں، انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ یہ ثوبی کی تصویریں تھیں اور اس حالت میں تھیں جن میں کوئی غیرت مند اپنی بیٹی کو دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تصویریں چھوٹی تھیں اور نقوش کسی قدر واضح تھے۔ اس نے ہمت کر کے ایک تصویر ڈاؤن لوڈ کی اور اسے ونڈو ویور میں کھولا۔ اب یہ پورے سائز کی تھی۔ ظہیر خان نے ذرا اطمینان محسوس کیا جب اسکرین پر صرف ثوبی کا چہرہ آیا تھا۔ تصویر اتنی بڑی تھی کہ وہ اسکرین پر فٹ نہیں تھی۔ ظہیر خان نے غور سے دیکھا۔ وہ ثوبی ہی تھی اگرچہ اس کی آنکھیں بند تھیں اور یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ پھر اس نے ای میل کے ساتھ آیا ہوا پیغام پڑھا۔ اس کا اضطراب کم ہوا کہ ثوبی زندہ ہے۔

اچانک ایک ہیوی بائیک اس کی کار کے پاس آئی۔ سوار نے ہیلمٹ کے ساتھ چست ہائی نیک جرسی پہن رکھی تھی مگر اس سردی میں وہ کسی قسم کے سوئٹر یا جیکٹ کے بغیر تھا۔ اس نے شیشے پر آہستہ سے ہاتھ مارا تو ظہیر خان نے چونک کر اسے دیکھا اور اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا۔ سیاہ جرسی پر سفید رنگ سے انگریزی میں عزیز لکھا ہوا تھا۔ سوار نے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ یہ سب اتنی تیزی اور خاموشی سے ہوا کہ ڈرائیور اور گارڈ کو بھی پتا نہیں چلا۔ ظہیر خان نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اس بائیک والے کے پیچھے چلو۔“

بائیک مین ہائی وے سے اگلے کٹ پر سروس روڈ پر اتر گئی۔ ڈرائیور نے بھی گاڑی کٹ سے اتار لی۔ بائیک والا گرین بیلٹ کے ساتھ رک گیا تھا۔ ظہیر خان نے بھی گاڑی رکوائی اور گارڈ کو ہوشیار رہنے کا کہہ کر نیچے اتر آیا۔ وہ سوار کے پاس پہنچا تو اس نے بنا کہے ایک چھوٹی سی چٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ اس پر لکھا تھا۔ ”ظہیر خان ہمیں پڑوسی ملک سے ہونے والے طیارے کے دفاعی معاہدے کی فائل کی اسکین یا تصویر لی ہوئی کاپی اس ای میل پر چاہیے جس سے تمہیں ای میل کی گئی ہے اور یاد رکھنا تمہارے پاس اس کام کے لیے صرف بارہ گھنٹے ہیں، اس کے بعد تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ تمہیں تصویریں دیکھ کر ہو گیا ہوگا۔ ابھی صرف تم نے دیکھا ہے لیکن اگلی بار جو ہوگا، وہ ساری دنیا دیکھے گی۔“

”میری بیٹی کہاں ہے؟“ ظہیر خان نے سوال کیا۔ ”اسے کچھ ہوا تو میں...“

بائیک سوار نے ہیلمٹ کا شیشہ ذرا اوپر کیا اور اپنا منہ کھول کر دکھایا تو ظہیر خان کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے کیونکہ اس کے منہ میں زبان نہیں تھی، وہ جڑ سے کاٹ دی گئی تھی۔ اچانک سوار نے اس سے چٹ لے کر منہ میں رکھ لی اور منہ کے ساتھ شیشہ بھی بند کر دیا۔ پھر اس نے بائیک کا ایکسی لیٹر دبایا اور وہ اتنی تیزی سے آگے بڑھی کہ ظہیر خان چاہنے کے باوجود اسے روک نہیں سکا۔ بائیک نزدیکی آبادی کی طرف مڑنے والی سڑک پر جا چکی تھی اور اب اس کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ جس وقت ظہیر خان نے ثوبی کی تصاویر دیکھیں تب ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پس پشت کوئی بہت بڑا کھیل ہے اور چند ہی منٹ بعد بات کھل گئی تھی۔ ان لوگوں کی ٹائمنگ پرفیکٹ تھی۔ اس نے ڈرائیور کو دوبارہ سیکریٹریٹ کی طرف چلنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی کہا۔

”اس بارے میں اپنی زبان مکمل طور پر بند رکھنا۔ یہ سرکاری راز ہے۔“

ڈرائیور اور گارڈ دونوں برسوں سے اس کے ساتھ تھے اور اس کے اعتماد کے تھے۔ اس کے باوجود اس نے انہیں خبردار کر دیا۔ اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ اب وہ کیا کرے۔ ایک طرف بیٹی کی آبرو زندگی تھی اور دوسری طرف اس کے ملک کی عزت اور قوم کی بقا کا معاملہ تھا۔ وہ کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ سیکریٹریٹ

کے میٹنگ روم میں داخل ہوا تو اس کے چہرے سے قطعی پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس وقت کس کشمکش سے گزر رہا ہے۔ چند منٹ بعد وزیر اعظم کی آمد ہوئی اور میٹنگ شروع ہو گئی۔

☆☆☆

زارا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ دونوں میڈم خاصی گرجی برسی تھیں کہ انہیں اوپر جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اسے دوسرول سے بھی بہت کچھ سننا پڑا تھا مگر اسے ان سب باتوں کی نہیں بلکہ ثومی کی فکر تھی۔ ثومی کے باپ سے بات کر کے اس کا دل ذرا ہلکا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ظہیر خان وفاقی حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے پر تھا اور اس کا اثر و رسوخ تھا۔ زارا نے اپنے گھر کال بھی کی تھی اور اس کی ماں نے سنتے ہی کہا کہ وہ واپس آجائے۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ ابھی پولیس آئی تھی اس نے سب کے بیانات لیے تھے۔ وہ ریاض اور شمشاد کو اوپر لے گئی تھی۔ پولیس پارٹی میں ایک درجن افراد تھے اور انہوں نے شام سے پہلے اس پورے علاقے کو دیکھ لیا تھا۔ یہاں زیادہ آبادی نہیں تھی، یہ چھوٹا سا گاؤں تھا اور آس پاس زیادہ تر ہوٹل، ریسورٹس اور نجی بنگلے تھے۔ بعض سرکاری اداروں کے ریسٹ ہاؤسز بھی تھے۔ جائے وقوع دیکھ کر پولیس اب آس پاس دیکھ رہی تھی۔

زارا لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ وہاں کئی اور لڑکے لڑکیاں بھی تھے۔ احمر، زارا کے پاس تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم نے بتایا تھا کہ اس واقعے سے پہلے ایک جوڑا تم دونوں سے ملا تھا؟''

زارا نے سر ہلایا۔ ''ہاں لڑکی مقامی تھی لیکن اس کا شوہر امریکی تھا۔''

احمر چونکا۔ ''امریکی۔''

''ہاں شاید وہ مسلم ہو گیا ہے۔ میں نے ان دونوں کی تصویریں بھی لی تھیں۔'' زارا نے اپنا کیمرا نکالا اور احمر کو تصویریں دکھانے لگی۔ احمر نے سمیرا اور ریان کی تصویریں دیکھیں۔

''جوڑا تو معقول لگ رہا ہے لیکن آج کے دور میں کیا کہا جا سکتا ہے۔''

زارا چونکی۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ثومی کی گم شدگی میں یہ بھی ملوث ہو سکتے ہیں؟''

''ممکن ہے۔'' احمر سوچتے ہوئے بولا۔ ''انہوں نے اپنے بارے میں اور کیا بتایا تھا؟''

''یہی کہ وہ یہاں کسی ہوٹل میں نہیں بلکہ اپنی ذاتی رہائش میں ٹھہرے ہیں اور وہ اسلام آباد سے آئے ہیں۔''

''یہاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''انہوں نے جنگل کے نیچے والے بنگلوز کی طرف اشارہ کیا تھا مگر جب وہ ہمارے پاس سے گئے تو پہاڑی کے دائیں طرف سے ہو کر گئے تھے۔''

''تم نے بتایا کہ وہ بہت مہارت سے اسکینگ کر رہے تھے؟''

''ہاں جیسے ٹی وی پر کھلاڑی دکھاتے ہیں بالکل ویسے کر رہے تھے۔''

احمر نے اٹھ کر ہوٹل میں یک طرف موجود پولیس پارٹی کے سربراہ انسپکٹر کو اس جوڑے کے بارے میں بتایا مگر اس کی دلچسپی کا مرکز خورونوش کی اشیا تھیں اور اس نے زارا کے کیمرے کو دیکھنے تک کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کے بجائے بے پروائی سے کہا۔ ''تم فکر مت کرو پولیس لڑکی کو تلاش کر لے گی۔''

''مگر ان لوگوں سے بھی تو پوچھا جا سکتا ہے۔'' احمر نے اصرار کیا۔

''دیکھ کاکا، ہمیں اپنا کام کرنے دے۔'' انسپکٹر نے ایک دبی ڈکار کے ساتھ کہا۔ احمر نے بدمزہ ہو کر دیکھا۔

''وہ تو میں دیکھ رہا ہوں کہ پولیس کیسے اپنا کام کر رہی ہے۔''

وہ واپس زارا کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا کہہ رہے ہیں یہ؟''

''تم دیکھ رہی ہو ان کی دلچسپی کا مرکز کیا ہے۔'' احمر نے تلخی سے کہا۔ ''یہ ثومی کو قیامت تک تلاش نہیں کر سکتے۔''

زارا دل گرفتہ تھی۔ ''یہ میری غلطی ہے۔ وہ مجھے منع کر رہی تھی مگر میں ہی اسے اصرار کر کے اوپر لے گئی تھی۔''

''یہ بات کسی اور سے مت کہنا۔'' احمر آہستہ سے بولا۔ ''ابھی تو یہ ذرا خاموش ہیں وا ہی کے بعد الزام ایک دوسرے کے سر ڈالیں گے۔''

احمر کا اشارہ بگ فور کی طرف تھا۔ زارا کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے آہستگی سے کہا۔ ''کیا ہم ثومی کی تلاش کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟''

احمر چونکا۔ ''ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''فرض کر لیا جائے کہ تمہاری بات درست ہے اور ثومی کی گم شدگی میں اس جوڑے کا ہاتھ ہے تو ہمیں سب سے پہلے اسے تلاش کرنا ہوگا۔''

''وہ کیسے یہاں سیکڑوں کے حساب سے نجی بنگلے

ہیں۔"

"وہ یہاں آئے ہیں تو گھر میں تو نہیں بیٹھے ہوں گے، آدمی بہت سی چیزوں کے لیے باہر نکلتا ہے اور دوسروں سے رابطہ کرتا ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے انہیں دیکھا ہو گا۔"

"ہمارے پاس تصویریں بھی ہیں۔" احمر بات سمجھ گیا۔ "لیکن پہلے پرنٹ کرانی ہوں گی۔"

"یہاں کہیں سے پرنٹ ہو جائیں گی۔"

"میں دیکھتا ہوں، تم مجھے اس کا میموری کارڈ دے دو۔"

زارا نے اپنا کارڈ احمر کے موبائل سے ملایا اور سمیرا اور ریان کی تصاویر اس میں منتقل کر دیں۔ احمر کھڑا ہو گیا۔ "میں معلوم کر کے آتا ہوں۔"

☆☆☆

سمیرا کچن میں تھی اور ڈنر تیار کر رہی تھی۔ اس نے دو بار کمرے کا چکر لگایا تھا اور ایک بار ٹومی کو پانی بھی دیا تھا۔ اس نے غلاف کے سوراخ سے نلکی ڈالی تھی اور ٹومی نے پانی پیا تھا۔ کچن میں اسٹو کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ریان سونگھتا ہوا اندر آیا اور چہک کر بولا۔ "اسٹو بن رہا ہے۔"

"بس میں آج بنا رہی ہوں۔" سمیرا نے اسے خبردار کیا۔ "مجھے نفرت ہے کچن کے کاموں سے۔"

"اس کے باوجود تم جو بناتی ہو، وہ بہت لذیذ ہوتا ہے۔"

"یہ میری ماں کا تحفہ ہے۔ اس نے آٹھ برس کی عمر سے مجھ سے کھانا بنوانا شروع کر دیا تھا اور بارہ سال کی عمر میں سب بنانے لگی تھی۔"

"ہم دو سال سے ساتھ ہیں لیکن میں تمہارے بارے میں زیادہ نہیں جانتا ہوں۔"

"کیا جاننا ضروری ہے؟"

"ہاں کیونکہ ہم صرف بزنس پارٹنر نہیں ہیں بلکہ زندگی کے پارٹنر بھی ہیں۔"

"بنا کسی قانونی کارروائی کے؟" سمیرا کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ہاں کیونکہ اس کے بغیر ہمارے درمیان تعلق تو ہے۔"

میں ضروری نہیں سمجھتی۔" سمیرا نے رخ پھیر لیا اور دیگچی پر جھک گئی جس میں اسٹو بن رہا تھا۔ سمیرا کا باپ پڑوسی ملک سے آیا تھا۔ وہ منشیات اور اسلحے کا تاجر تھا اور

سمیرا نے بچپن سے گھر میں ان دو چیزوں کو دیکھا۔ اس کی ماں ایک عام سی عورت تھی مگر اس نے سب کچھ اپنے باپ سے سیکھا۔ دس سال کی عمر میں وہ پستول سے نشانہ لینے لگی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں وہ رائفل سے سو گز سے کولڈ ڈرنک کی بوتل اڑا دیتی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے پہلا قتل کیا۔ مرنے والا اس کے باپ کا آدمی تھا اور اس نے سمیرا کو محبت میں دھوکا دیا تھا۔ جب اپنا کام نکال لیا تو اس سے کترانے لگا۔ ایک دن سمیرا نے اسے بلایا اور جب وہ آیا تو سمیرا نے اسے سر میں گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش بھی اس نے خود ٹھکانے لگائی تھی۔ سمیرا کی ماں اس کی حرکتوں کے خلاف تھی مگر اسے باپ کی پوری شہ حاصل تھی۔ اس قتل کے بعد اس نے باپ کے بزنس میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنی نسوانیت اور دلکشی سے فائدہ اٹھا کر وہ ایسے کام آسانی سے کر جاتی تھی جو مردوں کے لیے بہت مشکل ہوتے تھے۔

اس کے باپ کا بزنس مڈل ایسٹ تک پھیلا ہوا تھا اور سمیرا ایک بار وہاں گئی تو اسے یہ علاقہ اتنی اچھی لگی کہ اس نے باپ سے اصرار کر کے وہاں کا بزنس خود سنبھال لیا۔ جب اس کا باپ دشمنی کے چکر میں مارا گیا تو سمیرا اپنا کام کرنے لگی۔ مڈل ایسٹ میں منشیات کا بزنس نفع بخش لیکن بہت پُرخطر تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں سزائے موت ملتی تھی اس لیے سمیرا اس سے کنارہ کش ہو گئی اور پھر اس نے دوسرا کام پکڑ لیا۔ یہ پرائیویٹ کنٹریکٹ ہوتے تھے۔ چند کاموں کے بعد اس کی شہرت ہوئی اور پھر اس کی ملاقات ریان سے ہوئی۔ وہ پچ یونانی نژاد تھا مگر اس کے آباؤ اجداد یونان سے سکندر اعظم کے ساتھ برصغیر آئے تھے اور پھر اس ملک میں آباد ہو گئے جہاں سے سمیرا کے باپ کا تعلق تھا۔ اس کا رنگ وروپ یورپی تھا مگر اس کی پرورش پاکستان میں ہوئی تھی۔ شروع میں وہ ایک کالعدم گروہ کا حصہ رہا مگر جب حالات خراب ہوئے تو اس نے حلیہ اور بزنس بدل دیا۔ چند سال وہ ملک سے باہر رہا اور اس نے نئی شناخت بنا لی۔

سمیرا سے ملاقات ایک کنٹریکٹ کے دوران میں ہوئی جو دونوں پارٹیوں کو مشترکہ دیا گیا تھا اور یہاں انہوں نے آئندہ کے لیے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک بار مشترکہ بزنس ہوا تو وہ زیادہ عرصے ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکے تھے۔ شروع میں تعلقات میں بہت گرم جوشی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ ابال کم ہونے لگا۔ اب ان کے درمیان جسمانی تعلق بھی بزنس کی طرح لگا بندھا اور سرد ہو گیا

تھا۔ بس ضرورت انہیں ایک دوسرے کے پاس لاتی تھی۔ سمیرا نے محسوس کیا کہ اس نے دوسری بار غلطی کی تھی۔ مگر ریان نے اسے دھوکا نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس نے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس نے صرف پیش قدمی کی اور سمیرا نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ ریان کی خوبروئی اس کا سب سے اہم ہتھیار تھی۔ سمیرا اسی سے متاثر ہوئی تھی مگر اب وہ اس سے بیزار تھی۔ صرف بزنس نے اسے ریان کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اگر مالی مفادات مشترک نہ ہوتے تو شاید وہ بہت پہلے اس سے الگ ہو چکی ہوتی۔ ریان کو عورت کی بھوک تھی اور اس کی خاطر وہ بعض اوقات حماقت بھی کر جاتا تھا۔ کچھ دیر بعد ریان پھر کچن کی طرف آیا اور اس بار اس کا موڈ خراب تھا۔

''تم نے دروازہ لاک کر دیا ہے؟''

''ہاں وہ قیدی ہے۔ دروازہ لاک رکھنا چاہیے۔''

ریان کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم شاید خود کو سچ مچ لائف پارٹنر سمجھنے لگی ہو۔''

''یہ خوش فہمی میں بہت پہلے ترک کر چکی ہوں۔'' سمیرا نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

''تم جانتی ہو اس قسم کے لاک میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔'' ریان نے جاتے ہوئے کہا۔ سمیرا نے جواب نہیں دیا مگر وہ مطمئن نظر آرہی تھی۔ یہ پروجیکٹ انہیں ایک مہینا پہلے ملا تھا اور تھرڈ پارٹی کے توسط سے ملا تھا۔ معاوضہ اتنا تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا اس لیے وہ خاصی سنجیدہ تھی۔ کسی قسم کی گڑبڑ انہیں نہ صرف معاوضے سے محروم کر دیتی بلکہ وہ خطرے میں بھی پڑ سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر ان کی ساکھ متاثر ہوتی۔ یہاں انہوں نے کچھ آدمی ہائر کیے تھے جو اسلام آباد میں کام کر رہے تھے۔ جیسے ہی انہیں یونیورسٹی ٹور کا علم ہوا انہوں نے پروگرام بنا لیا۔ یہاں یہ بنگلا کرائے پر لیا اور اس ہوٹل کے ایک ملازم کو خرید لیا جہاں طلبہ ٹھہرنے۔ وہ انہیں ان کے پروگراموں سے آگاہ کر رہا تھا اور اسی وجہ سے وہ بہ آسانی ڈومی کو اٹھانے میں کامیاب ہوئے۔ سمیرا نے چمچ سے اسٹو چکھا اور مزید مطمئن نظر آنے لگی۔ اس نے چولھا بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

میٹنگ کے دوران میں ظہیر خان نے نظر بچا کر ایک ایس ایم ایس کیا تھا اور جب میٹنگ سے اٹھ کر وہ باہر آیا تو اس نے سب سے پہلے موبائل دیکھا۔ اس پر جوابی ایس ایم ایس موجود تھا۔ ''آپ سیدھے اپنے دفتر جائیں، میں وہاں موجود ہوں گا۔''

ظہیر خان دفتر کی جانب روانہ ہوا اور اس نے گاڑی میں بیٹھ کر گھر کال کر کے اس واقعے کی اطلاع دی۔ حسبِ توقع بیوی نے رونا دھونا شروع کر دیا تھا۔ ظہیر خان نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی کسی کو بتانے سے منع کیا۔ ''ابھی کسی سے اس کا ذکر مت کرنا اور اس کے لیے دعا کرو۔''

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گی لیکن مجھے میری بچی چاہیے۔ کاش کہ میں نے اسے جانے ہی نہ دیا ہوتا۔''

''انسان کے مقدر میں جو ہوتا ہے، وہ لازمی ہوتا ہے۔ بس اس کے لیے دعا کرو، ماں کی دعا سے بڑھ کر کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹال سکتی ہے۔'' ظہیر خان نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس نے گاڑی میں اکیلے بیٹھ کر بیوی کو کال کی تھی اس لیے ڈرائیور اور گارڈ اس کی بات نہیں سن سکے تھے۔ کال کر کے اس نے ان دونوں کو طلب کیا اور دفتر روانہ ہو گیا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کے دلی اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا مگر اس کا ذہن یکسو تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دفتر میں داخل ہوا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر اور سادہ لباس شخص موجود تھا مگر اس کے مختصر بال اور مخصوص جسامت بتا رہی تھی، اس کا تعلق سیکیورٹی سے ہے۔ ظہیر خان نے اس سے ہاتھ ملایا اور مختصراً ساری بات بتائی۔ ڈومی کی تصاویر کے بارے میں بتاتے ہوئے اس کے لہجے میں جھجک آئی تھی مگر یہ ضروری تھا۔ البتہ سادہ لباس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ پوری سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ ظہیر خان کی بات سن کر اس نے کہا۔

''فائل تمہاری تحویل میں ہے؟''

ظہیر خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ وہ کل شام ہی ڈیفنس منسٹری کے پاس جا چکی ہے لیکن شاید ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ فائل میرے پاس ہے۔''

''انہوں نے بارہ گھنٹے کی مہلت دی ہے نا؟'' سادہ لباس شخص نے گھڑی دیکھی۔ ''کتنا وقت گزر چکا ہے؟''

''تقریباً ایک گھنٹا بیس منٹ۔'' ظہیر خان نے کہا۔ ''بائیک سوار نے مجھے دو بج کر دس منٹ پر چٹ دی تھی۔''

''گویا مہلت رات دو بج کر دس منٹ تک کی ہے۔''

ظہیر خان نے سر ہلایا۔ ''احتیاطاً اسے دو بجے تک شمار کرنا چاہیے۔''

سادہ لباس شخص نے اٹھ کر ظہیر خان سے ہاتھ ملایا۔ ''تم بے فکر ہو جاؤ، میں پوری کوشش کروں گا۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے اسی لیے یہ معاملہ تمہارے سپرد کیا ہے۔''

سادہ لباس والا دفتر کے عقبی ایمرجنسی دروازے سے باہر نکلا پھر ایمرجنسی کے لیے مخصوص سیڑھیوں سے نیچے آیا اور عمارت سے باہر نکل گیا۔ پارکنگ میں ایک چھوٹی کار موجود تھی۔ بیس منٹ بعد وہ دارالحکومت کی ایک چھوٹی اور سادہ عمارت میں داخل ہوا اور اس نے ایک مقفل کمرے کو کھولا۔ فرنیچر اور ساز و سامان سے کمرا دفتر لگ رہا تھا۔ اس نے فون پر کسی کو کال کی۔ ''شبیر اپنے یونٹ کے ساتھ ایک جگہ پہنچنا ہے۔ تمہارے پاس دو گھنٹے ہیں۔''

''جو حکم سر۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو سادہ لباس والے نے شبیر نامی ماتحت کو جگہ بتائی اور ساتھ ہی کچھ ہدایات بھی دیں۔ پھر اس نے کال کاٹ کر ایک اور جگہ کال کی۔ اس بار اس نے خاصی طویل گفتگو کی تھی۔ کال منقطع کر کے وہ اٹھا، دفتر مقفل کیا اور عمارت سے باہر آ گیا۔ اس بار اس کا رخ مارگلہ کے دامن کی طرف تھا۔ وہاں وہ سیکیورٹی ایریا میں داخل ہوا۔ جہاں وہ اپنا کارڈ دکھاتا تو وہاں موجود افراد الرٹ ہو جاتے تھے۔ بالآخر وہ ایک عمارت میں داخل ہوا۔ ایک چھوٹے میٹنگ روم میں تین افراد اس کے منتظر تھے اور ان تینوں کا تعلق ائرفورس آئی ٹی کے شعبے سے تھا۔ سادہ لباس شخص ان کو بریف کرنے لگا اور وہ غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔ جب اس نے بات کی تو وہ چاروں ہی آپس میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ زیادہ زور سوالات پر تھا جو سادہ لباس شخص سے کیے جا رہے تھے۔ بالآخر ان تینوں نے سر ہلایا اور ایک بولا۔

''ہم سمجھ گئے مگر کام کے لیے وقت کم ہے۔''

سادہ لباس شخص نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ڈیڈ لائن پونے دو بجے کی ہے اس سے زیادہ ایک منٹ بھی نہیں مل سکتا۔''

''اس صورت میں ہمیں فوری کام شروع کر دینا چاہیے۔'' اس آدمی نے کہا اور وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

شبیر ضیا اور اس کے چار ساتھی تیار ہو کر اس درمیانے سائز کی مگر طاقتور انجن والی جیپ میں سوار ہوئے۔ وہ ایک چھوٹے سے لکڑی سے بنے کاٹیج سے روانہ ہوئے تھے۔ سردی عروج پر تھی کیونکہ شام کے چھ بج چکے تھے اور سورج غروب ہو گیا تھا مگر وہ سردی اور صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ وہ پانچوں جوان ہی تھے۔ سب سے بڑا شبیر تھا اور اس کی عمر بھی ستائیس اٹھائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ ڈرائیونگ اس کا ایک ماتحت جانباز کر رہا تھا۔ شبیر نے روانگی کے وقت جانباز سے پوچھا۔ ''کتنی دیر لگے گی۔''

''ایمرجنسی ہے تو ایک گھنٹے میں پہنچ سکتے ہیں ورنہ آرام سے دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔''

''کوئی درمیانی کام کرو۔''

''سر مشن کیا ہے؟'' مہر نے پوچھا۔

''فی الحال ہمیں اس جگہ پہنچنا ہے اور وہاں کسی کی نظروں میں آئے بغیر پورے علاقے پر نظر رکھنی ہے۔'' شبیر نے کہا۔ ''ایک لڑکی غائب ہے اور اسی علاقے میں ہو سکتی ہے۔''

''یعنی اگر لڑکی کے حوالے سے کوئی سرگرمی ہو تو ہمیں واچ کرنا ہے یا پھر عمل کرنا ہے؟'' عمار صدیقی نے پوچھا۔

''اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔'' شبیر نے کہا اور جبران کی طرف دیکھا جو اپنی اسنائپر رائفل کو پیار سے سہلا رہا تھا۔ اس کا نام اس نے لیلی رکھا تھا۔ ''اگر کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو مسٹر مجنوں؟''

''نو سر اگر مجنوں سوال کرنے لگیں تو مجنوں کیوں کہلائیں۔'' اس پر ایک قہقہہ ابل پڑا۔ جیپ تاریک اور برف زدہ سڑکوں سے گزر رہی تھی اور اس ویرانے میں صرف جیپ کی روشنی لہرا رہی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ اس علاقے میں تھے۔ اتفاق سے اس علاقے سے باہر جانے کے لیے یہی ایک سڑک تھی اور کوئی راستہ تھا تو وہ گاڑیوں کے لیے نہیں تھا۔ شروع میں ایک چھوٹا سا ہٹ ہوٹل تھا۔ کیونکہ یہ جھونپڑی ہوٹل سے بہتر تھا اس لیے اسے ہٹ ہوٹل کا نام دیا گیا تھا۔ انہوں نے جیپ اس کے پاس روک دی۔ ہٹ ہوٹل بند تھا اور اس کے عقب میں تاریکی تھی۔ وہ یہاں سے اس علاقے پر نظر رکھ سکتے تھے۔ جیپ سے باہر موسم بہت سرد تھا مگر مجبوری تھی انجن بند ہوتے ہی اندر بھی گرمائش ختم ہونے لگی۔ پھر اندر گھٹن ہونے لگتی اس لیے وہ نیچے اتر آئے۔ سردی تھی مگر ہوا نہیں چل رہی تھی اس لیے گزارا ممکن تھا۔

☆☆☆

احمر ذرا دیر سے آیا مگر اس نے تصویریں پرنٹ کرالی تھیں یہی نہیں اس نے مرد کی تصویر دکھا کر آس پاس معلوم کیا تو ایک ہوٹل میں موجود اسٹور کیپر نے اسے شناخت کر لیا۔ مگر اس نے بتایا کہ وہ اس پہاڑی پر موجود کسی بنگلے سے نہیں آتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ پہاڑی کے سائڈ والے راستے سے

آتا ہے اور دو تین بار وہ ان کے اسٹور تک آچکا ہے۔ وہ گزشتہ ایک ہفتے سے دکھائی دے رہا تھا۔ زارا نے کہا۔ ''ہم دیکھ نہیں سکتے کہ اس طرف وہ کہاں سے آتے ہیں؟''

''میرا خیال ہے اس طرف بھی کئی مکانات اور بنگلے بنے ہوئے ہیں۔'' احمر نے کہا۔ ''لیکن ہم معلوم کر سکتے ہیں۔''

''کس طرح؟''

''ثومی کی تصویر دکھا کر پوچھنے کے بہانے۔'' احمر بولا تو زارا اچھل پڑی۔

''بہترین آئیڈیا ہے۔ میرے پاس اس کی تصویر بھی ہے۔''

احمر اس بار ثومی کی تصویر پرنٹ کروانے کے لیے روانہ ہوا۔ پولیس والے اپنے کام یعنی کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تھے اور اب اوپر والوں کو رپورٹ دے کر روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ بگ فور ایک طرف سر جوڑے بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ واپسی کا سوچ رہے تھے مگر طلبہ نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ جب تک ثومی نہیں مل جاتی، وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اس لیے جانا تو ممکن نہیں تھا مگر انہوں نے فی الحال کسی کے ہوٹل سے باہر جانے پر پابندی لگا دی تھی اور انہیں علم ہی نہیں تھا کہ احمر اور کچھ دوسرے طلبہ باہر آ جا رہے تھے۔ میٹنگ کے بعد انہوں نے ڈنر تک کے لیے سب کو اپنے کمروں میں جانے کا حکم دیا اور مجبوراً سب اپنے کمروں میں آ گئے۔ زارا فکر مند تھی کیونکہ لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے کمروں میں نہیں جا سکتے تھے اس لیے وہ دروازے کے پاس ہی کھڑی ہو گئی اور جب احمر آیا تو اس نے ہلکی سی آواز نکال کر اسے متوجہ کیا۔ احمر پاس آیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''سب کو کمروں میں رہنے کا پابند کر دیا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' احمر بولا۔ ''اس طرح کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ میں ڈنر کے بعد خاموشی سے باہر جاؤں گا۔''

''میں بھی چلوں گی۔'' زارا بولی۔

''تم...!'' احمر کسی قدر فکر مند ہو گیا۔ ''کوئی اور چکر نہ بن جائے۔''

''مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔'' زارا بولی۔ ''مجھے صرف ثومی کی پروا ہے۔''

''ٹھیک ہے تب تیار رہنا۔''

سات بجے ڈنر لگ گیا تھا اور آٹھ بجے تک سب ڈنر سے فارغ ہو کر اپنے کمروں کی طرف جا چکے تھے۔ مگر انہیں نکلنے کا موقع نو بجے ملا جب میڈمز اور دونوں صاحبان نے طلبہ کو چیک کر لیا کہ وہ اپنے کمروں میں ہیں۔ زارا نے پہلے ہی امیمہ سے کہہ دیا تھا اور وہ فکر مند تھی کہ اگر زارا غائب پائی گئی تو اس سے بھی پوچھ گچھ ہو گی۔ مگر زارا نے اسے تسلی دی کہ وہ فکر نہ کرے اگر اس سے کوئی پوچھے تو وہ کہہ سکتی ہے کہ وہ سو رہی تھی اس لیے اسے کچھ نہیں معلوم۔ پہلے احمر نکلا اور پھر زارا بھی باہر آ گئی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ پولیس والے پہلے ہی جا چکے تھے اور ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے صرف ایک آدمی تھا اور وہ بھی کاؤنٹر کے پیچھے کمبل میں لپٹ کر سو گیا تھا۔ رات کسی وقت وہ صوفے پر منتقل ہو جاتا۔ زارا پوری طرح تیار ہو کر آئی تھی اس کے باوجود وہ باہر آنے پر سردی سے لرز اٹھی۔ احمر پہلے ہی باہر موجود تھا اور ٹھٹھر رہا تھا۔ اس نے زارا سے کہا۔

''اگر کچھ دیر اس فضا میں رہے تو قلفی جم جائے گی۔''

''ہاں لیکن میں ثومی کے لیے رہ سکتی ہوں۔''

''اور میں...'' احمر کہتے کہتے رک گیا پھر اس نے کہا۔ ''آؤ چلیں ہمیں واپس بھی آنا ہے اس سے پہلے کہ راز کھل جائے۔''

وہ ہوٹل سے باہر آئے اور سامنے والی سڑک کے بجائے جو سڑک ہوٹل کے اوپر سے گزرتی تھی اس سے ہوتے ہوئے پہاڑی کے دائیں طرف جانے لگے۔ چاروں طرف سناٹا اور ویرانی تھی۔ زارا کو ڈر لگا تو وہ احمر کے پاس آ گئی۔ اس نے زارا کی کیفیت بھانپ لی۔ ''ڈر لگ رہا ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے اعتراف کر لیا۔

''فکر مت کرو، میں یہ ساتھ لایا ہوں۔'' احمر نے جیکٹ سے لوہے کی فٹ بھر لمبی راڈ نکالی۔ ''یہ اچھا ہتھیار ہے۔''

مگر زارا کا خوف کم نہیں ہوا تھا البتہ اس نے ظاہر یہی کیا کہ وہ مطمئن ہو گئی ہے۔ جب وہ ڈھلان تک پہنچے تو وہاں برف کی سفید چادر تھی۔ آج آسمان پر پھٹے ہوئے بادل تھے جب چاند نکلتا تو ماحول بہت روشن ہو جاتا۔ مگر جب بادلوں کے پیچھے جاتا تب بھی کسی قدر روشنی رہتی تھی۔ ڈھلان پر انہیں کئی مکانات اور بنگلے نظر آئے تھے۔ ڈھلان پر درخت تھے مگر کم تھے البتہ چٹانیں اور بڑے پتھر بہت تھے۔ ان کے درمیان راستے تھے جو اوپر مکانوں تک جا رہے تھے۔ ڈھلان پر آنے سے پہلے احمر

نے کہا۔ ''آگے میں جاؤں گا۔ تم پیچھے رہنا۔''

''کیوں؟''

''دونوں میاں بیوی تمہیں دیکھ چکے ہیں اس لیے اب دیکھا تو مشکوک ہو جائیں گے جبکہ میں گیا تو اسے معمولی بات سمجھیں گے، کہ میں اپنی یونیورسٹی فیلو کو تلاش کر رہا ہوں۔''

''لیکن میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔'' زارا بولی۔

احمر نے آگے دیکھا۔ ''او کے جب میں کسی مکان کی طرف جاؤں گا تو تم اس کے نزدیک کسی درخت یا پتھر کی آڑ میں رک جانا۔''

زارا اس پر آمادہ ہو گئی۔ وہ دونوں آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔

☆☆☆

ظہیر خان اپنے گھر میں تھا اور اپنی اسٹڈی میں ٹہل رہا تھا۔ اس کا اضطراب ہر گزرتے لمحے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ملک کو بیٹی پر ترجیح دی تھی مگر اس بیٹی میں اس کی جان تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ یہ جان لحہ بہ لحہ نکل رہی ہے۔ اس کیفیت سے گھبرا کر اس نے بے اختیار خدائے لاشریک کو پکارا کہ وہ اسے سکون اور تحمل دے۔ بیوی کو اس نے نیند کی دوا دے کر زبردستی سلا دیا تھا۔ ہر بار ٹہلتے ہوئے وہ میز کے پاس آتا تو اس پر رکھے موبائل کی اسکرین پر ایک نظر ضرور ڈالتا تھا۔ ابھی تک پیغام نہیں آیا تھا اور نہ کوئی کال آئی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ صابر درانی اپنا کام کر رہا ہوگا۔ صابر اس کے ساتھ ہی سول سروس میں آیا تھا اور وہ نہ صرف اس کا روم میٹ تھا بلکہ ہم مزاج بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ٹریننگ کے دوران میں اور اس کے بعد بھی ان میں آپس میں خوب بنی تھی۔ ٹریننگ کے بعد ان کی پوسٹنگ بھی ایک ہی جگہ اور ایک ہی محکمے میں ہوئی تھی۔

چند سال کی سروس کے بعد صابر سیکیورٹی میں چلا گیا اور اس نے پھر برطانیہ سے بھی ٹریننگ لی تھی۔ واپسی پر وہ بہت سالوں تک، اِدھر اُدھر کے محکموں میں دھکے کھاتا رہا۔ پھر جب ملک میں دہشت گردی نے زور پکڑا تو صابر ایک ایجنسی میں آ گیا اور یہاں اس نے دہشت گردی کے خلاف ایک فورس تشکیل دی۔ اس نے فورس کے لیے افراد آرمی سے لیے تھے۔ اس فورس کی کارکردگی کی وجہ سے بعد میں اسے ایجنسی سے الگ کر کے ایک الگ حیثیت دے دی گئی تھی۔ صابر درانی نے پورے ملک میں چھوٹے چھوٹے یونٹ بنائے تھے اور کسی بھی موقع پر وہ ایک منٹ کے نوٹس پر حرکت میں آ سکتے تھے۔ ایسا ہی یونٹ شمالی علاقے میں تھا جسے درانی نے ہل اسٹیشن بھیجا تھا۔ موبائل کی بیل بجی تو وہ چونکا اور اس نے تیزی سے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کی۔

''کام تقریباً ہو گیا ہے۔'' صابر نے بتایا۔

''کیا وہ دھوکا کھا جائیں گے؟''

''اس کے لیے اصل فائل کے مسودے میں ایسی تبدیلیاں کی گئی ہیں جنہیں صرف ماہرین ہی پکڑ سکتے ہیں اور اس کے لیے بھی انہیں ہفتوں درکار ہوں گے۔''

ظہیر خان خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''میں چانس لے رہا ہوں ممکن ہے فائل حاصل کر کے بھی وہ ثومی کو رہا نہ کریں۔''

''اللہ سے بہتری کی امید رکھو۔ میرے آدمی وہاں پہنچ گئے ہیں اور وہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے ثومی کو اغوا کرنے والے وہیں ہیں اور انہوں نے اسے بھی وہیں رکھا ہے؟''

''ہاں۔'' صابر نے کہا۔ ''اس کے غائب ہونے کے ایک گھنٹے کے اندر اس کی تصویریں لی گئی ہیں، اس کا مطلب ہے وہ اسی علاقے میں ہیں۔ وہاں سے نکل کر کسی اور علاقے میں جانے میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگتا۔''

ظہیر خان قائل ہوا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ اتنی جلدی وہاں سے نکل نہیں سکتے ہیں۔ اس وقت اس علاقے سے باہر آنے جانے والے تمام راستوں پر چیکنگ ہو رہی ہے۔''

''پولیس کی کارکردگی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ہے۔'' صابر نے کہا۔ ''میرے آدمیوں کا ایک یونٹ اور روانہ ہو چکا ہے، وہ بھی ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جائے گا۔''

''صابر میں ذاتی طور پر تمہارا شکر گزار ہوں۔'' ظہیر خان نے کہا۔

''میں تو اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہوں اصل آزمائش سے تم گزر رہے ہو۔'' صابر نے کہا۔ ''میری کوشش ہوگی کہ فائل وقت سے پہلے تم تک پہنچ جائے۔''

''میں منتظر ہوں۔'' ظہیر خان نے کہا اور کال منقطع کر دی۔

☆☆☆

''ہم نے رسک نہیں لیا ہے؟'' ریان نے ڈائننگ ٹیبل پر پوچھا۔

''ہماری زندگی رسک ہے۔'' سمیرا نے اطمینان سے جواب دیا۔

''نہیں یہ مشن، رسک بھی ہے۔'' ریان نے اصرار کیا۔ ''ہم نے اسے اسی علاقے میں رکھا ہوا ہے۔ اگر پولیس بھرپور تلاشی لے تو...''

''پولیس تلاشی نہیں لے گی، وہ یہاں سے جا چکی ہے اور کل صبح سے پہلے ہم بھی جا چکے ہوں گے۔''

''اسے یہیں چھوڑ کر۔'' ریان نے معنی خیز انداز میں کمرے کی طرف دیکھا جس میں ثومی قید تھی۔ ''میں نے اسے دیکھا ہے بہت خوب صورت ہے۔''

سمیرا نے اسے گھورا۔ ''تم نے پھر میرا لیپ ٹاپ کھول کر دیکھا ہے۔''

ریان نے سر ہلایا۔ ''ہماری آپس میں کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔''

سمیرا کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ''تم جانتے ہو مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔ وہ ایک عام اور شریف لڑکی ہے۔''

''دیکھو ہم آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے پابند نہیں ہیں۔ تم اپنے معاملات میں آزاد ہو اور میں اپنے معاملے میں۔''

''میں نے اس آزادی میں کبھی مداخلت نہیں کی۔'' سمیرا زہریلے لہجے میں بولی۔ ''حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ تم کہاں کہاں منہ مارتے پھرتے ہو۔''

''تب اس پر کیوں اعتراض ہے؟''

''مجھے دو اعتراض ہیں اول یہ کہ ہم مشن پر ہیں اور ہماری ساری توجہ مشن پر ہونی چاہیے اور دوسرے مجھے عورت کے ساتھ زبردستی پسند نہیں ہے۔''

ریان کا منہ بن گیا۔ ''تمہیں اس سے ہمدردی ہے؟''

''ہاں کیونکہ میں خود عورت ہوں۔'' سمیرا نے کہا اور اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ برتن دھونے کے دوران اس نے اپنے لیے کافی کا پانی رکھا۔ ریان پی رہا تھا اور اس نے کافی کا نہیں کہا تھا۔ سمیرا پیتی تھی مگر کام کے دوران میں پرہیز کرتی تھی۔ کافی لا کر اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور اسکائپ آن کر کے اسلام آباد میں موجود اپنے آدمی سے رابطہ کرنے لگی۔ وہ ظہیر خان کی نگرانی کر رہا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم ہاؤس سے ظہیر خان دفتر گیا تھا اور وہاں سے سیدھا گھر آیا تب سے وہ گھر میں ہے۔ دس بج رہے تھے اور ابھی ظہیر خان کو دی ہوئی ڈیڈ لائن میں چار گھنٹے باقی تھے۔

ریان بھی لاؤنج میں آ گیا۔ یہ چھوٹا سا بنگلا سینٹرلی ہیٹڈ تھا اور اس کے تہ خانے میں موجود بھٹی سے نہ صرف پورے بنگلے کو گرمائش بلکہ گرم پانی بھی ملتا تھا۔ اس لیے وہ یہاں عام گرم کپڑوں میں بھی آرام سے بیٹھے تھے۔

''کیا یہ مان جائے گا؟''

''کوئی باپ اپنی بیٹی کی اس حالت میں تصویریں دیکھ کر بھی انکار کر سکتا ہے؟''

ریان نے شانے اچکائے۔ ''کرنے والے انکار کر سکتے ہیں۔''

''میں ظہیر خان کو جانتی ہوں اور ثومی اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔''

''اسے کھانے پینے کو کچھ دیا ہے؟''

''اچھا یاد دلایا۔'' سمیرا لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ گئی۔ ''میں اسے اسٹرا سے دودھ دیتی ہوں، وہ بھوکی ہوگی۔''

سمیرا نے گلاس میں نیم گرم دودھ لیا اور اسٹرا کی نلکی لے کر ثومی کے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ریان نے لیپ ٹاپ کھولا اور اس میں موجود ثومی کی تصویریں کھول کر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک سی نمودار ہوئی تھی۔ لیپ ٹاپ بند کر کے وہ سوچنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ظہیر خان کے لیے تصویروں کا ڈوز ہی کافی تھا۔ پھر وہ اٹھ کر اپنے بیڈ روم تک گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ وہ ثومی کے کمرے کے دروازے کے ساتھ یوں کھڑا ہو گیا کہ باہر آتی سمیرا اسے فوری نہ دیکھ سکے۔ ایسا ہی ہوا سمیرا باہر آئی اور جیسے ہی وہ نمودار ہوئی، ریان نے ہاتھ بڑھا کر اس میں موجود چیز اس کی گردن سے لگا دی۔ اسے جھٹکا لگا تھا اور وہ گرنے لگی تھی کہ ریان نے ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیا۔ سمیرا کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اس کا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے گلاس گر گیا تھا۔ ریان اسے کھینچ کر لاؤنج میں صوفے تک لایا اور اس پر لٹا دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے ریان نے اس کا سر تھپکا۔ ''آرام کرو ڈیئر، میں ذرا آتا ہوں۔''

☆☆☆

شبیر اینڈ پارٹی جدید آلات کی مدد سے آس پاس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان کے پاس تاریکی میں دیکھنے والے آلات بھی تھے۔ جانباز اور مہر بٹ ہوٹل کی چھت پر تھے اور وہاں سے آس پاس دیکھ رہے تھے۔ جبران نے نزدیکی پہاڑی پر ایک جگہ مورچا بنایا ہوا تھا اور اس نے

وہاں اپنی جدید قسم کی اسنائپر رائفل نصب کرلی تھی۔ بارہ سو میٹرز تک بالکل درست مار کرنے والی اس رائفل میں جدید ترین دوربین نصب تھی جو دن رات میں یکساں دکھاتی تھی اور اس میں ہدف کا فاصلہ بتانے کا انتظام بھی تھا۔ وہ سب آپس میں ریڈیو سے منسلک تھے۔ دس بجے کے بعد جانباز نے کہا۔ ''دو افراد اس ہوٹل سے نکلے ہیں جہاں گم ہونے والی لڑکی کی پارٹی موجود ہے۔''

''کہاں جارہے ہیں؟''

''درمیان سے گزر کر پیچھے کی طرف۔'' جانباز اپنی نائٹ ویژن سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ''ان میں سے ایک یقینی طور پر لڑکی ہے۔''

''درست فرمایا۔'' جبران بولا۔ ''میں بھی دیکھ رہا ہوں۔''

''تم سب لڑکی کو دیکھ رہے ہو۔'' شبیر بولا۔ ''باقی جگہوں پر کون نظر رکھے گا۔''

''میں ہوں سر۔'' مہر ہنسا۔ ''آپ جانتے ہیں، میں شریف آدمی ہوں۔''

''شریف۔'' عمار ہنسا۔ ''شادی شدہ کہو۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' مہر نے سرد آہ بھری۔ شبیر جیپ کے پاس کھڑا ہوا اپنی نائٹ ویژن سے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے اسے صابر درّانی کی کال آئی۔ اس نے بتایا کہ دوسرا یونٹ بھی روانہ کردیا گیا ہے اور مبینہ مجرم اسی علاقے میں مع لڑکی کے موجود تھے۔ اس لیے اسے ہوشیار رہنا تھا اور کسی بھی مشکوک سرگرمی کی صورت میں فوری ایکشن لینا تھا۔ شبیر نے اپنے آدمیوں کو بریف کردیا تھا۔ اس لیے جب ہوٹل سے دو افراد نکلے اور ان میں سے ایک لڑکی ثابت ہوئی تو ان کا چوکنا ہونا فطری تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ہٹ پر موجود افراد کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے مگر جبران بلندی پر موجود ہونے کی وجہ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ ان کا رخ پہاڑی کے دائیں طرف تھا۔ ''اس وقت وہ درختوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں۔''

شبیر نے کہا۔ ''نظر رکھو۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوں تو بتانا۔''

''تقریباً ہونے والے ہیں۔'' جبران نے کہا۔ ''لیکن نہیں وہ رک گئے ہیں۔''

شبیر اور عمار جیپ میں آگئے۔ کچھ دیر بعد جبران نے کہا۔ ''وہ ڈھلان پر اتر گئے ہیں اب مجھے نظر نہیں آرہے۔''

> **وارنٹ**
>
> ایک دن لیاقت علی خان کام میں مشغول تھے، کھانے کا وقت ہوگیا۔ کھانا میز پر لگ گیا۔ ملازم یاددہانی کے لیے آکھڑا ہوا۔ لیکن وہ کام میں لگے رہے جب کافی دیر ہوگئی تو بیگم صاحبہ خود پہنچیں لیاقت علی خان نے ان کے داخل ہوتے ہی کھڑے ہوکر ہملے سے کہا کام بند کردیجیے پہلے تو سمن ہی آیا تھا اب وارنٹ بھی آگیا اور مسکراتے ہوئے کھانے کی طرف چل دیے۔
>
> ایم یونس رضا، پنڈ دادن خان

''نظر رکھنا اور ہوشیار رہنا۔ اب چاروں طرف نظر رکھو اور جبران تم اسی طرف دیکھو گے۔'' شبیر نے کہا اور جیپ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی۔ اس کا انجن طاقتور لیکن بہت خاموش تھا۔ وہ سڑک پر آئے اور تیزی سے پہاڑی سے آگے جانے لگے۔ اس طرف جو ڈھلان تھی، وہ پہاڑی سے ہٹ کر اور نیچے تھی اس لیے وہ دونوں جبران کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ چند منٹ میں وہ اس طرف پہنچ گئے اور انہوں نے جیپ ایک ایسی آڑ میں روکی جہاں وہ دور سے نظر نہ آئے۔ شبیر نیچے اتر آیا اور اس نے عمار سے کہا۔

''تم یہیں رکو اور ان لوگوں سے رابطے میں رہو۔''

وہ چار سو گز دور نکل آئے تھے اور یہاں ہیڈ سیٹ آپس میں رابطہ نہیں کرسکتے تھے۔ البتہ جیپ میں لگے ریڈیو سے آپس میں رابطہ کرسکتے تھے۔ مگر اس کے لیے کسی کا جیپ میں موجود ہونا ضروری تھا۔ شبیر نے آنکھوں پر نائٹ ویژن پہنی ہوئی تھی مگر فی الحال یہ نائٹ ویژن موڈ پر نہیں تھی۔ اس نے اپنی رائفل کو یوں جیکٹ میں چھپایا ہوا تھا کہ وہ دور سے نظر نہ آئے اور وہ پتھروں اور درختوں کی آڑ میں اوپر جانے لگا۔ کچھ اوپر جانے کے بعد اسے وہ دونوں نظر آگئے۔ اس نے دوربین سے دیکھا اور اس بار اس نے لڑکے اور لڑکی کو واضح دیکھا تھا۔ وہ دونوں نوجوان اور عام سے لگ رہے تھے۔ لڑکے کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ شبیر نے دوربین ایڈجسٹ کی۔ لڑکے کے ہاتھ میں کاغذ جیسی کوئی چیز تھی۔

وہ دونوں ایک چھوٹے ہٹ کی طرف جارہے تھے جس کی کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ پھر لڑکی ہٹ سے پہلے ایک آڑ میں رک گئی اور لڑکا آگے گیا۔ اس نے ہٹ کا دروازہ بجایا۔ اتنی دور سے، شبیر آواز سننے سے قاصر

تھا۔ جب لڑکے نے دوسری بار دروازہ بجایا تو کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک آدمی نمودار ہوا اور لڑکے نے اسے کاغذ دکھایا۔ مگر آدمی نے نفی میں سر ہلایا اور دروازہ بند کر دیا۔ عملاً اس نے دروازہ لڑکے کے منہ پر مارا تھا۔ اس سے لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت اور اس موسم میں باہر آنے پر جھنجلایا ہوا تھا۔ لڑکا واپس آیا اور اس نے لڑکی سے کچھ کہا اور وہ دونوں اگلے مکان کی طرف بڑھے تھے۔ یہاں بھی لڑکی پہلے ہی ایک آڑ میں چھپ گئی اور لڑکا مکان تک گیا مگر کال بیل کے جواب میں کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ لڑکے نے کئی بار کال بیل بجائی۔ اندر روشنی تھی مگر ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی موجود نہیں تھا یا تھا تو جواب نہیں دے رہا تھا۔ شبیر سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی اور معاملہ ہے اور وہ بلاوجہ یہاں تک چلا آیا۔ مگر اس کا تجسس ابھی ماند نہیں پڑا تھا۔ اس نے ریڈیو پر عمار سے پوچھا۔

''کوئی پروگریس ہوئی ہے؟''

''نوسر۔'' اس نے جواب دیا۔

''ویل اسٹینڈ بائے۔'' شبیر نے کہا اور دوبارہ دوربین آنکھوں سے لگالی۔

☆☆☆

احمر اور زارا تیسرے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ احمر بتا رہا تھا کہ دوسرے مکان سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ''شاید یہاں رہنے والا کہیں گیا ہے اور لائٹ کھلی چھوڑ گیا ہے۔''

''ممکن ہے اس مکان میں وہی جوڑا ہو اور ظاہر یہ کر رہا ہو کہ مکان میں کوئی نہیں ہے۔'' زارا نے خیال پیش کیا۔

''ہوسکتا ہے، لیکن پہلے ہم دوسرے مکان چیک کر لیں۔''

تیسرا مکان چھوٹا سا بنگلا تھا اور اس کے گرد چھوٹا سا باغ اور چار فٹ تک کی چار دیواری تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زارا چار دیواری کی آڑ میں رک گئی اور احمر اندر داخل ہو کر بنگلے کی طرف بڑھا۔ اس نے برآمدے میں لگی کال بیل بجائی۔ پہلی بیل کے جواب میں کوئی ردعمل نہیں ہوا۔ ایک منٹ بعد احمر نے دوبارہ کال بیل بجائی۔ زارا جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ مزید ایک منٹ بعد احمر نے پھر کال بیل بجائی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں بھی کوئی نہیں ہے حالانکہ یہاں بھی اندر روشنی تھی۔ احمر چوتھی بار بیل بجانے والا تھا کہ معاً دروازہ کھلا اور سامنے سرخی مائل سنہری بالوں والا آدمی کھڑا تھا، وہ ریان تھا۔ احمر ذرا ڈرا تھا مگر ریان کو مسکراتے دیکھ کر اس نے حوصلہ پکڑا اور ثومی کی تصویر سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''اس وقت زحمت دینے کی معذرت لیکن یہ میری یونیورسٹی فیلو ہے اور یہاں غائب ہوگئی ہے۔ ہم اسے تلاش کر رہے ہیں آپ نے اسے دیکھا ہے۔''

''بالکل دیکھا ہے۔'' ریان نے کہا۔ ''وہ اندر ہے آؤ اندر آؤ۔''

ثومی کے اندر ہونے کا سن کر احمر بے ساختہ اندر داخل ہوگیا۔ یہ دیکھ کر زارا بے چین ہوگئی۔ وہ برآمدے سے کوئی چالیس فٹ دور تھی اور اسے سنائی نہیں دیا کہ ریان نے احمر سے کیا کہا تھا اور پھر احمر اندر چلا گیا تھا۔ زارا کچھ دیر تو اپنی جگہ دبکی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ احمر ابھی واپس آئے گا۔ مگر جب کئی منٹ گزر گئے تو وہ اٹھ کر بنگلے کی طرف بڑھی۔ برآمدے میں آکر اس نے سن گن لینے کی کوشش کی مگر اندر مکمل خاموشی تھی۔ اگر کوئی بات بھی کر رہا تھا تو اس کی آواز باہر تک نہیں آرہی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑی سوچتی رہی اور پھر بنگلے کے پیچھے جانے کے لیے برآمدے سے اتر آئی۔ وہ باغ کے ساتھ گھومتی ہوئی پچھلے حصے میں آئی۔ یہاں بھی ایک دروازہ تھا مگر وہ بند تھا۔ زارا نے اس کا ہینڈل گھما کر دیکھ لیا۔ پھر وہ پیچھے ہوئی تو کسی سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ کسی کی ہتھیلی میں جذب ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

ریان دروازہ کھول کر اندر آیا تو تیز برانڈی کا نشہ اس کے دماغ پر چڑھ کر اس کی شیطانیت کو ہوا دینے لگا تھا۔ اس نے للچائی نظروں سے ثومی کو دیکھا جو ساکت لیٹی تھی مگر اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سن لی تھی۔ ریان نے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ثومی کے جسم پر ہاتھ رکھا تو وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی مگر یہاں گنجائش کتنی تھی۔ ریان نے دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو وہ پیچھے نہ ہو سکی۔ مارے خوف کے اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی تھی بس وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اوپر کر کے بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ سوائے پاؤں چلانے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ریان اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ اس کے پاس ابھی بہت وقت تھا۔ اس نے گیس انجکشن سے سمیرا کو دوا انجکٹ کی تھی۔ وہ اسے دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے نہیں دیتی۔ اس نے ثومی سے کھیلتے ہوئے کہا۔

”آرام سے ڈیئر آرام سے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔کوئی نشان نہیں پڑے گا۔“

”دور۔۔۔دور۔۔۔رہو مجھ سے۔“ ثومی نے روتے ہوئے کہا۔اسی لمحے کال بیل بجی اور ریان چونک کر سیدھا ہوا۔

”یہ کون آگیا؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔

”مدد۔۔۔بچاؤ۔“ ثومی چلّائی۔ریان نے ناگواری سے اسے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے غلاف اوپر کرتے ہوئے زبردستی اس کا منہ کھول کر اس میں اپنا رومال ٹھونس دیا۔آخر میں اس نے غلاف نیچے کر کے اس کے نچلے حصے میں موجود ڈوری کی مدد سے اسے کس دیا۔اب وہ منہ میں ٹھونسا رومال از خود نہیں نکال سکتی تھی۔اس دوران میں کال بیل دوسری بار بجی تھی۔وہ کمرے سے نکلا اور داخلی دروازے تک آیا۔اس نے کیٹ آئی سے جھانکا اور اسے باہر ایک نوجوان نظر آیا۔مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا بلکہ واپس اندر آیا اور بیڈروم میں آکر اس نے ٹی وی آن کیا اور ریموٹ سے اس کے چینل گھمانے لگا۔ٹی وی پر چینل کے بجائے سی سی ٹی وی کیمروں کی ویڈیو آرہی تھی۔یہ کیمرے مکان کے چاروں طرف موجود تھے۔اس نے سامنے والے لان کو دیکھا اور فوراً ہی چاردیواری سے جھانکتی زارا نے اس کی توجہ حاصل کرلی۔

ریان نے کیمرا زوم کیا تو اس کے نقوش ہلکی روشنی میں بھی واضح نظر آنے لگے۔ریان نے اسے پہچان لیا اور معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔وہ پریشان نہیں ہوا بلکہ خوش نظر آرہا تھا۔اس نے سوچا اور پھر داخلی دروازہ۔۔۔۔۔۔۔کھولا اور احمر کی بات سن کر اسے اندر آنے کو کہا۔احمر جھجک کر اندر آگیا۔ریان نے دروازہ بند کرتے ہی اس کی گدی پر گھونسا مارا تھا۔وہ آگے دیکھ رہا تھا۔۔۔اس لیے بےخبری میں مار کھا گیا۔وہ منہ کے بل گرا اور ساکت ہوگیا۔ریان نے جھک کر اسے چیک کیا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتا ہوا دوبارہ ٹی وی کے سامنے آیا،اب وہ زارا کو دیکھ رہا تھا۔جب اس نے عقبی حصے کا رخ کیا تو ریان تیزی سے کچن والے دروازے سے بنگلے کے پچھلے حصے میں نکل آیا اور موقع پا کر اس نے زارا کو بھی قابو کرلیا۔۔۔۔اس نے اس کا سانس روک کر اسے بےہوش کر دیا اور پھر اٹھا کر اندر لے آیا۔اسے ایک سنگل صوفے پر ڈال کر اس نے آنکھیں کھولی سمیرا سے کہا۔

”ایک نہیں دو شکار مل گئے ہیں مجھے۔جب تک تم ہوش میں آتی ہو میں ان دونوں سے نمٹ لوں گا۔“

سمیرا کی آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ ہوش میں نہیں تھی۔ریان کہتا ہوا کمرے کی طرف جانے لگا پھر رک گیا،اس نے زارا کو غور سے دیکھا پھر خود سے بولا۔”یہ زیادہ خوب صورت ہے اس لیے پہلا نمبر اس کا ہوگا۔“

ریان نے جھک کر بےہوش زارا کو اٹھایا اور اسے بیڈروم میں لے گیا۔اس کے جاتے ہی احمر ہلا اور اس نے بہت آہستگی سے سر اٹھا کر دیکھا۔اس کا سر دکھ رہا تھا۔وہاں کسی کو نہ پا کر وہ اٹھا پھر لاؤنج کی طرف آیا اور ایک لمحے کے لیے سمیرا کو دیکھ کر ٹھٹکا۔اس نے اسے پہچان لیا تھا مگر وہ حیران تھا کہ کھلی آنکھوں کے باوجود وہ اسے دیکھ کر کوئی ردِعمل نہیں دے رہی تھی۔احمر تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ثومی والے کمرے کا دروازہ کھولا۔اسے معلوم نہیں تھا کہ ریان زارا کو بھی اندر لے آیا ہے اور وہ اس وقت اس کے بیڈروم میں ہے۔بیڈروم کا دروازہ بند تھا۔بیڈ پر ثومی کو پا کر وہ تیزی سے اندر آیا۔وہ حیران تھا کہ ریان نے اس سے سچ کہا تھا اور اندر بلا کر اسے عقب سے وار کر کے بےہوش کر دیا تھا اور خود نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔صوفے پر ساکت موجود سمیرا پُراسرار حالت میں تھی۔مگر فی الحال اس کے لیے ثومی اہم تھی۔اس نے ڈوری ڈھیلی کر کے ثومی کے منہ سے غلاف اتارا۔ثومی جو پہلے مچلنے لگی تھی۔احمر کو دیکھ کر ساکت ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔احمر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اس کا منہ کھولا۔

”وہ۔۔۔وہ کہاں ہے؟“ ثومی نے سرگوشی میں پوچھا۔

”تم ریان کی بات کر رہی ہو؟“ احمر نے دریافت کیا تو ثومی نے جلدی سے سر ہلایا۔

”میں نے اس کی آواز سے اسے پہچان لیا تھا۔کال بیل تم نے بجائی تھی؟“

احمر نے مختصراً بتایا کہ باہر کیا ہوا تھا۔زارا کے بارے میں سن کر ثومی بےچین ہوگئی۔اس نے کہا۔”وہ بھی خطرے میں ہے۔“

”ہم سب خطرے میں ہیں،یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔“ احمر نے کہا۔وہ ہتھکڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔”میں ان کی چابی تلاش کرتا ہوں یہ اس کے بغیر نہیں کھلیں گی۔“

”پلیز جلدی کرو کہیں وہ پھر نہ آجائے۔یہاں ایک مرد اور بھی ہے۔“

''نہیں یہاں صرف سمیرا ہے لیکن وہ عجیب سی حالت میں صوفے پر لیٹی ہے جیسے اسے ہوش نہ ہو مگر اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔''

احمر باہر آیا اور اس نے سب سے پہلے ساکت پڑی سمیرا کی تلاشی لی۔ اس نے پینٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے شرٹ کی سامنے والی جیب سے صرف ایک بڑی چابی نکلی جو ہتھکڑیوں کی نہیں لگ رہی تھی۔ یہاں لاؤنج کے ساتھ ایک کمرا اور بھی تھا۔ احمر اس کے دروازے کی طرف بڑھا اور بہت آہستہ سے اس کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلتے ہی اسے سامنے بستر پر زارا بے سدھ پڑی دکھائی دی۔ وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھا لیکن اندر آتے ہی اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس سے پہلے وہ مڑ کر دیکھتا، کوئی ٹھوس چیز اس کے سر سے ٹکرائی اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ ریان نے ہاتھ میں موجود لکڑی کا چھوٹا سا گول ڈنڈا ایک طرف پھینک دیا اور جھک کر احمر کا معائنہ کیا۔

''اس بار تم لمبے عرصے کے لیے گئے۔''

☆☆☆

گیارہ بج کر پانچ منٹ پر موبائل کی بیل بجی اور ظہیر خان نے جلدی سے کال ریسیو کی، دوسری طرف صابر درّانی تھا۔ اس نے کہا۔ ''فائل تیار ہو گئی ہے اور تمہارے ای میل پر بھیج دی ہے۔''

ظہیر خان نے میز پر رکھے ایل سی ڈی کے سامنے موجود ماؤس ہلایا تو ایل سی ڈی آن ہو گیا۔ کمپیوٹر بھی آن تھا اس نے اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولا اور اس میں سامنے ای میل موجود تھی۔ اس نے اس کی فائل ڈاؤن لوڈ کی اور پھر اسے اٹیچ فائل کر کے اس ای میل ایڈریس پر بھیج دیا جہاں سے اسے ثومی کی تصاویر والی ای میل ملی تھی۔ ای میل بھیج کر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اسکرین پر نظر جما کر بیٹھ گیا۔ اس کے ای میل میں ایسا آپشن تھا کہ جیسے ہی اس کی بھیجی ہوئی میل کھولی جاتی اس کے پاس پیغام آ جاتا۔ ساتھ ہی اس نے صابر درّانی کو میل کرنے کا ایس ایم ایس کر دیا۔ اس کی طرف سے جواب آیا۔

''میرے ماہرین بالکل تیار ہیں، وہ بس ای میل اوپن کریں۔''

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا مگر اب تک میل ڈلیوری کا پیغام نہیں آیا تھا۔ ظہیر خان کی بے چینی بھی اسی حساب سے بڑھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انہیں شک نہ ہو جائے کیونکہ انہوں نے اسے رات دو بجے تک کی مہلت دی تھی اور اس نے فائل اس سے تین گھنٹے پہلے بھیج دی تھی مگر وہ اپنا کام کر چکا تھا اب اسے ردِعمل کا انتظار تھا۔

☆☆☆

شبیر دوربین لگائے بنگلے کی طرف نگران تھا۔ لڑکے کے اندر جانے کے بعد لڑکی چار دیواری میں داخل ہوئی اور بنگلے کے دروازے تک جا کر اس نے جیسے اندر کی سن گن لی اور پھر گھوم کر عقبی حصے کی طرف چلی گئی۔ شبیر منتظر تھا کہ وہ یا لڑکا واپس آئیں لیکن دونوں میں سے کوئی سامنے نہیں آیا۔ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ اچانک اس کے ریڈیو سے آواز آئی۔ ''ہوٹل کے سامنے کوئی گڑبڑ ہے۔''

''کون سے ہوٹل کے سامنے؟'' اس نے عمار سے پوچھا۔

''جبران نے بتایا ہے اس ہوٹل کے سامنے جس سے لڑکا لڑکی نکل کر گئے تھے۔ وہاں اب کئی لوگ نظر آ رہے ہیں۔''

''وہ دونوں یہاں ایک بنگلے میں داخل ہوئے ہیں اور اب تک واپس نہیں آئے ہیں۔''

شبیر نے ایک نظر بنگلے کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں آ رہا ہوں۔''

وہ واپس جیپ کی طرف آیا اور وہ دونوں ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شبیر کو امید تھی کہ شاید وہاں ہونے والی ہلچل ثومی کے بارے میں ہو اور اسے کچھ معلوم ہو جائے مگر وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ ہوٹل سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی مزید غائب ہو گئے ہیں اور یہ ہونے والی ہلچل اسی وجہ سے تھی۔ شبیر نے ریاض سے بات کی تھی تو اس نے زارا اور احمر کے بارے میں نہایت منفی خیالات کا اظہار کیا تھا جیسے ان کے درمیان میں کوئی چکر چل رہا ہو اور وہ سب سے چھپ کر کہیں ملنے گئے ہوں۔ شبیر کے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ اس نے ان دونوں کے انداز میں عشق و عاشقی والی کوئی چیز محسوس نہیں کی تھی، اس کے بجائے ایسا لگ رہا تھا وہ کسی کو تلاش کر رہے تھے اور وہ یقیناً ثومی کی کھوج کر رہے تھے۔ اب شبیر سمجھا تھا کہ وہ ثومی کی تصویر دکھا کر لوگوں سے اس ... کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس نے ریاض سے دریافت کیا۔

''کیا طلبہ کے باہر جانے پر پابندی لگائی گئی تھی؟''

''تو کیا اب بھی پابندی نہ لگاتے؟'' ریاض نے ناگواری سے کہا۔ ''پہلے ایک بی بی غائب ہوئیں اور اب

ایک جوڑا غائب ہے، پتا نہیں یہ لوگ کیا سوچ کر آئے تھے اور مصیبت ہمیں ڈال دی ہے۔"

"پولیس کو رپورٹ کرو۔" شبیر نے کہا۔

"آپ کون ہیں جی جو اتنے سوالات کر رہے ہیں؟"

"مجھے چھوڑیں، آپ پولیس کو کال کریں۔" شبیر نے اس کا سوال نظر انداز کیا اور باہر آکر اس نے صابر سے رابطہ کیا اور اسے جوڑے کے بارے میں بتایا۔

"بنگلے کی نگرانی کرو۔" صابر نے کہا۔ "تمہیں وہاں سے ہٹنا نہیں چاہیے تھا۔"

"یہ غلطی ہوئی ہے سر لیکن قیمتی معلومات ملی ہیں۔"

"بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر لو، دوسرا یونٹ بھی پہنچنے والا ہے وہ بھی تمہاری کمانڈ میں ہوگا۔"

"یس سر۔" شبیر نے کہا اور پھر جبران کو اس طرف پہنچنے کو کہا۔ "کسی ایسی جگہ مورچا لگاؤ جہاں سے بنگلے کا اگلا پچھلا حصہ دونوں دکھائی دیں۔"

مہر کو ہٹ ہوٹل پر چھوڑ کر اس نے جانباز کو بلوایا تھا اور وہ تینوں جیپ میں روانہ ہو گئے۔ جیپ کو اسی مقام پر چھوڑ کر وہ اوپر روانہ ہوئے اور دس منٹ بعد وہ تینوں ایسی پوزیشن پر تھے جہاں سے بنگلا مکمل طور پر ان کی نظر میں تھا۔ اس دوران میں جبران اپنی اسنائپر سمیت ایک موزوں جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سے بنگلے کا بڑا حصہ اس کی رائفل کی زد میں تھا۔ دوسرا یونٹ ہل اسٹیشن کے پاس آگیا تھا اور شبیر نے ہی اس جگہ آنے کا حکم دیا تھا۔ مہر اور جبران کے مطابق ہوٹل سے جانے والے لڑکا لڑکی واپس نہیں آئے تھے اس لیے نوے فیصد امکان یہی تھا کہ وہ اس بنگلے میں تھے۔ کچھ دیر بعد شبیر کے موبائل پر صابر کی کال آئی۔ "ہم لوکیشن ٹریس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اگر یہی لوکیشن نکلی تو تم فوراً ریڈ کرو گے۔"

☆☆☆

سمیرا ساکت لیٹی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی میز پر اس کا لیپ ٹاپ تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کے ای میل اکاؤنٹ میں ایک ای میل آچکی تھی۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی اور حالات نارمل ہوتے تو وہ ای میل ریسیو کر لیتی۔ مگر اب وہ ایسا کرنے سے قاصر تھی۔ ساتھ والے کمرے میں ثومی بیڈ سے بندھی ہوئی تھی۔ حمر کو گئے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی کہ وہ اس کی واپسی سے مایوس ہو رہی تھی۔ چہرے سے نقاب اور منہ سے کپڑا ہٹنے کے بعد دیکھنے اور بولنے کی حد تک آزاد ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر کوشش کی اور پیچھے کی طرف گھوم گئی۔

بس ذرا مالک کے ساتھ چھٹی گزارنے ناران چلا گیا تھا

اگرچہ اس کے لیے اسے خاصا مشکل کرتب دکھانا پڑا تھا اب اس کا رخ پیچھے کی طرف تھا مگر اس کے دونوں ہاتھ قینچی کی طرح دائیں بائیں ہو رہے تھے۔ آئرن راڈ کے اس بیڈ میں اوپر سے نیچے تک ایک ہی پائپ تھا۔ گدے والی جگہ جہاں باقی بیڈ اس پائپ سے منسلک ہو رہا تھا۔

ثومی نے اسے دیکھا تو اسے پتا چلا کہ یہ نٹ سے لگا ہوا تھا۔ وہ ہتھکڑی کا کڑا گھماتی ہوئی بیڈ کے ایک طرف اتر آئی اور اس نے نٹ کھولنے کی کوشش کی مگر اس طرف کا نٹ بہت سخت تھا اس لیے وہ دوسری طرف آئی اور جب اس کا نٹ گھمایا تو اسے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ گھوم رہا تھا اگرچہ کسی قدر سخت تھا مگر ثومی کی انگلیوں سے گھوم رہا تھا۔ دو منٹ میں اس نے نٹ کھول لیا اور بڑے سائز کا اسکرو کھینچ کر پائپ کے دوسری طرف نکالا اور یہ حصہ پائپ سے الگ کر دیا۔ اب ہتھکڑی کے کڑے پائپ کے نیچے جتنی پائے تک جا رہے تھے۔ اس نے کسی قدر کوشش کر کے بغیر آواز کے بیڈ اٹھا کر دونوں کڑے نکال لیے اور اب اس کے ہاتھ آزاد تھے۔ اگرچہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں جھول رہی تھیں ان کو کھنکنے سے بچانے کے لیے اس نے دونوں کڑے ہاتھوں میں دبا لیے۔ اس کے جوتے وہیں پڑے ہوئے تھے اس نے جوتے پہنے اور دبے قدموں باہر آئی۔

لاؤنج میں سمیرا کو صوفے پر ساکت دیکھ کر پہلے وہ بھی چونکی مگر جب اس کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں ہوا تو آگے آئی۔ اس نے سمیرا کی تلاشی لی تو پینٹ کی پچھلی جیب سے اسے ہتھکڑی کی چابی مل گئی اور اس نے جلدی سے ہتھکڑی سے جان چھڑائی۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی لیکن اس سے پہلے کہ دروازہ کھولتی اسے دوسرے بند

دروازے کے پیچھے سے کسی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی کہ کیا کرے۔ باہر جائے یا کمرے میں دیکھے۔ اس کا ہاتھ دروازے کے لٹو پر تھا اور چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔

☆☆☆

زارا کو اچانک ہوش آیا تھا شاید اس نے کوئی آواز سنی تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ آواز کس نوعیت کی تھی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں اور حرکت نہیں کی تھی۔ پھر اس نے ریان کی آواز سنی وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''اس بار تم لمبے عرصے کے لیے گئے۔''

تب زارا نے ایک آنکھ میں خفیف سی جھری پیدا کر کے دیکھا تو اسے ریان کسی پر جھکا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ نشے میں لگ رہا تھا۔ سیدھے کھڑے ہو کر اس نے چند گہرے سانس لیے اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے ایک طرف بڑھا۔ وہ شاید بیڈ روم کے ساتھ موجود واش روم میں گیا تھا۔ زارا اس کے جاتے ہی اٹھ بیٹھی۔ کھلے دروازے سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ تب زارا نے قالین پر بے ہوش پڑے احمر کو دیکھا۔ اس کے پاس ہی لکڑی کا ایک ڈنڈا بھی پڑا تھا۔ واش روم سے اب ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے ریان قے کر رہا تھا۔ زارا بیڈ سے اٹھی اور دبے قدموں احمر تک آئی۔ اسے ہلا جلا کر دیکھا مگر وہ مکمل بے ہوش تھا اور اس کے سر کے پچھلے حصے سے خون بھی نکلا تھا مگر یہ زیادہ نہیں تھا۔ زارا نے ڈنڈا اٹھا لیا۔ وہ دبے قدموں واش روم کے دروازے تک آئی اور دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اب اندر سے واش بیسن کا پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اور جیسے ہی پانی بند ہوا وہ ہوشیار ہو گئی اور ڈنڈا سر سے بلند کر لیا۔ جیسے ہی ریان نمودار ہوا زارا نے اس کے سر پر ڈنڈا مارنے کی کوشش کی مگر عجلت میں وہ اس کے سر کو چھوتا ہوا اس کے شانے پر لگا۔ ریان لڑکھڑایا مگر فوراً سنبھل گیا۔ اس نے زارا کا ڈنڈے والا ہاتھ پکڑا اور اسے گھما کر بیڈ پر پھینک دیا۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتی ریان جیسے اڑتا ہوا اس پر آن گرا اور اس نے غراتے ہوئے زارا کے سر پر گھونسا مارا۔ زخمی ہونے کے باوجود اس کے گھونسے میں اتنی طاقت تھی کہ زارا کو چکر آ گیا اور وہ بے بس ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

صابر اور اس کے آدمی اس وقت ایک جدید قسم کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے بڑی سی اسکرین پر ایک نقطہ فلیش کر رہے تھے۔ ایک ماہر نے صابر کے دریافت کرنے پر بتایا۔ ''یہ وہ سرور ہے جس میں ای میل سائٹ کا ڈیٹا ہے اور ہماری بھیجی ہوئی ای میل ابھی یہاں موجود ہے جب تک کہ یوزر اپنا اکاؤنٹ اوپن کر کے اسے اپنے پاس نہیں اتار لیتا۔''

''اگر یوزر اسے نہ کھولے تو یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس وقت کہاں موجود ہے؟''

''جب تک وہ ایک بار آپریٹ نہیں کرے گا تب تک پتا چلانا مشکل ہے۔''

''اگر اس اکاؤنٹ سے کوئی میل پہلے کی آئی ہوئی ہو تب پتا چلایا جا سکتا ہے؟''

''ہاں اس صورت میں پتا چلایا جا سکتا ہے اگرچہ یہ آسان نہیں ہوگا مگر کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے پہلے اکاؤنٹ کھولنا ہوگا۔''

صابر نے فوراً ظہیر خان کو کال کی اور بولا۔ ''تمہارے ای میل کا پاس ورڈ چاہیے۔''

ظہیر خان ہچکچایا۔ ''یار یہ انتہائی کونفیڈینشل ہے۔''

''تم فکر نہ کرو سب میرے سامنے ہوگا۔'' صابر درانی نے اسے تسلی دی۔ ''میں ہی پاس ورڈ لگاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، اس صورت میں یاد کر لو کہیں لکھنا مت۔''

''تم بتاؤ۔'' صابر نے کہا تو ظہیر خان نے اپنے ای میل اکاؤنٹ کا پاس ورڈ بتایا جو صابر نے مشکل ہونے کے باوجود ایک ہی بار میں یاد کر لیا۔ پھر اس نے بتایا کہ اب تک ای میل اوپن نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اب دوسرا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ اس نے ہل اسٹیشن کے بنگلے کے بارے میں بھی بتایا۔ ''مجھے پوری امید ہے جلد میں تمہیں اچھی خبر سنا سکوں گا۔''

کال کر کے صابر نے ماہرین کو ایک منٹ کے لیے کمرے سے جانے کا حکم دیا اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے پاس ورڈ لگا کر ای میل آن کیا۔ پھر اس نے ماہرین کو بلایا اور بولا۔ ''اب کوشش کرو۔''

جس ماہر نے دعویٰ کیا تھا وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ وہ ہیکنگ کا ماہر تھا مگر اس قسم کے اکاؤنٹ جو سرکاری شخصیات استعمال کرتی ہوں انہیں ہیک کرنا اور ان کے مین سرور تک رسائی آسان نہیں تھی۔ اس لیے ماہر مرحلہ وار یہ کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وقت قیمتی تھا اور جیسے جیسے گزر رہا تھا، صابر کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں وہ دو بار شبیر سے رابطہ کر چکا تھا مگر دوسری طرف بھی حالات میں کوئی

تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بالآخر ماہر اس مین سرور تک پہنچ گیا جہاں ای میل ایڈریس موجود تھا اور اب وہ اس کی آخری لوکیشن نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے لوکیشن بھی نکال لی مگر ایک حد سے آگے نہیں جا پا رہا تھا۔ اس نے صابر کو بتایا۔

''علاقہ ایک حد سے زیادہ واضح نہیں ہو رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''انٹرنیٹ وائرلیس سے استعمال ہو رہا ہے اس لیے لوکیشن بہت زیادہ واضح نہیں ہے۔ مگر ایک بات یقینی ہے کہ ای میل اس علاقے سے کی گئی ہے۔'' ماہر نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا جس پر شمالی علاقے کا نقشہ تھا اور اس پر ایک جگہ نقطہ بلنک کر رہا تھا۔ صابر کا دل دھڑک اٹھا۔

''یہ نقطہ کہاں پر ہے؟''

ماہر نے نقشہ واضح کیا اور جب اس کا نام سامنے آیا تو صابر اچھل پڑا۔ اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا اور شبیر کو کال کی۔ جیسے ہی شبیر نے کال ریسیو کی صابر نے تیز لہجے میں کہا۔ ''شبیر فوری ریڈ کرو۔ اندر موجود افراد کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو لیکن ثومی اور اس کے ساتھیوں کو بہرصورت بچانا ہے۔''

''یس سر۔'' شبیر نے کہا تو صابر نے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

شبیر نے موبائل بند کیا اور دوسرے یونٹ کے سربراہ سلیم سے کہا۔ ''فوری ریڈ کا حکم ملا ہے۔ مجرموں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی ہے لیکن یرغمالیوں کو بہرصورت بچانا ہے۔''

سلیم مستعد ہو گیا۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور آئے تھے۔ وہ سب نہایت تربیت یافتہ اور جانباز تھے۔ شبیر نے سلیم کے ساتھ مشورہ کر کے ایک حکمتِ عملی تیار کی اور ریڈیو پر سب کو بریف کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ چاروں طرف سے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆☆

ثومی کی کشمکش ختم ہو گئی اور وہ واپس پلٹی۔ لاؤنج میں آ کر اس نے سمیرا کو ایک نظر دیکھا اور اسے ساکت پا کر وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھی کیونکہ اسے لگا تھا کہ آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ اس نے بے آواز دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلا تو اسے سامنے بیڈ پر زارا اس حالت میں نظر آئی کہ ریان اس پر چھایا ہوا تھا اور اس کا لباس اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ برائے نام مزاحمت کر رہی تھی اور پوری طرح ہوش میں بھی نہیں لگ رہی تھی......

ثومی کا خون کھول اٹھا تھا پہلے وہ اس کی عزت کے درپے تھا اور اب اس کی دوست زارا کو بے آبرو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور اس کی نظر بیڈ کے ساتھ لکڑی کے ڈنڈے پر گئی۔ ثومی نے اسے اٹھایا اور پوری قوت اور ایک انتقامی جذبے کے ساتھ گھما کر ریان کے سر پر مارا۔ وہ کراہ کر نیم بے ہوش زارا پر ڈھیر ہو گیا پھر ثومی نے دوسری ضرب لگائی اور ریان ساکت ہو گیا۔ ثومی نے اسے زارا پر سے دھکیلا اور اسے ہلانے لگی۔

''زارا میری جان ہوش میں آؤ۔''

زارا کراہی اور سر ہلانے لگی۔ ثومی اسے بار بار ہلا رہی تھی اور آواز دے رہی تھی۔ اچانک عقب سے دروازہ بند ہوا اور پھر لاک میں چابی گھمانے کی آواز آئی۔ ثومی اسے چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکی اور اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے لاک تھا۔ ثومی ہراساں ہو گئی۔ وہ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگی۔

☆☆☆

سمیرا، ثومی کو ریان کے بیڈروم میں جاتے دیکھ رہی تھی۔ اسے قبل از وقت ہوش آ گیا تھا شاید عجلت میں ریان گیس انجکشن درست طور پر انجیکٹ نہیں کر سکا تھا اور دوا کم مقدار میں اس کے جسم میں گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی وہ اٹھ بیٹھی اور ڈولتے قدموں سے کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر وہ بہ مشکل دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے دیواروں کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ نزدیک آتے ہی اس نے کھینچ کر دروازہ بند کیا اور جیب سے اس کی چابی نکال کر اسے باہر سے لاک کر دیا۔ چابیاں اس کے پاس تھیں۔ اس نے ریان کا انجام دیکھ لیا تھا اور اسے کوئی افسوس نہیں تھا، وہ اس سے بھی بڑی سزا کے قابل تھا۔ مگر فی الوقت سمیرا کو ریان کے بجائے اپنی اور اپنے مشن کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ واپس صوفے تک آئی اور اپنے ہینڈ بیگ سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر ناک سے لگائی اور زور سے سانس کھینچی۔ لمحوں میں اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ اس نے تیزی سے اٹھ کر گھر کے دونوں دروازے چیک کیے اور پھر ایک کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ سامنے سے دو سائے اسے مکان کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔

ان کا انداز اور ہاتھوں میں موجود ہتھیار دیکھ کر سمیرا چونکی اور پھر واپس لپکی۔ اس نے پھرتی سے لیپ ٹاپ آن کیا اور اپنا ای میل کھولا۔ اس میں ظہیر خان کی طرف سے ای میل دیکھ کر وہ پُرجوش ہو گئی۔ وقت نہیں تھا کہ وہ فائل

ڈاؤن لوڈ کر کے چیک کرتی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور ایک کمرے میں آئی۔ دو منٹ سے بھی پہلے وہ تیار ہو کر باہر آئی۔ اس نے دو تین جگہوں پر سیاہ رنگ کے چھوٹے بکس رکھے اور کچن میں آ کر انتظار کرنے لگی۔ ایک منٹ سے پہلے اس کے لگائے تینوں بم ہلکی آواز کے ساتھ پھٹے۔ لاؤنج اور بنگلے کا اگلا حصہ شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ یہ آگ لگانے والے بم تھے۔ شعلے کچن سے زیادہ دور نہیں تھے۔ مگر سمیرا نے عجلت سے کام نہیں لیا۔ جب سامنے والے دروازے پر باہر سے ضربیں لگنا شروع ہوئیں تو وہ کچن والا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ بائیں طرف ایک مسلح فرد موجود تھا۔ اس نے سمیرا کی طرف اپنی رائفل سیدھی کی تھی کہ وہ حیرت انگیز پھرتی سے بھاگی اور ایک چھلانگ میں وہ .... چار دیواری پار کر گئی۔ آدمی کی چلائی گولیاں اس کے پاس سے گزر گئی تھیں۔ دوسری طرف گرتے ہی اس نے اپنی چھوٹی گن سے دیوار کے دوسری طرف ایک برسٹ مارا۔

پھر اس نے اپنے پیروں میں اسکیٹر اٹکائیں۔ یہ خود بہ خود پیروں کو جکڑ لیتی تھیں۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے پھسلتی ہوئی نشیب کی طرف جا رہی تھی۔ عقب سے اس پر فائرنگ ہوئی۔ کچھ گولیاں اس کی پشت پر لگیں مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ بلٹ پروف پہنے ہوئے تھی اور اس کے سر پر جو ہیلمٹ تھا وہ بھی بلٹ پروف تھا۔ صرف ہاتھ یا پیر میں گولی لگنے کی صورت میں وہ متاثر ہوتی اور یہاں کوئی گولی نہیں لگی۔ چند لمحے بعد عقب سے دوسری رائفل بھی گرجنے لگی اور گولیاں اس کے آس پاس سے گزرنے لگیں مگر ایک منٹ سے بھی پہلے وہ ان کی حد سے نکل چکی تھی۔ اس وقت اس کی رفتار بہت زیادہ ہو گئی تھی اور شاید وہ سو کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اسکیٹنگ کر رہی تھی۔ ذرا آگے نکل کر اس نے رفتار کم کرلی۔ مگر یہ اب بھی خاصی زیادہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ شبیر اینڈ پارٹی کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

شبیر سامنے کی طرف تھا اور بنگلے کی چار دیواری کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کے آدمی دروازہ توڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کے اشارے پر وہ حرکت میں آگئے اور دروازے پر ضربیں لگانے لگے۔ سلیم پیچھے موجود افراد کی کمانڈ کر رہا تھا۔ اچانک اندر سے شعلے نمودار ہوئے اور ہلکے دھماکے سنائی دیے۔ اس طرف کھلنے والی ایک کھڑکی کے شیشے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ اندر آگ لگ گئی تھی۔ شبیر پیچھے ہٹا اور باقی کھڑکیوں میں دیکھنے لگا۔ اس کے آدمی دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے تھے۔ اچانک عقب سے فائر کی آواز آئی۔ آواز ان کی رائفل کی تھی اور چند لمحے بعد کسی دوسرے ہتھیار سے برسٹ چلا اور کوئی ریڈیو پر چلایا۔ ”ایک بھاگ گیا ہے، پیچھے سے نکل گیا ہے۔“

شبیر اچھل پڑا اور پھر دانت پیس کر پیچھے کی طرف لپکا۔ اب ان کی رائفل رہ رہ کر گرج رہی تھی۔ وہ پیچھے پہنچا تو اس نے دور اسکیٹرز پر پھسلتے شخص کو دیکھا اور اپنی رائفل سیدھی کر کے اسے نشانہ بنایا۔ اس کی گولیاں اسے لگی تھیں مگر وہ گرا نہیں اور چند لمحوں میں رائفل کی مار سے دور نکل گیا۔ شبیر نے ریڈیو پر جبران کو پکارا۔ ”جبران کیا تم دیکھ رہے ہو؟“

مگر جبران کا جواب نہیں ملا وہ شاید ریڈیو کی عام رینج سے باہر تھا۔ شبیر نے سلیم سے کہا۔ ”میں نے کہا تھا کہ پیچھے رہنے والے اسی جگہ رہیں اور یہاں صرف ایک آدمی تھا۔“

”سوری شعلے دیکھ کر میں اور میرے دو ساتھی آگے آگئے تھے۔“

”جو گاڑی کے پاس ہے، وہ جبران سے رابطہ کر کے کہے کہ وہ فرار ہونے والے کو مار گرائے۔“ شبیر نے ریڈیو پر حکم دیا اور واپس مکان کی طرف بھاگا مگر اس بار اس نے عقبی کچن کا راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ اندر گھسا تو شعلے اور ان کے ساتھ دھواں پھیل رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک مکان کے اندر سے مزاحمت نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اور اس کے ساتھی محتاط تھے اور کسی بھی کارروائی کا جواب دینے کو تیار تھے۔ آگ نے لاؤنج اور اس کے ساتھ موجود ایک کمرے کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ دوسرے کمرے تک آگ پہنچ گئی تھی مگر اس کا دروازہ بند تھا۔ اس دوران میں شبیر کے آدمی باقی بنگلے کو چیک کر چکے تھے اور وہاں کوئی نہیں تھا اب یہی ایک بند دروازہ رہ گیا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھے تھے کہ اچانک اس کے آس پاس موجود لکڑی کے کام نے آگ پکڑ لی اور یہ اتنی تیزی سے پھیلی کہ انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

☆☆☆

ثومی ہراساں تھی۔ زارا بے ہوش تھی۔ احمر تو مکمل بے ہوش تھا اور ریان کو اس نے بے ہوش کر دیا تھا۔ اب وہ یہاں سے کیسے نکلیں گے۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا باہر گرل تھی۔ وہ یہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ وہ واش روم میں آئی۔ یہاں ایک طرف چھوٹا سا روشن دان تھا مگر اس پر ایگزاسٹ فٹ تھا اور اگر نہ بھی ہوتا تب بھی اس سوراخ سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ ثومی نے مگ میں پانی لیا اور

یہ ہے دشمن کے جنگی منصوبے کی مائکروفلم... بہت مشکل سے ہاتھ آئی ہے۔

باہر نکلی تھی کہ باہر سے دبے دبے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور پھر ایسی آواز آئی جیسے آگ بھڑک رہی ہو۔ ثومی جلدی سے زارا کے پاس آئی اور اس کے منہ پر پانی چھڑکنے لگی۔ ساتھ ہی وہ اس سے اٹھنے اور ہوش میں آنے کی التجائیں بھی کر رہی تھی اس لیے جب زارا نے آنکھ کھولی تو اسے بے انتہا خوشی ہوئی۔

''شکر ہے، تمہیں ہوش آگیا۔''

زارا ہراساں تھی۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''کون؟'' ثومی سمجھی نہیں پھر اسے ریان کا خیال آیا۔ اس نے بیڈ کے نیچے اشارہ کیا۔ ''وہ یہاں ہے؟''

''کہاں؟'' زارا نے پھر پوچھا اور ثومی نے سر گھما کر دیکھا تو جہاں ریان کو ہونا چاہیے تھا وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ عقب میں ایک الماری کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک عدد پستول تھا۔ اس کے سر سے بہنے والا خون اب چہرے کے دائیں طرف اور گردن پر آرہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا۔ اسے ہوش میں اور مسلح دیکھ کر ثومی اور زارا خوف سے ایک دوسرے سے چمٹ گئیں۔ ریان نے دانت پیس کر پستول کا رخ ان کی طرف کیا اور گھٹی آواز میں بولا۔

''تم دونوں میرے ہاتھ سے مرو گی۔''

ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ باہر سے برسٹ چلنے کی آواز آئی اور پھر دوسرا برسٹ چلا تھا۔ ریان چونک گیا۔ وہ دروازے تک آیا اور اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھا۔ دوسرے برسٹ نے اسے زیادہ چونکایا تھا اور وہ ایک بار پھر دانت پیس رہا تھا۔ اس نے زیرِ لب کہا۔ ''کتیا نکل گئی۔''

باہر اب نہ صرف آگ بھڑکنے کی آواز آرہی تھی بلکہ دوسری آوازوں سے لگ رہا تھا کہ کچھ اور لوگ بھی اندر موجود تھے۔ ریان تیزی سے ان دونوں کی طرف آیا اور آہستہ سے بولا۔ ''آواز نہ نکلے ورنہ وہ تمہاری آخری آواز بھی ہوگی۔''

''ہم کچھ نہیں کہیں گے پلیز ہمیں کچھ مت کہنا۔''

''اگر کوئی اندر آیا تو میں سب سے پہلے تمہیں شوٹ کروں گا۔''

ریان کی دھمکیوں نے ان کی عالت خراب کر دی تھی۔ زارا نے بہ مشکل کہا۔ ''ہم خاموش رہیں گے۔''

ریان نے کمرے کے ایک کونے میں پوزیشن سنبھال لی اور پستول کا رخ دروازے کی طرف کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار تھا ورنہ وہ

دوسرا بھی نکال لیتا۔

☆☆☆

وہ آئل والے حصوں سے پیچھے ہٹ آئے تھے۔ شبیر نے سلیم سے کہا۔ ''اس کمرے میں کم سے کم تین افراد ہیں۔ ان میں سے ایک مجرم ہے اور دو بے گناہ ہیں۔''

''اگر مجرم مسلح ہے تو کسی بھی کارروائی کی صورت میں وہ سب سے پہلے ان دونوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا۔''

''دروازے سے جانا ممکن نہیں ہے۔'' شبیر نے کہا۔ ''ہمیں باہر کھلنے والی کھڑکی کی گرل کو اڑانا ہوگا۔''

''میرے پاس ایک آدمی اس کام کا ماہر ہے اور ہمارے پاس اس کام کے لیے مخصوص بم بھی ہیں۔''

وہ باہر آئے۔ سلیم نے اپنے آدمی کو بلایا اور اسے گرل اڑانے کو کہا۔ وہ ایک چھوٹا سا بیگ لایا اور اس نے گرل کے ان حصوں میں جو دیوار سے پیوست تھے، چھوٹے بم لگائے۔ یہ آٹو میٹک بم تھے جو بٹن دبانے کے ایک منٹ بعد خود بہ خود پھٹ جاتے تھے۔ اس نے چار بم فٹ کیے۔ یہ چپک جانے والے بم تھے اس لیے لگانے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ گرل سے رسی باندھ کر چار دیواری کے دوسری طرف موجود افراد تک پہنچائی گئی کہ جیسے ہی دھماکا ہو وہ کمزور ہو جانے والی یا گرنے والی گرل کھینچ لیں تاکہ کمرے کے اندر گھسنے اور آپریشن کرنے میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ یہ سارا کام بالکل خاموشی سے اور بنا آہٹ کے کیا گیا۔ چاروں بموں کے بٹن تقریباً بیک وقت دبائے گئے تھے اس کے ساتھ ہی سب تیزی سے پیچھے ہو گئے اور مختلف آڑ میں دبک گئے۔ ایک منٹ پورا ہوتے ہی یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور گرل ٹوٹی نہیں لیکن جھول گئی تھی۔ بموں نے اس کے دیوار میں پیوست حصوں کو کمزور کر دیا تھا۔ اس لیے جب چار دیواری کے دوسری طرف موجود افراد نے رسی کھینچی تو گرل دیوار سے نکل کر دور جا پڑی۔ شبیر اور اس کے ساتھ سلیم اٹھ کر دوڑے تھے اور بیک وقت چھلانگ لگا کر کھڑکی توڑتے ہوئے اندر جا گرے۔

☆☆☆

ثومی، زارا کے مقابلے میں زیادہ جرأت مند تھی۔ شاید یہ خون کا اثر بھی تھا۔ اس لیے جب ریان پستول دروازے کی طرف کر کے بیٹھ گیا تو اس نے محسوس کیا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اسے خود کچھ کرنا ہوگا۔ ورنہ اگر باہر سے کوئی کارروائی ہوئی تو یہ شخص بے دریغ انہیں مار دے گا۔ اتنے قریب سے کی جانے والی فائرنگ سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ثومی سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کر سکتی تھی۔ تب اس کی نظر ذرا دور پڑے لکڑی کے ڈنڈے پر گئی۔ مگر وہ اسے جھک کر اٹھا نہیں سکتی تھی کیونکہ اس صورت میں ریان چوکنا ہو کر اسے پہلے ہی شوٹ کر دیتا۔ ایک ٹینشن کے عالم میں وقت لمحہ بہ لمحہ گزر رہا تھا سب کی نظریں دروازے پر مرکوز تھیں اس لیے جب کھڑکی کی طرف سے دھماکے ہوئے اور گرد و غبار کا طوفان اندر تک آیا۔ ایک لمحے کے لیے تو سب کے حواس گڑبڑا گئے۔ زارا اور ثومی ردعمل میں بیڈ سے نیچے گری تھیں اور ابھی وہ پڑی تھیں کہ کھڑکیاں ٹوٹنے کی آواز آئی۔ ثومی کے ہاتھ لکڑی تلاش کر رہے تھے اور یہ کام وہ لاشعوری طور پر کر رہی تھی اور پھر جیسے ہی لکڑی اس کے ہاتھ میں آئی اس نے بنا دیکھے، اور سوچے اسے اس طرف کھینچ ماری جہاں ریان موجود تھا۔

ریان نے بھی نہیں سوچا تھا کہ کارروائی اس طرف سے ہوئی تھی اس لیے وہ بھی بدحواس ہوا مگر تربیت یافتہ آدمی تھا اس لیے فوراً ہی سنبھل گیا۔ گرد و غبار نے ماحول دھندلا دیا تھا اور وہ اپنا ٹارگٹ تلاش کر رہا تھا۔ پھر اسے کھڑکی کے پاس ایک آدمی نظر آیا اور اس نے پستول اس کی طرف کیا تھا کہ کوئی چیز اڑتی ہوئی آئی اور اس کے ہاتھ پر لگی۔ درد کی لہر کے ساتھ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اس نے کراہ کر گالی دی تو اندر آنے والے کو اس کی موجودگی کا علم ہو گیا اور اس نے آگے بڑھ کر ریان کے پہلے سے زخمی سر پر رائفل کی نال ماری اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو کر نیچے لڑھک گیا۔ اس دوران میں سلیم کمرے کا معائنہ کر رہا تھا اس نے پہلے لڑکیوں اور بے ہوش احمر کو دیکھا اور پھر واش روم میں جھانکا۔ ''کلیئر ہے۔''

شبیر لڑکیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے ثومی کی تصویر دیکھی تھی۔ اسے بہ خیریت دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا اور احتیاطاً پوچھا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں اللہ کا شکر ہے۔'' وہ بولی۔ ''لیکن میری یہ ساتھی زخمی ہے اور یہ تو بے ہوش ہے۔''

''آپ بےفکر رہیں۔ یہاں سے نکلنا ہے کیونکہ اندر آگ لگی ہوئی ہے۔'' شبیر نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ثومی کو اٹھایا پہلے اسے کھڑکی سے باہر نکالا اور پھر زارا کو باہر لایا۔ اس کے آدمی آگئے تھے۔ آگ بیڈ روم کے دروازے کو جلانے لگی تھی۔ سلیم نے احمر کو شانے پر اٹھایا اور وہ باہر نکل گئے۔ ان میں طبی امداد کا ماہر احمر کو دیکھنے لگا۔ اسے ہوش میں

لانے کے لیے دوا سونگھائی گئی تو اس کا فوری اثر ہوا اور وہ ہوش میں آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے زارا کے بارے میں پوچھا۔

”میں یہاں ہوں۔“ زارا بولی۔ ”اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”سر میں درد ہے۔“ احمر نے سر دبایا۔ ”بہت زور سے مارا تھا۔“

”فکر مت کرو، میں نے تمہارا بدلہ لے لیا تھا۔“ ثومی بولی۔ ”وہی ڈنڈا اس کے سر پر مارا تھا۔“

”پھر اس کے ہاتھ پر مارا۔“ شبیر بولا۔ ”آپ نے بروقت مارا ورنہ وہ مجھ پر فائر کرنے والا تھا۔“

”میں نے دیکھے بغیر مارا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ ڈنڈا اس کے ہاتھ پر لگا۔“ ثومی بولی۔

”اس کے باوجود میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“ شبیر نے کہا۔ ”میں آپ کے والد کو اطلاع کرنے جا رہا ہوں۔“

”پاپا کو۔“ ثومی بیتاب ہو گئی۔ ”میں بھی چلوں گی۔“

شبیر اسے لے کر جیپ تک آیا اور یہاں اس نے صابر درانی سے رابطہ کر کے مشن کی رپورٹ دی۔ صابر یہ سن کر خوش ہوا کہ ایک مجرم زندہ ہاتھ آیا تھا مگر وہ دوسرے کے فرار ہونے کا سن کر ناخوش بھی ہوا تھا۔ شبیر نے اس سے کہا۔

”مس خان اپنے والد سے بات کرنا چاہتی ہیں۔“

”میں اسے بتاتا ہوں، وہ کال کرتا ہے۔“

ثومی متجسس تھی کہ وہ لوگ کون تھے اور انہیں کیسے پتا چلا کہ وہ کہاں قید تھی۔ مگر شبیر اس کے سوالوں کے جواب میں اسے ٹالتا رہا۔ ثومی پہلے سمجھ رہی تھی کہ اغوا کا مقصد کچھ اور تھا مگر اب اسے لگ رہا تھا معاملہ صرف اس کا نہیں تھا۔

کچھ دیر میں ظہیر خان کا فون آیا تو شبیر جیپ سے نکل گیا تاکہ وہ اپنے گھر والوں سے بات کر سکے۔ ثومی باپ کی آواز سن کر رو رہی تھی۔ ظہیر خان اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس پر کیا گزری اور ثومی اسے بتانے لگی کہ اس پر کیا گزری تھی۔ چند مشکل مراحل کا ذکر کرتے ہوئے اسے شرم آئی تھی مگر اس کی باتوں سے، ظہیر خان نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسے ان تصویروں کا علم نہیں ہے جو یقیناً اس کی بے ہوشی میں کھینچی گئی تھیں۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ ثومی سے ان کا ذکر نہیں کرے گا۔ البتہ اسے یہ فکر تھی کہ تصاویر فرار ہونے والے شخص کے پاس ہو سکتی تھیں اور وہ ان سے اسے بلیک میل کر سکتا تھا۔ یہ اسے بعد میں پتا چلا کہ فرار ہونے والا مرد نہیں بلکہ عورت تھی۔

ثومی کی ماں سو رہی تھی اور ظہیر خان نے کہا کہ وہ اسی وقت روانہ ہو رہا ہے صبح تک وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ بنگلا اب پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ جس وقت شبیر اپنے آدمیوں کے ساتھ لاؤنج تک آیا تو وہاں ایک عدد لیپ ٹاپ بھی آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا اور آگ نے اسے پوری طرح تباہ کر دیا تھا۔ اس لیے شبیر نے اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ بعد میں آگ نے یقیناً وہاں کسی چیز کو سلامت نہیں چھوڑا تھا۔ جبران کا کہنا تھا کہ اس نے فرار ہونے والے پر دو فائر کیے تھے مگر وہ اتنی تیز رفتاری سے اسکیٹنگ کر رہا تھا کہ اس کے دونوں نشانے خالی گئے۔ کیونکہ اس کی رائفل تقریباً بے آواز تھی اس لیے فرار ہونے والے کو بھی علم نہیں ہوا کہ اس پر فائرنگ کی گئی ہے۔ اگلے ایک گھنٹے میں ساری صورت حال شبیر کے علم میں آ چکی تھی۔ وہ سب ہوٹل آ گئے تھے۔ مگر شبیر کی پارٹی میں صرف وہی آیا تھا اور اس کے آدمی فرار ہونے والی عورت کو تلاش کر رہے تھے جس کا ایک نام سمیرا بھی تھا۔

ثومی کو پتا چل گیا تھا کہ اسے اغوا کرنے کا مقصد اصل میں کچھ اور تھا مگر اسے حتمی طور پر نہیں معلوم تھا کہ اسے کیوں اغوا کیا گیا تھا۔ زارا اور احمر ابتدائی طبی امداد کے بعد آرام کے لیے جا چکے تھے۔ ثومی نیچے لاؤنج میں شبیر کے ساتھ موجود تھی۔ جب تک شبیر اس سے سوالات کرتا رہا۔ اس کا انداز پروفیشنل رہا تھا مگر جب اس نے سوالات ختم کیے اور اس دوران میں کافی آ گئی تب اس کا انداز بدل گیا اور نہ جانے کیوں ثومی کو اس کے دیکھنے کے انداز سے شرم آنے لگی اور ساتھ ہی اسے اچھا بھی لگ رہا تھا۔ شبیر اس سے اس کے بارے میں سوال کرتا رہا۔ ثومی اسے اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ ماسٹر کے بعد اس کا ارادہ سول سروس کا امتحان دینے کا تھا اور وہ بھی ظہیر خان کی طرح ایک اچھی اور محنتی سول سرونٹ بننا چاہتی تھی۔ شبیر نے پوچھا۔

”اس کے بعد؟“

ثومی اس کے سوال کا مفہوم سمجھ گئی مگر انجان بن کر بولی۔ ”اس کے بعد... کیا؟“

”میرا مطلب... شادی سے ہے۔ کیا آپ کی انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔“

”نہیں۔“ ثومی نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ”نہ ہی سوچا ہے۔“

شبیر خوش ہو گیا۔ ”رئیلی؟“

ثومی جھینپ گئی۔

☆☆☆

ظہیر خان، ثوبی کو لے کر واپس آیا تھا۔ چند گھنٹے ہل اسٹیشن میں رک کر انہوں نے واپسی کا سفر کیا تھا اور اگلے دن چڑھے وہ واپس پہنچے تھے۔ ابھی ان کی گاڑی ٹول پلازا کراس کر کے دارالحکومت کی حدود میں داخل ہوئی تھی کہ ظہیر خان کے موبائل کی بیل بجی، اس نے موبائل نکال کر دیکھا ایک اجنبی نمبر آ رہا تھا۔ وہ عام طور سے اجنبی نمبر سے آنے والی کالز ریسیو نہیں کرتا تھا مگر اس وقت اس نے کال ریسیو کر لی۔ ''ہیلو۔''

''ظہیر خان؟'' دوسری طرف سے ایک دل کش نسوانی آواز نے پوچھا۔

''بات کر رہا ہوں۔'' ظہیر خان نے کہا۔ ''تم یقیناً سمیرا ہو۔''

''افسوس کہ تم ناکام رہے لیکن تم نے اپنی بیٹی کو بچالیا۔''

''یہ اوپر والے کا احسان ہے مگر تم بچ نہیں سکو گی۔ تمہارا ساتھی ہمارے قبضے میں ہے اور جلد وہ سب اُگل دے گا۔''

''وہ جو اُگلے گا اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' سمیرا نے کہا۔ ''میری اور اس کی راہیں جدا ہیں۔ ویسے میری خواہش ہے کہ اسے سخت سزا ملے۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' ظہیر خان نے کہا۔ ''بچو گی تم بھی نہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''کوئی بھی ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ تم ثومی کی تصاویر کی طرف سے بےفکر رہو۔ اسے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے اگر تم خود نہ بتاؤ۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ظہیر خان نے ثومی کی موجودگی کی وجہ سے کھل کر کہنے سے گریز کیا۔

''میرے پاس بھی اب یہ تصاویر نہیں ہیں۔ میں اپنا لیپ ٹاپ اور کیمرا وہیں بنگلے میں چھوڑ آئی تھی، مجھے یقین ہے وہ دونوں تباہ ہو گئے ہوں گے۔''

ظہیر خان نے اس سے کہا نہیں کہ ایک اور جگہ یہ تصاویر ہو سکتی تھیں اور یہ اس کا ای میل ایڈریس تھا۔ یہ بات سمیرا نے خود کہی۔ ''تم فکر مت کرو میں نے انہیں اپنے ای میل کے سینڈ بکس سے بھی ڈیلیٹ کر دیا ہے۔''

ظہیر خان نے گہری سانس لی۔ ''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''اور میں اس فائل کے لیے تمہاری شکر گزار ہوں۔''

''تم نے جو کیا ہے اس کے جواب میں، میں یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس فائل کو آگے نہ کرنے کا مشورہ دوں۔''

''کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟''

''گڈ بائے اینڈ گڈ لک۔'' ظہیر خان نے کہا اور کال کاٹ دی۔ پھر اس نے فوری صابر کو کال کر کے اس نمبر کے بارے میں بتایا جس سے اسے کال آئی تھی۔

''میں چیک کرتا ہوں۔'' صابر نے کہا۔

''پاپا وہ کیا کہہ رہی تھی؟'' ثوبی نے پوچھا۔

''وہ مجھے اطمینان دلا رہی تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی مس ہیپ نہیں ہوا ہے۔''

ظہیر خان شبیر سے ملا تھا، اسے یہ نوجوان اچھا لگا تھا اور پھر ثومی جس طرح بار بار اس کا ذکر کر رہی تھی اسے بھانپنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہی تھی اور یقیناً شبیر کی طرف سے اسے کوئی اشارہ ملا ہوگا۔ ظہیر خان کو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن ابھی آغاز تھا۔ اگر شبیر کی طرف سے باقاعدہ رشتہ آتا اور ثومی رضامند ہوتی تو وہ اس پر ضرور غور کرتا۔

☆☆☆

سمیرا ائرپورٹ کے انٹرنیشنل ڈیپارچر لاؤنج میں تھی اور اس کا حلیہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس کے بال سیاہ ہو رہے تھے اور چہرے کی رنگت بھی کسی قدر ملاحت لیے ہوئے تھی۔ اس نے جدید طرز کا اسکرٹ بلاؤز پہن رکھا تھا جس میں اس کا جسم نمایاں تھا۔ آدھے گھنٹے بعد فلائٹ تھی اور اسی لمحے اعلان ہونے لگا کہ مسافر طیارے میں پہنچ جائیں۔ سب اٹھنے لگے مگر سمیرا جس کونے میں بیٹھی تھی وہاں سے نہیں اٹھی۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ ظہیر خان کے آخری جملے نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر وہ نہ جاتی تو اس کی ساکھ ختم ہو جاتی اور اس کے بعد اسے ساری عمر چھپ کر رہنا پڑتا لیکن وہ جاتی اور فائل میں گڑبڑ نکلتی تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی۔ آخری اعلان ہوا تو وہ گہری سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ سنبھالا اور ایک طرف بڑھی۔ اس نے ایک ڈسٹ بن کے پاس سے گزرتے ہوئے موبائل اس میں ڈال دیا۔ اس نے اسی موبائل سے ظہیر خان کو کال کی تھی۔ ائرپورٹ سے باہر آ کر اس نے کھلے آسمان کو دیکھا اور ایک طرف کھڑی وائٹ کیب کو اشارہ کر کے بلانے لگی۔

سرورق کی دوسری کہانی

دوسری چال

عبدالرب بھٹی

اچھا موسم ہو تو راستہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہوتا... اگر برف کا طوفان آیا ہو تو پھر راستے مشکل سے مشکل تر ہوتے چلے جاتے ہیں... تیز ہواؤں اور برفیلی پہاڑیوں میں گھری وادی کے گرد گھومتی ایک پرتجسس کہانی... محبت کی ناکامی... انتقام کے جذبات کو ایسے ہوا دیتی ہے کہ عقل و خرد کے تمام دروازے بند ہو کے رہ جاتے ہیں... موسم کی سرد خیزیوں میں کھیلے جانے والے کھیل کا خوفناک ماجرا...

انسان اور حیوان میں مشترک درندگی کا ہلا دینے والا پرانتقام کھیل

باہر رات سرد تھی۔ ماحول ٹھٹھرا دینے والا تھا۔ ایسے میں برف زار سناٹا بھی دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ دفعتاً ہی ایک تیز چیخ نے روئی کے گالوں کی طرح اس ٹھٹھرے ہوئے سناٹے کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ ماحول لمحے بھر کو لرز اٹھا۔

وہ اس وقت اپنی مطالعہ گاہ میں آتش دان کے سامنے آرام کرسی پر گرم شال اوڑھے ایک کتاب کے مطالعے میں محو تھا۔ کمرے کی ایک کھڑکی باہر کھلتی تھی جو بند تھی مگر وہاں سے باہر ویرانے کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ چیخ کی آواز اس تک بھی پہنچی تھی مگر اس کے قدرے لمبوترے چہرے پر چونکنے کے ذرا بھی آثار نہیں ابھرے تھے۔ اس کے برعکس اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر اسرار بھری مسکراہٹ تھی۔

اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ ناک قدرے لمبی اور آگے سے موٹی تھی۔ رنگ گورا تھا جسم چھریرا۔ عمر چالیس کے قریب تھی، اس نے کچھ سوچ کر کتاب بند کی اور شال سنبھالتا ہوا وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کھڑکی کے قریب آ گیا۔ یونہی ذرا بھویں اچکا کر شیشے کے پار تاریکی میں گھورنے لگا جیسے وہ کوئی منظر دیکھنے کی سعی کر رہا ہو۔ اسی لمحے گولی چلنے کے دو تین دھماکے بھی ابھرے۔ آسمان شفاف مگر تاریک تھا۔ چاند دور کہیں برفیلی چوٹیوں میں جھکا ہوا تھا۔ البتہ ستاروں کی مدھم ضوفشانی میں تاریک آسمان اور برف کی سفیدی کھڑکی کے شیشے سے پار عجیب پُراسرار منظر پیش کر رہی تھی، کہیں جنگلی جھاڑیاں اور ٹنڈ منڈ سے برف کا لبادہ اوڑھے درخت راہبوں کی طرح ایستادہ نظر آ رہے تھے۔

معاً دور برف زار ویرانوں میں اسے دو تین ہیولے دکھائی دیے۔ وہ کبھی دائیں حرکت کرتے اور کبھی بائیں... تاہم ان کا رخ اسی خوب صورت، سفید کاٹیج کی طرف تھا۔ ان کے بڑھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس جگہ سے شناسا ہوں۔ جس کا ثبوت ان ہیولوں کا بار بار اپنا رخ بدل کر دوبارہ اس کاٹیج کی طرف ہی حرکت کرتے رہنا تھا۔

"ہوں... تو یہ اپنا کام کر کے واپس لوٹ رہے ہیں۔" وہ خود کلامیہ انداز میں بڑبڑایا۔ "...جانوروں کی یہی خصلت ہوتی ہے، چاہے وہ کتنے ہی خونخوار ہوں... جہاں تھوڑا پیٹ بھرنے کو ملا... اُدھر لوٹتے ضرور ہیں... مگر نہیں... ان کا لوٹنا میرے لیے پھندا بن سکتا ہے۔ انہیں اب یہاں کا راستہ بھولنا ہوگا یا پھر اپنی جان سے جانا ہوگا۔"

وہ خود سے باتیں کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ وہ

آلود ہو رہے تھے۔ بڑے بڑے نکیلے شکاری دانت ان کے خونخوار جبڑوں سے صاف جھانکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ آدمی کے چہرے پر پہلے تو طمانیت بھری مسکراہٹ ابھری... پھر وہ بڑبڑایا۔ ''باقی دو کدھر گئے...؟ ہاں، میں نے رائفل چلنے کی دو تین بار آوازیں تو سنی تھیں... شاید اس کے باقی دو ساتھی گولیوں کی نذر ہو گئے۔ چلو... بچو! تم اب بھاگو، اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ نہ ہی تمہارے لیے میرے پاس کھانے کو کچھ ہے۔'' یہ کہتے ہی اس نے اپنی بندوق سیدھی کرلی اور تلے اوپر دو کارتوس بھیڑیوں سے ذرا آگے برف پر داغے۔ وہ تینوں بھیڑیے یک دم بری طرح بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے ان کا رخ دور برف زار ویرانوں کی طرف تھا۔ وہ شخص اندرونی دروازے سے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

وہ آج صبح ہی اسکردو کے ڈسٹرکٹ اسپتال سے ٹرانسفر ہو کر یہاں پہنچا تھا۔

اگرچہ اس تبادلے میں اس کی اپنی مرضی کا کوئی دخل نہ تھا مگر اسے اعتراض بھی نہ تھا۔ اس کی وجہ تھی، بہ نسبت ڈسٹرکٹ اسپتال کے یہ تحصیل کی سطح کا ایک چھوٹا اسپتال تھا جسے رورل ہیلتھ سینٹر کہہ سکتے تھے۔ وہ یہاں بطور سینئر انچارج میڈیکل آفیسر تعینات تھا۔ وہ ذرا مرنجان مرنج اور تنہائی پسند آدمی تھا۔ ڈسٹرکٹ اسپتال کی بہ نسبت یہاں اسے کافی سکون محسوس ہوا، اسٹاف بھی مختصر تھا یعنی ایک ڈسپنسر، ایک وارڈ اٹینڈنٹ، چپراسی اور وہ خود تھا۔

اسکردو، بلتستان کا مرکزی شہر ہے اور سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ اونچا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے بس اور ہوائی جہاز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بلتستان، چین اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان واقع ہے۔ لوگوں کی نسل ترک ہے جن کے چہرے گول، رنگ گورا ہوتا ہے۔

بلتستان میں کئی جانور قیمتی ہیں جن کی کھال انگلستان، فرانس، ناروے اور شمالی امریکا کے شہروں میں لاکھوں روپے میں فروخت ہوتی ہے۔ ان ملکوں کی بیگمات اس کھال سے بنی شالیں، پرس اور مفلر استعمال کرتی ہیں برفانی چیتے کی کھال کی شال یہ ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے کہ یہ شال پہننے والی خاتون کروڑپتی ہے۔

ایک جانور مارخور بھی یہاں قابل ذکر ہے۔ یہ دراصل جنگلی بکرا ہے جو بڑے ہرن کے جسم کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک بڑی عجیب بات مشہور ہے کہ یہ

کھڑکی سے ہٹ گیا۔ پلٹ کر دیوار سے جھولتی اپنی ڈبل بیرل بندوق اٹھائی پھر بیرونی دروازے کے بجائے... وہ ایک مختصر سی نشست گاہ سے ہوتا ہوا کاٹیج کے پچھلی جانب کھلنے والے دروازے سے باہر آگیا۔

سرد برفیلی ہواؤں کے تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ یہ کاٹیج کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے آہنی پنجرے بنے ہوئے تھے، ایک میں دو شکاری کتے دبکے ہوئے تھے، پنجرے کے کونے میں سردی سے بچنے کے لیے ان کا بڑا سا چوبی کھوکھا بنا ہوا تھا۔ دوسرے میں خرگوش تھے جبکہ تیسرا پنجرہ خالی تھا۔ اس نے تاروں کی مدھم روشنی میں دیکھا۔ وہ تینوں بھیڑیے اسی طرف چلے آرہے تھے مگر ابھی وہ احاطے کی چوبی ریلنگ تک ہی پہنچ پائے تھے کہ... رک گئے۔ ان پر بے چینی طاری ہوگئی، کسی بھی غیر معمولی پن کی بھنک جانوروں کو وقت سے پہلے پڑنے کی خاصی صلاحیت ہوتی ہے۔

وہ شخص دروازے کی چوکھٹ سے ذرا باہر کو آگیا اور اب وہ ان تینوں اور خاصے جسیم برفانی بھیڑیوں کو دیکھ سکتا تھا اور وہ بھی اپنی تیز دہکتی خونخواری لیے آنکھوں سے اسی کی طرف گھورے جارہے تھے۔ ان بھیڑیوں کے تھوتھنے خون

سانپ کھاتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو یہ سانپ کے بل پر اپنا تھوتھنا رکھ کر اپنا سانس اس زور سے کھینچتا ہے کہ سانس کے زور سے سانپ بل سے باہر آجاتا ہے اور مارخور اسے بڑے مزے سے نگل جاتا ہے۔

بنیادی طور پر وہ ایک فزیشن اور جنرل سرجن تھا۔ وہ اب تک سرکاری اسپتالوں کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات انجام دے چکا تھا۔

اس کا دنیا میں ایک خالہ کے سوا کوئی نہ تھا جو بے چاری آخری دم تک، اپنے لاڈلے بھانجے کے سر پر سہرا سجانے کا خواب شرمندۂ تعبیر کیے بغیر قبر میں جا سوئی تھی۔

اسپتال کے وسیع و عریض احاطے میں ہی اس کا سرکاری بنگلہ تھا۔ شاہ عنایت اس کا چوکیدار، ملازم سب ہی کچھ تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ بہت بااخلاق اور فرماں بردار تھا... بنگلے سے ملحقہ سرکاری کوارٹر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا، وہ بے اولاد تھا۔

ڈاکٹر شکیل اپنے ملازم شاہ کو رخصت کرنے کے بعد سونے کی تیاری کررہا تھا۔ سونے سے پہلے اس نے کچھ سرکاری نوعیت کے خطوط اور رپورٹیں جس میں ڈیوٹی جوائننگ رپورٹ بھی شامل تھی، نمٹائے تھے۔ تقریباً رات کے بارہ بجے وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ اچانک اسے باہر ہلکے شور کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً چونک گیا۔ آوازاسے اسپتال کی طرف سے آئی تھی۔ پھر جب اچانک کال بیل بجی تو لامحالہ اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا کہ ضرور کوئی ایمرجنسی آئی ہوگی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کا ملازم شاہ سامنے کھڑا تھا۔

''صاحب! ایک بڑی اہم ایمرجنسی آئی ہے۔ جلدی آیئے۔'' وہ بولا۔

''ایمرجنسی والی بات تو سمجھ میں آگئی شاہ! مگر یہ اہم ایمرجنسی کیا ہے؟'' ڈاکٹر شکیل نے پوچھا۔ مگر اس نے دیکھ لیا تھا کہ شاہ کے چہرے پر روایتی پریشانی کی جگہ ایک گہری تشویش اور تفکر کے آثار تھے۔ وہ جواباً بولا۔

''صاحب جی! اہم ہی سمجھیں بس آپ جلدی آجایئے۔ جمال اور قاسم بھی اسپتال آچکے ہیں۔ نمبردار رازق خان کی بیگم پر کچھ برفانی بھیڑیوں نے حملہ کردیا ہے۔ وہ بہت زخمی ہے۔''

چند ثانیوں بعد ہی وہ ایک میڈیکل باکس سنبھالے... ڈاکٹر شکیل کے عقب میں تیز تیز چل رہا تھا۔ اس نے نمبردار رازق خان کا نام اکثر مریضوں اور اپنے اسٹاف کے آدمیوں سے سن رکھا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسپتال کی عمارت میں داخل ہوا۔ ایک چوڑے مخصوص ٹائروں والی جیپ احاطے میں کھڑی نظر آئی۔ اسپتال کے اندر زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

ڈاکٹر شکیل اندر پہنچا تو ایک خوبرو سے شخص پر اس کی نظر پڑی۔ وہ اس کا ہم عمر نظر آتا تھا۔ اس وقت خاصا پریشان اور تشویش زدہ نظر آرہا تھا اور سیل فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے مخصوص علاقائی لباس پہن رکھا تھا۔ ڈاکٹر شکیل پر نظر پڑتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر تب تک وہ ڈریسنگ روم میں آگیا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ایک عورت خون میں لتھڑی پڑی تھی۔ جبکہ اس کا ڈسپنسر جمال اور وارڈ اٹینڈنٹ قاسم اسپرٹ سے اس کے زخم صاف کرنے اور فرسٹ ایڈ وغیرہ دینے میں مصروف تھے۔ ایک خوب صورت سے نقوش والی جواں سال لڑکی قریب کھڑی رو رہی تھی۔ ڈاکٹر شکیل نے صرف ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر ٹیبل پر دراز زخمی خاتون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ڈاکٹر صاحب! خدا کے لیے میری شاہانہ کو بچا لیں۔ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' وہ خوبرو شخص ڈاکٹر شکیل کے سامنے آتے ہوئے ملتجیانہ انداز میں بولا۔ دیکھنے میں وہ مضبوط اعصاب کا نظر آتا تھا مگر اس وقت وہ بری طرح ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ جس سے ڈاکٹر شکیل کو اندازہ ہوا کہ وہ اپنی بیوی سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ اسے تو رازق خان کو دیکھ کر تھوڑی حیرت ہوئی تھی ورنہ تو وہ اس کے متعلق یہی توقع کیے ہوئے تھا کہ قصبے کوٹلی پور کا نمبردار کوئی عمر رسیدہ اور دبنگ شخصیت کا حامل ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس شکیل کو وہ ایک عام سا انسان دکھائی دیا تھا تاہم مجموعی طور پر اس کی شخصیت آسودہ حالی کی غمازی کرتی تھی۔ مگر ڈاکٹر شکیل کے لیے رازق خان کے یہ جذباتی جملے روایتی سے تھے لہٰذا اس نے بھی روایتی انداز میں اسے تسلی دی۔

''اللہ سے دعا کریں جی! میں صرف کوشش ہی کرسکتا ہوں مگر زخم خاصے گہرے ہیں، ہوا کیا تھا؟''

جواباً اس نے بھی وہی کچھ بتایا جو اس کا ملازم شاہ اسے بتا چکا تھا۔

ڈاکٹر شکیل نے بہ غور معائنے کے دوران میں دیکھا برفانی بھیڑیوں نے خاتون کی دائیں ٹانگ ہڈی تک دانت گاڑ کر چبا ڈالی تھی۔ یہی حال بائیں بازو اور بائیں کولہے کا

بھی تھا۔ چہرے پر بھی خراشیں تھیں۔ پیٹ بھی ادھیڑا جا چکا تھا۔ بہت قابلِ رحم حالت تھی۔ ڈاکٹر اپنی سی کوششوں میں مصروف تھا۔ زخمی عورت کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ ایسے میں پاس کھڑی روتی ہوئی لڑکی نے بھی سسکیوں کے دوران ڈاکٹر سے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب' میری پیاری بھابی کو بچالیں۔ یہ مجھے بہنوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔''

ڈاکٹر شکیل اپنے کام میں منہمک رہا مگر بدقسمتی سے وہ جانبر نہ ہوسکی۔

☆☆☆

شاہانہ کی موت رازق خان کے لیے شدید دلی صدمے کا باعث بنی تھی۔ اس نے لوگوں سے ملنا جلنا تک چھوڑ دیا۔ حویلی نما گھر ایک دم سُونا سُونا سا ہوگیا۔ وہ ہر وقت اداس اور کھویا کھویا سا اپنے کمرے میں بند پڑا رہتا... کسی سے بات تک نہ کرتا۔ حتیٰ کہ اپنی لاڈلی بہن ثمرینہ سے بھی بات نہ کرتا۔ وہ بہت دکھی تھی، اپنی بھابی شاہانہ کو تو وہ اپنی سہیلی سمجھا کرتی تھی۔ شاہانہ بھی اس کے ساتھ گھل مل کر رہتی تھی۔

رازق خان اور شاہانہ کی شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔ صرف ایک برس... شاہانہ ان کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اس سے شادی کے بعد رازق خان ہمیشہ کے لیے شہر سے اپنے آبائی قصبے کوٹلی پور آن بسا تھا۔ ورنہ اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شہر میں ہی گزارا تھا۔ یہاں صرف اس کا باپ اور بڑا بھائی داراب خان اور اس کی بیوی رہا کرتے تھے۔ ثمرینہ دو بھائیوں کی لاڈلی بہن تھی۔ داراب خان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنی بیوی نفیسہ کے ساتھ اوپری منزل میں رہتا تھا اور باپ شاہ جہان خان کے ساتھ زمینوں وغیرہ کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ ماں کا انتقال بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب باپ کے انتقال کے بعد داراب بالکل اکیلا ہوگیا تو اس نے... چھوٹے بھائی رازق کو ہمیشہ کے لیے کوٹلی پور بلا لیا تھا۔ یہاں اس کی شادی بھی کردی تھی، بدنصیب شاہانہ... داراب کی بیوی نفیسہ کی ماموں کی بیٹی تھی۔ داراب کی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی لہٰذا رفتہ رفتہ زمینوں وغیرہ کے کام یہاں آکر رازق نے ہی سنبھال لیے تھے۔ شاہانہ کی اس ''حادثاتی موت'' کے بعد داراب، اس کی بیوی نفیسہ اور بہن ثمرینہ سے رازق خان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے ہر طرح سے اسے تسلیاں اور حوصلہ دینے کی کوشش چاہی لیکن رازق کی حالت سنبھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اب تو اس کی حالت زار دیکھ کر کبھی کبھی داراب خان اور ثمرینہ کو اپنے اس دکھی بھائی کی طرف سے یہ تشویش بھی ہونے لگی تھی کہ کہیں خدانخواستہ... وہ انتہائی دکھ کی حد کو پہنچ کر اپنی زندگی کا خاتمہ ہی نہ کر ڈالے۔ یہی سبب تھا کہ بڑے بھائی داراب خان نے چھوٹی بہن ثمرینہ کو خاص تاکید کردی تھی کہ وہ رازق کو کسی بھی صورت میں اکیلا نہ چھوڑے۔ اس بے چاری کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ اپنے بھائی کا دل بہلاتی رہے... مگر وہ تھا کہ گم صم ہی بیٹھا رہتا۔ بہن سے بھی کوئی بات نہ کرتا۔ وہ بہن کو اپنے کمرے میں بھی نہیں بیٹھنے دیتا۔ لہٰذا ثمرینہ جو پہلے ہی اس کی جانب سے تشویش کا شکار رہتی تھی... چپکے چپکے بھائی کو دیکھتی رہتی۔

ایک دن اس نے بھائی رازق خان کو سیل فون پر کسی سے باتیں کرتے سنا تو یونہی وہ بھی دروازے کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔

''میں تمہارا خون پی جاؤں گا ذلیل آدمی... تم ہو کون؟''

معاً... ثمرینہ نے اپنے بھائی کی غراہٹ سے مشابہ آواز سنی اور بری طرح چونک گئی۔

''ذلیل آدمی! بزدل، کمینے چھپ کر وار کرتے ہو۔ مرد کے بچے ہو تو سامنے آؤ۔'' رازق کا سیل فون والا ہاتھ جوشِ غیظ سے کانپ رہا تھا۔ دوسری جانب سے بھی زہریلی پھنکار سے مشابہ آواز میں کہا گیا۔

''میں کون ہوں... تو سن لو رازق خان! میں موت ہوں... تمہاری اور تمہارے خاندان کی... اب تمہاری بیوی کے بعد تمہاری بہن ثمرینہ کی باری ہے۔ اس کے بعد تمہارے بھائی اور اس کی بیوی کی... پھر تمہاری باری ہوگی... مگر نہیں... تم تو تب تک ویسے ہی...''

''تم کون ہو... اور مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟'' رازق نے اس بار اپنے ابال پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بہادر دشمن سے چھپا ہوا بزدل دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

''میں کون ہوں؟'' دوسری طرف سے پھنکار سے مشابہ آواز ابھری۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ رازق نے جلدی سے ہیلو کہہ کر دوبارہ پوچھا۔

''تم چاہتے کیا ہو...؟ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ آخر اس دشمنی کی کوئی وجہ تو ہوگی؟'' رازق اب تھیلے سے بلی نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اندازہ لگا چکے ہوگے کہ... میں کون ہوں۔'' دوسری طرف طنزیہ آواز ابھری۔

رازق اس کی بات پر ایک لمحے کو اندر سے لرز کر رہ گیا۔ تاہم اگلے ہی لمحے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بولا۔
''مجھے کیا پتا، تم کون ہو؟''
''اچھا۔'' دوسری جانب سے زہریلے انداز میں کہا گیا۔ ''شاید تم بھولے بن رہے ہو... یا پھر تمہیں خود پر اتنا یقین ہے کہ تمہارے بھیانک جرم پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ چکا ہے اور اب کوئی اس جرم سے یہ پردہ نہیں اٹھا سکتا۔''
''تت... تم... شہ... شہزاد... ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی رازق کے منہ سے نکلا اور دوسری طرف سے ایک زبردست قہقہے کی آواز ابھری اور ساتھ ہی رابطہ منقطع ہوگیا۔
رازق خان ہیلو... ہیلو کرتا رہ گیا... مگر دوسری طرف سے بدستور رابطہ منقطع ہونے کی ٹون سنائی دیتی رہی تو اس نے سیل اپنے کان سے ہٹا دیا۔
وہ ہونٹ بھینچے سوچنے لگا۔ اس کے الجھے اور پریشان ذہن میں بار بار یہی الفاظ ابھرتے رہے کہ... ''ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے...؟ یہ شہزاد ہرگز نہیں ہو سکتا... میں... میں کیا پاگل ہو گیا ہوں...؟''

☆☆☆

ثمرینہ نے صرف بھائی کی باتیں سنی تھیں۔ دوسری طرف سے بھائی سے کون مخاطب تھا اور کیا کہہ رہا تھا، یہ وہ نہیں جان سکی تھی مگر بھائی کی جوابی گفتگو سے اسے اتنا تو اندازہ ہونے لگا تھا کہ معاملہ کسی دشمنی کا ہے اور دشمن بھی ایسا جس سے اس کا بھائی خود بھی لاعلم تھا۔ مگر آخر میں اس نے بھائی کے منہ سے شہزاد نامی کسی شخص کا نام ضرور سنا تھا۔ ''کیا بھائی اپنے دشمن کو پہچان چکا تھا؟'' ایک لرزہ دینے والا خیال ثمرینہ کے ذہن میں ابھرا۔ ''تو کیا اس کی پیاری بھابی شاہانہ کی موت حادثاتی تھی یا دانستہ اسے قتل کیا گیا تھا مگر سوال یہ تھا کہ... بھابی پر تو کسی نے قاتلانہ حملہ نہیں کیا تھا... اس پر تو بردانی بھیڑیوں کے جھنڈ نے حملہ کیا تھا، وہ بری طرح الجھ گئی۔ ان گنت سوالات تھے جو اس کے اندر کلبلانے لگے۔ اس کے جی میں آئی کہ بھائی سے اس سے متعلق پوچھے مگر یہ سوچ کر کہ کہیں وہ برا نہ منالے کہ اس کی بہن چھپ چھپ کر اس کی باتیں سنتی ہے۔ اس نے بھائی سے بات کرنے کا ارادہ بدل ڈالا۔
ثمرینہ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اب اس کی بھابی کے بعد اس کی باری آنے والی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر شکیل خان اس مزاج کا تو آدمی نہیں تھا لیکن ایسے سنجیدہ مزاج اور بھلا بھگت آدمی پر بھی نہ کبھی جانیاتی حسن حملہ ضرور کرتی ہے۔ اسے رازق کی بہن ثمرینہ اچھی لگی تھی۔ خوب صورتی اور حسن کی دلکشی کا اصل سنگار اس کی معصومیت تھی۔ سرو قد، پری جمال اور شہد رنگ بالوں والی وہ الھڑ دوشیزہ ڈاکٹر شکیل کے دل میں اترتی محسوس ہونے لگی۔ اس کا رخ ماہ روشن بار بار اس کی چشم آرزو کے سامنے گردش کرنے لگتا اور مزید دیدار حسن کی جوت جگاتا، یہ آرزو ابھارتا کہ کاش اسے دوبارہ دیکھنا نصیب ہو۔
دو ایک روز اس کی یہی کیفیت رہی تو اسے اپنے آپ پر حیرت ہونے لگی۔ اسے کریا تو ہوئی اور بارہا اس کے دل میں بھی آئی کہ وہ کم از کم اپنے ملازم شاہ سے ہی ثمرینہ کے بارے میں کچھ پوچھے مگر یہ سوچ کر وہ اپنے ارادے سے باز آجاتا کہ نہ جانے ایک ملازم اس کی بات کا کیا مطلب اخذ کرلے۔
تیسرے دن صبح وہ حسب معمول او پی ڈی میں مریض دیکھ رہا تھا کہ اس کے وارڈ اٹینڈنٹ قاسم نے آکر اطلاع دی کہ نمبردار رازق خان اس سے ملنا چاہتا ہے۔ رازق کے نام پر وہ چونکا اور آپوں آپ اس کے ذہن میں ثمرینہ کی شبیہ ابھری۔ اس نے قاسم کو سر کا اثباتی اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ رازق خان کو کمرے میں بھیج سکتا ہے۔
آج مریضوں کا رش صبح سے ہی کچھ کم تھا اس لیے وہ ذرا فارغ بھی تھا۔ دروازے سے رازق اندر داخل ہوا۔ ڈاکٹر شکیل اس کے ہمراہ ثمرینہ کی آمد کی بھی توقع کیے ہوئے تھا مگر اسے اکیلا دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی۔ بہرحال... وہ اس سے... مسکرا کر بڑے پرتپاک انداز میں ملا اور رازق کے چہرے پر بھی اس کے لیے دوستانہ مسکراہٹ تھی۔
''ڈاکٹر صاحب! آپ مصروف تو نہیں ہیں؟'' رازق بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر شائستہ لہجے میں بولا۔
''آپ سے کچھ اہم باتیں پوچھنی تھیں۔'' اس کی بات پر ڈاکٹر شکیل فراخ دلانہ لہجے میں مسکرا کر بولا۔
''نہیں... کچھ زیادہ مصروف نہیں ہوں۔ ویسے بھی اب ڈیوٹی ٹائم آف ہونے والا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر شکیل نے ایک بار پھر اس روز والے واقعے کے حوالے سے اس کی بیوی شاہانہ کی موت کا افسوس بھی کر دیا۔
''بس ڈاکٹر صاحب! جو اللہ کو منظور ہو...'' رازق کچھ دکھی سا ہوا پھر بولا۔ ''ڈاکٹر صاحب! آپ سے ایک بات پوچھنا تھی آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟'' ڈاکٹر شکیل کو رازق خان کا یہ سوال کچھ عجیب سا

محسوس ہوا تاہم اس نے جواب دیا۔

''کچھ زیادہ نہیں، یہی کوئی دس بارہ دن ہوئے ہوں گے۔''

''ان دس بارہ دنوں میں آپ نے اس جیسا کوئی کیس ڈیل کیا ہے؟'' رازق خان نے پوچھا پھر اپنے سوال کو مزید وضاحتی انداز میں کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا مطلب ہے۔ آپ کے پاس ان دنوں کوئی ایسا زخمی لایا گیا ہو جس پر اسی طرح کسی جانور یا برفانی بھیڑیوں نے حملہ کیا ہو؟''

''نہیں... اب تک تو نہیں۔'' ڈاکٹر شکیل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ویسے سنا تو ہے میں نے کہ مجھ سے پہلے یہاں اس قسم کے حادثاتی کیس آتے رہے ہیں۔ کوئی خاص بات؟'' اس نے آخر میں مستفسرانہ کہا۔

''نہیں، کوئی ایسی خاص بات نہیں۔'' رازق یک دم بولا۔ پھر رخصت ہونے کی غرض سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں یہاں کا نمبردار ہوں... کسی قسم کی کوئی تکلیف ہو تو بتائیے گا مجھے۔''

ڈاکٹر شکیل اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے بھی کھڑے ہو کے مسکراتے ہوئے اس سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا پھر بولا۔

''ضرور... آپ کا شکریہ۔ آپ کے لیے چائے منگواتا...؟''

''پھر کبھی... خدا حافظ۔'' رازق نے کہا پھر اس کے دوست نے بھی ڈاکٹر شکیل سے ہاتھ ملایا اور دونوں رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر شکیل... کھڑا پُرسوچ نظروں سے ان دونوں کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

یہ اسی روز شام کا ذکر ہے کہ دوبارہ ایک ایسا ہی کیس آیا۔ اس شخص پر بھی برفانی بھیڑیوں کے غول نے حملہ کر ڈالا تھا۔ اس کا نام حماد تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ڈاکٹر شکیل نے اس کے مضروب جسم کے گھائل حصوں کا جائزہ لیا جو زیادہ مہلک نہ تھے۔ خراشوں کی صورت میں آئے ان زخموں کی کیفیت ایسی نہ تھی کہ اس کی جان کو خطرہ ہوتا بہرحال اس نے حماد کو فرسٹ ایڈ... میڈیکل ٹریٹمنٹ کے ساتھ اس کی ڈریسنگ وغیرہ کر دی۔ ذرا دیر بعد ہی مریض بھلا چنگا ہو لیا اور گھنٹے بھر بعد رخصت ہوتے ہوئے مسکرا کر ڈاکٹر شکیل کا شکریہ ادا کیا تو شکیل نے کہا۔

''تم خوش قسمت ہو کہ ان خونی بھیڑیوں کے حملے سے بچ گئے کیونکہ ابھی چند روز پہلے ہی یہاں کے نمبردار رازق خان کی بیوی پر بھی ایسا حملہ ہو چکا ہے مگر بدقسمتی سے وہ جانبر نہ ہو سکی۔''

''اوہ... ویری سیڈ...'' حماد متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''پھر تو میں واقعی خوش قسمت ہوں۔ ویسے اس میں میری اپنی کوشش کا بھی دخل ہے جب میری جیپ راستے میں خراب ہو کر برف میں پھنس گئی تھی اور میں اس کا بونٹ اٹھا کر اس کی خرابی تلاش کر رہا تھا تب میں نے دور سے ہی بھیڑیوں کے غرانے کی آواز سن لی تھی... میں ایک شکاری رائفل ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ وہ رائفل اٹھا کر میں نے انہیں قریب آنے سے روکنے کے لیے دو تین ہوائی فائر کر ڈالے تھے یہی میری غلطی تھی، میں سمجھا بھیڑیے ڈر کے بھاگ گئے ہوں گے، میں رائفل جیپ میں رکھ کر دوبارہ بونٹ پر جھک گیا کہ اچانک دو خونخوار بھیڑیوں نے میرے عقب کی جھاڑیوں سے نمودار ہو کر مجھ پر حملہ کر دیا مگر میں اپنے حواسوں کو بحال رکھتے ہوئے کسی طرح جیپ سے رائفل اٹھانے میں کامیاب ہو گیا... پھر وہ بھیڑیے میرے آگے نہ ٹھہر سکے۔'' حماد نے اپنے پر گزری بپتا صراحت کے ساتھ بیان کر دی۔ پھر دوبارہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔

''بہرحال ڈاکٹر صاحب! آپ کا احسان مند ہوں۔ آپ نے میرا علاج کیا۔''

''نہیں... نہیں اس میں احسان مند ہونے والی کون سی بات ہے حماد صاحب!'' ڈاکٹر نے بھی خوش دلی سے کہا۔ ''یہ تو میرے پروفیشن کا حصہ ہے اور فرض بھی...''

''آپ کبھی آئیے نا... میرے ہاں...'' حماد نے کہا۔ ''یہاں سے تھوڑی دور ہی مارکیٹ جانے والے راستے پر میرا چھوٹا سا سفید رنگ کا کاٹیج ہے۔ گرما گرم کافی پئیں گے اور باتیں کریں گے۔''

''بہت خوب، ضرور آؤں گا۔'' ڈاکٹر شکیل مسکرا کر بولا۔ ''ویسے بھی میں اکیلا ہی ہوں... آپ کے ساتھ یقیناً اچھی جمے گی، بائی دا وے آپ کرتے کیا ہیں؟''

''یہ سب باتیں آرام سے بیٹھ کر کریں گے۔ ایک بار پھر شکریہ۔'' حماد نے مسکرا کر کہا اور پھر رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

چوڑے مخصوص ٹائروں والی جیپ اس سفید رنگ کے کاٹیج کے سامنے پہنچ کر ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس میں سے اترنے والا شخص رازق خان تھا۔ اس کے ہمراہ اس کا دوست زمرد خان بھی تھا۔ دونوں بچپن کے دوست تھے بلکہ

زمرد تو رازق کا رازدار بھی تھا۔
اس گمنام شخص کی طرف سے فون پر ملنے والی دھمکی کے بارے میں جب اس نے زمرد سے ذکر کیا تو اس نے یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ یقیناً وہ شخص ادھر کہیں مقیم ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے پہلے اپنے علاقے اور اطراف میں ایسا کوئی شخص جو مشکوک لگتا ہو تلاشنے کی کوشش کی مگر انہیں ناکامی ہوئی تو زمرد نے رازق کو مشورہ دیا کہ وہ آدمی ممکن ہے آبادی سے الگ تھلگ کہیں مقیم ہو۔
چنانچہ یہ سوچ کر جب دونوں دوست کوٹلی پور کے مضافات کی طرف نکلے تو انہیں یہ کاٹیج نظر آ گیا۔
دونوں جیپ سے اتر کر پہلے تو بڑے غور سے اس کاٹیج کو جائزہ لینے کے انداز میں دیکھتے رہے۔ انہیں یہ عام سا شکاری کاٹیج محسوس ہوا تھا۔ جو شکاری پارٹیاں عموماً اپنی مدد آپ کے تحت بنایا کرتی تھیں اور پھر شکاری مہم کے اختتام پر ایسے ہی خالی چھوڑ کر چلی جایا کرتی تھیں۔ چونکہ یہ علاقہ شکارگاہ کے زمرے میں آتا تھا اس لیے بعض کاٹیج سرکاری سطح پر بھی بنائے جاتے تھے اور کسی کی ذاتی ملکیت تصور نہیں کیے جاتے تھے۔ عام فہم میں اسے ریسٹ ہاؤس کا بھی نام دیا جاتا تھا۔
''اندر چل کر دیکھنا پڑے گا۔'' تھوڑی دیر جائزہ لینے کے بعد رازق خان نے اپنے دوست زمرد خان سے کہا۔
''کاٹیج کی حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ کوئی یہاں رہتا ہے۔'' زمرد نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ دونوں دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رک گئے۔ اچانک کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دروازے پر دستک دینے کا ارادہ بدل کر دونوں کتوں کی آواز کی سمت بڑھے اور جنوبی دیوار کی طرف عقب میں آ گئے۔ یہاں انہیں ٹھٹک کر رکنا پڑا۔
سامنے انہیں وسیع احاطہ نظر آیا۔ جہاں انہیں دو تین بڑے بڑے آہنی پنجرے دکھائی دیے۔ ایک میں خرگوش تھے، دوسرے میں دو شکاری کتے... وہی انہیں دیکھ کر زور زور سے بھونک رہے تھے۔ تیسرا پنجرہ نسبتاً بڑا تھا مگر خالی تھا۔
دفعتاً ایک آواز پر وہ چونکے۔ یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔
''شاید کوئی آیا ہے۔'' زمرد نے رازق کی طرف دیکھ کر کہا۔
''چلو دیکھتے ہیں... کون ہے؟'' اس نے عقب میں پلٹتے ہوئے کہا۔ دونوں وہاں پہنچے تو ایک بغیر ہڈ والی جیپ سے ایک شخص ہاتھ میں شکاری رائفل لیے اتر رہا تھا۔ جیپ پرانے ماڈل کی تھی جس کے بونٹ پر بارہ سنگھے کا سر نصب تھا۔
یہ حماد تھا جو ابھی مرہم پٹی کروا کے لوٹا تھا۔ وہ بھی ان دونوں اجنبیوں کو دیکھ کر چونک گیا۔
''آپ لوگوں کو کس سے ملنا ہے؟ میرا نام حماد ہے۔'' بالآخر اس نے خود ہی آگے بڑھ کر کہتے ہوئے اپنا تعارف بھی کرا دیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ رازق خان اور زمرد خان نے بغور اس کی طرف تکتے ہوئے باری باری اس سے مصافحہ کیا۔ بالخصوص رازق اس کے بازو اور چہرے وغیرہ پر لگی پٹیوں اور بینڈیج کا جائزہ لے رہا تھا پھر رازق خان نے بھی جواباً کہا۔
''میرا نام رازق خان ہے۔ میں کوٹلی پور کا نمبردار ہوں۔ یہ میرا دوست زمرد خان ہے۔''
''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر... آئیں اندر تشریف لائیں۔'' حماد نے مسکرا کر انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔
دونوں نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ انہیں اندر ایک مختصر سی نشست گاہ میں لے آیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''آپ زخمی دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کوئی حادثہ پیش آیا تھا؟'' رازق نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے حماد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ زمرد بھی اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ حماد مسکرایا اور پھر رائفل ایک طرف رکھ کر ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔
''کل رات برفانی بھیڑیوں کے غول نے حملہ کر دیا تھا مجھ پر... زندگی تھی، بچ گیا۔'' پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا اس نے رازق خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''سوری! آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟''
''رازق خان۔''
''مائی گاڈ! ڈاکٹر شکیل خان نے مجھے آپ ہی کے بارے میں بتایا تھا... مجھے افسوس ہوا سن کر... درحقیقت وہ مجھے خوش قسمت سمجھ رہے تھے کہ میں ان خونی بھیڑیوں سے بال بال بچا تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔''
رازق کے دل میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ یہی حال زمرد کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر زمرد نے سوال کیا۔
''آپ نے اپنے بچاؤ کے لیے کیا کیا تھا؟''
''میرے دوست نے مجھے بچایا تھا۔'' اس نے اپنی

رائفل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر مختصراً وہی رُوداد انہیں بھی سنا ڈالی جو ڈاکٹر کو بتائی تھی۔

رازق کا چہرہ گم صم سا ہو گیا۔

"میں کافی بہت اچھی بناتا ہوں۔" معاً حماد نے دوستانہ مسکراہٹ سے کہا۔ "پانچ منٹ میں تیار ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور کچن کی طرف چلا گیا۔ دونوں دم بخود انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"یار زمرد! یہ کیسا معاملہ ہے؟" رازق نے اس کی طرف الجھی ہوئی مستفسرانہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا تمہارے ذہن میں بھی یہی شبہ تھا کہ...؟"

"شبہ نہیں یقین تھا مگر اس کی اپنی حالت دیکھ کر کچھ اور سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔" رازق سوچتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ دونوں دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں حماد بھی آ گیا۔ شاید وہ کافی کا پانی چڑھا کر آ گیا تھا۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں حماد صاحب؟" رازق نے اس کے کرسی پر براجمان ہونے کے بعد پوچھا۔ دونوں دوستوں کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ہاں، اکیلا ہی رہتا ہوں۔"

"کب سے ہیں یہاں...؟"

"کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ویسے میں آتا جاتا رہتا ہوں یہاں۔ شکار کا شوقین ہوں اور تنہائی پسند بھی۔"

"لگتا ہے آپ خود بھی تنہا ہو۔" زمرد نے بے تاثر مسکراہٹ سے کہا۔

"ہاں، ایسا ہی سمجھ لیں۔" وہ بھی پھیکی سی مسکراہٹ سے جواباً بولا۔ "میں تنہا ہی ہوں... ہسٹری کا لیکچرر ہوں... شہر کے ایک کالج میں پڑھاتا ہوں... اور وہیں سرکاری رہائش گاہ میں رہتا ہوں۔" تھوڑے توقف کے بعد حماد نے رازق کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حیرت ہے اس سے پہلے بھی ایسی وارداتیں نہیں ہوا کرتی تھیں مگر نجانے اس بار کہاں سے، خونی بھیڑیوں کا یہ خطرناک ٹولا یہاں منڈلانے لگا ہے۔ یہ میرے خرگوشوں اور ایک پالتو کتے پر بھی حملہ کر چکے ہیں۔ کچھ دن پہلے میں نے کشمیری ہنسوں کا ایک جوڑا پکڑا تھا۔ یہ کم بخت اسے بھی چٹ کر گئے مگر تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ خونی بھیڑیے انسانوں پر بھی حملہ کرنے لگے ہیں۔"

ابھی اس نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ تیز سیٹی کی آواز گونجی۔ یہ الیکٹرک کیٹل کی آواز تھی۔ وہ ان سے معذرت کر کے اٹھا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ رازق اور زمرد کے بشروں پر پُرسوچ خاموشی کے تاثر منجمد ہو کر رہ گئے۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے ثمرینہ مزید پریشان اور فکر مند رہنے لگی تھی، شاہانہ بھابی کی اندوہناک حادثاتی موت کا ابھی غم ہرا ہی تھا کہ اس نئی فکر نے ثمرینہ کو ذہنی طور پر مرجھا کے رکھ دیا۔ اس نے پہلے تو اس روز والی فون کال کے سلسلے میں اپنے بھائی رازق خان سے بات چھیڑنا چاہی مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے یہ بات رازق خان سے کرنے کے بجائے بڑے بھائی داراب خان سے کہہ ڈالی۔

"اوہ... یہ بہت خطرناک ہے۔ رازق کو کم سے کم یہ بات ہمیں بتانی چاہیے تھی۔" بہن کی بات پر بڑا بھائی ایک دم پریشان ہو گیا۔ اس کے چہرے پر یکایک گہری تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"بھائی جان! آپ ہی بات کر کے دیکھیں۔ آخر معاملہ کیا ہے؟" ثمرینہ نے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وہ کون شخص تھا جو فون پر رازق بھائی سے اس طرح کی گفتگو کر رہا تھا؟"

"وہ بہت ضدی ہے کچھ نہیں بتائے گا لیکن میں پھر بھی اس سے بات کروں گا۔" داراب خان بولا۔ ثمرینہ ایک خیال کے تحت بولی۔

"بھائی جان! رازق بھائی مجھ سے تو خفا نہیں ہو جائیں گے؟"

"ارے کیوں گڑیا...؟ بھلا وہ کیوں تم سے خفا ہونے لگا؟" داراب مسکرا کے بہن کی طرف دیکھ کر بولا۔ دونوں بھائی پیار سے گڑیا بھی کہا کرتے تھے۔

"بھائی جان، رازق بھائی کی فون پر چوری چھپے میں نے ہی گفتگو سنی تھی، کہیں وہ برا نہ مان لیں اس بات کا کہ میں ان کی جاسوسی کرتی ہوں۔"

"اچھا تم فکر مت کرو، میں دوسرے طریقے سے بات کر لوں گا۔" داراب مسکرا کر بولا۔ "ویسے اب میرا خیال ہے رازق نے خود کو آہستہ آہستہ سنبھال لیا ہے۔ اب وہ ہر وقت کمرے میں بند بھی نہیں رہتا... دوستوں میں آنے جانے لگا ہے۔ یہ ایک اچھی خوش آئند بات ہے۔"

ثمرینہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے بھائی رازق کو بدلنے والی اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔ اس اجنبی کا فون اور دھمکیاں۔ رازق کو یہ پتا چلتے ہی کہ اس کی بیوی شاہانہ کے ساتھ پیش آنے والا

حادثہ... محض حادثہ نہ تھا، اس کی آڑ میں ایک قتل تھا۔ رازق کو بڑی بے چینی سے شاہانہ کے قاتل کی تلاش تھی۔

بڑے بھائی سے بات کرنے کے باوجود بھی ثمرینہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی، اسے خود بھی کھد بد سی لگی ہوئی تھی، یہ آخر معاملہ کیا تھا۔ کون ان کا بیٹھے بٹھائے دشمن بن چکا تھا۔

☆☆☆

تیز برفیلی ہواؤں کے آسیبی شور میں عالی جاہ کی غصیلی آواز بھی دب کر رہ گئی تھی، مگر اس کے بھاری چربیلے چہرے پر برہمی کے تاثرات بتا دیتے تھے کہ وہ جلد ٹھنڈا ہونے والا آدمی نہیں۔ حالانکہ اس کی عمر اسی کے قریب تھی مگر اچھی صحت اور سیدھی کمر نے اسے اپنی اصل عمر سے دس پندرہ سال کی رعایت دے رکھی تھی۔

عالی جاہ پر یہ کرم فرمائی قیوم خان مرحوم نے کی تھی کہ اسے اس کی پینسٹھ سالہ خدمت کے اعتراف میں اس کی خواہش کے مطابق اسے، خوب صورت گھر بنا کر دے دیا تھا اور ماہانہ وظیفہ حویلی کی طرف سے مقرر کر دیا گیا تھا جو قیوم خان کی طبعی موت کے بعد بھی باقاعدگی سے اسے مل رہا تھا۔ مگر عالی جاہ کو کام کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ وہ اب بھی حویلی والوں کے کام آتا تھا۔ اپنی گزر بسر بھی کرتا تھا۔ نام تو اس کا عالی جاہ تھا مگر کام اس نے عام گھریلو ملازموں والا ہی کیا تھا۔ قیوم خان مرحوم، رازق خان اور داراب خان کا باپ تھا۔ عالی جاہ اٹھارہ برس کا تھا جب سے وہ حویلی میں ملازم تھا۔ اس نے شادی بھی کی تھی، بیوی مر چکی تھی۔ ایک جوان بیٹی تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔ جہاں بیاہی گئی تھی وہ قصبہ مشابروم کے نواح میں واقع تھا... کبھی کبھی وہ باپ کی خبر گیری کے لیے آجایا کرتی تھی اور اسے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتی تھی، مگر وہ نہیں مانتا تھا، اسے اپنے گاؤں سے پیار تھا۔ یہاں وہ پیدا ہوا تھا، اس کا بچپن اور لڑکپن گزرا تھا۔

بہرطور... اب عالی جاہ کو حویلی میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ غصے کا تیز اور طبیعت کا ضدی تھا۔ اس مکان میں وہ اکیلا رہتا تھا۔ برفیلی ہواؤں کا شور اسے بہت بھلا لگتا تھا۔ اس نے کچھ کتے پال رکھے تھے، یہ اس کے سدھائے ہوئے تھے جو اس کے چوبی چھکڑے کو کھینچنے کا کام کرتے تھے۔ ان کی تعداد آٹھ تھی، اور اب چار رہ گئی تھی، وہ انہیں بچوں کی طرح رکھتا تھا۔ پچھلے دنوں برفانی بھیڑیوں کے ایک غول نے ان پر ہلا بول دیا تھا۔ کتے بھی بہادر ثابت ہوئے، چار ساتھی گنوانے کے بعد بھی خونخوار برفانی بھیڑیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے، یہ تو عالی جاہ وقت پر پہنچ گیا اور قیوم خان مرحوم کی طرف سے تحفے میں دی ہوئی ڈبل بیرل گن کی مدد سے اس نے بھیڑیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت وہ برفانی ہواؤں کے شور میں اپنے مکان کے دروازے پر یہی بندوق تانے کھڑا... دور ویران برف زار تاریکیوں میں گھور رہا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ وہ خونخوار بھیڑیوں کا ٹولا دوبارہ نہ حملہ کرے... شاید عمر کی زیادتی تھی یا طویل عرصہ تنہا رہنے کا عذاب کہ اسے خود سے باتیں کرنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت اپنے چار کتوں کی موت پر افسوس کرنے کے ساتھ بھیڑیوں کو گالیاں بکے جا رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی، یہ مخصوص گیس والی لالٹین تھی اور اپنی خاص بناوٹ کے باعث ٹارچ کی طرح اس کی روشنی سیدھی اور دور تک پڑتی تھی۔

مطمئن ہونے کے بعد وہ اندر آگیا اور دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر شکیل کی اس روز جیسے مراد بر آئی جب اس نے ثمرینہ کو اسپتال میں دیکھا۔ وہ اسی سے ملنے کے لیے آئی تھی، شکیل مریض دیکھنے میں مصروف تھا۔ ثمرینہ کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی تھی، جو اپنے حلیے سے گھریلو ملازمہ نظر آتی تھی، اسے اس نے باہر مریضوں کے ساتھ بٹھا دیا تھا اور خود اندر کمرے میں آگئی۔ ڈاکٹر شکیل ایک مریض کو دیکھ کر فارغ کر رہا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی پہلے تو وہ خوش گوار سی حیرت میں پڑ گیا پھر ایک دم مسکرا کر بولا۔

''آیئے... آیئے... ثمرینہ صاحبہ! آپ میں آپ کی کیا خیریت پوچھوں؟ کیونکہ ایک ڈاکٹر کے پاس کوئی ملنے کے لیے ایک ہی مقصد کی خاطر آتا ہے۔''

ثمرینہ مسکرا کر بولی۔ ''آپ نے ٹھیک کہا ڈاکٹر صاحب! مگر میں علاج کرانے نہیں آپ سے کچھ ضروری باتیں پوچھنے آئی تھی اگر آپ تھوڑا سا وقت دے سکیں؟''

''آف کورس...'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ساتھ ہی اسے اپنی میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ بھی کر دیا۔

اس دوران میں وہ مریض بھی نمٹا رہا تھا۔ ثمرینہ خاموش رہی۔ ڈاکٹر شکیل نے اس کے چہرے سے تاڑ لیا کہ وہ اس سے تنہائی میں کوئی خاص بات کرنا چاہتی ہے، یہ بھانپتے ہی اس نے چپراسی کو مزید مریض بھیجنے سے ذرا دیر کے لیے روک دیا اور ثمرینہ کی طرف متوجہ ہو کر متانت سے بولا۔

''شاید آپ واقعی کوئی خاص بات کہنے آئی ہیں۔ فرمائیں، میں سن رہا ہوں۔''

ثمرینہ کے چہرے پر ہچکچاہٹ کی جھلک نمودار ہوئی پھر وہ ڈاکٹر شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا کوئی آدمی خونخوار بھیڑیوں کو سدھانے کی طاقت رکھتا ہے؟'' ڈاکٹر شکیل کے لیے ثمرینہ کا یہ سوال بالکل غیر متوقع تھا، یہی سبب تھا کہ وہ ایک دم لمحے بھر کو سناٹے کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا پھر فوراً ہی ہنس کر بولا۔

''آپ نے تو عجیب سا سوال کر ڈالا۔ اب میں اس کا کیا جواب دوں؟ ہاں، ممکن ہے تو... جب ایک آدمی... ببر شیر اور چیتے جیسے درندوں کو سدھا سکتا ہے تو بھیڑیے کیا چیز ہیں۔ یہ میں اپنی محدود معلومات کے تحت بتا رہا ہوں۔ سرکس میں تو آپ نے یہ سب چیزیں دیکھی ہوں گی؟''

''ہاں۔'' ثمرینہ نے ہولے سے پُرسوچ انداز میں مختصراً کہا۔ ''لیکن ڈاکٹر صاحب! شیر، چیتے، ریچھ اور ہاتھی وغیرہ کو تو میں نے انسانوں کے حکم پر ناچتے تک دیکھا ہے مگر... بھیڑیے... انہیں تو آج تک میں نے کیا، کسی اور نے بھی انسان کا دوست ہوتے نہیں دیکھا اور شاید آپ نے بھی نہیں...''

''یقیناً... آپ کی بات درست ہے۔'' ڈاکٹر شکیل نے تائید میں کہا۔ نجانے کیوں اس کی چوڑی خوبرو پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ ''آخر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں...؟ ذرا کھل کر بات کریں... تاکہ میں آپ کا... مسئلہ حل کر سکوں؟''

جواب میں ثمرینہ نے پہلے ایک گہری سانس لی، پھر بولی۔ ''ڈاکٹر صاحب، اس روز والا بھیانک واقعہ تو آپ کو یاد ہی ہوگا جس رات میری پیاری بھابی شاہانہ پر خونخوار بھیڑیوں نے حملہ کر دیا تھا؟''

''ہاں، مجھے یاد ہے۔'' شکیل نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ ''اور مجھے اس کا بے حد افسوس بھی ہے۔''

''مجھے لگتا ہے وہ... اتفاقی حادثہ نہیں تھا... سوچے سمجھے منصوبے کے تحت... یہ سب کروایا گیا تھا۔'' ثمرینہ نے بالآخر اپنے اس خدشے کا اظہار کر ڈالا۔ جب سے اس نے اپنے بھائی رازق خان کی چوری چھپے گفتگو سنی تھی جب وہ کسی نامعلوم شخص سے، نہایت برہمی کے انداز میں بات کرنے میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے فون پر ہونے والی دوسری طرف کی باتیں تو وہ سننے سے قاصر رہی تھی، مگر اپنے بھائی کی جوابی گفتگو سے اس نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ معاملہ کسی پرانی دشمنی کا تھا، اور دشمن سات پردوں میں چھپ کر وار کر رہا تھا۔

''میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔'' ڈاکٹر شکیل نے گہری متانت سے کہا۔ ''اگر آپ کو ایسا کوئی شبہ ہے بھی تو، آپ کو کسی ذمے دار پولیس افسر سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔''

ثمرینہ ہولے سے مسکرائی۔ اس کے موتیوں جیسے دانتوں کی جھلک نے ڈاکٹر شکیل کا دل بھی بے اختیار دھڑکا دیا۔ وہ بولی۔ ''آپ نے شاید ٹھیک کہا مگر...'' وہ کچھ کہتے کہتے الجھ سی گئی۔ ڈاکٹر شکیل بغور بھانپتی ہوئی نظروں سے ثمرینہ کا چہرہ تکنے لگا اور بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش میں یکایک ایک خوشگوار سا خیال اس کے ذہن میں ابھرا جس کے تحت اس نے بھی مسکرا کر کہا۔

''شاید آپ مجھے کسی ایسے اعزاز سے بخشنے والی ہیں جو ایک اچھی اور ہمدردانہ دوستی کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی آپ کا مجھے یہ اعتبار بخشنے کی اور اس سے زیادہ... آپ کی مدد کرنے پر... کہ آپ شاید مجھ سے کوئی ایسی بات پر تبادلہ خیال کرنا چاہتی ہیں جو حساس نوعیت ہی کی نہیں بلکہ نازک بھی ہے، جو آپ پولیس سے نہیں کرنا چاہتیں، ایم آئی رائٹ...؟''

ثمرینہ نے پہلی ملاقات ہی میں ڈاکٹر شکیل کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا، وہ اس کی اس بات سے درست ثابت ہوا تھا۔

وہ اسے سمجھدار ہی نہیں بلکہ پُرخلوص انسان بھی محسوس ہوا تھا۔ کوئی بات تو تھی شکیل میں جس نے ثمرینہ کو اس طرح اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا تھا، بالآخر وہ بولی۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ واقعی میرے اندازے سے کہیں بڑھ کر ذہین اور زود فہم ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے میرے بارے میں ٹھیک اندازہ لگایا اور پتا نہیں کیوں میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ... یہ بات مجھے صرف آپ ہی سے کرنی چاہیے تھی۔''

''مجھے آپ اپنا سچا اور اچھا ہمدرد دوست پائیں گی۔ طبیعت کا سادہ آدمی ہوں مگر آپ کی مدد کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ آپ بلا ہچکچاہٹ جو مجھے بتانا چاہتی ہیں... بتا دیں لیکن ٹھہریے... میں کچھ مریضوں کو دیکھ لوں...''

''بس، میں پھر کبھی آ جاؤں گی۔ اتنی بات کر کے مجھے تسلی ہو گئی۔ آپ کا شکریہ... میں اب چلتی ہوں۔'' ثمرینہ بولی۔ ''آپ اگر برا نہ منائیں تو اپنا سیل نمبر دے دیں۔''

اندھا کیا جا ہے۔۔۔ دو آنکھیں۔ ڈاکٹر شکیل نے فوراً اپنا سیل نمبر اسے دے دیا۔ اب اسے شدت اور بے چینی کے ساتھ ثمرینہ کے فون کا انتظار تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اندر سے پریشان سا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''دشمن ہماری ناک کے نیچے ہے اور ہم اسے ڈھونڈ نہیں پا رہے ہیں زمرد! یہ کیسی بے بسی ہے ہماری۔۔۔؟''
رازق نے غصے اور بے بسی سے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس وقت اپنی شکارگاہ میں واقع فارم ہاؤس کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرا دس بائی بارہ کا تھا جس کی چھت قدرے بلند تھی، ایک روشن دان تھا۔ دو کھڑکیاں تھیں جو بند تھیں۔ کمرے میں آتش دان سلگ رہا تھا۔ کونے میں پرانی طرز کا مگر مضبوط پلنگ بچھا ہوا تھا۔ درمیان میں مختصر سا فرنیچر تھا یعنی ایک سیٹھی، چار کرسیاں اور درمیان میں گول میز۔۔۔ جس پر چائے وغیرہ کا سامان تھا۔ دونوں دوست آمنے سامنے کرسیوں پر براجمان تھے، درمیان میں پیتل کا بنا ہوا حقہ رکھا ہوا تھا جس کی لچک دار نے۔۔۔ زمرد خان کے ایک ہاتھ میں تھی، باہر دو ملازم ٹائپ افراد کسی بھی حکم کی تعمیل کے لیے چوکس کھڑے تھے۔ فارم کے احاطے میں مخصوص چوڑے ٹائروں والی جیپ کھڑی تھی۔ زمرد نے رازق خان کی بات سن کر نے پر مٹھی جما کر ہونٹوں کے قریب کی اور ایک طویل گڑگڑی لے کر نے رازق کی طرف بڑھا دی، زمرد خان کے منہ سے گدلے دھوئیں کا بھپکا خارج ہوا اور کمرے کے محدود ماحول میں پھیلی ہوئی نفیس تمباکو کی خوشبو میں اضافہ ہو گیا۔
''تمہاری بات سے میں اختلاف نہیں کروں گا رازق خان! دشمن واقعی ہماری ناک کے نیچے موجود ہے اور ہم سے چوہے بلی کا کھیل، کھیل رہا ہے۔ وہ خاصا دلیر بھی ہے۔''
زمرد کی بات پر رازق کے چہرے پر خفگی اور خجالت کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ اسی لہجے میں بولا۔ ''وہ دلیر نہیں بزدل ہے زمرد خان۔''
دوست کا لہجہ تلخ ہوتا محسوس کر کے زمرد نے وضاحت کی۔ ''سوچنے کی بات ہے، یہ کوئی بڑا گنجان علاقہ نہیں ہے۔ قریب میں گنتی کے چند ہی قصبے ہیں۔ وہ سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں وہاں ہمیں کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا۔ رہی بات ہمارے قصبے کی وہاں بھی ہمیں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا۔ شہر یہاں سے میلوں دور ہے لیکن ہمارے قصبے میں دو اجنبی موجود ہیں۔''
''دو اجنبی۔۔۔؟ کک۔ کون ہیں وہ۔۔۔ مجھے بتاؤ۔''
رازق ایک دم جوش میں آ گیا اور حقے کی نے زمرد کی طرف بڑھا دی۔
''حماد اور ڈاکٹر شکیل خان۔''
''حماد پر تو مجھے بھی شبہ ہے زمرد خان! مگر ڈاکٹر شکیل۔۔۔؟'' وہ کچھ کہتے کہتے پُرسوچ انداز میں چپ ہو گیا پھر اس کی طرف دیکھ کر مستفسر ہوا۔ ''کیا تمہیں ڈاکٹر شکیل پر بھی شبہ ہے؟''
''اس علاقے میں جو بھی ہمیں اجنبی نظر آئے گا۔۔۔ وہ ہمارے شک و شبے کے دائرے میں ہوگا اور اس وقت یہ دونوں ہی افراد اسی زمرے میں آتے ہیں۔''
رازق نے پُرخیال انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی پھر مبہم سے لہجے میں بولا۔ ''مگر اس خبیث بزدل کا دھمکی والا فون نہیں آتا تو میں اب تک یہی کہہ رہا ہوتا کہ اس روز والا واقعہ محض ایک حادثہ تھا مگر مجھے حیرت ہے بلکہ سچ پوچھو تو یقین بھی نہیں آتا کہ وہ خونخوار بھیڑیوں کا غول اسی کام پر چھوڑا ہوا تھا۔ بھیڑیوں کو کیسے اس نے اپنا تابع بنا لیا۔۔۔؟''
''یہ بات میرے بھی حلق سے نہیں اتر رہی ہے رازق خان۔'' زمرد نے بھی الجھے ہوئے تاثرات کے دوران کہا پھر نے کو دیکھنے لگا۔ رازق بھانپ گیا کہ حقہ سرد پڑنے لگا تھا۔ اس نے آواز دے کر باہر موجود ملازم کو بلایا اور اسے حقہ سلگانے کو کہا۔ وہ حقے کی ہانڈی اتار کر لے گیا پھر تھوڑی دیر بعد اسے سلگتے ہوئے کوئلوں سے دہکاتا ہوا دوبارہ لے آیا۔
''تمباکو ڈال دیا تھا؟'' رازق نے پوچھا تو ملازم نے مؤدبانہ جواب دیا۔
''جی خان جی! تمباکو کی ٹکڑیاں ڈال دی تھیں۔''
پھر رازق خان نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ زمرد نے۔۔۔ مٹھی جمائی اور ہونٹوں کے قریب لے جا کر دو تین طویل کش نے کر نے رازق خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ خونخوار برفانی بھیڑیے کبھی نہیں سدھائے جا سکتے۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے اس اتفاقی حادثے کو ہمارے چھپے ہوئے دشمن نے اپنا رعب جھاڑنے کے لیے اور خوف زدہ کرنے کی غرض سے استعمال کرنا چاہا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آئندہ ان بھیڑیوں کے ٹولے کے ذریعے ہی حملہ کروانے کا ارادہ رکھتا ہو؟''
''مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہم پر کسی اسلحے کا استعمال کرے

گا۔'' رازق نے زیرک لہجے میں کہا۔ ''وہ اگلی بار بھی یہی طریقۂ واردات اپنائے گا تاکہ قانون کی نظروں میں نہ آسکے۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہوسکتی ہے۔''

''پولیس سے۔ یاد آیا۔ کیا ہمیں اس کی اطلاع پولیس کو دینی چاہیے؟''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو زمرد خان!'' رازق گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو، پولیس سب سے پہلے مجھ سے دشمنی کی وجہ دریافت کرے گی جو ظاہر ہے، میں نہیں بتاسکتا۔''

''ضروری نہیں کہ ہم پولیس کو دشمنی کی اصل وجہ بتائیں... کوئی اور وجہ بھی بتاسکتے ہیں۔''

''نہیں، میں اس معاملے میں پولیس کو شامل نہیں کرنا چاہتا، ازخود شامل ہوگئی تو اور بات ہے۔ مگر میری سمجھ میں صرف ایک بات نہیں آئی۔ شہزاد اور نزہت کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلایا تھا۔ دونوں پر پورا برسٹ فائر کر دیا تھا پھر یہ کون ہے، جو نہ صرف اس راز سے واقف ہے بلکہ... مجھ سے ان دونوں کا انتقام بھی لینے پر تلا ہوا ہے؟''

آتش دان کے چٹختے ہوئے انگاروں کی تھرکتی ہوئی آتشیں روشنی میں رازق کا چہرہ ایکا ایکی سفاک نظر آنے لگا تھا۔

زمرد بولا۔ ''ممکن ہے... یہ حرکت شہزاد یا نزہت کے کسی بھائی وغیرہ کی ہو جس نے تم سے انتقام لینے کی قسم کھا رکھی ہو؟''

''نہیں۔'' رازق نے پورے یقین کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ ''ان دونوں کے گھر والوں میں کوئی ایسا نہیں۔''

''صورتِ حال واقعی بہت گمبھیر اور تشویشناک حد تک خطرناک بھی ہے۔'' زمرد فکر مند ہو کے بولا۔ ''بہر حال! ہمیں حماد کے ساتھ ساتھ... ڈاکٹر شکیل خان پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔ مقتولین کا کہیں نہ کہیں... کسی نہ کسی کے ساتھ ماضی میں واسطے داری کا امکان ممکن ہوسکتا ہے جو تمہارے علم میں نہیں ہو۔''

رازق کو زمرد کی اس بات سے ہرگز اتفاق نہ تھا۔ مگر وہ اس کا اظہار نہ کرسکا۔ شاید وہ بھی اس امکان کو رد کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

☆☆☆

اس روز ثمرینہ سے ہونے والی اچانک اور غیر متوقع ملاقات پر ڈاکٹر شکیل خان خوش بھی تھا اور وہ پریشان اس کے عجیب و غریب سوالات پر ہوا تھا جس کے مطابق اس کا (ثمرینہ کا) خیال تھا کہ اس روز رات والا حادثہ اتفاقی نہیں بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کی بنیاد پر کیا گیا تھا اور خونخوار بھیڑیوں کے بھوکے ٹولے کو دانستہ ان پر چھوڑا گیا تھا۔ کم ازکم... ثمرینہ کی باتوں سے ڈاکٹر شکیل نے یہی اندازہ قائم کیا تھا۔ جس سے شکیل نے ایک بات اور بھی محسوس کی تھی کہ وہ اس سے اور بھی بہت کچھ چھپارہی تھی... وہ اسے بہت کچھ بتانا چاہتی تھی مگر کترا گئی تھی۔

اس وقت ڈیوٹی ٹائم آف ہونے کے بعد ڈاکٹر شکیل نے اپنے بنگلے کا رخ کیا تھا۔ آج موسم کچھ خوش گوار تھا۔ بنگلے میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے ملازم شاہ سے آتش دان سلگانے کو کہا۔ دوپہر کا کھانا بھی وہ اس کمرے میں کھاتا تھا۔ ابھی وہ اس کی تیاری کرتی رہا تھا کہ اس کا سیل گنگنایا۔ یہ ثمرینہ کی کال تھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے کال ریسیو کر کے ہیلو کہا تو دوسری جانب سے ثمرینہ کی مترنم آواز نے اس کے وجود میں سُرور کی لہریں دوڑادیں۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ مصروف تو نہیں تھے؟''

''بالکل نہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''بلکہ میں تو ابھی ابھی مصروفیات سے فارغ ہو کے بیٹھا ہوں... کہیے... آپ کیسی ہیں، خیریت تو ہے؟''

''میں آپ سے اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی ڈاکٹر صاحب... مگر...'' وہ رکی تو ڈاکٹر شکیل نے بھی فوراً مسکراتے لہجے میں کہا۔

''میں بھی سمجھ رہا تھا آپ اس روز مجھ سے اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن شاید میری مصروفیت کے باعث آپ کہہ نہ پائیں۔''

''بالکل یہی بات تھی۔ آپ کے کمرے کے باہر مریضوں کا رش بڑھ رہا تھا۔'' وہ بولی۔ ''کیا میں آپ پر بھروسا کرسکتی ہوں... ڈاکٹر صاحب؟... دراصل میرا یہ کوئی دوست ہے نہ سہیلی... ایک بے چاری بھابی شاہانہ ہی تھیں مگر...'' اس کی آواز بوجھل ہونے لگی تو ڈاکٹر شکیل نے کہا۔

''ثمرینہ! آپ کی دوستی کو میں اپنے لیے اعزاز سمجھوں گا۔ ایک اچھے دوست ہونے کے ناتے آپ کی پریشانی کا احساس کرنا میرا فرض بنتا ہے۔ میں نے کل ہی آپ کے لہجے سے پریشانی اور تشویش بھانپ لی تھی اور میری یہ خواہش تھی کہ میں آپ کے کسی کام آسکوں کیونکہ اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خوشی اور اطمینان کی بات ہو سکتی ہے۔ اب میں آپ سے پُرخلوص گزارش کروں گا کہ آپ بلا جھجک مجھے بتائیں، آپ کو کیا پریشانی ہے...؟''

اس کی بات پر دوسری جانب سے ثمرینہ کی گہری ہمکاری

لینے کی آواز ابھری تھی، وہ بولی۔
''آپ واقعی بہت مخلص اور اچھے انسان ہیں۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔۔۔''
''اگر آپ مجھے صرف شکیل کہہ کر مخاطب کریں گی تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ کہیں ان تکلفات میں آپ سے پھر کوئی اہم اور ضروری بات کرنے سے رہ نہ جائے۔''
دوسری جانب سے شکیل کو ثمرینہ کی مدھم ہنسی کی آواز سنائی دی۔ پھر اس کی مسکراتے لہجے میں آواز ابھری۔
''شکیل! میں نہیں جانتی ہمارا کون دشمن پیدا ہو گیا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ ہم سب کی جان کا دشمن بن چکا ہے۔ یہ ساری باتیں مجھے اپنے بھائی رازق خان کے فون پر ہونے والی گفتگو سے معلوم ہوئی تھیں۔'' پھر اس نے اپنے بھائی کے موبائل پر اس گمنام دشمن سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتادیا جو اس نے دروازے کے عقب سے سنی تھی۔
''اوہ۔۔۔ یہ تو واقعی بڑی تشویش کی بات ہے۔ گویا آپ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہے۔'' ڈاکٹر شکیل نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔
''ہاں، مگر مجھے اپنے بھائی کی جان کی زیادہ فکر ہے۔ ان کے ساتھ پہلے ہی بہت ظلم ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ بات میں ہی جانتی ہوں کہ وہ شاہانہ بھابی سے کس قدر محبت کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد بھائی غم سے ادھ مرے ہو گئے تھے اور کسی زندہ لاش کی شکل ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہا کرتے تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ کسی دشمن کی کارستانی ہے تو شاید اسی انتقام کے جذبے نے انہیں دوبارہ زندہ اور تازہ دم بھی کر دیا ہے۔ اب ان کے سر پر یہی دھن سوار ہے کہ وہ اسے بے نقاب کر کے اپنی محبوب بیوی کا انتقام لیں۔''
''چھپا ہوا دشمن بہت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ حقیقت تمہارے بھائی رازق خان کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔'' ڈاکٹر شکیل نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا مطلب تھا کہیں رازق خان جوشِ انتقام میں۔۔۔ اپنے دفاع کا بھی ہوش نہ رکھے اور۔۔۔ خیر۔'' شکیل نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو ثمرینہ بولی۔
''اسی بات کا تو مجھے خوف اور خدشہ ہے شکیل۔۔۔ کیونکہ دشمن ظاہر نہیں ہے۔''
''سمجھ میں نہیں آتا تمہارا بھائی پولیس سے مدد لینے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟''
''ہم زیادہ تر اپنے معاملات ذاتی طور پر ہی نبھانے کے عادی ہیں مگر بعض اوقات پولیس سے بھی مدد لیتے ہیں مگر اس معاملے میں لگتا ہے بھائی پولیس کو بھی نہیں بتانا چاہتے۔ وہ اور ان کا ایک دوست ہے زمرد خان۔۔۔ اس کے ساتھ مل کر وہ دشمن کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''
''ہوں۔۔۔'' ڈاکٹر شکیل نے پُرسوچ ہنکاری لی پھر بولا۔ ''اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا میں رازق خان کو پولیس کے پاس جانے کا مشورہ دوں یا خود بھی اس کے ساتھ مل کر دشمن کی تلاش میں اس کی مدد کروں؟''
''نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ آپ کو یہ بات تو کسی سے بھی نہیں کرنی ہے۔ آپ بس میری ایک چھوٹی سی مدد کر دیں۔'' ثمرینہ ایک دم بولی تو شکیل نے فوراً ہی بھرتے ہوئے فراخ دلی سے کہا۔
''مجھے خوشی ہوگی آپ کی مدد کرنے پر۔۔۔ کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟''
''مجھے آپ کا ساتھ چاہیے۔''
''میں حاضر ہوں۔''
''مجھے کسی پر شبہ ہے؟''
''کس پر؟''
''زمرد خان پر۔۔۔''
''کیا۔۔۔؟ زمرد خان پر۔۔۔ جو آپ کے بھائی کا دوست ہے؟'' ڈاکٹر شکیل چونک گیا۔
''ہاں۔'' وہ بولی۔
''مگر اس شبے کی کوئی ٹھوس وجہ تو ہوگی آپ کے پاس؟'' ڈاکٹر شکیل الجھ گیا۔ ''اور پھر اسے بھلا آپ کے بھائی سے دشمنی کیوں ہوگی؟''
''آپ کے علم میں شاید یہ بات نہیں کہ ماضی میں دونوں دوست ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی رہ چکے ہیں۔'' ثمرینہ نے جیسے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا اور ڈاکٹر شکیل اس کی بات پر بری طرح چونک اٹھا، وہ آگے بتا رہی تھی۔ ''میرے بابا جانی اور حشمت خان کے بیچ زمین کے ایک تنازعے میں پرانی دشمنی چلی آرہی تھی، حالانکہ زمین کا وہ ٹکڑا برسوں سے غیر آباد چلا آرہا ہے۔ بس ایک ضد اور انا تھی جس نے میرے بابا جانی اور زمرد خان کے باپ حشمت خان کے درمیان تنازعہ کھڑا کر رکھا تھا۔ کسی حد تک خون خرابے کی بھی نوبت آئی، دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اس بنجر اور غیر آباد زمین کے ٹکڑے کا قبضہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ پھر وقت گزرا ہم بھائی بہن جوان ہوئے مگر دشمنی بوڑھی نہیں ہوئی۔ بابا جانی اور حشمت خان بوڑھے ہو گئے،

اور بالآخر اپنی طبعی موت کو پہنچے۔ زمردان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس نے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ بلند کیا تو میرے دونوں بھائی بھی زمرد خان کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ ایک روز میرا بھائی رازق خان، مشابروم کی طرف شکار کھیلنے گیا تو وہاں زمرد بھی اسی غرض سے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ مگر وہاں دونوں دشمن اس طرح یکجا ہوئے کہ اپنی برسوں کی دشمنی بھلا کر دوست بن گئے کیونکہ میرے بھائی نے زمرد کی اس وقت جان بچائی تھی جس وقت وہ برفانی چیتوں کے نرغے میں آ گیا تھا۔ زمرد میرے بھائی رازق خان کے اس حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا تھا۔ یوں اس نے زمین کے اس ٹکڑے سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور رازق خان نے بھی زمین کے اس ٹکڑے پر لعنت بھیج دی۔'' ثمرینہ اتنا بتا کر خاموش ہوئی تو ڈاکٹر شکیل الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تو پھر اب تم اس بے چارے پر کیوں شبہ کر رہی ہو؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی؟''

''ہمارے خاندان کے ہاتھوں حشمت خان کا چھوٹا بھائی اکبر خان یعنی زمرد خان کا سگا چاچا اس تنازعے میں قتل ہو گیا تھا۔'' ثمرینہ نے بتایا۔ ''پھر انہوں نے بہت زور لگایا کہ اس قتل کا بدلہ میرے بابا جانی یا میرے بڑے بھائی داراب خان کو قتل کر کے لیا جائے مگر حشمت خان ہم سے انتقام کی یہ حسرت لیے خود ہی اگلے جہان کو سدھار گیا۔''

''تو تمہارا خیال ہے، اب زمرد اپنے چاچا اکبر خان کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا ہے؟'' ڈاکٹر شکیل نے خیال ظاہر کرنے کے انداز میں کہا۔

''ممکن ہے... یہی بات ہو... کہ مرتے وقت حشمت خان نے اپنے اکلوتے بیٹے زمرد سے بدلہ لینے کی قسم لے رکھی ہو یا وصیت کی ہو... کیونکہ زمرد اکیلا رہ گیا تھا، باپ کے مرنے کے بعد وہ طاقت میں بھی ہم سے کمزور ہی تھا۔ اب اس نے دوستی کی آڑ میں ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنا رکھا ہو۔'' ثمرینہ گویا اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گئی... ڈاکٹر شکیل بھی چند ثانیے کے لیے سوچ میں مستغرق ہو گیا پھر بولا۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر اس خدشے اور شبہے کو صرف نگاہ کرنا نادانی ہی نہیں خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں لیکن... بھائی کو کیسے یہ بات سمجھائی جائے...؟ وہ اپنے دوست زمرد کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے، حالانکہ اس سلسلے میں اپنے بڑے بھائی داراب خان سے بھی بات کر چکی ہوں... وہ آج کل بیمار رہتے ہیں مگر میرے خیال یا شبہے سے وہ بھی متفق ہیں اور انہوں نے یہی بات رازق خان کے ساتھ... تبادلہ خیال کے انداز میں کہی بھی تھی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات... وہ زمرد کو اب دشمن ماننے پر بالکل تیار نہیں تھے۔''

''اوہ... یہ تو واقعی بڑی مشکل ہے۔ گویا دشمن تمہارے بھائی رازق خان کی بغل میں دبا ہوا ہے اور اسے معلوم نہیں۔''

''آپ پلیز... میرے بھائی رازق خان کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کریں۔'' ثمرینہ نے اپنی منصوبہ بندی سے آگاہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شکیل سے کہا۔ ''اور اس سے دوستی بڑھائیں... اس طرح آپ کو زمرد خان پر بھی نگاہ رکھنا دشوار نہ ہو گا مگر بس اس سلسلے میں آپ سے ایک اہم کام اور بھی لینا چاہتی ہوں۔''

''کہیں، میں تیار ہوں۔'' شکیل نے دھڑکتے دل سے کہا۔ محبوب سے سلسلہ جنبانی کی راہ نکلنا بھی کم تو نہ تھا۔ راہِ الفت کے راستے میں اگر منزل یا مراد کا راستہ محبوب کے دل کو گھر کرنے کی طرف جاتا تھا تو شکیل کو اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے فوراً حامی بھری تو ثمرینہ بولی۔

''آج مجھے آپ تھوڑا وقت دیں۔ میں گاڑی لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتی ہوں... آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔''

''میں تیار ہوں... مگر جانا کہاں ہو گا؟ اور کیا یہ سب خفیہ طور پر ہو گا؟''

''ہاں، بالکل رازداری سے، یہ کام ہم دونوں انجام دیں گے... ہمیں زمرد خان کے ایک ٹھکانے پر جانا ہو گا، وہ جانوروں کا ایک باڑا ہے۔ میں نے بھائی کی زبانی سنا ہے وہاں اس نے مختلف جانوروں کا ایک چڑیا گھر بنا رکھا ہے۔ ممکن ہے وہاں سے ہمیں کوئی ایسا سراغ مل جائے۔''

محبوب سے راہ کا بہانہ ہی سہی، شکیل نے فوراً ہاں کر دی تو وہ خوش ہو کے بولی۔ ''پھر میں آپ کو لینے آ جاؤں؟''

''بصد شوق، کتنی دیر میں پہنچ جاؤ گی؟''

''آدھا گھنٹا۔''

''رائٹ، میں تب تک کھانے سے فارغ ہو جاتا ہوں۔'' شکیل نے کہا۔

''اوہ... آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تو پھر آپ آرام سے پہلے کھانا کھا لیں، میں فون کر کے آ جاؤں گی۔''

''میں نے کھانا شروع کر دیا ہے۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر فارغ ہو جاؤں گا آپ آجائیں۔''

''اوکے شکریہ، آپ کا بہت بہت۔''

''دوستوں میں شکریہ نہیں... حکم اور خلوص چلتا ہے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔''

آدھے گھنٹے بعد ثمرینہ ایک پرانے ماڈل کی لمبی جیپ میں وہاں آن پہنچی۔ شکیل اس کا منتظر تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہو گئے۔

''ارے واہ، آپ تو بڑی آسانی سے اتنی لمبی جیپ چلا لیتی ہیں۔'' شکیل نے مسکرا کر کہا۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر تھا۔

''میں اسی میں شہر آیا جایا کرتی تھی۔ یونیورسٹی جاتی تھی، خود بھی چلانی سیکھ لی۔ یہ میرے بڑے بھائی داراب خان کی ہے۔'' ثمرینہ نے بتایا۔ اب وہ برف کے پیچ بل کھاتی سڑک پر جیپ دوڑا رہی تھی۔

''زمرد خان کا وہ ٹھکانا یہاں سے کتنی دور ہے۔'' شکیل نے کھڑکی سے باہر دور تک پھیلی برف کو دیکھا۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔ لمبے اور پستہ قامت پیڑ سفید برف کا پیرہن پہنے ہوئے نظر آرہے تھے۔

''کچھ زیادہ نہیں۔'' ثمرینہ ونڈ اسکرین سے باہر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ ''ایک دو کلومیٹر کے بعد ایک سیاہ رنگ کی ٹوٹی پھوٹی لکڑی کی عمارت آئے گی' اس کے بالکل متوازی، ایک راستہ قدرے نشیب میں چلا جاتا ہے جو زمرد خان کی رہائش گاہ کے قریب سے ہوتا ہوا بانس کے جنگل میں داخل ہوگا، بس جنگل پار کرتے ہی باڑے کا بڑا سا چوبی شیڈ دور سے ہی نظر آجائے گا۔''

''ممکن ہے وہاں زمرد خان خود موجود ہو، ورنہ اس کا کوئی تو آدمی ہوگا ہی اُدھر... تمہیں تو پہچان ہی لے گا۔'' کسی خیال کے تحت شکیل نے کہا۔

''اس وقت وہاں کوئی نہیں ہوگا۔ ورنہ میں کسی اور وقت آتی، ویسے بھی اگر کوئی وہاں موجود ہوا بھی تو میں حالات سنبھال لوں گی۔''

''کیا ہمارا اس طرح ایک جیپ میں کسی مقام کی طرف سفر کرنا... کہیں آپ کے لیے مسئلہ تو نہیں بنے گا۔ میرا مطلب ہے آپ کے بھائی اعتراض کر سکتے ہیں۔''

''انہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہوں۔'' وہ ایک بے پروا مسکراہٹ سے بولی۔ ''ویسے بھی میں دونوں بھائیوں کی لاڈلی ہوں۔ میری ان سے اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے بلکہ رازق خان اور میں شہر کے ایک ہی کالج میں پڑھے ہیں۔ اور وہاں طویل عرصہ رہے بھی ہیں۔''

''تو کیا آپ کی شہر میں بھی رہائش ہے؟'' شکیل نے پوچھا۔ اب اسے سامنے ایک ٹوٹی پھوٹی لکڑی کی مختصر سی عمارت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

''ہاں۔'' ثمرینہ نے مختصر جواب دیا۔ کیونکہ اب وہ تنگ سا موڑ قریب آگیا تھا جسے بڑی ہوشیاری سے کاٹنا تھا۔ ورنہ جیپ سلپ ہو کر برف سے ڈھکے کنارے کے کسی اندھے گڑھے میں دھنس کر پھنس سکتی تھی۔

موڑ کاٹتے ہی ثمرینہ نے جیپ کی رفتار قدرے کم کر دی۔ یہاں گھنے اور مخروطی نکیلے پتوں والے پیڑوں کی بہتات تھی، سڑک بھی تنگ تھی... بہرطور... تھوڑی دیر بعد شکیل کو سامنے ایک مستطیل سا پھیلا ہوا شیڈ دکھائی دے گیا۔ وہ محتاط ہو کر بیٹھ گیا۔

باڑے کی طرف الگ سے ایک خود ساختہ ناپختہ راستہ تھا جو برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ ثمرینہ نے جیپ کا گیئر بدلا اور نہایت مشاقانہ انداز میں جیپ کو برف پر چلاتی ہوئی بالآخر باڑے کے وسیع و عریض احاطے کے چوبی گیٹ سے اندر لے آئی۔

شکیل کا خیال درست ثابت ہوا۔ وہاں انہیں ایک پختہ العمر شخص نظر آگیا۔ وہ دراز قامت اور اچھی صحت کا حامل تھا۔ وہ ثمرینہ کے لیے بھی اجنبی تھا کیونکہ اس کے چہرے پر عجیب سی الجھن تیر گئی۔ وہ شخص سیدھا ثمرینہ کی کھڑکی کی جانب بڑھا اور جھگڑالو سے لہجے میں بولا۔

''کون ہو تم لوگ؟ اور اس طرح کسی کی ذاتی پراپرٹی میں داخل ہونے کا مطلب؟''

''ارے جناب! ہم مسافر ہیں۔ ناراض کیوں ہوتے ہو... ذرا راستہ کرا دو تم سے کچھ اتا پتا پوچھ کر آگے بڑھ جائیں گے... بولو تو ابھی لوٹ جاتے ہیں۔'' شکیل نے اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔ تو وہ ذرا شرمندہ ہوا، بولا۔

''نہیں... نہیں... ایسی بات تو نہیں... آیئے تشریف لائیں۔''

دونوں جیپ سے اتر آئے۔ ڈاکٹر شکیل بہ غور گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ باڑے کی عمارت خاصے وسیع اور... مستطیل رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں چار پانچ بڑے بڑے چوبی گیٹ نما دروازے بھی نظر آرہے

تھے۔ دو تین گھوڑے ایک طرف بندھے ہوئے تھے، ایک بڑے سائز کا باڑہ سنگھا بندھا دکھائی دیا۔ ایک کونے میں بڑے بڑے سلاخ دار پنجرے بھی بنے ہوئے تھے۔ جو براہِ راست زمین سے منسلک تھے، ان میں انواع و اقسام کے جانور موجود تھے۔ یہ کوئی خاص اچنبھے کی بات نہ تھی، وادی کے ... متمول لوگوں کی جاگیروں میں ایسے بھانت بھانت کے جانوروں کے باڑے بنے ہوتے تھے۔ چوبی دروازے کھلے ہوئے تھے، سوائے ایک کے، اندر دو بھینسیں اور گھوڑے بندھے نظر آرہے تھے، کوئی خونخوار درندہ ابھی تک ڈاکٹر شکیل کی کھوجتی نظروں سے نہیں ٹکرایا تھا۔

''آپ لوگ کس طرف کو جارہے تھے؟'' اس آدمی نے شکیل کی طرف دیکھ کر کہا۔ شکیل اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی نگاہ یونہی پاس کھڑی ثمرینہ کے چہرے سے ٹکرائی۔ وہ سامنے بند دروازے کو تکے جارہی تھی۔ شکیل نے آدمی کو جواب دیتے ہوئے جھوٹ کہا۔

''ہم مشابروم کی طرف جارہے تھے وہاں جاگیردار نواب ولی خان کی ایک دعوت میں شرکت کرنا تھی۔'' ڈاکٹر شکیل کا آدھا سچ اور آدھا جھوٹ کام کرگیا۔ آدھا سچ اس لیے کہ اسے مشابروم کے ایک جاگیردار نواب ولی خان کا پہلے سے معلوم تھا رہی بات دعوت کی یہ جھوٹ تھا۔ وہ آدمی اس سے مرعوب ہوکر بولا۔ ''اوہ... اچھا آپ لوگ نواب ولی خان کے مہمان ہو، ہمارے جاگیردار کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے... آیئے... آپ لوگ بیٹھئے ناں۔''

یہی دونوں چاہتے تھے، اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ ایک قریب بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''آپ ہمیں مشابروم تک جانے کا کوئی محفوظ راستہ بتادیں... بڑی مہربانی ہوگی۔ ہم ذرا نئے ہیں۔ یہ میری کزن ہے۔ عالیہ، میرا نام جنید خان ہے۔'' شکیل نے کہا۔

''بالکل بتا دوں گا مگر پہلے آپ دونوں کو میرے ہاتھوں کی کافی پینا ہوگی... ابھی لاتا ہوں گرما گرم کافی۔'' وہ مسکرا کر بولا اور جواب میں یہ دونوں بھی مسکرا دیے۔ وہ آدمی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک کھلے ہوئے دروازے سے اندر غائب ہوگیا۔

''تم اس دروازے کو چیک کر کے آجاؤ... جلدی۔'' اس کے جاتے ہی شکیل نے ثمرینہ سے سرگوشی میں کہا جو بار بار اس بند دروازے کی طرف ہی دیکھ رہی تھی، وہ جیسے اسی بات کی منتظر تھی۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور مذکورہ دروازے کی طرف بڑھی۔ قریب پہنچ کر وہ ذرا رکی۔ دروازے کے چوبی پٹ میں لمبی لمبی متوازی درزیں بنی ہوئی تھیں۔ اس نے قدرے جھک کر ایک درز پر اپنی آنکھ چپکا دی اور اگلے ہی لمحے اس کے پورے وجود میں خوف کی پھریری دوڑ گئی، اندر خونخوار بھیڑیوں کا پورا غول موجود تھا۔ وہ چھ سات برفانی بھیڑیے تھے۔ انہوں نے شاید قریب میں کسی انسان کی بُو سونگھ لی تھی، یہی سبب تھا کہ دو تین بھیڑیے اس درز کی جانب اپنے منہ .... کر کے خوفناک انداز میں غرائے تھے۔ ثمرینہ ایک دم چند قدم پیچھے کو ہٹ گئی۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی، ذرا فاصلے پر بیٹھا شکیل پریشان ہوکر اٹھ کھڑا ہوا۔ ثمرینہ تیزی سے اس کی طرف آئی، اتنی سی دیر میں اس کی سانس پھول گئی تھی، شاید اس میں خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

''کیا ہوا...؟ خیریت...؟'' ڈاکٹر شکیل نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''وہ... وہ... بھیڑیے... اندر موجود ہیں۔'' ثمرینہ نے خوف زدہ انداز میں مذکورہ دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ... اچھا۔'' شکیل نے کہتے ہوئے اپنے ہونٹ پُرسوچ انداز میں سکیڑ لیے۔

''بالکل ایسے ہی خونخوار بھیڑیے تھے، جنہوں نے ہماری جیپ پر حملہ کیا تھا اس رات۔'' ثمرینہ بولی۔ جوش سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔ شکیل نے اسے بازو سے تھام کر دھیرے سے چارپائی پر دوبارہ بٹھا دیا۔

ثمرینہ اپنی سنائے جارہی تھی۔ ''ہماری جیپ برف میں ایک اندھے گڑھے میں پھنس گئی تھی۔ ہم تینوں جیپ سے اتر کر اسے دھکا لگا کر برف کے گڑھے سے باہر نکالنے کی کوشش کررہے تھے کہ اچانک ایسے ہی سفید برفانی بھیڑیوں کے غول نے ہم پر حملہ کردیا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے شکیل! یہ ساری کارستانی زمرد خان کی ہی ہوگی۔'' اس منحوس واقعے کو یاد کر کے وہ سسک پڑی۔

''او کے... او کے... پلیز... خود کو سنبھالیے... ورنہ دشمن محتاط ہوجائے گا۔'' شکیل نے اسے سرگوشی میں سمجھایا۔ اس کی اپنی پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا تھا۔ اس دوران میں وہ آدمی اپنے ہاتھوں میں کافی کے دو مگ تھامے دروازے سے برآمد ہوا اور ان کی طرف آنے لگا۔ تب تک ثمرینہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ قریب آکر اس آدمی نے کافی کا ایک ایک مگ انہیں تھما دیا

اور خود ایک طرف کھڑا ہو کر قریب بندھے بڑے سے بارہ سنگھے کو یونہی پکارنے لگا..... ڈاکٹر شکیل کافی کی دو تین چسکیاں لینے کے بعد کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے ہوئے چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہولے سے کھنکھار کر اس آدمی کو اپنی جانب متوجہ کیا اور سامنے باڑے کے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''لگتا ہے اس دروازے کے پیچھے کوئی خاص جانور بند ہے۔کوئی شیر... یا چیتا وغیرہ...''

اس آدمی نے اشارے کی سمت... مذکورہ دروازے کی طرف دیکھا پھر بے تاثر مسکراہٹ سے اور مبہم بولا۔

''ایسا تو نہیں مگر ممکن ہے رات میں یہاں کوئی ایسا جانور رکھا ہو... میں تو ابھی چند گھنٹے پہلے ہی یہاں آیا ہوں... میں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ چھوٹے صاحب شکار اور جانوروں کے شوقین ہیں... اور...'' اچانک وہ رک گیا اور سامنے دیکھ کر بولا۔''لو... چھوٹے صاحب بھی آ گئے۔'' اسی لمحے شکیل کے کانوں سے بھی کسی گاڑی کے انجن کی گھر گھرانے کی آواز ٹکرائی تھی۔ وہ تو نہیں البتہ... ثمرینہ اپنے بھائی کے دوست زمرد خان کی جیپ پہچان گئی اور ایک دم چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کے چہرے پر یکلخت فکر و تشویش کے آثار نمایاں تھے۔شکیل کے چہرے پر بھی کچھ پریشانی کے آثار امڈ آئے تھے... وہ آدمی فوراً جیپ کی طرف دوڑا تھا۔

''اب کیا ہو گا...؟ مجھے نہیں معلوم تھا زمرد خان اچانک ٹپک پڑے گا یہاں...'' ثمرینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں ارتعاش تھا۔''کیا چلیں یہاں سے؟''

''نہیں، ابھی ٹھہرو... اور پُرسکون رہنے کی کوشش کرو، میں سنبھال لوں گا۔ کافی پیتی رہو۔'' ڈاکٹر شکیل نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ تاہم دونوں کی نظریں سامنے کچھ فاصلے پر رکی ہوئی جیپ پر مرکوز تھیں جس میں سے ایک آدمی نیچے اتر رہا تھا۔ جیپ، احاطے کے باہر ہی رکی ہوئی تھی اور اس کا انجن بھی ابھی تک اسٹارٹ تھا۔ وہ زمرد خان ہی تھا جو جیپ سے اتر کر اس آدمی سے ہدایت دینے کے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ آدمی تابعدارانہ انداز میں بار بار اپنے سر کو ہلا رہا تھا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ زمرد خان نے ان کی طرف دیکھا تھا مگر شاید سرِدست انہیں پہچان نہ سکا۔ پھر انہوں نے دیکھا وہ آدمی جیپ میں سوار ہوا اور... دوسری جانب کے راستے پر روانہ ہو گیا جبکہ زمرد خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان کی طرف آنے لگا۔ ثمرینہ کا دل نجانے کیوں کسی انجانے خطرے کے پیشِ نظر تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر شکیل کی موجودگی اسے حوصلہ دیے ہوئے تھی۔

''ارے تم... ثمرینہ...؟'' زمرد خان ان کے قریب آ کر حیرت اور چونکنے کے انداز میں بولا اور ساتھ ہی ایک عجیب سی نگاہ اس کے ساتھ کھڑے ڈاکٹر شکیل پر بھی ڈالی۔ شکیل نے فوراً مسکرا کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کی زمرد خان کے ساتھ یہ دوسری ملاقات تھی۔

''آپ ڈاکٹر صاحب! یہاں...؟ خیریت تو ہے؟'' زمرد خان نے مصافحہ کرنے کے دوران پوچھا۔ اس کے چہرے پر سخت الجھن کے آثار تھے۔ وہ ثمرینہ کی طرف تکے جا رہا تھا۔

تب ثمرینہ مسکرا کر بولی۔''زمرد بھائی! دراصل ڈاکٹر صاحب مجھے راستے میں مل گئے تھے، ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی، پیدل جا رہے تھے، میں نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ یہاں سے گزرنے لگے تو آپ کا خیال آ گیا... یہاں پہنچے تو آپ کے ملازم نے ہمیں گرما گرم کافی بنا کر پیش کر دی۔''

زمرد خان کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ ثمرینہ کی ان تاویلوں سے مطمئن نہیں ہوا۔ ڈاکٹر شکیل نے بھی لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

''ویسے ہم نے بہانے کیا سوچ کر یا مصلحتاً آپ کے آدمی سے تھوڑا جھوٹ بھی بول دیا تھا کہ ہم وہ نہیں جو ہیں۔''

''جھوٹ تو آپ کو واقعی بولنا ہی پڑتا۔'' زمرد خان طنز سے بولا اور شاکی نظروں سے ڈاکٹر شکیل کی طرف دیکھنے لگا...''مگر افسوس میرے آتے ہی تم لوگوں کے جھوٹ کا بھانڈا ابھی پھوٹ گیا۔'' اس کا لہجہ عجیب ہوتا جا رہا تھا۔ بالخصوص شکیل کے لیے اس کے چہرے پر تنی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ ایسے میں لاجواب اور خجل ہوتی ثمرینہ نے بھی وہ بات کہہ ڈالی جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھی۔

''زمرد بھائی! آپ یہ بتایئے... آپ نے یہ خطرناک درندے کب سے پالنا شروع کر دیے ہیں؟''

ثمرینہ کی بات پر وہ چونکے بنا نہ رہ سکا اسی لہجے میں بولا۔''کون سے درندے؟''

ثمرینہ نے باڑے کے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔''وہاں ہم نے کچھ خونخوار برفانی بھیڑیوں کو دیکھا ہے۔'' وہ خاصی جوش میں نظر آنے لگی تھی۔

"یہ بالکل ویسے ہی بھیڑیے ہیں جنھوں نے اس رات ہم پر حملہ کر دیا تھا اور نتیجے میں بھابی شاہانہ ہلاک ہوئی تھیں۔"
شکیل کی نظریں زمرد خان کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے واضح طور پر زمرد خان کے چہرے پر کئی رنگ جھلکتے محسوس کیے تھے۔ پھر جیسے زمرد خان کے چہرے اور لہجے سے ساری تلخی جاتی رہی اور ایک دم وہ پہلی بار مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں! یہ کل رات ہی میرے آدمیوں کے نرغے میں آئے ہیں۔ ایک شکاری پنجرے کے ذریعے انہیں ہم نے پکڑا تھا، یہ کھیتوں میں سوروں کو بھگانے کے کام آتے ہیں۔"

"...اور انسانوں کو ہلاک کرنے میں بھی۔" ڈاکٹر شکیل نے بھی طنزیہ کہا۔ زمرد نے ایک لمحے کو چبھتی دار نظروں سے شکیل کی طرف دیکھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ ثمرینہ اور شکیل نے کافی کے ادھ بھرے مگ چارپائی پر رکھ دیے۔ ثمرینہ نے رخصت ہونے کی غرض سے کہا۔ "ہم چلیں گے۔"

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب کو بھی راستے میں اتار دوں گا۔" زمرد خان ایک دم بولا۔ وہ ایک بار پھر الجھا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔

"نہیں، وہ سامنے میری گاڑی کھڑی ہے۔" کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ شکیل نے بھی اس کے عقب میں قدم بڑھائے تو الجھے الجھے سے کھڑے زمرد خان نے ثمرینہ کو رکنے کا اشارہ کیا پھر بولا۔ "تم ذرا ادھر آؤ... تم سے کوئی بات کرنی ہے۔"

ثمرینہ قدرے ٹھٹکی مگر تجسس بھی ہوا زمرد خان کی بات سننے کا۔ ایک نگاہ ساتھ کھڑے شکیل پر... ڈالی تو اس نے بھی اپنے سر کے خفیف سے اثباتی اشارے سے باور کر دیا کہ وہ زمرد خان کی بات سن لے۔

زمرد خان، ثمرینہ کو ایک طرف لے گیا پھر اس سے دھیمی آواز میں بولا۔ "سنو! تم میرے دوست کی بہن ہو۔ تم نہیں جانتی ہو آج کل تمہارا بھائی کیسے حالات سے گزر رہا ہے۔ تم لوگوں کا کوئی گمنام دشمن یہاں منڈلا رہا ہے جو تم سب کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے لہٰذا محتاط رہو، میں نے اپنے آدمی کو ایک ضروری کام سے بھیجا ہے، ابھی آتا ہوگا۔ میں اپنی گاڑی میں تمہیں گھر تک چھوڑ دوں گا اپنی گاڑی ڈاکٹر شکیل کو دے دو وہ چلا جائے۔ بعد میں گاڑی منگوا لیں گے۔"

اس بار ثمرینہ محتاط تھی۔ اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے بھی ان باتوں کا علم ہے۔ تاہم بولی۔ "میں محتاط ہی رہتی ہوں۔ اس وقت بھی میری گاڑی کے گلوو کمپارٹمنٹ میں بھرا ہوا پستول موجود ہے۔ اور ڈاکٹر شکیل میرے ساتھ ہیں، آپ کا شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ زمرد خان اپنے ہونٹ چباتا رہ گیا۔

"آئیں ڈاکٹر صاحب ہم چلتے ہیں۔" وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولی۔ دونوں آگے بڑھ گئے اور جیپ میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

"تم نے بھی زمرد خان کو چونکا کر رکھ دیا، بھیڑیوں والا تذکرہ کر کے۔" ڈاکٹر شکیل مسکرا کر بولا۔

"ہاں، اس کا منہ بند کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔"

وہ بولی۔ "تم نے دیکھا نہیں کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا رویہ ہی بدل گیا تھا۔"

"مجھے تو اب یہ فکر ہونے لگی ہے کہ کہیں وہ اب تمہارے بھائی رازق خان سے میری شکایت ہی نہ کر ڈالے۔" شکیل نے قدرے فکرمندی سے کہا تو ثمرینہ از راہِ تشفی بولی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں، میں بھی خاموش نہیں رہوں گی پھر... بتا دوں گی کہ... زمرد خان ہی ہمارا دشمن ہے۔ اس نے آخر کس مقصد کے لیے یہ خونخوار بھیڑیے پال رکھے ہیں۔" شکیل خاموش رہا۔

ابھی وہ باڑے کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ دفعتاً ان کی جیپ کو ایک جھٹکا لگا اور وہ رک گئی۔

"ارے یہ کیا ہوا، جیپ کیوں رک گئی؟" بے اختیار ثمرینہ کے لبوں سے نکلا۔ اس نے اگنیشن سوئچ میں دو تین بار چابی گھمائی مگر انجن گھرر گھرر کر کے خاموش رہا۔ "مائی فٹ! اسے بھی ابھی خراب ہونا تھا۔" ثمرینہ نے جھلا کر اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

"میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔" شکیل نے کہا۔ ناچار ثمرینہ کو سیٹ چھوڑنا پڑی اور اس کے لیے اسے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترنا پڑا۔ اس دوران شکیل جیپ کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ثمرینہ بے چینی کے عالم میں کھڑی تھی کہ دفعتاً ایک زوردار دھماکا ہوا۔ دونوں بری طرح ٹھٹک گئے... ثمرینہ کی نظریں بے اختیار ذرا فاصلے سے نظر آنے والے باڑے کے احاطے پر اٹھ گئیں۔ اس نے زمرد خان کو ہاتھ میں پستول لہراتے ہوئے ایک جانب دوڑتے دیکھا، اس کا رخ باڑے کے دوسرے

کھلے دروازے کی طرف تھا، دوسرا منظر ثمرینہ کے لیے نہایت ہولناک تھا، خونخوار بھیڑیوں والا بند دروازہ آدھا کھلا تھا اور وہاں سے سفید بھیڑیوں کا غول برآمد ہو رہا تھا اور گولی چلنے کی آواز سے وہ غراتے ہوئے احاطے کے دروازے کی طرف دوڑے چلے آرہے تھے، جہاں سے بل کھاتا راستہ سیدھا اسی طرف ہی آتا تھا جہاں ان کی جیپ کھڑی تھی۔ ثمرینہ کا دل اچھل کر حلق میں آن لگا۔ خونخوار بھیڑیوں کا ٹولا اس سمت تیزی سے دوڑا چلا آرہا تھا۔ مارے دہشت کے بے اختیار ثمرینہ کے حلق سے چیخ خارج ہوگئی۔ جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے شکیل بھی پہلے تو گولی کی آواز پر چونکا پھر ثمرینہ کی چیخ نے اسے پریشان کردیا۔ ثمرینہ چیختی چلاتی دوسری طرف سے گھومتی ہوئی... جیپ کے دروازے تک پہنچی تو اسے دروازہ لاک ملا۔ وہ زور زور سے کھڑکی کے بند شیشے پر ہاتھ مار کر چلّانے لگی۔

''شکیل... شکیل... لاک کھولو... جلدی... وہ... وہ... بھیڑیے... اس طرف آرہے ہیں۔''

ادھر بھیڑیے آن واحد میں گویا ثمرینہ کے سر پر پہنچ چکے تھے، مگر شکیل نے بروقت پھرتی سے کام لیتے ہوئے اندر سے لاک کھولا اور دروازہ کھلتے ہی ثمرینہ اندر کود پڑی اور جلدی سے دروازہ بند کرنا چاہا تو ایک برفانی بھیڑیے کا خونخوار جھبرا سا تھوتھنا اندر داخل ہوچکا تھا۔ اس کے خوف ناک جبڑوں سے تیز نکیلے شکاری دانتوں کی جھلک ثمرینہ محسوس کرکے تھرا اٹھی۔ وہ اس وقت بدحواسی اور خوف کے باعث سیٹ پر اپنی دونوں ٹانگیں سمیٹے ہوئے تھی، خوف اور جان بچانے کی خاطر اس نے ذرا ہمت دکھائی اور اپنی دونوں ٹانگوں کی بیک وقت ضرب بھیڑیے کے خونخوار تھوتھنے پر رسید کردی۔ اس کا تھوتھنا غائب ہوگیا۔

ثمرینہ نے لپک کر اپنی طرف کا دروازہ بند کرکے لاک بھی کردیا۔ بھیڑیے اچھل اچھل کر کھڑکی کے بند شیشے پر جھپٹنے لگے۔ ثمرینہ اس بری طرح دہشت زدہ تھی کہ ڈاکٹر شکیل کے بازو سے چمٹ گئی۔ شکیل نے اسے حوصلہ دیا۔

''ٹیک اٹ ایزی... ڈرنے کی ضرورت نہیں... یہ اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''گلووکمپارٹمنٹ میں پستول موجود ہے۔'' ثمرینہ نے لرزیدہ آواز میں کہا تو شکیل نے فوراً وہاں سے پستول نکال کر کھڑکی کا شیشہ تھوڑا نیچے کرکے پستول والا ہاتھ باہر نکالا اور دو تین ہوائی فائر کر ڈالے۔ دھماکوں کی آواز سے بدک کر وہ برف سے ڈھکے جنگل کی طرف دوڑ گئے۔

''اُف مائی گاڈ! اس قدر خوفناک تھے۔ مجھے تو اس روز کا خونی واقعہ یاد آگیا۔'' ثمرینہ خوف سے جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ پھر ایک دم جیسے اسے یاد آیا۔ غصے سے دانت بھینچ کر بولی۔ ''مجھے پورا یقین ہے یہ زمرد خان کی حرکت ہوگی، ہماری جیپ کھڑی دیکھ کر اس نے ہم پر بھیڑیے چھوڑ دیے۔ یقیناً اس نے مجھے بھی جیپ سے باہر کھڑے دیکھ لیا ہوگا۔''

شکیل نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے، بولا۔ ''مگر اس سے پہلے ہم نے گولی چلنے کی بھی تو آواز سنی تھی۔''

''وہ یقیناً اس نے بھیڑیوں کو کھولنے کے بعد خود سے دور رکھنے اور بھگانے کے لیے چلائی ہوگی۔'' ثمرینہ بے ساختہ لہجے میں بولی۔ ''کیونکہ میں نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھا تھا اور اسے گولی چلانے کے بعد باڑے کے ایک دوسرے دروازے کی طرف دوڑتے دیکھا تھا۔ ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں کھڑے ہیں... وہ دیکھو... سب صاف نظر آرہا ہے۔'' ثمرینہ نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے گردن گھما کر جیپ کی بیک اسکرین سے شیڈ کی طرف دیکھا۔ شکیل نے بھی اس کی تقلید کی، فاصلہ زیادہ نہیں تھا پھر دونوں چونک پڑے۔ انہیں ایک جیپ کھڑی نظر آئی، زمرد خان کا وہ آدمی شاید لوٹ آیا تھا جسے بہ قول اس نے ایک ضروری کام سے بھیجا تھا۔ دونوں دم بہ خود نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے۔ زمرد خان بھی ان کی دھنسی ہوئی جیپ کی طرف تکتے ہوئے حواس باختہ انداز میں اپنی جیپ میں سوار ہو رہا تھا... اور پھر اگلے ہی لمحے انہوں نے دیکھا اس کی جیپ نے حرکت کی۔ اس کا رخ ان ہی کی طرف تھا۔

''وہ اِدھر ہی آرہا ہے... ہوشیار...'' ڈاکٹر شکیل نے کہا۔

''آ... آپ... جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کریں۔'' ثمرینہ ایک بار پھر اثبانے خوف کے زیر اثر آگئی۔

''فکر نہ کرو، میں دیکھتا ہوں۔ تم خود کو سنبھالو۔'' شکیل نے اسے حوصلہ دیا اور پستول احتیاطاً اپنی جیب میں رکھنے کے بعد اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ تب تک زمرد خان آندھی طوفان کی طرح جیپ اُڑاتا ہوا وہاں آن پہنچا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے جیپ ان کے قریب روک دی اور نیچے اتر آیا۔ تب تک ثمرینہ کے دل و دماغ میں زمرد

خان کو دیکھ کر خوف کی جگہ جوش سا گیا، وہ بھی نیچے اتر آئی۔

''تت... تم خیریت سے تو ہونا... میں بہت شرمندہ ہوں... پتا نہیں کیسے بھیڑیوں کے باڑے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا کہ...'' زمرد خان ثمرینہ کی طرف دیکھ کر اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ ثمرینہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولی۔

''بس زمرد خان! اب زیادہ ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ بھیڑیوں کے باڑے کا دروازہ... ہمارے یہاں پہنچتے ہی کیوں کھولا گیا تھا۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' زمرد خان نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر ثمرینہ اس وقت اس سے کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتی تھی، ڈاکٹر شکیل بھی تب تک جیپ کا بونٹ اٹھا کر اس کی خرابی دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا، خرابی معمولی تھی درست کرنے کے بعد جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔ پھر یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ زمرد خان وہیں کھڑا پُرسوچ نظروں سے ان کی جاتی ہوئی جیپ کو تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

دروازے پر کوئی مسلسل دستک دے رہا تھا۔ حماد کو اس طرح دروازہ کھٹکھٹانا ازحد برا لگتا تھا۔ اس نے کتاب رکھی اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور غصے سے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ تیز کاٹ دار برفیلی ہواؤں نے اس کا پہلے استقبال کیا۔ غصے میں وہ نہ شال اٹھا سکا تھا نہ سر پر اوڑھنے والی لمبی اونی گرم ٹوپی۔ سامنے ایک ضعیف آدمی کھڑا تھا۔ یہ عالی جاہ تھا، اسے دیکھ کر تو حماد کا غصہ مزید دو چند ہو گیا۔ لہٰذا تیز لہجے میں بولا۔ ''کیا بات ہے اور تم یہ جاہلوں کی طرح اس طرح زور زور سے دروازہ کیوں بجا رہے تھے؟''

''میرے اعلیٰ نسل کے کتوں کو کل رات پھر بھیڑیوں کے ایک غول نے حملہ کر کے مار ڈالا ہے۔'' عالی جاہ بھی تیز لہجے میں بولا۔

''تو پھر میں کیا کروں...؟'' حماد نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ پھر جیسے دل کی پرانی بھڑاس نکالتے ہوئے مزید بولا۔ ''تمہارے ندیدے کتوں کا یہی حشر ہونا چاہیے تھا۔ تم انہیں کھلا کیوں چھوڑ دیتے ہو۔ اس نے میری مصری مرغیوں اور ایرانی نسل کے خرگوشوں کو بھنبھوڑ ڈالا۔''

''تو وہ بھیڑیے تمہارے چھوڑے ہوئے تھے؟ میں ابھی جا کر نمبردار رازق خان سے تمہاری شکایت کرتا ہوں۔ وہ تم کو یہاں سے اسی وقت بے دخل کر دے گا۔ جانتے ہو ناں تم اچھی طرح سے... میں ان کا پرانا خدمت گار ہوں۔''

''اب مجھے تمہاری اس دھمکی کی کوئی پروا نہیں رہی ہے... کیونکہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔''

''میری ایک عمر ان برف زاروں میں گزری ہے۔'' عالی جاہ بولا۔ اس نے موسم کی مناسبت سے بوسیدہ سہی مگر گرم لباس پہن رکھا تھا۔ ''اور ایک طویل عرصے تک میں یہاں کے پرانے جاگیردار کے ساتھ شکار پر رہا ہوں، خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خونخوار جانوروں کا غضب دوسری جانب کس طرح موڑا جاتا ہے۔ میں نے بھیڑیوں کے قدموں کے نشانات تمہارے کاٹیج تک آتے دیکھے ہیں۔ تم یقیناً بھیڑیوں کو خوراک ڈالتے رہے ہو اور انہیں اپنے مطلب کی جگہ پر ہانکنا بھی جانتے ہو۔''

اس کی بات سن کر پہلی بار حماد کو گرگِ باراں دیدہ بڈھے سے خطرہ محسوس ہوا۔ مگر وہ مرعوب ہو کر اسے مزید شہ نہیں دینا چاہتا تھا، غصے سے دانت پیس کر اس نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا اور پلٹتے ہوئے دانت پیس کر نفرت انگیز لہجے میں بڑبڑایا۔ ''بڈھے اب کی بار تجھ پر بھیڑیے چھوڑوں گا ورنہ تو میرا سارا منصوبہ خاک میں ملا دے گا۔''

☆☆☆

زمرد خان نے کسی خیال کے تحت ابھی اس روز والے واقعے کا ذکر رازق خان سے نہیں کیا تھا۔ نہ ہی ثمرینہ اور شکیل کے متعلق اسے بتایا تھا۔ لیکن جب وہ رازق خان کے پاس پہنچا تو اسے بڑی بے چینی سے اپنا منتظر پایا۔ وہ خاصا غضب ناک بھی ہو رہا تھا۔ وہ کہیں جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ لہٰذا اپنے دوست زمرد خان کو دیکھتے ہی اس نے فقط اتنا کہا۔

''آؤ زمرد خان جلدی... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے رازق خان اپنی مخصوص چوڑے ٹائروں والی جیپ میں سوار ہوا اور زمرد خان بھی حیران و پریشان اس کے پیچھے ہو لیا۔ رازق کے بغلی ہولسٹر میں ریوالور ہر وقت موجود رہتا تھا جب اس نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو زمرد خان نے پوچھ لیا۔

''آخر بات کیا ہے دوست...؟ کچھ تو بتاؤ۔''

''دشمن کا پتا چل گیا ہے۔'' رازق نے جیسے دھماکا کیا اور زمرد بری طرح چونکا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب طرح کے آثار بھی نمایاں ہوئے جو رازق نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ

اس وقت وہ جوشِ غیظ سے دانت بھینچے اسٹیئرنگ دبوچے جیپ دوڑا رہا تھا۔

''کیا واقعی؟'' زمرد نے مبہم سے لہجے میں کہا۔

''ہاں...''

''مگر کیسے... پتا چلا تمہیں دشمن کا...؟ کون ہے وہ...؟''

''حماد۔''

''کیا...؟ حماد... وہی گمنام شکاری...؟'' زمرد یاد کرتے ہوئے بولا۔ ''مگر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ...''

''عالی جاہ آیا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے...'' رازق نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ ہمارا پرانا ملازم ہے... بابا جانی نے اس کی طویل خدمات کی وجہ سے ایک الگ رہائش گاہ بنا کر دے رکھی ہے اور ہر مہینے اسے ہماری طرف سے ایک مخصوص رقم اس کی خدمات کے صلے میں ملتی ہے مگر اب وہ ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے۔ کبھی کبھار ہمارے پاس آتا جاتا رہتا ہے۔ عالی جاہ کی مختصر رہائش گاہ حماد کے کاٹیج کے قریب واقع ہے۔ عالی جاہ نے کچھ کتے پال رکھے تھے جو اس کے، برف پر پھسلنے والے چھکڑے (سلیج) کو کھینچنے کا کام انجام دیتے تھے، دو بار اس کے کتوں پر برفانی بھیڑیوں کا حملہ ہو چکا ہے اور اس کے کتے مارے گئے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ بھیڑیے حماد کے چھوڑے ہوئے تھے۔''

''مگر حماد کو عالی جاہ کے کتوں پر بھیڑیے چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟'' زمرد خان ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت مستفسر ہوا۔

اس پر رازق نے جواب میں کہا۔

''عالی جاہ کے مطابق حماد کو اس سے شکایت تھی کہ وہ اپنے کتوں کو آوارہ چھوڑ دیتا ہے جو اس کے خرگوشوں اور مرغیوں پر حملہ کر کے انہیں کھا جاتے ہیں۔''

زمرد غور کرنے کے انداز میں بولا۔ ''حیرت ہے مگر حماد خونخوار بھیڑیوں کو کیسے سدھاتا ہوگا؟ کیا اس نے بھیڑیے بھی پال رکھے ہیں؟''

''یہ تو اب وہاں جا کر ہی معلوم کرنا ہوگا۔'' رازق بولا۔ ''لیکن عالی جاہ بھی تجربہ کار بڈھا ہے۔ وہ ماضی میں بابا جانی کے ساتھ کئی شکاری مہمات میں ساتھ رہا ہے۔ وہ جانوروں کی خصلتیں سمجھتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق حماد آوارہ برفانی بھیڑیوں کو ندیدہ بنانے کا فن جانتا ہے۔ وہ کسی طرح خونخوار بھیڑیوں کے اس ٹولے کو ہانکتا ہوا عالی جاہ کی رہائش گاہ سے ملحقہ کتوں کے مختصر باڑے تک پہنچا دیتا ہوگا اور بعد میں وہ موقع تاک کر کتوں پر ہلا بول دیتے ہوں گے۔ عالی جاہ نے خود بھی، بہت سے بھیڑیوں کو حماد کے کاٹیج کے گرد منڈلاتے دیکھا ہے۔ وہ انہیں ''دانہ'' ڈالتا ہے۔'' رازق نے قدرے صراحت سے بیان کیا اور زمرد نے پُرسوچ انداز کی خاموشی اختیار کر لی۔

ذرا ہی دیر بعد رازق کی جیپ آندھی طوفان کی طرح دوڑتی ہوئی حماد کے کاٹیج کے پاس جا کر رکی۔ رازق غصے سے ہونٹ بھینچتا ہوا جیپ سے اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کاٹیج کے دروازے کی طرف بڑھا۔ زمرد خان اس کے پیچھے تھا۔

دروازے کے قریب پہنچتے ہی اس نے ابھی دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک خاموش ٹھٹھکی ہوئی فضا میں خونخوار سی غراہٹوں کی آواز ابھری۔ دونوں دوست بری طرح ٹھٹکے۔ پلٹ کے دیکھا تو انہیں سانپ سونگھ گیا۔ آٹھ دس کے قریب، برفانی بھیڑیے... ان کی جیپ کے دائیں طرف کھڑے، انہیں اپنی چمکتی ہوئی خونخوار آنکھوں سے گھورتے ہوئے غرا رہے تھے، ان کے بھیانک جبڑے ادھ کھلے انداز میں بہت کریہہ منظر پیش کر رہے تھے۔ ان کے نکیلے دانت کسی کو بھی سفاکی سے بھنبھوڑنے کے لیے بے تاب نظر آ رہے تھے۔

اس وقت دن ڈھل چکا تھا اور سرد شام اتر آئی تھی... آسمان شفاف ہونے کے باعث ابھی کچھ روشنی باقی تھی۔

دونوں دوستوں کو یوں لگا جیسے وہ دشمن کے پہلے سے بچھائے ہوئے جال میں آن پھنسے ہوں۔ وہ نہ اپنی جیپ کی طرف قدم بڑھا سکتے تھے، نہ ہی کاٹیج کے اندر داخل ہو سکتے تھے کیونکہ کاٹیج کے دروازے پر پڑا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ شکر تھا کہ ان دونوں کے بغلی ہولسٹروں میں پستول موجود تھے۔ ایک دوسرے کی طرف ''اشارتی'' نظروں کا تبادلہ کرتے ہی دونوں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنے ہولسٹروں سے پستول نکال لیے اور تلے اوپر سامنے موجود بھیڑیوں پر اندھا دھند فائرنگ کر ڈالی۔ دم بہ خود برف زار سناٹے میں گولیوں کے پے در پے دھماکے گونجے تو سارے بھیڑیے دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے... رازق کا ابھی تک غیظ و غضب سے برا حال تھا... اس نے تالے پر اپنے پستول کا رخ کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی نے تالے کے پرخچے اڑا دیے۔ دروازہ دھکیل کر دونوں اندر

داخل ہو گئے۔ کاٹیج اندر سے سنسان پڑا تھا۔ اندر کوئی نہ تھا... کسی مقصد کے تحت یہ دونوں دوست تیزی کے ساتھ کاٹیج کے مختلف حصوں کی تلاشی لینے لگے مگر کوئی قابلِ ذکر شے ہاتھ نہ آسکی۔ پھر یہ دونوں عقبی دروازے سے پچھلی طرف آئے جہاں مختصر سا باڑا بنا ہوا تھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی جانور۔

''کہاں چلا گیا یہ مردود؟'' رازق پستول ہاتھ میں لیے غصے سے دانت پیس کر بڑبڑایا۔

''لگتا ہے بھانڈا پھوٹتے ہی اس نے کاٹیج چھوڑ دیا ہے اور کسی اور جگہ فرار ہو گیا ہے۔'' زمرد نے خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میں تو اس مردود کو پاتال کی گہرائیوں تک سے بھی تلاش کر کے نکال لوں گا۔ کہاں جائے گا بچ کر مجھ سے۔'' رازق کی مارے طیش کے بری حالت ہو رہی تھی۔

پھر دونوں دوست ساری شام حتیٰ کہ رات گئے تک اس کی تلاش میں اردگرد کے برف زار ٹھٹھرتے ویرانوں میں اسے تلاش کرتے رہے مگر انہیں وہ شکاری کہیں نظر نہیں آیا۔

☆☆☆

داراب خان کے سینے میں آج پھر تکلیف دہ درد اٹھا تھا۔ نفیسہ اس کی بیوی جو ہر وقت اس کی تیمارداری میں لگی رہتی تھی، شوہر کی حالتِ زار پر پریشان ہو گئی۔ رازق بھی گھر پر موجود نہ تھا۔ شام بھی ڈھلنے لگی تھی۔ اس نے ثمرینہ کو بتایا تو وہ بھی بھائی کی حالت پر تشویش زدہ ہو گئی۔ پھر اچانک اسے ڈاکٹر شکیل کا خیال آیا، اس نے فوراً سیل فون پر اس سے رابطہ کیا مگر موسم کی خرابی کے باعث سگنلز کام نہیں کر رہے تھے۔ رازق سے بھی بات نہ ہو سکی۔ لہٰذا اس نے یہی فیصلہ کیا کہ... داراب خان کو جیپ میں ڈال کر سیدھا ڈاکٹر شکیل کے پاس ہی اسپتال لے جایا جائے۔ دونوں خواتین نے یہی کیا اور داراب خان کو جیپ میں ڈال کر اسپتال کی طرف روانہ ہو گئیں۔ رات کا وقت تھا۔ پریشانی کا موقع تھا۔ رازق بھی گھر پر موجود نہ تھا نہ ہی اس سے کوئی بات ہو سکی تھی، کوئی ملازم بھی نہ تھا۔ لہٰذا ثمرینہ خود ہی جیپ ڈرائیو کرتی ہوئی اسپتال پہنچی۔ پچھلی سیٹ پر بے ہوش داراب خان کو لٹا رکھا تھا اور نفیسہ اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

ڈاکٹر شکیل کو فوراً بنگلے سے بلایا گیا۔ شاہ نے ہی اسے جگایا تھا۔ ثمرینہ کا سن کر اس نے فوراً بستر چھوڑ دیا تھا پھر اسے داراب خان کی حالت زار کا علم ہوا تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً اسپتال کھلوایا اور داراب کو طبی امداد دینے میں مصروف ہو گیا۔ ایک گھنٹے بعد داراب کی طبیعت سنبھل گئی۔ ڈاکٹر شکیل نے بتایا کہ اسے انجائنا کا درد اٹھا تھا اور اسے شہر لے جا کر کسی ہارٹ اسپیشلسٹ کو دکھانا ضروری تھا۔

ثمرینہ اور نفیسہ نے ڈاکٹر شکیل کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہونے لگیں تو شکیل نے کہا۔

''میں اپنے ملازم کو آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔''

''جی نہیں، آپ کا شکریہ۔'' ثمرینہ نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم چلے جائیں گے، بھائی جان کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ یہی ہمارے لیے بہت ہے۔''

نفیسہ نے بھی ممنون لہجے میں ڈاکٹر شکیل سے کہا۔ ''آپ تو مسیحا بن کر ہمارے قصبے میں آئے ہیں ڈاکٹر صاحب! آپ کی وجہ سے بڑی سہولت ہو گئی ہے یہاں کے لوگوں کو۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔''

ڈاکٹر شکیل مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے بعد دونوں خواتین داراب کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ثمرینہ ہی جیپ ڈرائیو کر رہی تھی۔ برف باری رات سے ہی شروع ہو چکی تھی، سخت سردی پڑ رہی تھی، جیپ کے اندر ہیٹر آن تھا مگر جیپ چلانا ایک دشوار گزار عمل ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ برف باری کے باعث راستے بھی خراب ہو چکے تھے اور سلائڈنگ کا خطرہ بڑھنے لگا تھا۔ تاہم ثمرینہ واس خراب موسم میں بھی جیپ چلانے کا خاصا تجربہ تھا۔

ابھی وہ اسپتال سے تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ اچانک جیپ کا غراتا ہوا انجن گھڑ گھڑا کر خاموش ہو گیا۔ ثمرینہ نے دو تین بار جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش چاہی مگر جیپ دوبارہ اسٹارٹ نہ ہوئی۔

''کیا ہوا ثمرینہ؟'' جیپ کیوں روک دی تم نے؟'' عقبی سیٹ پر شوہر کے ساتھ بیٹھی نفیسہ نے فکرمندی سے پوچھا۔ ''داراب خان سویا ہوا ہے۔''

ثمرینہ نے کہا۔ ''بھابی! کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ میں اتر کر دیکھتی ہوں۔'' کہتے ہوئے ثمرینہ نے گلوو کمپارٹمنٹ میں رکھی ٹارچ اٹھائی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

برف باری کے ساتھ تیز کاٹ دار ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔ جن کا شور چیختی چلاتی آسیبی روحوں جیسا محسوس ہوتا تھا۔ ہر سو گہری تاریکی کا راج تھا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس میں البتہ ذرا دور تک کا منظر روشن تھا اور سفید برف نظر آتی تھی...

ثمرینہ نے موسم کی مناسبت سے گرم کوٹ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔ دستانے، پہنے ہوئے تھے جو خاصے گرم تھے۔ پیروں میں لانگ بوٹ تھے مگر برف میں اترتے ہی اس کے پاؤں اندر تک دھنس گئے۔ وہ بمشکل جیپ کا سہارا لیتی ہوئی بونٹ تک آئی اور اسے اٹھا کر خرابی ڈھونڈنے لگی۔ دیکھا تو معلوم ہوا بیٹری کی تاریں شارٹ ہو گئی تھیں اور اسپارکنگ کے باعث جل بھی گئی تھیں۔ وہ بونٹ پر جھک کر تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی کہ دفعتاً اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ کسی متوقع خدشے کے زیر اثر ایک دم پلٹی ہی تھی کہ دو آہنی ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس نے چیخنے کی کوشش چاہی مگر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا گیا... پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

جیپ کے اندر پریشان سی بیٹھی نفیسہ ونڈ اسکرین کے پار ثمرینہ کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بونٹ اٹھا ہوا ہونے کے باعث وہ یہ نہ دیکھ پائی تھی کہ ثمرینہ پر کیا بیتی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک انسانی ہیولے کو دیکھ کر بری طرح چونکی، وہ ایک طرف سے اچانک ہی نمودار ہوا تھا... اس نے لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ ہاتھوں میں دستانے، چہرہ کوٹ کے ٹوپ میں دانستہ چھپا رکھا تھا۔ نفیسہ خوف زدہ سی ہو گئی۔ ہیولے نے جیپ کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ نفیسہ نے چیخ ماری مگر انسانی ہیولے کے ایک گھونسے نے اسے سیٹ سے نیچے لڑھکا دیا۔ چیخ کی آواز پر لیٹے ہوئے داراب خان نے اٹھنے کی کوشش چاہی مگر اس پر شدید غنودگی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ حرکت کرنے سے قاصر ہی رہا۔ وہ پراسرار انسانی ہیولا بڑے آرام سے باری باری جیپ کے چاروں دروازے کھول رہا تھا۔ سرد برفیلی ہوائیں شور مچاتی ہوئی جیپ کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ شخص یہ کام نمٹانے کے بعد ایک جانب تاریکی میں غائب ہو گیا۔ نجانے ایسا کرنے کا کیا مقصد تھا اس کا۔ جیپ کے اندر سرد ہوائیں داخل ہو رہی تھیں۔ داراب خان نیم بے ہوشی کے عالم میں سیٹ پر پڑا تھا۔ جبکہ نفیسہ سیٹ سے نیچے بے سدھ لڑھکی ہوئی تھی۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا... پھر شاید سرد ہواؤں کے باعث اسے جلد ہی ہوش بھی آ گیا۔ وہ تڑپ کر اٹھی تھی کہ دفعتاً دہشت کے مارے، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جیپ کے کھلے دروازوں کے باہر محض چند فٹ کے فاصلے پر خونخوار برفانی بھیڑیے غراتے ہوئے دکھائی دیے۔ بے رحم موت کو سامنے دیکھ کر نفیسہ پر جیسے موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے بھیڑیوں کے غول نے .... غراتے ہوئے جیپ کے کھلے دروازوں پر چھلانگیں لگا دیں۔ وہ دو انسانی وجود کی ضیافت اڑانے میں مصروف ہو گئے۔ جیپ کے اندر گوشت چبانے کی مکروہ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ان میں غراہٹوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

☆☆☆

ثمرینہ کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک اجنبی جگہ پر پایا۔ جگہ کیا تھی، لکڑی کے بدنما تختوں کی مختصر اور تنگ سی چار دیواری تھی جس پر بیک وقت قبر خانے اور کمرے کا تصور ابھرتا ہے۔ قریبی کونے پر گیس کا ایک ہنڈولا تھا۔ شاید اس کی بھی گیس آخری دموں پر تھی کہ روشنی ماند ہونے لگی تھی۔ مگر کالی بھٹ تاریکی میں یہ بھی امید کے دیے کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ ثمرینہ پر موٹا کمبل پڑا ہوا تھا اور چارپائی پر دراز تھی۔ وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے چکر سا آیا مگر وہ بیٹھی رہی، کھڑی ہو جاتی تو یقیناً چکر آنے کے باعث گر سکتی تھی۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگا اور اسے وہ سب یاد آ گیا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔ اسے اب اپنے علاوہ... بھائی داراب اور بھابی نفیسہ کی فکر ستانے لگی۔ حواس بحال ہونے میں چند سیکنڈ کا وقفہ آیا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی چیخنا چلّانا بھی شروع کر دیا۔

”دروازہ کھولو... کس نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے... کون ہو تم...؟ میں کہتی ہوں کھولو... دروازہ...“ اس پر ہذیانی دورہ پڑنے لگا۔ مگر دوسری طرف... خاموشی چھائی رہی... البتہ برفانی ہواؤں کی شائیں... شائیں... بدستور سنائی دے رہی تھی۔

وہ غصے اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے دوچار تھی... اسے اپنے بیمار بھائی اور بھابی کی بھی فکر ستانے لگی۔ جانے وہ کہاں اور کس حال میں تھے؟ وہ اس اجنبی کے بارے میں بھی سوچنے لگی جو اسے اس طرح بے ہوشی کی دوا سنگھا کر یہاں اٹھا لایا تھا۔ آخر وہ کون تھا؟ پھر اچانک ایک خیال آتے ہی وہ لرز اٹھی، کہیں یہ وہی تو نہ تھا ان کا گمنام دشمن...؟ جو فون پر اس کے بھائی رازق کو دھمکا رہا تھا۔ اگر وہ دشمن تھا تو پھر اب تک اسے زندہ کیوں چھوڑا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے یہاں قید کر کے اس کے بھائی رازق خان کو جھکانا چاہتا ہو؟ یہ سوچتے ہی اس کے چہرے پر نفرت

کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ''اونہہ... بزدل کہیں کا... بہادر ہے تو کھل کر ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔'' دفعتاً اسے ایک بار پھر اپنے بھائی اور بھابی کا خیال آیا۔ ایک اندیشناک متوقع وسوسے نے اسے ہولا کر رکھ دیا۔

''کک... کہیں اس ظالم نے ان دونوں کے ساتھ... بھابی شاہانہ والا حشر تو نہیں کر ڈالا۔'' اس روح فرسا خیال نے ثمرینہ کو سر سے پاؤں تک لرزہ کر رکھ دیا۔

اچانک دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری۔ وہ بری طرح ٹھٹکی۔ اسی لمحے دروازہ کھلا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس اجنبی کو دیکھنے لگی جو بلاشبہ حماد تھا۔

☆☆☆

اردگرد کی خاک چھاننے کے بعد رازق خان اور زمرد خان اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچے۔ اس وقت رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ انہوں نے حماد کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ انہیں کہیں نہیں نظر آیا تھا۔ یوں بھی برف باری اور خراب موسم کے باعث وہ حماد کی تلاش کا کام ادھورا چھوڑ کر... واپس لوٹ آئے تھے اور باقی کا کام ان لوگوں نے کل تک کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

مگر گھر پہنچتے ہی... رازق خان کو ایک چونکا دینے والی خبر ملی۔ اس کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور نفیسہ اور ثمرینہ اسے جیپ میں بٹھا کر ڈاکٹر شکیل خان کے... اسپتال لے گئی تھیں۔ یہ سنتے ہی رازق خان پھر چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ اسی وقت زمرد خان کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوا اور اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

برف باری اب رک چکی تھی مگر اس کے بعد سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رازق خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ زمرد اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ رازق نے جیپ چلانے کے دوران میں سب سے پہلے اپنی... بھابی نفیسہ کے سیل فون پر رابطہ کیا۔ پہلے تو رابطے میں دشواری ہوتی رہی اس کے بعد رابطہ ہوا تو محض بیل کی آواز آتی رہی جس کا مطلب تھا کہ دوسری جانب سے کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اسے تشویش ہونے لگی۔ پھر اس نے اپنی بہن ثمرینہ سے رابطہ کرنے کا سوچا۔ ابھی وہ اس کا نمبر ملا ہی رہا تھا کہ ایک کال آگئی۔ جو پہلے اسے ریسیو کرنا پڑی۔ ''ہیلو۔''

''ہاں... رازق خان! خونی قاتل... ایک اور تحفہ اپنے کاندھوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

دوسری جانب سے اسی اجنبی کی آواز ابھری جو پہلے بھی اسے فون پر دھمکیاں دے چکا تھا۔ اس کی بات سن کر رازق کی حالت مارے غیظ و غضب کے دیدنی ہونے لگی... مگر اسے تشویش بھی ہوئی۔

''کیا بکواس کر رہے ہو۔ خونی قاتل تم ہو۔ میری معصوم بیوی شاہانہ کے... ہم تمہیں پہچان چکے ہیں۔ ذلیل انسان... تم حماد ہو... اب بھاگ کہاں گئے ہو... تم...''

''ہا... ہا... ہا...'' دوسری جانب سے اس کے جنونی انداز میں قہقہے کی آواز ابھری۔ ''تم کیا... تمہارے فرشتے بھی مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے... سنو میری بات... تمہیں پھر موقع دے رہا ہوں... قانون کے سامنے اپنا اقبالِ جرم کر لو... ورنہ... تمہارے بھائی داراب اور بھابی کے بعد تمہاری بہن ثمرینہ کی باری ہوگی۔''

''کک... کیا مطلب... تت... تم... تم... مم... میرے بھائی اور بھابی کے ساتھ کیا کر ڈالا ہے ذلیل انسان۔''

رازق حلق کے بل چیخا۔ اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ ہیلو... ہیلو کہتا رہ گیا... مگر دوسری جانب سے نہ صرف رابطہ منقطع ہو چکا تھا بلکہ سم بھی شاید بدلی جا چکی تھی، کیونکہ دوبارہ اس نمبر پر رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ سم بدل چکا تھا جو یقیناً گمنام بھی ہو سکتی تھی۔

''کیا ہوا، کون تھا...؟ وہی ہمارا دشمن؟'' زمرد نے پوچھا۔ سمجھ تو وہ گیا تھا مگر جاننا چاہتا تھا کہ اس نے رازق سے کہا کیا تھا؟

''بھائی داراب اور بھابی نفیسہ کے لیے دعا کرو زمرد خان۔'' رازق کی آواز غم و غصے کے باعث کانپ رہی تھی اور آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ زمرد کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ اسپتال کی طرف جاتے ہوئے راستے میں انہیں وہ جیپ نظر آگئی جس کے اندر بھیڑیوں کی کھائی ہوئی داراب خان اور اس کی بیوی نفیسہ کی ادھڑی ہوئی لاشیں موجود تھیں... جسے دیکھ کر رازق کو سکتہ ہو گیا جبکہ زمرد کو ابکائی آگئی۔ ثمرینہ غائب تھی۔

رازق غم و غصے سے پاگل ہو گیا۔ ''میں اس کتے حماد کو زندہ نہیں چھوڑوں گا... اور جب تک اسے ڈھونڈ نہ نکالوں چین سے نہیں بیٹھوں گا زمرد خان۔'' وہ جنونیوں کی طرح چیخنے لگا... یہاں تک کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔ ''وہ ذلیل آدمی میری بہن ثمرینہ کو بھی اٹھا لے گیا ہے۔'' شدید غم، جوشِ غیظ کے باعث اس کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ وہ برف پر کھڑا تھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

"خود کو سنبھالو رازق خان۔" زمرد نے یہ کہتے ہوئے اسے سنبھالا دیا۔ رازق کے اندر یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ بہت جلد خود کو سنبھال لیا کرتا تھا اس وقت بھی زمرد کے سہارا دینے پر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ دونوں دوست دوبارہ جیپ میں سوار ہوئے اور ثمرینہ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔

راستے میں ہی رازق خان کو ثمرینہ کا فون موصول ہوا۔

"تت... تم... میری بہن! کہاں ہو تم؟" رازق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اپنے کان سے سیل فون لگا رکھا تھا اور وہ ہاتھ اس کا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس بار جیپ وہ نہیں بلکہ زمرد خان چلا رہا تھا۔ وہ بھی چونک گیا۔ تاہم اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ رازق اس کے ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھا۔ دوسری جانب سے ثمرینہ کی روتی بلکتی آواز آئی۔

"بھائی! تم کہاں ہو؟ جلدی گھر آجاؤ..." اس کی آواز شدتِ غم سے لبریز بری طرح کپکپا رہی تھی بلکہ اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بات بھی بڑی مشکل سے کر رہی تھی۔

"میری بہن! میں تمہیں ہی تو ڈھونڈ رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟" رازق نے غم سے چور لہجے میں کہا۔

"میں گھر پر ہوں... بس تم جلدی آجاؤ... پلیز۔" دوسری جانب سے ثمرینہ کی روتی بلکتی بلکہ آخر میں ڈوبتی ہوئی آواز ابھری اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ رازق حیرت زدہ رہ گیا۔ فوراً زمرد سے بولا۔

"زمرد خان! فوراً گھر چلو... ثمرینہ گھر پر موجود ہے۔"

"کیا...؟ ثمرینہ گھر پر ہے۔" زمرد بھی چونکے بنا نہ رہ سکا۔ بہرحال وہ آندھی طوفان کی طرح گھر پہنچے۔ رازق تو جیپ سے اترتے ہی اپنے گھر کے دروازے کی طرف گرتا پڑتا لپکا۔ ایک ادھیڑ عمر ملازم نے دروازہ کھولا اور بتایا کہ ثمرینہ اور ایک اجنبی آدمی اندر موجود ہیں۔

رازق نے فوراً پستول ہاتھ میں لے لیا اور زمرد نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں کمرے میں پہنچے اور بری طرح ٹھٹک کر رہ گئے۔

سامنے صوفے پر ثمرینہ سکڑی سمٹی بیٹھی رو رہی تھی، وہ بھائی کو دیکھ کر فوراً اس کی طرف لپکی اور اس سے لپٹ کر رو پڑی۔ مگر رازق کی یک ٹک نظریں... ایک دوسرے صوفے پر براجمان حماد پر جم کر رہ گئیں۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ رازق نے ایک ہاتھ سے اپنی روتی ہوئی بہن کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں تھامے اپنے پستول کا رخ حماد کی طرف کر دیا اور انگلی ٹریگر پر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے پرغیظ لہجے میں غراتے ہوئے حماد سے کہا۔

"کمینے، ذلیل انسان! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حماد پریشان ہو گیا مگر زمرد نے فوراً رازق کا پستول والا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہر جاؤ رازق! تم پاگل ہو گئے ہو۔ دشمن کبھی اس طرح خود چل کر نہیں آتا۔" زمرد نے اسے سمجھایا تو ثمرینہ کو فوراً احساس ہوا کہ اس کا بھائی کسی غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس نے فوراً چلا کر بھائی سے کہا۔

"انہیں کچھ مت کہو بھائی! انہوں نے ہی میری جان بچائی ہے اور مجھے بحفاظت یہاں تک لائے ہیں اور قاتل یہ نہیں بلکہ... بلکہ ڈاکٹر شکیل ہے۔" اس انکشاف پر رازق کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ تب زمرد ہی بڑبڑایا۔

"مجھے پہلے ہی اس ڈاکٹر پر شبہ تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حماد نے انہیں بتایا کہ وہ ایک قریبی شکاری ہٹ میں موجود تھا جب اس نے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھیں... "میں چونک کر ہٹ سے باہر نکلا۔ گاڑی میرے ہٹ کے قریب سے گزری تو میں قدرے چونکا کیونکہ وہ ہاسپٹل کی ایمبولینس تھی اس کے اندر میں نے ڈاکٹر شکیل کو بیٹھے دیکھا۔ گاڑی وہ خود ہی چلا رہا تھا۔ اگر وہ گاڑی یعنی ایمبولینس ہائی روف میں اکیلا نہیں ہوتا تو... اتنی حیرت اور اچنبھے کی بات میرے لیے نہیں ہوتی... کیونکہ وہ بہرحال ایک ڈاکٹر تھا... اور کسی بھی وقت کسی کے ساتھ ایمرجنسی میں مریض دیکھنے جا سکتا تھا مگر میرے چونکنے کی وجہ کچھ اور بھی... وہ یہ کہ... اگر ڈاکٹر شکیل... ایمرجنسی میں کسی مریض کو دیکھنے جا ہی رہا تھا تو تنہا کیوں تھا۔ پھر بھی میں نے اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ مگر میں غور کرنے کے انداز میں ہٹ سے باہر کھڑا اس کی ہائی روف ایمبولینس کو جاتے دیکھتا رہا تو ایکدم ٹھٹک گیا۔ رات کی تاریکی میں مجھے ایمبولینس کی عقبی سرخ بتیاں دور سے بھی نظر آ رہی تھیں۔ مگر میرے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رک گئی تھی۔ میں محض تجسس کی خاطر... ٹارچ سنبھالے... برف میں بمشکل آگے بڑھتا رہا... یہاں تک کہ چھپتا چھپاتا ہوا قریب جا پہنچا تو ایک اور عجیب منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہاں میں نے ایک اور پرانے ماڈل کی جیپ کو برف میں پھنسے ہوئے دیکھا۔ مگر ایمبولینس سے اس کا فاصلہ

خاصا دور تھا، جبکہ ڈاکٹر شکیل خان نے اپنی ایمبولینس کی ہیڈ لائٹس بھی بجھا دیں۔ پھر میں نے اسے ایمبولینس سے اتر کر جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہاں ٹنڈ منڈ اور کچھ برف سے ڈھکے چھتنار درختوں کی بہتات تھی۔ وہ ان کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن... اس بات سے بے خبر تھا کہ میں بھی اس کے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔

''وہ برف میں پھنسی ہوئی جیپ کی جانب بڑھ رہا تھا مگر اس کا انداز چوروں کا سا تھا۔ میں تجسس کے ہاتھوں مجبور اس کے تعاقب میں برف سے ڈھکے درختوں کی آڑ لیتا ہوا جب قدرے قریب پہنچا تو بری طرح ٹھٹکا۔ ایک لڑکی کو میں نے ٹارچ ہاتھ میں سنبھالے، جیپ کے بونٹ پر جھکے پایا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں بری طرح ٹھٹکا۔ ڈاکٹر شکیل نے، جو... ٹارچ بجھا کے اپنی جیب میں پھنسا چکا تھا اب اس کے ہاتھ میں ایک سفید رنگ کا رومال نظر آرہا تھا۔ وہ اس نے لڑکی کے عقب میں دبے پاؤں پہنچ کر اس کی ناک پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے... بے ہوش لڑکی کو برف پر لٹا کر... جیپ میں سوار ایک دہشت زدہ سی عورت کو زدوکوب کیا، اس کے بعد جیپ کے چاروں دروازے کھول دیے۔ مجھے اس کی یہ حرکت سمجھ میں نہ آسکی، میں بری طرح الجھ گیا مگر اگلے ہی لمحے میں نے... ڈاکٹر شکیل کو بے ہوش پڑی ثمرینہ کو اپنے کاندھوں پر ڈالتے دیکھا، اب میرا بھی ماتھا ٹھنکا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ معاملہ خطرناک ہے۔ شاید ڈاکٹر شکیل کسی انتقامی جذبے کے تحت اس وقت مغلوب الغضب ہو رہا تھا... یا پھر اس کا مقصد لڑکی یعنی ثمرینہ کو اغوا کرنا تھا۔ بہر حال میں اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے ایمبولینس کے پچھلے حصے میں بے ہوش ثمرینہ کو ڈالا۔ اس کے بعد اس نے ایک عجیب حرکت کی، اس نے اپنی جیب سے ایک ''نفیری'' نکالی جسے اپنے منہ میں دبا کر وہ اسے مخصوص آواز میں بجانے لگا۔ اس کی اس حرکت پر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کیونکہ میں نے بھی اپنی ایک عمر شکار کرتے گزاری ہے۔ اس طرح کی نفیری عموماً شکاری لوگ اس وقت بجاتے ہیں جب وہ سفید لومڑیوں یا برفانی بھیڑیوں کا شکار کرتے ہیں... نفیری کی آواز کے تھوڑی دیر بعد ہی کہیں سے بھیڑیوں کے چلّانے کی آواز ابھری۔ اب تک مجھے اس خبیث ڈاکٹر کی اس حرکت کا مطلب سمجھ نہ آسکا۔ میرے سر پر تو بس یہی دھن سوار تھی کہ... میں کسی طرح ایک بے گناہ لڑکی (ثمرینہ) کو اس انسان نما شیطان کے پنجے سے چھڑا لوں۔ لہٰذا وہ جیسے ہی ایمبولینس میں سوار ہو کے روانہ ہونے لگا۔ میں کسی طرح چھلانگ مار کر ایمبولینس کے عقبی حصے کے دروازے کے ساتھ اس کے بمپر پر پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا مگر ذرا دور جانے کے بعد اسے مجھ پر شبہ ہو گیا۔ اس نے ایمبولینس ایک جھٹکے سے روک دی۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر ایک پستول ہاتھ میں پکڑے نیچے اترا۔ مگر تب تک میں بھی ہوشیار ہو گیا تھا۔ میں نے اسے چھاپ لیا۔ اس پر قابو پانے کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ یہ سب رازق سے انتقام لینے کی خاطر کر رہا ہے کیونکہ رازق خان... دو معصوم انسانوں کا قاتل ہے۔'' حماد اتنا بتا کر تھوڑی دیر کے لیے رکا تو رازق خان بے چین سا نظر آنے لگا۔ اپنی بہن ثمرینہ کی موجودگی میں اپنے ماضی کے ایک خونی باب کے کھلنے بالفاظ دیگر... انشائے راز ہونے پر وہ بے چین سا دکھائی دینے لگا... مگر اسے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ یعنی حماد اب تک ثمرینہ کو بھی اس راز سے آگاہ کر چکا ہوگا جو حماد کو ڈاکٹر شکیل نے ہی جوشِ انتقام میں بتایا تھا۔ مگر رازق خان یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر شکیل کا شہزاد اور نزہت سے کیا تعلق تھا؟ اس لیے خاموش رہا۔ حماد نے اپنی سنسنی خیز داستان کا آخری حصہ سناتے ہوئے مزید کہا۔

''ڈاکٹر شکیل نے مجھے آگے بتایا کہ... ''نزہت نامی ایک خوب صورت لڑکی اس کے محلے میں رہتی تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا... بہت جنونی محبت... مگر حقیقت یہ تھی کہ نزہت کو شکیل ناپسند تھا کیونکہ وہ اپنے ایک یونیورسٹی فیلو شہزاد کو پسند کرتی تھی اور وہ اس سے ہی شادی کرنا چاہتی تھی مگر شہزاد کے والدین بہت غریب تھے جبکہ نزہت کے ماں باپ لالچی تھے۔ وہ اپنی خوب صورت جوان بیٹی کو شادی کے نام پر ''کیش'' کرانا چاہتے تھے اور کسی دولت مند آدمی سے اس کی شادی کروانا چاہتے تھے، کیونکہ ان کے سر پر صرف ایک جوان بیٹی کا ہی بوجھ نہ تھا بلکہ نزہت کے دو نو عمر چھوٹے بہن بھائی بھی تھے، نزہت کا باپ بیمار رہتا تھا، وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا تھا۔ جبکہ شہزاد غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ انہوں نے شہزاد کا رشتہ ٹھکرا دیا۔ اس دوران رازق خان... یعنی تمہاری نگاہ نزہت پر پڑی اور تم اس پر فریفتہ ہو گئے۔'' رازق خان بھی ان دنوں شہر میں ہی اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا مگر نزہت نے رازق خان کو گھاس نہ ڈالی پر نجانے کس طرح رازق خان نے نزہت کے ماں باپ تک رسائی حاصل کر لی.... ان سے مل کر اسے اندازہ ہو گیا کہ نزہت کے ماں باپ لالچی انسان تھے۔ انہوں نے فوراً اپنی بیٹی نزہت کا رشتہ رازق خان کے لیے قبول کر لیا۔

نزہت نے بھی مجبور ہو کر اس رشتے کے آگے سر جھکا لیا۔
رازق خان نے باقاعدہ منگنی کر لی نزہت کے ساتھ مگر نزہت شہزاد کا پیار نہیں بھولی تھی۔ وہ دونوں پھر بھی آپس میں چوری چھپے ملتے اور اپنی تقدیر پر آنسو بہاتے۔ بالآخر نزہت کی رازق خان سے شادی ہو گئی۔ رازق خان نے یہ شادی اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کی تھی اس لیے سردست، وہ اس شادی کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی نو بیاہتا بیوی نزہت کو شہر ہی میں رکھا۔ ان دنوں شہزاد اور نزہت پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے ملتے رہے۔ کسی طرح رازق خان کی نظر اس وقت ان دونوں پر پڑی تو اس نے جوشِ غیرت میں آ کر دونوں کو گولی مار دی۔ ڈاکٹر شکیل نے یہ سب روتے ہوئے بتایا تھا کہ...

"جب میں نے نزہت کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی اور یہ جاننے کے بعد کہ... نزہت کسی اور کو چاہتی ہے، اس کے راستے سے ہٹ گیا تو یہ رازق خان کون ہوتا تھا ان کی محبت کے بیچ میں آنے والا؟" اس نے محض دولت کے زور پر نزہت سے نہیں ایک زندہ لاش سے شادی کی تھی، شکیل تو رازق خان کا اس دن سے دشمن بن گیا تھا مگر پھر جب اسے یہ پتا چلا کہ رازق خان نے غیرت کی آڑ میں شہزاد اور نزہت دونوں کو اپنے پستول کی گولیوں سے چھلنی کر دیا ہے تو اس نے نزہت کا انتقام لینے کی قسم کھالی... پھر یہاں کوٹلی پور کا رخ کیا... ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے۔ وہ اب رازق خان سے بھرپور انتقام لینا چاہتا تھا۔

"مجھے ان ساری باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔" آخر میں حماد نے کہا۔ "میں اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس سے ہمدردی کروں گا۔ میرے عزائم جاننے کے بعد اس نے موقع پا کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے اپنا بچاؤ کیا۔ اس دوران میں بے ہوش ثمرینہ کو ایمبولینس سے اتار چکا تھا۔ وہ مجھے جل دے کر ایمبولینس سمیت فرار ہو گیا۔" حماد اتنا بتا کر خاموش ہو گیا۔

رازق خان نے سوال کیا۔ "مگر تم نے اپنا کاٹیج کیوں چھوڑ دیا تھا۔ ہم وہاں گئے تھے، وہاں تالا پڑا تھا۔ پہلے ہمیں تم پر شبہ ہوا تھا۔" اس کی بات پر حماد بڑے اطمینان سے مسکرا کر جواباً بولا۔

"ہاں وہ کاٹیج میں نے تمہارے ہی ڈر سے چھوڑا تھا۔ ایک جرم مجھ سے ہوا تھا۔ میرے کاٹیج سے ذرا فاصلے پر ایک بوڑھے آدمی عالی جاہ کا بھی لکڑی کا چھوٹا سا ٹھکانا بنا ہوا تھا۔ وہ تمہارا پرانا قابلِ اعتماد اور قابلِ احترام ملازم عالی جاہ تھا۔ اس نے بہت سے کتے پال رکھے تھے جو اکثر میرے خرگوشوں اور مرغیوں کو آ کر مار ڈالتے تھے۔ میں نے جب اس کی شکایت تمہارے ملازم عالی جاہ سے کی تو اس نے بڑی نخوت سے یہ کہہ کر میری جائز شکایت کو جھٹلا دیا کہ یہ کام اس کے کتوں کا نہیں بلکہ برفانی بھیڑیوں کا ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے بڑے گھمنڈ کے ساتھ اپنا تعارف بھی کروا دیا کہ وہ یہاں کوٹلی پور کے نمبردار رازق خان کا خاص ملازم بھی ہے۔ تمہارے نام سے میں واقعی مرعوب بھی ہوا، میں نے سوچا کہ شکایت لے کر تمہارے پاس بھی آؤں مگر یہ شاید میری غلطی تھی، میں نہیں آیا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب ایک نوکر اتنا سر چڑھا ہے تو پتا نہیں تم میری شکایت کا کیا مطلب لو' تب میں نے اپنی شکایت کا ازالہ... خود ہی کرنے کا فیصلہ کیا پھر جس وقت عالی جاہ کے پالتو آوارہ کتوں نے میرے باڑے کا رخ کیا تو... اس وقت تک میں نے چند برفانی بھیڑیوں کو پکڑ کر کسی طرح وہیں ایک بڑے سے پنجرے میں قید کر دیا۔ جیسے ہی عالی جاہ کے کتوں نے وہاں موجود خرگوشوں وغیرہ پر ہلا بولا تو میں نے دور بیٹھ کر ایک رسی کی مدد سے خونخوار بھیڑیوں کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ بھیڑیوں کو دیکھ کر کتے دم دبا کر بھاگے مگر بھیڑیے اپنا کام کر چکے تھے۔ عالی جاہ کو شبہ ہوا مجھ پر، اس نے مجھے تمہارے حوالے سے دھمکیاں بھی دیں۔ لہٰذا میں نے وہ کاٹیج ہی چھوڑ دیا اور اسپتال سے قدرے قریب واقع ایک ٹوٹے پھوٹے چھوٹے سے عارضی شکاری کاٹیج کو اپنا ٹھکانا بنا لیا۔"

"مگر تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا تھا؟" اس بار زمرد نے سوال کیا؟"

"میں چھوٹے موٹے جانور پکڑ کر سرکس کمپنیوں کو فروخت کرتا ہوں۔ یہ میرا شوق ہے۔"

"یہ سچ کہہ رہا ہے، رازق خان۔" زمرد خان نے فوراً اپنے دوست سے کہا۔ "ویسے بھی اگر یہ دشمن ہوتا تو ثمرینہ کو یہاں لے کر ہرگز نہ آتا۔ اب جلدی چلو، کہیں ڈاکٹر شکیل بھاگ کر اس علاقے سے دور نہ نکل جائے۔"

اس سے پہلے کہ کوئی حرکت میں آتا، اچانک دھڑ سے دروازہ کھلا۔ سب لوگ بری طرح ٹھٹکے۔ دروازے پر رازق خان کا ایک مسلح محافظ اور دوسرا اسپتال کا ملازم شاہ کھڑے تھے مگر سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ انہوں نے ایک زخمی شخص کو بھی تھام رکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر شکیل خان تھا...... محافظ نے ایک ہاتھ سے اپنی رائفل تھام رکھی تھی جبکہ شاہ نے پستول، مگر دونوں نے اپنے

ہتھیاروں کا رخ... سامنے کھڑے حماد کی طرف کر رکھا تھا اور غصیلی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔ ڈاکٹر شکیل نے حماد کو گھورتے ہوئے، حیران پریشان کھڑے رازق خان سے کہا۔

''رازق خان! ہم نے اس مکار اور فریبی کی ساری کہانی دروازے کے پیچھے سے سن لی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مکار، چالاک اور سفاک شخص کی کہانی کا ایک ایک لفظ سچ پر مبنی ہے۔ مگر یہ ادھورا سچ ہے۔ باقی سچ میں بتاؤں گا۔''

رازق خان، ڈاکٹر شکیل کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہونے لگا مگر سمجھ دار زمرد خان نے ایک بار پھر اسے روک دیا اور ڈاکٹر شکیل سے کہا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو، کھل کر کہو۔''

ڈاکٹر شکیل اپنے ملازم شاہ... کے سہارے اندر آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا، وہ خاصا زخمی نظر آ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ایک بازو پر بینڈیج لپیٹی گئی تھی۔ ثمرینہ اشکبار آنکھوں سے یک ٹک اس کی جانب تکے جا رہی تھی جبکہ حماد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نمودار ہو رہے تھے۔

''رازق خان! ابھی اس نے جو کہانی بیان کی ہے، بلاشبہ یہ وہی کہانی ہے جو یہ مجھے بھی اس وقت سنا چکا ہے جب میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کی.... کوشش کی تھی۔ مگر اس کہانی میں فرق صرف اتنا ہے کہ... اس مکار اور خونی آدمی نے اپنا چہرا چھپانے کے لیے خود کو میری جگہ اور مجھے اپنی جگہ پر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں بھی مر چکا ہوں اور خونخوار بھیڑیوں کی خوراک بن چکا ہوں... مگر اللہ کو ابھی میری زندگی منظور تھی اور اس سفاک شخص کے چہرے کو بے نقاب کرنا تھا۔ بظاہر ثمرینہ کی جان بچا کر یہاں لانے کا ڈراما کرنے کا بھی اس کا یہی مقصد تھا کہ یہ یہاں مزید کچھ دن رہ کر اپنے ادھورے انتقام کو پورا کر سکے۔ کیونکہ اسے اس بات کی تسلی تھی کہ یہ مجھے ہلاک کر چکا ہے جو اس کے مکروہ چہرے سے واقف تھا۔ بہرحال... اصل حقیقت اب میں بتاتا ہوں۔'' ڈاکٹر شکیل تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

''جب ثمرینہ! اپنے بیمار بھائی داراب کو اسپتال لائی تو میں نے تھوڑی دیر بعد داراب کو طبی امداد دے کر ان سب کو رخصت کر دیا۔ یہ وہی وقت تھا جب مجھے ایمرجنسی میں ایک اور مریض کو دیکھنے جانا تھا.... میں اکیلا ہی ایمبولینس میں روانہ ہوا تو راستے میں وہ سب کچھ ہوا جو یہ مکار آدمی الٹ پلٹ کر آپ سب کو بتا چکا ہے مگر اس نے مجھے زخمی کر کے مردہ سمجھ لیا تھا... اسی لیے یہ سب دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' اس وقت حماد چلا کر بولا... ''یہ بہت شاطر آدمی ہے۔ خود کو چھپانے اور بے گناہ ثابت کرنے کی خاطر... دوسری چال، چلنے کی کوشش کر رہا ہے... خبردار، اس کے فریب میں کوئی نہ آئے۔''

سب لوگ بری طرح شش و پنج کا شکار ہونے لگے۔ بڑی عجیب صورتِ حال ہو گئی تھی۔ ثمرینہ کی بھیگی بھیگی سی نگاہیں بار بار ڈاکٹر شکیل کے چہرے، کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر شکیل کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ بولا۔

''اس کا بھی ثبوت ہے میرے پاس... کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ... تم آخر میں .. خود کو بچانے کے لیے یہی مکاری کرو گے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں داراب خان اور اس کی بیوی نفیسہ کو نہ بچا سکا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی یہ کمینہ شخص مجھے زخمی اور مردہ سمجھ کر ایک اندھے گڑھے میں پھینک چکا تھا۔ اس کا خیال تھا میری لاش برف میں دب جائے گی اور لوگ مجھے ہی مجرم سمجھ کر مفرور سمجھیں گے۔ جب اس خبیث نے نفیری بجا کر اپنے اس جھوٹے عارضی کاٹیج میں.... پہلے سے موجود بھیڑیوں کو متوجہ کیا تو میرا ذہن اس وقت ڈوب رہا تھا۔ بہرحال... اب آتا ہوں ثبوت کی طرف۔ نزہت کے والدین اب بھی زندہ ہیں۔ وہی نہیں جس محلے بشیر آباد کا یہ رہائشی ہے وہاں کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں جبکہ اس جھوٹے شخص نے مجھے وہاں کا رہائشی بتایا ہے۔ ابھی چل کر یہ معاملہ صاف ہو سکتا ہے اور اس کے جھوٹ کا پول بھی کھل سکتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے میں تو اجنبی ہی ہوں گا۔ مگر وہ اسے فوراً پہچان جائیں گے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہ ہوگا، اس کے جھوٹ بولنے کا...؟''

بات سمجھ میں آ گئی تھی، حماد بھی سمجھ گیا اب مفر کی راہ نہیں رہی' اس نے فوراً حرکت کی، ابھی اس نے پستول نکالنے کے لیے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ قریب کھڑے زمرد نے اس پر جھپٹا مارا اور اسے نیچے گرا دیا۔

☆☆☆

رازق خان یہ معاملہ پولیس تک لے جانا نہیں چاہتا تھا مگر ثمرینہ کے علاوہ ڈاکٹر شکیل نے بھی اسے سمجھایا کہ... مجرم کو قانون کے حوالے کرنا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ رہی

بات رازق خان کے اپنے جرم کی تو اس سلسلے میں زمرد خان اور ڈاکٹر شکیل نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ ایک اچھا سا وکیل کر کے اسے کم سے کم سزا دلوانے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ حرکت رازق خان سے وقتی اشتعال میں ہوئی تھی، یوں بھی اصول یہی تھا کہ ضمیر کا قیدی بننے سے بہتر یہی ہے کہ رازق خان کو بھی اپنے جرم کی سزا بھگتنا چاہیے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ رازق خان اس خونی واقعے کے بعد سے خود بھی چین سے نہیں رہا تھا۔ بہرحال وہ تیار ہو گیا۔ پولیس نے حماد سے سب اگلوالیا تھا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا کہ... اس نے ایسا انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر کیا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ نزہت، شہزاد سے محبت کرتی ہے تو وہ خاموش ہو گیا مگر نزہت کی محبت اس کے دل سے ختم ہوئی تھی نہ ہی کم ہوئی تھی مگر جب اسے پتا چلا کہ شہزاد کے بجائے کوٹلی پور کے جاگیردار رازق خان سے اس کی شادی ہو گئی ہے تو اسے رنج ہوا، یہ حقیقت تھی کہ حماد، نزہت سے سچی محبت کرتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ جب نزہت کے اسے... ری فیوز کرنے اور یہ پتا چلنے پر کہ وہ شہزاد سے محبت کرتی ہے تو حماد اس کی رضا اور خوشی کی خاطر خود ہی راستے سے ہٹ گیا تھا مگر نزہت کی غیر متوقع طور پر ایک جاگیردار رازق خان سے شادی ہونے پر اسے حیرت بھی ہوئی اور رنج بھی۔ جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ نزہت کے ماں باپ نے دولت کے لالچ میں بیٹی نزہت کا رشتہ رازق خان کو دیا تھا کیونکہ نزہت کی چھوٹی بہن اور بھائی کی کفالت بھی کرنا تھی وہ غریب بھی تھے، باپ تو اکثر بیمار رہتا تھا۔ ان حالات نے نزہت کو بھی مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے بھی اس حکم پر سر جھکا دیا اور اپنے آنسو اور محبت کا خون ہوتے دیکھ کر پی گئی۔ مگر حماد... نزہت کا غم جانتا تھا۔ اسے رازق خان پر سخت طیش آیا تھا حماد پھر چپ نہیں بیٹھا رہا... وہ نزہت کی خبر گیری کرنے لگا جس کا نزہت کو علم بھی نہ تھا۔ نزہت، رازق خان کی شہر والی رہائش گاہ میں ہی رہتی تھی۔ اس دوران میں حماد کو پتا چل گیا کہ شہزاد اب بھی نزہت سے چوری چھپے ملنے جاتا ہے۔ اس پر حماد نے اسے سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ وہ ایسا مت کرے اس طرح نزہت کی زندگی برباد ہونے کا خطرہ ہے اور جان جانے کا بھی مگر وہ نہ مانا۔ نزہت بھی پرانی محبت کو نہیں بھولی تھی۔ آخر وہی ہوا جس کا حماد کو ڈر تھا، رازق خان کو پتا چل گیا اس کی بیوی کے کسی غیر مرد کے ساتھ تعلقات ہیں۔ ایک دن ٹوہ لینے پر رازق خان نے اپنی بیوی نزہت اور شہزاد کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھ کر دونوں کو شوٹ کر دیا اور خود فرار ہو کر ہمیشہ کے لیے کوٹلی پور آ گیا چونکہ اپنی شادی کو اس نے خفیہ رکھا تھا یہاں کسی کو معلوم نہ تھا... پھر یہاں اس نے اپنے ہی خاندان کی لڑکی شاہانہ سے شادی کر لی۔ وہ اس سے بہت خوش تھا اور محبت بھی کرنے لگا تھا۔

حماد نے نزہت کے اس بہیمانہ قتل کو اپنے دل و دماغ پہ طاری کر لیا۔ اور یوں وہ ایک شکاری کا بھیس بھر کے رازق خان سے انتقام لینے کی خاطر کوٹلی پور آ کر رہنے لگا... اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ واقعی سرکس کمپنی کے لیے کام کرتا تھا اور رِنگ ماسٹر کے طور پر جانوروں کو سدھاتا بھی تھا۔ اس نے خونخوار بھیڑیوں کے ذریعے رازق خان سے انتقام لینے کا منصوبہ بنایا تاکہ کوئی اس پر شبہ نہ کر سکے اور یہ ایک محض حادثہ معلوم ہو۔

اس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ رازق خان کی دوسری بیوی شاہانہ کو بھی اپنے منصوبے کے مطابق ہلاک کرنے کے بعد اس کا اگلا نشانہ داراب خان اور اس کی بیوی، اور ثمرینہ تھی۔ اس کے بعد اس کا رازق خان کے سامنے آنے کا ارادہ تھا۔ لہٰذا وہ ان کی ٹوہ اور گھات میں رہنے لگا۔ ایک موقع پر جب ثمرینہ، ڈاکٹر شکیل کے ساتھ زمرد خان کے فارم ہاؤس والے باڑے پر گئی تو حماد نے ہی خاموشی اور رازداری سے بھیڑیوں والے باڑے کا دروازہ کھول دیا تھا تاکہ زمرد خان پر شبہ کیا جائے۔

☆☆☆

رازق نے بھی زمرد اور ڈاکٹر شکیل کے مشورے پر اپنی گرفتاری دے دی تھی۔ اس کا مقدمہ لڑنے کے لیے وکیل کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ اس نے امید دلائی تھی کہ رازق کو رہائی نہیں تو اسے کم سے کم سزا ہی ہوگی۔

رازق نے اپنی بہن ثمرینہ سے بھی معافی مانگی کہ اس نے اپنے اس جرم کو چھپا کر رکھا تھا جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا۔

لیکن اس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ آخر میں اتنا ضرور کہا تھا کہ... اگر نزہت اسے حقیقت بتا دیتی کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے تو وہ بھی حماد کی طرح خاموشی سے اس کے راستے سے ہٹ جاتا۔

آخر میں جب زمرد، شکیل اور ثمرینہ، رازق خان سے جیل میں ملنے گئے تو... رازق نے اپنی بہن ثمرینہ کا ہاتھ ڈاکٹر شکیل کے ہاتھ میں دے دیا۔